اوّل

تذکرہ اولیائے پاکستان

عالم فقری

اولیاء کے مستند حالات و واقعات

اولیائے پاکستان

جلد اوّل

عالم فقری

شبیر برادرز ○ اردو بازار ○ لاہور

نام کتاب : ______ تذکرہ اولیائے پاکستان اوّل

تالیف : ______ علامہ عالم فقری

حرف آغاز : ______ حاجی انور اختر

تعارف کتاب : ______ سید سعید علی شاہ نقشبندی

تقدیم : ______ اسد نظامی

تاریخ طباعت : ______ یکم رمضان المبارک ۱۴۰۷ھ / ۱۹۸۷ء

ناشر : ______ ملک شبیر حسین

کتابت : ______ ندیم اختر کیلانی

مطبع : ______

قیمت : ______ ۱۵۰/- روپے

فہرست

حرفِ آغاز

ساری حمد و ثناء اللہ تعالیٰ کے لیے جو سب سے پہلے ہے تمام دنیا اور زمانہ ختم ہونے کے بعد وہی ذات رہے گی وہ ہر چیز سے اعلیٰ و ارفع ہے وہ ایک ایسا حسن ہے جس کی مثال نہیں اور جب اس نے چاہا کہ اپنے حسن کی جلوہ افروزی کروں تو اس نے اس کائنات کو بنا دیا اور پھر اپنے لطف و کرم سے کائنات کی ہر چیز کو تھوڑا تھوڑا حسن بخش دیا جس سے وہ چیز دلکش اور اچھی نظر آنے لگی پھر اس نے اپنی مخلوق کو کہا کہ اسے تسلیم کرو تو مخلوق سوچنے لگی کہ بے دیکھے خدا کو کیسے مانیں تو پھر اللہ نے کہا کہ کائنات کی ہر چیز میرے وجود کی گواہی دے رہی ہے زمین و آسمان کی پیدائش میرے ہونے کا ثبوت ہے سورج چاند اور ستارے میں نے بنائے ہیں میرے سوا انہیں کوئی بنا نہیں سکتا دن اور رات کا آگے پیچھے آنا میرا تخلیق شدہ ہے سمندر اور اس کے عجائبات میرے ہیں۔ بادلوں کی گرج اور چمک کا آج تک کوئی پتہ نہیں لگا سکا کہ وہ کہاں سے آتی ہے۔ انسان کی پیدائش خود اللہ کے ہونے پر دلالت کرتی ہے یعنی اسی لیے ہر مخلوق کو قوت سے نوازا ہے۔ اپنی حکمت سے احکام جاری کیے اور تمام چیزیں اسی کے حکم کے تابع ہیں پھر اس نے اپنی مخلوق پر دنیا و آخرت میں اپنے انعام فرمائے جس کو چاہا اپنے فضل و کرم سے نوازا اور تمام لوگوں پر اپنا عدل فرمایا اور ان سب پر اپنے انعامات جاری رکھے وہ عزت اور جلال کا مالک ہے جن کو اس نے چن لیا ان پر احسان فرمایا اور انہی پر اس نے اپنے پوشیدہ رازوں کو ظاہر کیا اور انہی سے کلام کیا اور ان منتخب شدہ انسانوں میں سے سب سے اعلیٰ اور ارفع مقام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمایا اور انہیں اپنا آپ دکھایا ان کی نبوت کو آخری نبوت قرار دیا۔ اسی میں بڑائی کا راز مضمر ہے۔ پھر ان کے ذریعے امت کے چند لوگوں کو محبوبیت کا اعزاز بخشا اور یہ وہ لوگ ہیں جن کے ذریعے اپنی طاقت اور قوت کا اظہار بصورت کرامت کرتا ہے۔ اور دنیا میں ان لوگوں کے وجود کو اپنی رحمت اور فضل و کرم کے عطا کرنے کا ذریعہ قرار دیا ان لوگوں کی ہر بات خدا کے ہاں قبول ہے۔ مگر وہ ہر دم رضائے الٰہی کو مدنظر رکھتے ہیں۔ یہ ہیں وہ اللہ کے بندے جن پر اللہ راضی ہے اور وہ اپنے

اللہ پہ راضی ہیں۔

یہ تذکرہ انہی اللہ کے بندوں میں سے چند بندوں کا ہے ان کے حالات کو جان کر انسان اپنی زندگی کی راہ متعین کر سکتا ہے کہ جس طرح شب و روز انہوں نے یادِ الٰہی سے اپنے اللہ کو راضی کیا اور اس نے ان پر ولایت کا انعام کیا ان بزرگانِ دین کے حالات پڑھ کر انسانی دل اثر قبول کرتا ہے دل کی کیفیت بدلتی ہے غافل دل بیدار ہوتا ہے۔ روح اللہ کی طرف مائل ہوتی ہے آخر جو حق کے راستے کا متلاشی ہوتا ہے اسے ان بزرگوں کی زندگیوں سے راہنمائی میسر آتی ہے آخر وہ بھی انہی خطوط پر چل کر اللہ کا بندہ بن جاتا ہے بشرطیکہ کوئی راہ ولایت کا متلاشی تو ہو۔ آخر میں اللہ کے حضور دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ عالم فقری کے خلوص کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے اور انہیں اپنی ظاہری و باطنی رحمتوں سے مالا مال کرے۔ آمین ثم آمین۔

حاجی محمد انور اختر

مورخہ ۱۷-۱۰-۸۷

امیر ادارہ پیغام القرآن لاہور۔

تعارف کتاب

زیر نظر کتاب ارض پاک کے اکابر اور مشہور اولیاء کرام کا تذکرہ ہے اس کتاب میں معروف اولیاء کرام کے حالات واقعات تبلیغی خدمات اور کرامات کو مفصل انداز میں بیان کیا گیا ہے یہ اولیاء اپنے دور میں قرآن وسنت کی اتباع کی جیتی جاگتی تصویر تھے اس ارضِ پاک میں صوفیاء کے چاروں سلسلے کے اولیاء نے تبلیغ کی ہے اس لیے یہاں ہر سلسلے کے بزرگ موجود ہیں اکثر بزرگ اس خطہ پاک میں دوسرے ملکوں سے تشریف لائے اور یہاں تبلیغی خدمات سرانجام دینے کے بعد آسودہ خاک ہو گئے ان بزرگوں کے حالات وآثار مختلف کتب میں بکھرے پڑے تھے میرے محترم دوست علامہ عالم فقری صاحب نے اپنی جدوجہد اور کوشش سے اس کتاب میں یکجا کر دیئے ہیں تاکہ قاری بآسانی بزرگانِ خطہ پاک سے روشناس ہو جائے۔ حالات کو قدرے تفصل سے بیان کیا گیا ہے تاکہ متذکرہ ولی اللہ کی زندگی کا ہر پہلو اجاگر ہو جائے اور اس کتاب کے ہوتے کسی اور کتاب کی تشنگی نہ رہے۔ آخر میں میری دعا ہے اللہ انہیں شادمان وکامران رکھے۔

خاکپائے اولیاء

سید سعید علی شاہ نقشبندی قادری

چاہ میراں لاہور۔

مورخہ۔ ۱۹۸۷ — ۱۰ — ۲۱

تقدیم

(حضرت مولانا رومیؒ)

؎ شکر کن مر شاکراں را بندہ باش ۔۔۔ مردہ شو در پیش ایشاں زندہ باش

اولیائے کاملین کی ابتدا ہی سے یہ خصوصیت رہی ہے کہ یہ گروہ مقدس سراپا متبع شریعت مصطفوی بن کر اپنی زندگی کے تمام گوشوں میں یکسانیت پیدا کرکے رضاء الٰہی کی خاطر کفر و باطل کے خلاف برسر پیکار ہے کیونکہ ان کا مطمح نظر بھی یہی رہا ہے کہ ہر قدم پر اتباعِ شریعت کو ملحوظ خاطر رکھ کر تمام نقوش ہائے زیست کو ابھارا اور گمراہ لوگوں کو دینِ فطرت کی جانب دعوتِ رشد و ہدایت دے کر انہیں قعرِ مذلت سے نکال کر امن و سکون کی زندگی مرحمت کرکے دنیا و آخرت کی سرخروی کی طرف گامزن کرنا ہی رہا ہے یہ وہ طرۂ امتیاز ہے کہ جو تائید ایزدی کے بغیر حاصل ہو نہیں سکتا "وَاللّٰہُ یَخْتَصُّ بِرَحْمَتِہٖ مَنْ یَّشَاءُ"

اور یہ بھی حقیقت ہے کہ ولایت کی اساس توحید و رسالت پر مبنی ہے جو ان دونوں کی شفقت و عنایات کے توسل سے روحانی ارتقا میسر آتی ہے اور یہ روحانیت تقویٰ، طہارت روز و شبانہ مجاہدات خیالات کی پاکیزگی، رجوع الی اللہ جیسے دشوار گذار مراحل کی بدولت شیخ کامل کی نظرِ التفات و عنایات کی مرہونِ منت ہیں اور ولایت کے روحانی مقامات اور ان کے تجسس فکری زاویوں پر مشتمل ہیں اور یہ بات بھی قابلِ غور و فکر ہے کہ اصحاب صفہ کی روحانی دنیا ذکر و عشق مصطفےٰ پر مبنی تھی اور انہی بنیادوں پر اولیائے کاملین نے انہی روحانی زندگیوں سے ابتدا کی جو علم و معرفت کا منبع تھے جن کی تکمیل عبدیت و انسانیت ایک مسلمہ حقیقت ہے جن کے سامنے انسانی عقل و دانش ورطۂ حیرت میں اب تک گم نظر آتی ہے۔

نظریۂ تصوف و معرفت کی گہرائیوں میں ڈوب کر مبتدی سلوک و معرفت کے راستے تلاش کرتا ہے تب وہ کہیں جا کر اپنی منزلِ حقیقت کو حاصل کرتا ہے پھر ان کی کیفیت یہ ہوتی ہے کہ وہ سراپا روحانیت بن کر وہ ماہتاب حقیقت سے آراستہ و پیراستہ ہو کر ہر مردہ دلوں کی کھیتوں پر

ابر باراں کی مانند برستا ہے جس سے مردہ دل کی کھیتیاں آباد ہوتی ہیں اور ان سے روحانی شگوفے نکلتے ہیں جس سے دُنیا اپنا سکون قلب حاصل کرتی ہے ۔

طالب دل شو کہ تا باشی چو گل ۔ تا شوی شاداں و خنداں ہمچو گل

شیخ الاسلام والمسلمین حضرت شیخ فرید الملت والدین مسعود گنج شکر قدس سرہ ان کے حلف الرشید حضرت شیخ بدر الدین سلیمان اور ان کے حضرت بابا تاج الدین سرور اور خلفائے عظام نے علمی اور روحانی مقامات طے کرنے بعد کرۂ ارضی پر فیوض و برکات کو جس قدر فروغ دیا۔ جن کی خدمات اظہر من الشمس ہیں علاوہ ازیں دیگر سلاسل حضرات کی خدمات بھی قابل ذکر ہیں کہ جنہوں نے سلسلۂ چشتیہ نظامیہ صابریہ کی مانند ہر گام گمراہان لوگوں کو دعوتِ اسلام دی جن کی بدولت بالخصوص برصغیر پاک و ہند اسلام فروغ پذیر ہوا اور یہ بھی حقیقت ہے کہ ان حضرات نے علمی اور روحانی اعلیٰ مقامات حاصل کر کے مخلوق خدا کی صدیوں فکری ژولیدگیوں اور باطنی کثافتوں کو دور کر کے نورِ معرفت کو ان کے قلب و دماغ میں پیوستہ کیا جن کی وجہ سے وہ لوگ اصنام و کواکب پرستی اور ہر ذی محیر العقول کو اپنا حقیقی معبود قرار دے چکے تھے انہیں ایسا مقام بخشا کہ جن کی نظیر نہیں ملتی یہ وہ واقعات ہیں جن کے تاریخی اوراق شاہد ہیں ۔

مپرس رہ کہ از سر ہائے رہروان حرم کہ یکے جرع از لبش بچشید

یہ بسطِ عقل و رطۂ حیرت میں ہے کہ واقعی ایسے بزرگ تھے کہ جنہوں نے مادی دنیا کو خیرباد کہہ کر ایک ایسا طریقہ اختیار کیا کہ جو نفس پرستی جاہ و منزلت سے الگ تھا کیا وہ انسان نہ تھے، کیا اُن کے بشری تقاضے معدوم ہو چکے تھے نہیں نہیں ان میں سب کچھ تھے اور مگر اُن سے لا تعلقی اختیار کر کے احوال ظاہری و باطنی کی طرف گامزن ہو گئے جن کے سامنے بشری حجابات اُٹھ گئے وجود اور رُوح کو انہوں نے ایسا مصفّٰی اور مجلّٰی کیا کہ وہ سراپا روحانی بن گئے آج کے زر پرست اور نفس کے خوگر لوگوں کی طرح نہ تھے کہ مدعئ سلوک ہونے کے باوجود اپنا مفہوم زندگی جلب زر قرار دیتے دنیائے دُوں سے محبت استوار کرتے ۔

نفس می خواہد کہ تا ویراں کنند خلق را گمراہ و سرگرداں کنند

کیونکہ نفس پروری خواہشات کی سرگردانی انسانی عظمت و سطوت کو تباہ اور ویران کر دیتی ہے

جن کا نتیجہ کفِ افسوس اور ایمان کی پامالی کے سوا کچھ اور نہیں ہوتا لہٰذا ایسی عارضی دنیا میں رہ کر کوئی انسان بھی حصولِ ایمان و آخرت کی کامیابی کو حاصل نہیں کر سکتا یہی مشن اکابر حضرات کا رہا ہے کہ سب سے پہلے نفس کی مخالفت اور اپنے اعمال و افکار میں للّٰہیت پیدا کرو تب شیخ کامل کے قدموں میں رہ کر روحانی مقامات حاصل کرو کیوں کہ دین اور اہل دنیا سے محبت کبھی بھی کامیابی سے ہمکنار نہیں ہونے دیتی یہی وجہ ہے کہ اولیاء کرام کا قدیم اوّل ان دنیا کے جھمیلوں اور ان کی ژولیدگیوں سے انقطاع کرنا ہے جب تک کہ انسان ان علائق دنیا سے اپنے آپ کو عملی طور پر لاتعلقی اختیار نہیں کرتا تب تک وہ شیطان کے دامِ تزویر میں مبتلا رہتا ہے جو شخص ان میں مبتلا ہے اور دعویٰ مشیخیت کرتا ہے وہ بذاتِ خود فریب میں مبتلا ہے۔ جن کی دنیا اور آخرت تباہ و برباد ہو جاتی ہے جن کی حیثیت ایک سراب کی مانند ہے جو صاحب کے لیے دعوت غور و فکر اور سامان عبرت کا موجب بنتی ہے مگر ہمارے اسلاف کی تعلیم و تلقین تو یہ ہے کہ اس عارضی دنیا میں رہ کر دنیا سے دور رہو اپنی خواہشات کی تکمیل کی طرف توجہ کرنے کی بجائے راہِ حق کو اختیار کر تاکہ آخرت میں رسوائی نہ ہو ؎

تا نہ سوزی در تنورے چوں خلیل　　　کے بیابی نصرتِ ربِّ جلیل

چنانچہ انہی بنیادوں پر اولیاء اللہ نے علم و روحانیت کی تکمیل کے بعد علم اسلام کو بلند کیا لوگوں کو دعوت اسلام دی جس سے متاثر ہو کر کفر و شرک کے خوگر جوق در جوق کفر و شرک کو خیر باد کہہ کر حلقہ اسلام میں آ گئے حضرت مخدوم داتا گنج بخش علی ہجویری، حضرت خواجہ غریب نواز، حضرت قطب الاقطاب بختیار کاکی، حضرت بابا فریدالدین مسعود گنج شکر، حضرت دیوان بدرالدین سلیمان، حضرت مخدوم تاج الدین سرور، حضرت محبوب الٰہی، حضرت مخدوم پاک، حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی، حضرت مخدوم جلال الدین جہانیاں جہاں گشت، حضرت خواجہ باقی باللہ، حضرت مجدد الف ثانی سرہندی حضرت شاہ محمد غوث قادری لاہوری، حضرت موسیٰ آہن گر، حضرت ابوالمعالی لاہوری، حضرت قطب العالم عبدالقدوس گنگوہی، حضرت سلطان باہو، حضرت قبلہ عالم خواجہ نور محمد مہاروی چشتی نظامی، حضرت حافظ محمد جمال ملتانی حضرت خواجہ خدا بخش خیرپوری علیہم الرحمۃ والرضوان جیسے اسلاف حضرات نے اپنے اماکن خویش و اقربا کو چھوڑ کر اطراف اکناف میں تشریف لے جا کر صنم کدوں میں توحید

رسالت کا پرچار کیا جن کی بدولت کفر زدہ انسان کفر و شرک سے الگ ہو کر اُن حضرات کے دامن پرسطوت و عظمت سے وابستہ اور پیوستہ ہو گئے اور اگر یہ حضرات تشریف نہ لاتے تو آج یہ کیفیت ہوتی کہ ہم بارگاہ خداوندی میں سر بسجود ہونے کی بجائے ان سرسوتی دیوتی کے سامنے سر بجبین ہوتے کفر و باطل کی اجیرن زندگی بسر کر رہے ہوتے تو ان حضرات کا احسانِ عظیم ہے کہ جنہوں نے آلام و مصائب اور کفر و باطل کی پرواہ نہ کرتے ہوئے ان چٹانوں سے ٹکرا گئے خداداد ولعیت کی بدولت جنہیں پاش پاش کر دیا آج ان حضرات کے قدومِ صمنیت کی وجہ سے جگہ بجگہ مساجد و مزارات میں دینی رونق نظر آتی ہے اور تمام دنیا میں مسلمان آباد ہیں، آج اس بات کی اشد ضرورت ہے کہ ہم ان حضرات کے نقش قدم پر گامزن ہوں تاکہ ہمیں ان حضرات کے فیوض و برکات کے صدقے دنیا اور آخرت میں سرخروی حاصل ہو سکے۔ دما توفیقی الا باللہ۔

برادر محترم جناب علامہ عالم فقری صاحب کی علمی کاوشوں کا مطمح نظر بھی یہی ہے کہ بزرگانِ دین کی تعلیمات عام ہو اُن حضرات کی تعلمات کو اپنا کر مادّیت پرستی اور حرص و آز کی پر عمیق وادیوں سے نکل کر خدا اور رسول کے احکامات پر عمل کریں تاکہ پھر وہ دوبارہ اپنا وارفتہ مقام حاصل ہو کیونکہ ان کے بغیر دنیا اور آخرت کی سرخروی ناممکن ہے خداوند کریم سے دست بدعا ہوں کہ اے رب العزت ہمیں ان بزرگان دین کے نقشِ قدم پر چلانے کی توفیقِ ارزاں عطا فرما تاکہ ہم تیرے نیک بندوں میں شامل ہو سکیں تیرے دین کی خدمت کرنے کے اہل ثابت ہوں آمین ثم آمین بجاہِ نبی الکریم صلی اللہ علیہ وسلم۔

این ہمہ از اورودۂ تست

یکے از خوشہ چین درگاہ خواجگان چشت

اسم [illegible] چک نمبر ۱۰/۱۱۴ آر۔ ڈاکخانہ جھانیاں منڈی
تحصیل و ضلع خانیوال

بتاریخ ۲۴ / ماہ صفر المظفر ۱۴۰۷ھ
بروز یک شنبہ - بقلم خود

حضرت سیّد علی ہجویری داتا گنج بخش ؒ

ایک روز میں پیر ہجویر کے آستاں پر بیٹھا ہوا تھا کہ میں نے حضرت سے کہا کہ
سرکار ولی تو اور بھی ہیں جو اس خطۂ پاک میں اسودہ خاک ہیں۔ لیکن جو شان روحانیت کا منظر
آپ کے در پر پاتا ہوں وہ کہیں اور نظر نہیں آتا تمہارے آستان پر عرش تا مرقد بارش نور ہی نور
ہے۔ جس سے کیفیت میں ایسا سرور ہے کہ آنے والے کو سکون ملتا ہے تمہارا مرقد مرکز تجلیات
ہے۔ اہل دُنیا تو صرف تیر ا سنگ آستان دیکھ پاتا ہے تمہارے روضے کی جالیوں سے لپٹ کر
تسکین پاتا ہے تمہارے مرقد کے خوبصورت گنبد اور در و دیوار نظر کو حیرت میں ڈال دیتے ہیں، لیکن
اس کے برعکس اہل نظر جو نگاہ باطن سے تمہارے مقام اور تمہاری شان کو دیکھتا ہے تو اللہ اللہ پکار
اُٹھتا ہے تمہارے آستان پر مخلوق خدا کا دن رات تانتا بندھا ہے۔ کوئی طلب سکون کی خاطر
آرہا ہے۔ کوئی روحانیت سے مسرور ہو کر جا رہا ہے۔ کوئی کاسہ گدائی لیے آپکے در پر
ڈیرہ جمائے بیٹھا ہے طالبان حق و صداقت تمہارے آستان پر یاد الہٰی میں ڈوبے ہوئے ہیں
کوئی گڑگڑا کر دُعا مانگ رہا ہے کوئی عجز و نیاز کا پیکر بنے بیٹھا ہے۔ اہل فقر بھی جذب و مستی
کے عالم میں عشق حقیقی میں کھوئے ہوئے ہیں۔ کہیں گنہگار آپکے توسل سے بارگاہ رب العزت
میں اپنے گناہوں پر شرمسار ہو کر گردن جھکائے ہوئے ہیں۔

بادشاہوں نے تمہارے در پر عقیدت کے پھول نچھاور کیے اور خدا جانے تا قیامت
کرتے رہیں گے۔ بے شمار ولی آپکے آستان پر حقیقت کا جلوہ پائے آئے اور جام روحانیت
بھر کر چل دیے۔ حضرت خواجہ معین الدین تیرے آستان پر معتکف رہے۔ آخر گنج بخشی
کے راز کو مظہر نورِ خدا کہہ کر چل دیے۔ آخر یہ تو بتا کہ تیرا اتنا بلند مقام کیسے ہوا، ولی
تو اور بھی ہوئے لیکن جو مقام تجھے ملا وہ پاک و ہند میں کسی اور کو نہیں ملا، جوں جوں وقت
گذر رہا ہے تیرا نام اور دو بالا ہو رہا ہے۔ آخر یہ راز کی بات کیا ہے۔ مرقد پیر ہجویر

سے آئی صدا نادان سوچتا ہے کیا۔ یہ تو خالق کائنات کا کرم ہے جو محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے صدقے ہوا۔ اللہ کے محبوب کی نگاہ کرم نے ہمیں بھی محبوب کر دیا۔ یہ تو اس حب الٰہی کا بدلہ ہے جو ہمیں قریہ قریہ لیے پھری۔ یہ اس اتباع شریعت کا نتیجہ ہے جس نے مجھے محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا سچا خادم کر دیا۔ یہ تو صحبت مرشد کا فیض ہے جس نے صاحبِ فیض کر دیا۔ یہ تو میرے اللہ نے کفرزار لاہور میں شمع توحید روشن کرنے کا اعزاز دیا ہے کہ آج زبانِ خلق پر علی ہجویری کا نام ہے۔ گر تو بھی خدا سے کچھ چاہتا ہے تو عشق حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں ڈوب جا، اتباع شریعت میں نام پیدا کر اور یاد الٰہی میں کھو جا۔

آباؤاجداد: حضرت علی ہجویری سادات عظام سے تھے۔ جب اسلامی حکومت میں کچھ افراتفری پھیل گئی تو آل سادات کے افراد حاکمان وقت کے ظلم و تشدد سے بچنے کے لیے غزنی میں آکر آباد ہو گئے۔ غزنی میں آپ کے خاندان کا علم و فضل اور روحانیت میں چرچا ہوا۔ آپ کے حقیقی ماموں غزنی کے بلند پایہ عالم اور ولی اللہ تھے بلکہ لوگ انہیں تاج الاولیاء کہہ کر پکارا کرتے تھے۔

نام و نسب: آپ کا نام علی ہے لیکن آپ علی ہجویری کے نام سے مشہور ہیں۔ کیونکہ جس محلے میں آپ رہتے تھے اس کا نام ہجویر تھا۔ اسی وجہ سے آپ علی ہجویری کہلائے۔ آپ کی کنیت ابوالحسن ہے مگر لاہور میں آپ داتا گنج بخش کے لقب سے مشہور ہوئے۔ آپ کے والدِ ماجد کا نام سید عثمان تھا۔

پیدائش: آپ کی ولادت کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ آپ افغانستان کے مشہور شہر غزنی کے ایک محلے ہجویر میں ۴۰۰ھ کے لگ بھگ پیدا ہوئے آپ کی والدہ اسی محلے کی رہنے والی تھیں لیکن آپ کے والد غزنی کے ایک اور محلے کے رہنے والے تھے جس کا نام جلاب تھا انہی محلوں کی نسبت سے آپ کو ہجویری اور جلابی بھی کہا جاتا ہے۔

شجرہ نسب: آپ نجیب الطرفین سید تھے۔ آپ کا سلسلہ نسب چند واسطوں سے

سیدنا حضرت امام حسن رضؓ سے ملتا ہے۔ آپ کا شجرۂ نسب یوں بیان کیا گیا ہے۔

حضرت علی ہجویری بن سید عثمان بن سید علی بن عبدالرحمن بن شاہ شجاع بن ابوالحسن بن حسن اصغر بن سید زید بن حضرت امام حسن رضؓ بن حضرت علی رضی اللہ عنہ

حصول علم: جس دور میں حضرت علی ہجویری غزنی میں پیدا ہوئے وہ دور علم و فضل کے اعتبار سے بہت اچھا دور تھا۔ بے شمار علماء، فضلا اور اہل دانش غزنی میں رہتے تھے۔ غزنی کی فضا میں ہر طرف علم و فکر اور معرفت کا چرچا تھا چار سال سے زائد عمر میں آپ نے حروف شناسی کے بعد قرآن پڑھنا شروع کیا۔ تھوڑے عرصے میں آپ نے قرآنی تعلیم مکمل کر لی۔ اس کے بعد آہستہ آہستہ دوسرے علوم پڑھے۔ آخر بڑا ہونے تک آپ نے مختلف اساتذہ سے عربی، فارسی، حدیث، فقہ، تفسیر، منطق اور فلسفہ کی تعلیم حاصل کی

اساتذہ: جن اساتذہ سے آپ نے ظاہری علوم کی تکمیل کی ان میں شیخ ابوالعباس احمد بن محمد اشقانی، شیخ ابوالقاسم گرگانی، ابوالعباس احمد بن محمد قصاب ابو عبداللہ محمد بن علی المعروف بالدانستانی، ابوسعید فضل اللہ بن محمد، ابواحمد المظفر بن احمد بن حمدان اور شیخ ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن القشیری کے نام قابل ذکر ہیں۔ آپ نے اپنے بعض اساتذہ کا ذکر کشف المحجوب میں کیا ہے۔

بیعت: ظاہری علوم کے حصول کے بعد معرفت حاصل کرنے کی غرض سے آپ مرشد کی تلاش میں نکلے۔ مختلف علاقوں کا سفر کیا۔ دوران سفر آپ نے سلسلہ عالیہ جنیدیہ میں حضرت ابوالفضل محمد بن ختلی رحؒ کے ہاتھ پر بیعت کی جو شام میں رہتے تھے اور اپنے زمانے کے مشہور پیشوائے طریقت تھے۔ سلسلہ جنیدیہ کے بارے میں آپ نے لکھا ہے کہ ہمارے تمام شیوخ و اکابرین سلسلہ جنیدیہ سے منسلک ہیں اور یہ طریقہ بڑا مشہور رہا ہے۔ آپ نے ان کی زیر نگرانی سلوک کی منازل طے کیں

آپ کا سلسلہ طریقت یوں ہے۔

سلسلہ بیعت: آپ مرید حضرت ابوالفضل محمد بن حسن ختلی رحؒ کے وہ مرید حضرت شیخ ابوالحسن علی حصری کے وہ مرید حضرت شیخ ابوبکر شبلی رحؒ کے وہ مرید حضرت جنید بغدادی

کے وہ مرید حضرت سری سقطی کے وہ مرید حضرت معروف کرخی کے وہ مرید حضرت داؤد طائی کے، وہ مرید حضرت جبیب عجمی کے وہ مرید حضرت خواجہ حسن بصری کے اور وہ مرید حضرت علی رضؓ کے۔

حصولِ معرفت: آپ نے اپنی زندگی کا کچھ حصہ اپنے مرشد حضرت ابوالفضل رحؒ کی صحبت میں گزارا۔ اس صحبت سے آپ کو معرفت حاصل ہوئی۔ آپ کے مرشد باشرع صوفی تھے، پابند صوم وصلوٰۃ تھے۔ ان کی غذا نہایت ہی سادہ اور کم تھی، ایسے ہی وہ بہت کم سوتے تھے اور سارا وقت یاد الٰہی میں مصروف رہتے۔ چنانچہ حضرت علی ہجویری رحؒ کو بھی انہوں نے کم کھانے، کم سونے، کم گفتگو کرنے کی ہدایت کی اور سارا دن یاد الٰہی میں محو رہنے کی تلقین کی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ حضرت داتا گنج بخش رحؒ نے پابند شرع رہ کر اللہ کی بے پناہ عبادت کی اور سفر وحضر میں پیر ومرشد کا ساتھ دیا۔ اس صحبت مرشد اور یاد الٰہی کا نتیجہ یہ ہوا کہ آپ بہت جلد ولی کامل بن گئے اور آپ کے مرشد نے آپ کو خلافت عطا فرما کر خدمت دین کا حکم دیا۔

سیر وسیاحت: سیر وسیاحت حصول علم کا ایک بہترین ذریعہ ہے۔ آپ نے عالم شباب کا زیادہ حصہ سیر اور سفر میں گزارا۔ اس سیر وسیاحت سے آپ کو ازحد علمی فائدہ ہوا۔ آپ کئی علما اور فضلا سے ملے۔ اس کے علاوہ کئی مشائخ اکرام سے ملاقاتیں بھی ہوئیں، جن سے روحانیت کو تقویت ملی اور آپ کو زندگی کے بہت سے مشاہدات اور تجربات حاصل ہوئے۔ آپ نے۔ ایران، عراق، شام، ترکی، عرب، ماوراء النہر، آذربائیجان، خراسان طبرستان، قہستان، کہمان اور خورستان کے علاقوں کی سیر وسیاحت کی۔ ان علاقوں میں جن بزرگوں سے ملاقات ہوئی ان میں شیخ احمد بخاری، خواجہ رشید مظفر، خواجہ شیخ احمد حمادی خواجہ ابو جعفر محمد بن علی الجودینی، شیخ ابو عبداللہ جنیدی۔ شیخ ابوالعباس دامغانی۔ شیخ ابوطاہر مکشوف۔ شیخ قاسم سدسی۔ شیخ ابواسحاق بن شہر یار کے نام قابل ذکر ہیں۔ ان کے علاوہ اور بھی بہت سے کاملین طریقت سے آپ کی صحبتیں ہوئیں۔ ان علاقوں میں بے شمار واقعات پیش آئے۔ ان واقعات اور مشاہدات کا ذکر آپ نے اپنی تصنیف کشف المحجوب میں

کہیں کہیں کیا ہے۔

اِتّباعِ شریعت: حضرت علی ہجویری رحمۃ اللہ کے وہ ولی کامل تھے جن کی ساری زندگی شریعت کی اتباع میں گزری۔ اگرچہ آپ نے سلوک اور معرفت کی منازل طے کرنے کے لیے بہت سی ریاضت اور مجاہدہ کیا۔ جگہ جگہ کی سیر و سیاحت کی زندگی کا کچھ حصہ سفر میں گزارا اور مسلسل چار سال تک سفر میں رہنے کے باوجود کبھی نماز باجماعت ترک نہ ہوئی اور جب جمعہ کا دن آتا تو آپ کسی نہ کسی قصبے میں چلے جاتے اور نماز جمعہ ادا کرتے کشف المحجوب میں آپ نے کئی مقامات پر اس اتباع شریعت کی طرف اشارہ کیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ ایک بار میں ایک باطنی الجھن میں گرفتار ہو گیا۔ ایک روحانی راز تھا جو مجھ پر منکشف نہیں ہوتا تھا۔ اس کے انکشاف کے لیے میں نے بڑی ریاضت کی مگر پھر بھی کوئی نتیجہ نہ نکلا، اس سے پیشتر بھی ایک بار ایسا ہوا تھا اور میں نے حل کے لیے حضرت ابویزیدؒ کے مزار پر چلہ کشی کی تھی۔ اس چلہ کشی کے نتیجے میں میری وہ باطنی مشکل حل ہو گئی تھی۔ چنانچہ اس بار بھی میں آپ کے مزار پر معتکف ہو گیا، لیکن تین ماہ تک اعتکاف میں بیٹھے رہنے کے باوجود مجھے کامیابی نہیں ہوئی۔ اس دوران میں روزانہ تین دفعہ نہاتا اور تین ہی دفعہ طہارت کرتا۔ کامیابی کی کوئی صورت نہ دیکھ کر میں نے خراسان جانے کے لیے رخصت سفر باندھا۔ راہ میں ایک گاؤں میں قیام کیا۔ یہاں صوفیوں کا ایک گروہ مقیم تھا۔ یہ رسم پرست لوگ تھے۔ انہوں نے مجھے سادہ جامہ پہنے دیکھ کر کہا کہ یہ ہماری جماعت سے متعلق نہیں، اور واقعی میں ان کی جماعت سے کوئی تعلق نہیں رکھتا تھا۔ انہوں نے مجھے قیام کے لیے جو جگہ دی، خود اس سے بلند جگہ پر قیام کیا، خود تو نہایت لذیذ و نفیس غذائیں کھائیں اور مجھے ایک سوکھی روٹی کھانے کو دی، وہ لوگ میرا مضحکہ اُڑاتے، خربوزے کھا کر چھلکے مجھ پر پھینکتے، میں نے اپنے دل میں کہا کہ اے مولا کریم اگر ان کا لباس گودڑی وہ نہ ہوتا، جو تیرے دوستوں کا ہوتا ہے تو میں ان کی یہ زیادتی کسی صورت برداشت نہ کرتا۔ باوجودیکہ یہ رسم پرست صوفی مجھے ہدفِ طنز و ملامت بنا رہے تھے۔ لیکن انبیاء و اولیاء کی ایک بہت بڑی سنت پر عمل کرنے کی وجہ سے میرے دل کو بڑی مسرت حاصل ہو رہی تھی اور اس وقت مجھ پر یہ رازِ سربستہ

کھل گیا کہ بزرگان طریقت کم فہموں کی زیادتیاں کیوں برداشت کرتے ہیں اور مجھے معلوم ہو گیا کہ ملامت برداشت کرنا بھی روحانی مدارج کی بلندی کا زینہ ہے اور اس میں بھی بڑے مفادات ہیں۔

مقام ابو حنیفہ: ایک روز کا ذکر ہے کہ میں علاقہ شام میں سفر کرتا ہوا حضرت بلال رضؓ کے روضہ پر پہنچا جب میری آنکھ لگ گئی۔ تو میں نے اپنے آپ کو مکہ معظمہ میں دیکھا۔ اتنے میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بنی شیبہ کے دروازے پر تشریف فرما ہوئے۔ اس وقت آپ ایک سن رسیدہ شخص کو اس طرح بغل میں لیے ہوئے تھے جیسے کوئی کسی بچے کو لیے ہوتا ہے۔ میں فرط محبت سے بے قرار ہو کر آپ کی طرف دوڑا اور آپ کے پائے مبارک کو بوسہ دیا، میں بڑا حیران تھا کہ یہ بوڑھا شخص کون ہے۔ کہ حضورؐ نے قوت باطنی سے میرے اس استعجاب کا حال معلوم کر لیا اور مجھے مخاطب کر کے فرمایا کہ، یہ تمہارے امام ہیں، امام ابو حنیفہ رحؒ اس سے مجھے یہ بات معلوم ہوئی کہ حضرت امام ابو حنیفہ رحؒ کا شمار ان لوگوں میں ہے جن کے اوصاف شرع کے قائم رہنے والے احکام کی طرح قائم و دائم ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حضورؐ ان سے اس قدر محبت فرماتے ہیں اور حضورؐ کو جو ان سے ربط و محبت ہے اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ جس طرح آپؐ سے خطا ممکن نہیں۔ اسی طرح حضرت امام ابو حنیفہ سے بھی خطا کا صدور نہیں ہو سکتا۔ یہ ایک نکتہ لطیف ہے جسے صرف وہی لوگ سمجھ سکتے ہیں۔ جو اللہ تعالےٰ سے تعلق رکھتے ہیں۔

عراق میں ایک مشاہدہ: عراق کے زمانے میں میں نے بہت کشادہ دستی سے کام لینا شروع کر دیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ میں قرض کے بوجھ تلے دب گیا۔ ہوتا یہ تھا کہ جب کسی کو کوئی ضرورت پیش آتی، وہ مجھ سے طالب امداد ہوتا اور میں کسی نہ کسی طرح اس کی مدد کرتا۔ اس طرح لوگوں کے مطالبات روز بروز بڑھنے لگے اور قرض خواہوں نے الگ تنگ کرنا شروع کر دیا۔ عراق کے ایک سردار نے جو میرے اس حال سے واقف تھا مجھے لکھا کہ تو نے جو طریق کار اختیار کیا ہے

اس سے پیدا شدہ پریشانیاں عبادت اور ذکر الٰہی میں مانع نہ ہو جائیں۔ یوں اندھا دھند روپیہ خرچ کرنا اچھا نہیں ہے۔ خداوند تعالیٰ اپنے بندوں کی ضروریات کے لیے بہت کافی ہے اور اس کے سوائے کسی میں یہ قدرت نہیں ہے کہ وہ ہر بندے کی کفالت کر سکے۔" میں نے اس نیک دل سردار کی اس پُر حکمت بات کو گرہ میں باندھ لیا اور اس تنگی سے چھٹکارا حاصل کیا۔

حکم مرشد: حضرت داتا گنج بخش رح نے حصول معرفت کی خاطر بے حد ریاضت و عبادت کی، صوف کا لباس پہنا، رضائے الٰہی اور علم کے لیے دربدر کی خاک چھانی۔ حب الٰہی میں فقر و فاقہ کیا۔ عشق حقیقی کی خاطر صبر و ضبط سے کام لیا حتیٰ کہ ایک روز ایسا آیا کہ اللہ ان پر مہربان ہوا اور تکمیل معرفت ہوئی اور وہ وقت آگیا کہ آپ کے ظاہری اور باطنی علم سے مخلوق خدا فائدہ اُٹھائے اور آپ کی صحبت سے فیض پائے۔ چنانچہ آپ کے مرشد حضرت ابو الفضل بن حسن ختلی رح نے آپ کو حکم دیا کہ تم لاہور روانہ ہو جاؤ۔ اور وہاں جا کر رشد و ہدایت کا فریضہ انجام دو۔ حضرت علی ہجویری کے مرشد بھائی (حضرت ابو الفضل بن حسن ختلی رح کے ایک اور مرید) حضرت شاہ حسین زنجانی رح پہلے سے لاہور میں موجود تھے اور اپنے وقت کے ولی کامل تھے۔ اس لیے حضرت علی ہجویری نے مرشد کا حکم سن کر دریافت کیا کہ پیر و مرشد! وہاں تو حضرت حسین زنجانی رح موجود ہیں اور وہ قطب الاقطاب ہیں، پھر وہاں میری کیا ضرورت ہے؟ حضرت ابو الفضل رح بن حسن ختلی رح نے فرمایا کہ تمہیں اس سے کیا تم لاہور روانہ ہو جاؤ۔

سفر لاہور: مرشد سے لاہور جانے کا حکم ملنے کے بعد آپ مرشد سے رخصت ہو کر اپنے وطن غزنی آئے۔ اُس زمانے میں غزنی سے لاہور تک کا راستہ کافی دشوار گزار تھا کیونکہ اس راستے میں شمالی سرحدی علاقہ پڑتا ہے جس کا زیادہ حصہ پہاڑی ہے۔ چنانچہ آپ تین آدمیوں کے قافلے کی صورت میں لاہور کی طرف چل دیے۔ آپ کے ساتھ شیخ احمد حمادی سرخی اور شیخ ابو سعید ہجویری تھے۔ اللہ کے یہ تینوں درویش انتہائی مشقت کے بعد پہاڑی علاقے کو عبور کرتے ہوئے پشاور آئے اور پھر وہاں سے منزل بہ منزل

لاہور آئے۔ راستے میں آپ کو پنجاب کے دریاؤں کو عبور کرنا پڑا۔ آپ کی لاہور میں آمد کا سن ۴۳۱ھ بمطابق ۱۰۴۱ء ہے۔

میراں حسین زنجانی کا جنازہ: جب آپ لاہور آئے تو شام ہو چکی تھی، اس لیے بیرون شہر ہی شب باش ہوئے دوسرے روز لاہور کے شہر کی مشرقی جانب سے آپ کا گزر ہوا، تو آپ نے ایک جنازہ دیکھا لوگوں سے دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ جنازہ قطب لاہور حضرت حسین زنجانی المعروف میراں حسین زنجانی کا ہے تو اس وقت آپ کو اپنے مرشد کا حکم یاد آیا کہ جب انہوں نے آپ کو لاہور جانے کا حکم دیا تھا تو آپ نے جواب دیا تھا کہ وہاں تو میرے پیر بھائی حسین زنجانی موجود ہیں، تو پھر میرے جانے کی کیا ضرورت ہے۔ مگر جب آپ نے حضرت حسین زنجانی کے جنازہ میں شرکت کی تو مرشد کے حکم کی حکمت واضح ہو گئی۔

قیام لاہور: حضرت علی ہجویری نے تشریف آوری کے بعد لاہور میں قیام کیا جہاں آجکل آپ کا آستانہ ہے۔ یہ علاقہ اس زمانے میں لاہور شہر کی آبادی سے باہر تھا۔ اللہ کے فقیروں نے ہمیشہ ہی ویرانے اور خلوت کو پسند فرمایا ہے۔ اسی لیے حضرت علی ہجویریؒ نے آبادی سے باہر ویرانے میں ڈیرہ جمایا۔

آپ کی تشریف آوری سے قبل خطہ لاہور اسلام سے روشناس ہو چکا تھا۔ کیونکہ آپ سے پہلے یہاں مسلمان سپاہی جو فاتحین کے ساتھ آئے تھے آباد ہو چکے تھے مگر ان کے علاوہ اولیاء اللہ بھی اس سرزمین میں شمع اسلام کو منور کر چکے تھے۔ آپ سے قبل جن بزرگوں نے لاہور میں تبلیغی خدمات سرانجام دیں ان میں حضرت سید حسین زنجانی المعروف میراں حسین زنجانی، حضرت یعقوب زنجانی المعروف شاہ صدر دیوان زنجانی، حضرت موسیٰ زنجانی اور حضرت سید اسماعیل بخاری مدفون ہال روڈ لاہور کے اسمائے گرامی قابل ذکر ہیں۔ اور یہ حضرات آپ سے قبل رشد و ہدایت کا سلسلہ جاری کر چکے تھے۔ مگر آپ کے آنے سے، آپ سے قبل کے سلسلہ کو مزید تقویت پہنچی اور اسلام کو بہت زیادہ فروغ حاصل ہوا

شیخ حسام الدین سے ملاقات: لاہور میں تشریف آوری پر آپ کی ملاقات ایک بزرگ شیخ حسام الدین سے بھی ہوئی۔ یہ بزرگ بھی حضرت مخدوم علی ہجویری کی تشریف آوری سے قبل اہل لاہور کو اسلام کا پیغام دے چکے تھے۔ خود حضرت علی ہجویری نے دیار ہند میں ان سے ملاقات کا حال بیان کیا ہے اور ان کے متعلق تعریفی کلمات استعمال کیے۔ چنانچہ لکھتے ہیں۔

"شیخ حسام الدینؒ ایک پاک طینت بزرگ تھے، انہوں نے اٹھتر ۷۸ سال کی عمر میں انتقال کیا، میں ان کی بیماری کے آخری دن ملاقات کے لیے گیا، اس وقت ان پر نزع کی کیفیت طاری ہو چکی تھی۔ مجھے دیکھ کر کہا کہ اے میری جان! دعا کرو کہ میرا انجام بخیر ہو۔

شیخ ہندی کا قبول اسلام: سب سے پہلے جس غیر مسلم کو آپ نے حلقہ بگوش اسلام کیا وہ والی کابل وغزنی کی طرف سے پنجاب کا نائب حاکم رائے راجو تھا، جو ہندو تھا، گورنر پنجاب رائے راجو ایک مشہور و معروف شخصیت کا حامل تھا۔ رائے راجو نے جس طرح اسلام قبول کیا اس کا واقعہ اس طرح بیان کیا جاتا ہے کہ ایک روز ایک بوڑھی عورت اس طرف سے گزری جس کے سر پر دودھ کا مٹکا رکھا ہوا تھا۔ آپ نے اس عورت کو بلا کر کہا کہ تم اس دودھ کی قیمت لے لو اور یہ دودھ ہمیں دے دو۔ اس عورت نے جواب دیا کہ یہ دودھ میں نہیں دے سکتی۔ چونکہ یہ دودھ ہم کو مجبوراً رائے راجو جوگی کو دینا پڑتا ہے۔ اگر نہ دیں تو اس کا یہ اثر ہوتا ہے کہ جانوروں کے تھنوں سے بجائے دودھ کے خون نکلنے لگتا ہے۔ آپ اس عورت کی بات سن کر مسکرائے اور فرمایا کہ اگر تم یہ دودھ ہمیں دے دو گی تو اللہ تعالےٰ کے فضل سے تمہاری گائیں بہت سا دودھ دیں گی اور جانوروں پر کوئی اثر نہیں ہوگا۔ چنانچہ اس عورت نے آپ کو دودھ دے دیا۔ آپ نے اس دودھ میں سے تھوڑا سا تو پی لیا اور باقی دودھ دریا میں پھینک دیا۔ جب بوڑھی عورت گھر واپس آئی اور شام کو جانوروں کو دوہا تو جانوروں نے اس قدر زیادہ دودھ دیا کہ سارے برتن بھر گئے اور دودھ ختم نہیں ہوا

یہ خبر آناً فاناً قرب و جوار کے دیہات میں پھیل گئی اور لوگ دور دراز دیہات سے اپنے اپنے جانوروں کے دودھ آپ کے پاس لانے لگے۔ آپ کا یہ دستور تھا کہ آپ تھوڑا سا دودھ ان کے مٹکے میں سے پی کر باقی دودھ دریا میں پھینک دیا کرتے تھے اور جب ان لوگوں نے گھر جا کر اپنے اپنے جانوروں کو دوہا تو انہوں نے بھی بے حساب دودھ دیا۔ اس کرامت کا یہ نتیجہ ہوا کہ اب کوئی دودھ والا بھی رائے راجو جوگی کی طرف رُخ نہیں کرتا تھا۔ اور آپ کے پاس جوق در جوق لوگ آنے لگے۔

رائے راجو کو جب اس بات کا علم ہوا تو بہت پریشان ہوا اور آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگا کہ دودھ تو آپ نے ہمارا بند کرا دیا ہے، اب میں آپ کا کوئی اور کمال دیکھنے آیا ہوں۔ آپ نے فرمایا میں کوئی جادوگر تو ہوں نہیں جو کمالات دکھا سکوں۔ میں تو ایک عاجز و مجبور انسان ہوں، باقی اگر تم میں کوئی کمال ہے تو دکھاؤ۔ چونکہ اس جوگی نے بڑی بڑی ریاضتیں کی تھیں اور مجاہدہ میں زندگی گزاری تھی۔ اس نے آپ کے سامنے کئی شعبے دکھائے حتیٰ کہ ہوا میں اُڑنے لگا۔ جب وہ ہوا میں اُڑ رہا تھا تو آپ نے اپنی جوتی مبارک اس کی طرف پھینک دی۔ چنانچہ وہ جوتیاں اس کے سر پر پڑنے لگیں۔ جب حق کے سامنے باطل کی کوئی پیش نہ گئی تو اس نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کیا اور آپ کے دستِ حق پر بیعت ہو گیا۔ اس بیعت کے بعد آپ اس کی باطنی اور روحانی اصلاح فرماتے رہے۔

چنانچہ تحقیقات چشتی میں درج ہے۔

"رائے راجو حاکم پنجاب کا نائب تھا۔ وہ حضرت کا مرید ہو کر مسلمان بھی ہو گیا،"

چونکہ یہ پہلا ہندو بلکہ پہلا ہندوستانی تھا جو حضرت کے ہاتھ پر مسلمان ہوا تھا اس لیے حضرت نے اپنی دلی خواہش سے بطور یادگار اس کا نام "شیخ ہندی" رکھا سابقہ سجادہ نشین ان ہی کی اولاد سے تھے۔

لاہور میں تعمیر مسجد: حضرت داتا صاحب ؒ نے لاہور میں تشریف لا کر سب سے پہلے ایک مسجد تعمیر کرائی۔ چنانچہ موجودہ مسجد جو بعد میں ازسر نو تعمیر ہوئی ہے۔ ان کے ادب واحترام اور یادگار کے طور پر اُسی مسجد کی زمین پر تیار کرائی گئی ہے۔ یہ مسجد آپ نے اپنی گرہ سے بنوائی۔ اور کون کہہ سکتا ہے کہ دیگر مزدوروں کے ساتھ آپ نے بھی کس خلوص، کس جوش و شوق اور ولولہ سے دیواریں چنی ہوں گی۔ چھت ڈالی ہو گی اور سر پہ مٹی کی ٹوکریاں اُٹھائی ہوں گی۔

آپ کی تشریف آوری سے پہلے گو اس ملک میں اسلام کا زیادہ چرچا نہ تھا۔ تاہم مسلمان خواہ وہ غیر ملکی حاکم تھے خواہ وہ لوگ جو ہندوستان میں مسلمان ہو گئے تھے ضرور موجود تھے۔ اور ان کے لیے مسجدیں تھیں۔ لیکن یہ پہلی مسجد تھی، جو ایک مسلمان ولی اللہ نے اپنے صرف سے اور اپنے ہاتھوں سے لاہور میں تعمیر کی۔

مسجد کے متعلق ایک کرامت: شہزادہ دارا شکوہ سفینۃ الاولیاء میں لکھتے ہیں کہ جب حضرت نے یہ مسجد بنائی تو اور مسجدوں کی نسبت اس کے قبلہ کا رُخ ذرا سا بظاہر مسجد کا رُخ جنوب کی سمت کو مائل معلوم ہوتا تھا، اس لیے لاہور کے علماء نے اس پر اعتراض کیا کہ اس مسجد کا رخ صحیح نہیں ہے۔ آپ نے اس وقت تو ان کے اعتراض کا کوئی جواب نہیں دیا۔ جب مسجد بن کر مکمل ہو گئی تو ایک دن تمام شہر کے علما کو مدعو کیا اور جب نماز کا وقت ہوا تو خود نماز پڑھائی۔ جب نماز سے فارغ ہو گئے تو تمام حضرات سے فرمایا کہ تم لوگ اس مسجد کے قبلہ پر اعتراض کرتے تھے۔ اب دیکھو کہ قبلہ کس طرف ہے۔ جب اُنھوں نے نظر اُٹھا کر دیکھا تو یکبارگی قبلہ بالمشافہ بچشمِ ظاہر نظر آیا۔ حضرت ؒ نے فرمایا بتاؤ قبلہ کدھر ہے۔ قبلہ کو سیدھے رُخ پر دیکھ کر سب معترضین نادم ہوئے۔ اور آپ سے معذرت چاہی۔ آپ کی کرامات کے ذریعہ گردو نواح میں شہرت پھیلی اور بے شمار لوگ آپ کی بزرگی اور ولایت کے قائل ہوئے۔

لاہور میں حضرت مخدوم علی ہجویری ؒ کی درس گاہ: جو مسجد آپ نے تعمیر کروائی تھی اسی کو آپ نے اپنی

تمام تبلیغی و تدریسی سرگرمیوں کا مرکز بنایا۔ اس مسجد میں آپ باقاعدہ درس دیا کرتے تھے اور یہیں مسلمان طالب علم آپ سے عربی اور قرآن حکیم کے اسباق لیتے تھے۔ اس مسجد کے ساتھ آپ نے ایک حجرہ تعمیر کرا لیا تھا۔ تبلیغ و تدریس کے بعد آپ اسی حجرہ میں استراحت فرماتے تھے۔ یہ مسجد مرورِ ایام سے بے نشان ہو گئی۔ البتہ اس کا نشان اس رنگ میں آج بھی موجود ہے۔

آپ نے درس و تدریس کے بارے میں خود رسالہ کشف اسرار میں تحریر کیا ہے کہ جب میں ہندوستان پہنچا اور نواح لاہور کو جنت نظیر پایا تو یہیں بیٹھ گیا۔ اور لڑکوں کو پڑھانا شروع کیا۔ لیکن جب مجھے معلوم ہوا کہ اس طریق سے حکومت کی بو دماغ میں پیدا ہو رہی ہے تو میں نے لوگوں کو درس دینا بھی چھوڑ دیا۔

ازدواجی زندگی: آپ نے سنت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق ازدواجی زندگی اختیار کی لیکن آپ اپنی زندگی کی طرف زیادہ مشغول نہ ہوئے جس طرح کہ ایک عام دنیا دار اس زندگی میں مشغول ہو جاتا ہے۔ "کشف المحجوب کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علی ہجویری نے دو نکاح کیے۔ پہلی شادی ابتدائے جوانی میں ہوئی مگر وہ عفیفہ جلد ہی وفات پا گئیں۔ پہلی بیوی کے انتقال کے بعد تجرّد اختیار کر لیا۔ یہ سلسلہ تقریباً گیارہ سال تک قائم رہا حتیٰ کہ دوسرے نکاح کا موقع خود بخود فراہم ہو گیا جس کے بارے میں آپ اس طرح فرماتے ہیں۔

میں کہ علی بن عثمان جلابی ہوں۔ خداوند کریم نے مجھے گیارہ برس تک نکاح کی آفت سے بچایا ہوا تھا مگر تقدیر نے مجھے نکاح میں گرفتار کر دیا اور ارادہ و خواہش کے بغیر اس فتنے میں پھنس گیا۔ واقعہ یہ ہوا کہ میں ایک پری صفت کا بن دیکھے عاشق و شیفتہ ہو گیا۔ ایک سال اسی پریشانی اور اضطراب میں مبتلا رہا چنانچہ نزدیک تھا کہ میرا دین و ایمان تباہ ہو جائے کہ حق تعالےٰ نے اپنے کمال لطف و کرم سے عصمت و عفت کو میرے قلب کے استقبال کے لیے بھیجا اور اپنی رحمت و اعانت سے مجھے اس

عظیم فتنہ سے نجات دی

مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ متاہل زندگی کو پسند نہیں فرماتے تھے اور دونوں شادیاں آپ نے اپنے والدین کے حکم کی تعمیل میں کیں تھیں۔ آپ کی دوسری بیوی بھی صرف ایک سال زندہ رہیں اور آپ جلد ہی اس بار سے سبکدوش ہو گئے۔ ان دونوں میں سے کسی نہ کسی بیوی کے بطن سے اولاد بھی پیدا ہوئی، کیونکہ آپ کی کنیت ،، ابو الحسن ،، سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کے یہاں فرزند تولد ہوا جس کا نام آپ نے حسن رکھا مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا یہ بیٹا صغر سنی میں فوت ہو گیا تھا۔

تبلیغ اور فیوض و برکات: حضرت علی ہجویری کے قدم سے اہل پنجاب اور اہل لاہور ،، کو بالخصوص بہت سے روحانی فیوض نصیب ہوئے، اور سینکڑوں، ہزاروں لوگوں کو آپ کے اخلاق حسنہ اور کلام پُر تاثیر سے اسلام کی لازوال نعمت میسر ہوئی۔

آپ کی زندگی اور آپ کے کلام اور کام نے وہ کام کیا جو تیر و تفنگ، تیغ و تبر اور توپ و بندوق سے بھی ناممکن تھا۔ لوگ جوق در جوق حلقہ اسلام میں داخل ہوتے تھے، اور اس مظہر نورِ خدا، عارفوں کے پیر اور کاملوں کے رہنما کی توجہ سے تاریکی سے روشنی اور جہالت سے شائستگی، بے علمی سے علم، اور کفر سے اسلام میں آتے تھے بلکہ اس خطے کی خوش نصیبی تھی کہ خدائے عزّ وجل نے آپ جیسی ہستی کو یہاں مامور فرمایا، جہاں نہ صرف آپ کی حیات میں لوگ اسلام کی دولت سے مالا مال ہوتے رہے بلکہ آپ کے وصال مبارک کے بعد بھی اس مرجع خلائق مزار پر ولی، غوث، قطب، ابدال اور قلندر حاضر ہوتے اور اپنی روحانی منازل کی تکمیل کرتے رہے ہیں۔

آپ کی تبلیغ کے بارے میں مفتی غلام سرور کا بیان ہے کہ:

،، انہوں (حضرت مخدوم علی ہجویری) نے لاہور میں آکر ہنگامہ فضیلت و مشیخیت گرم کیا۔ دن کو طالب علموں کی تدریس اور رات کو طالبان حق کی تلقین ہوتی، ہزاروں جاہل ان کے ذریعہ سے عالم۔ ہزاروں کافر مسلمان، ہزاروں گمراہ

روبہ راہ، ہزاروں دیوانے صاحب عقل وہوش، ہزاروں ناقص کامل اور ہزاروں فاسق نیکوکار بن گئے۔ تمام زمانے نے ان کی غلامی کو اپنانا فخر تصور کیا۔ اس وقت لاہور مرجع علماء وفضلا تھا۔ دور دور سے شیخ حضرت کی خدمت میں آکر بہرہ یاب ہوتے۔"

حضرت مخدوم علی ہجویری اسلام کے پہلے مبلغ نہ تھے بلکہ آپ سے پہلے یہاں اسلام پہنچ چکا تھا، اور بہت سے غیر مسلم حلقہ بگوش اسلام ہو چکے تھے لیکن پھر بھی آپ کے زمانے میں لاہور میں ہندوؤں کا بہت زیادہ زور تھا۔ اس لیے تبلیغِ دین کے سلسلے کو جاری رکھنے کے لیے آپ کو بے شمار تکالیف اور مصائب کو برداشت کرنا پڑا۔ بلکہ لاہور میں دین مصطفےٰ کی شمع کو دوبالا کرنے کا سہرا آپ کے سر پر ہے۔

حضرت علی ہجویری کی دو بار لاہور میں تشریف آوری: آپ لاہور میں دو بار تشریف لائے پہلی بار ۴۳۱ھ میں آئے اور یہاں ۲۱ سال سے کچھ عرصہ زائد گزارنے کے بعد واپس اپنے مرشد کے پاس گاؤں بیت الجن جو شام میں دمشق کے قریب واقع تھا گئے اور آپ کی موجودگی میں آپ کے مرشد کا انتقال ۴۵۳ھ میں ہوا۔ ان کے وصال کے بعد آپ دوبارہ لاہور تشریف لائے اور علم وعرفان کے دریا بہانے میں مصروف ہو گئے۔

حضرت علی ہجویری کی تصنیفات: ذات خداوندی نے آپ کو علوم ظاہری اور باطنی سے بہت نوازا تھا اور خاص کر اللہ تعالیٰ نے دین اسلام کے اسرار ورموز عطا فرمائے جو بہت کم اولیاء کو نصیب ہوئے۔ پھر اس کے ساتھ ساتھ آپ نے حصول علم کے لیے جو سیر وسیاحت کی اس سے آپ کو بے حد مشاہدات کا حصول ہوا۔ چنانچہ آپ نے مخلوق خدا کو راہ راست پر لانے کی خاطر اور طالبان معرفت کی راہ نمائی کے لیے چند گراں قدر کتب تصنیف کیں جن میں سے کشف المحجوب خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ آپ کی تصانیف میں شریعت اور علم وعرفان کا سمندر موجزن ہے۔

فرمانِ خداوندی ہے کہ ہر نفس نے موت کا مزا چکھنا ہے۔ کیونکہ دستورِ الٰہی
وصال: نہیں بدلتا۔ ہر نبی اور ولی کو اس دارِ فانی سے کوچ کرنا پڑا۔ آخر اللہ کے اس ولی کامل پر بھی وہ وقت آگیا جب کہ روح اس جسد خاکی سے بے نیاز ہو کر بارگاہ رب العزت میں نیاز مند ہوگئی۔ جب آپ کا آخری وقت آیا تو آپ بیمار ہوئے اور چند روز بیمار رہنے کے بعد آپ کا اپنے حجرے میں وصال ہوگیا، آپ کے وصال کے موقع پر شیخ احمد ہندی اور کچھ دوسرے عقیدت مند آپ کی خدمت میں حاضر تھے۔ آپ کے عقیدتمندوں نے آپ کی تجہیز و تکفین کی اور اس روز اس دھرتی کو آپ کے آسودہ خاک ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ فضل ربی سے انعام یافتہ اللہ کا ولی در پردہ ہو کر خلق خدا کو فیض رسانی پر مامور ہو گیا۔ حضرت علی ہجویری نے ۶۵ سال کی عمر پاکر ۴۶۵ھ میں اس دارِ فانی سے کوچ کیا۔ آپ کی تاریخ وصال ۲۰ صفر بیان کی جاتی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ لیکن کئی مورخین نے آپ کی اس تاریخ وصال سے اختلاف کیا ہے۔

آپ کا مزار اقدس لاہور میں بھاٹی دروازہ کے بیرون غربی جانب ہے
مزار اقدس: اور آپ کا دربار پاک و ہند میں بہت مشہور ہے۔ آپ کا مزار سب سے پہلے سلطان محمود غزنوی کے خاندان میں سے ظہیر الدولہ سلطان ابراہیم بن سلطان مسعود غزنوی نے صرف کثیر سے بنوایا تھا۔ اس کے بعد شاہان مغلیہ نے بھی مزار اقدس کی توسیع میں تھوڑا سا حصہ لیا۔ مزار اقدس کی مسجد کو گلزار شاہ نامی ایک مخیر شخص نے زر کثیر سے تعمیر کروایا۔

آپ کے مزار پر رات دن بے شمار حضرات حاضری دیتے ہیں۔ آپ نہ صرف عام لوگوں پر محبوب رہے ہیں بلکہ آپ کے دربار پر تقریباً ہر حاکم وقت حاضر ہوا۔ اس کے علاوہ بے شمار اولیاء کرام نے آپ کے مزار اقدس پر حاضری دی ہے۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتی رح نے آپ کے قدموں میں اعتکاف کیا اور فیوض و برکات کو پایا۔ انہوں نے آپ کو گنج بخش کے نام سے یاد کیا جو بعد میں ہر خاص و عام میں مقبول ہوا۔

حضرت سیّد میراں حُسین زنجانی رح

حضرت سید میراں حسین زنجانی رح برصغیر پاک و ہند میں ان قدیم اکابر اولیا سے ہیں جو لاہور میں نور اسلام پھیلانے تمام اولیا سے سب سے پہلے تشریف لائے جس کا ثبوت حضرت نظام الدین اولیا کی روایت ہے ،

فوائد الفواد میں مذکور ہے کہ حضرت علی ہجویری داتا گنج بخش رح کو جب ان کے پیر و مرشد حضرت ابو الفضل ختلی نے فرمایا کہ بٹیا تبلیغ اسلام کی خاطر لاہور جاؤ تو حضرت علی ہجویری نے جواباً عرض کیا کہ وہاں تو میرے بڑے پیر بھائی حضرت شیخ حسین زنجانی رح موجود ہیں، تو پھر وہاں میرے جانے کی کیا ضرورت ہے ۔ مگر مرشدِ کامل نے فرمایا کہ علی تمہیں عذر کی بجائے تعمیل سے غرض رکھنی چاہیے ۔ چنانچہ حضرت علی ہجویری رح جب اپنے مرشد کے حکم کے مطابق لاہور پہنچے تو رات کا وقت تھا صبح ہوئی تو لاہور کی مشرقی جانب آئے تو شہر سے ایک جنازہ نکل رہا تھا ۔ انہوں نے لوگوں سے دریافت کیا کہ یہ جنازہ کس کا ہے ۔ لوگوں نے جواب دیا کہ یہ جنازہ حضرت شیخ حسین زنجانی کا ہے ۔ اس وقت داتا صاحب کو اپنے پیر و مرشد کا حکم یاد آیا کہ یہ سچ تھا کہ مرشد نے روحانی سلسلے کو جاری رکھنے کے لیے مجھے یہاں آنے کا حکم تھا ۔ یہ واقعہ ۴۳۱ھ کا ہے ۔

لیکن جدید محقق سنون میں اختلاف کے باعث اسے الحاقی قرار دینے میں پیش پیش ہیں مگر وہ یہ مدنظر نہیں رکھتے کہ ایک ولی کا بیان دوسرے تمام عام مؤرخین کی بجائے زیادہ صحت پر مبنی ہوتا ہے (واللہ اعلم بالصواب)

آبائی وطن : حضرت سید میراں حسین زنجانی رح ایران کے مشہور تاریخی شہر زنجان کے رہنے والے تھے ۔ اسی نسبت سے آپ کو زنجانی کہا جاتا ہے یہ شہر ایران کے شمال میں کوہ البرز کے دامن میں واقع ہے ۔ کسی زمانے میں یہ

اندجان اور سنجان کی طرح قصبہ تھا مگر آہستہ آہستہ ایک شہر کی صورت اختیار کر گیا۔ اس وقت شہر کی آبادی کچھ پختہ اور کچی تھی۔ سڑکیں کشادہ تھیں اور سب سے بڑھ کر یہ شہر انتہائی زرخیز علاقہ میں واقع ہے اور قدرتی دولت سے مالامال ہے۔

اس شہر کو پرانے وقتوں میں بڑی تاریخی اہمیت حاصل رہی ہے۔

خاندان سادات: حضرت سید میراں حسین زنجانی رح کا تعلق خاندانِ سادات کے جد امجد حضرت امام حسین رض سے ہے جن کے خاندان میں سے چند افراد خلفاء راشدین رض اور بعد کے دور میں عراق میں آکر بس گئے اور پھر تیسری صدی ہجری میں اسی خاندان سادات کے ایک بزرگ جو امام موسیٰ کاظم کی اولاد میں سے تھے۔ بغداد سے زنجان میں آکر آباد ہوئے۔ ان بزرگوار کا اسمِ گرامی حضرت سیّد ابوجعفر برقی تھا اور ان ہی سے سادات زنجانیہ کا سلسلہ نسب آگے بڑھا۔ حضرت ابوجعفر برقی حضرت سید میراں حسین زنجانی کے دادا تھے۔

والد: آپ کے والد ماجد کا نام سید علی محمود تھا۔ سید ابوجعفر برقی کے بیٹے تھے سیّد علی محمود اپنے زمانے کے جید عالم دین تھے اور کھیتی باڑی کا پیشہ کرتے تھے آپ اس زمانے کے پیر طریقت حضرت موسیٰ کے مرید تھے اور انہی سے باطنی فیض حاصل کیا۔ آپ نے جوانی کے عالم میں حضرت مریم صغریٰ سے شادی کی اور انہی سے آپ کی اولاد کا سلسلہ چلا۔

والدہ: حضرت سید میراں حسین زنجانی رح کی والدہ ماجدہ کا نام مریم صغریٰ تھا۔ جن کا تعلق بھی خاندان سادات ہی سے تھا۔ آپ بڑی زاہدہ، عابدہ اور صوم وصلوٰۃ کی پابند تھیں۔

حضرت سید علی محمود کی اولاد: آپ کے ہاں پانچ لڑکے اور تین لڑکیاں تولد ہوئیں۔ جن کی تفصیل ذیل میں درج کی جاتی ہے۔ ۱۔ سید میراں حسین زنجانی۔ (۲) کلثوم۔ (۳) زینب۔ (۴) اسحاق۔ (۵) یعقوب۔ (۶) موسیٰ۔ (۷) علی۔ (۸) فاطمہ۔

شجرہ نسب: آپ کا شجرہ نسب یوں بیان کیا جاتا ہے۔ میراں حسین زنجانی بن سید علی محمود بن حضرت ابوجعفر برتعی بن ابراہیم عسکری حسین بن حضرت موسیٰ ثانی بن حضرت ابراہیم بن حضرت امام موسیٰ کاظم بن امام جعفر صادق بن حضرت امام زین العابدین بن شہید کربلا حضرت امام حسین رضؓ بن حضرت علی رضؓ۔

ولادت: حضرت سید میراں حسین زنجانی ۲۶ شعبان ۳۴۷ھ میں زنجان میں پیدا ہوئے۔

تعلیم و تربیت: آپ کی تعلیم و تربیت زنجان ہی میں ایک امام مسجد کے زیر سایہ ہوئی قرآن مجید پڑھنے کے بعد آپ نے تفسیر، حدیث اور فقہ کی بنیادی تعلیم حاصل کی۔ انہی کی صحبت، فیض سے آپ کے دل میں روحانیت کے باطنی اسرار جاننے کی تڑپ پیدا ہوئی

تلاش حق: جوان ہوتے ہی آپ تلاش حق کے جذبے سے سرشار ہو کر مرشدِ کامل کی تلاش میں نکلے۔ ان دونوں حضرت ابوالفضل ختلی رحؒ کی روحانیت کا بہت چرچا تھا چنانچہ آپ ان کی خدمت میں اپنے والد ماجد کے ساتھ حاضر ہوئے اور انہی کے مرید ہو کر منازل سلوک طے کیں۔ آپ کے سلسلہ طریقت کو سلسلہ جنیدیہ کہا جاتا ہے جس کے بانی حضرت جنید بغدادی تھے۔

شجرہ طریقت: آپ کا شجرہ طریقت یوں بیان کیا جاتا ہے۔ حضرت سید میراں حسین زنجانی رحؒ مرید خواجہ ابوالفضل محمد بن الحسن ختلی رحؒ کے وہ مرید حضرت ابوالحسن حصری کے وہ مرید حضرت ابوبکر شبلی رحؒ وہ مرید ابوالقاسم جنید بغدادی کے وہ مرید حضرت سری سقطی رحؒ کے وہ مرید معروف کرخی کے وہ مرید حضرت داؤد طائی کے وہ مرید حضرت حبیب عجمی کے وہ مرید حضرت خواجہ حسن بصری رحؒ کے وہ مرید حضرت علی رضؓ کے۔

آپ نے کئی سال مرشد کی خدمت میں گزارے اور
ریاضت و عبادت: اسرارِ باطنی حاصل کرنے کے لیے بہت سے
مجاہدے اور عبادت الٰہی کی۔ اس طویل عرصہ میں آپ نے مجاہدے اور ریاضت کے
لئے کئی ایک مصائب اور ہر طرح کی سختیوں کو بھی برداشت کیا۔ آپ کے پیر و مرشد نے
آپ کو کچھ اشغال و اذکار سکھائے اور خلوت میں بیٹھنے کی تاکید کی۔ آپ نے مرشد کی نگرانی
میں کئی ایک چلے بھی کاٹے اور کافی مدت تک بحکم مرشد ایک مکان میں گوشہ نشین بھی رہے
اس عرصہ کے دوران نہایت قلیل غذا پر قناعت کی اور یہ سارا عرصہ آپ نے ذکر الٰہی اور
درد و وظائف پڑھنے میں صرف کیا۔ آپ اَللّٰہُ کا بہت زیادہ ورد کیا کرتے تھے۔ بزرگان
دین اور صوفیاء عظام کے قول کے مطابق یہ ورد دوسرے تمام وردوں سے افضل تصوّر
کیا جاتا ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ آپ شب کو خداوند تعالیٰ کی عبادت میں اس قدر مشغول
ہوتے تھے کہ بعض اوقات عشاء کی نماز کے وضو ہی سے صبح کی نماز ادا کرتے تھے۔ خدمت مرشد
کے دوران آپ نے طریقت اور تصوف کی عملی تعلیم بھی حاصل کی۔ آپ نے اپنے مرشد کی
غلاموں کی طرح خدمت کی اور جب کبھی آپ کے پیر و مرشد سیر و سیاحت کے لیے سفر اختیار
کرتے تو آپ کو ساتھ لے جاتے اور سفر میں پیر طریقت کا سامان اٹھانے اور مرشد کے ہر حکم
کی تعمیل باعث سعادت سمجھتے۔

آپ کے مرشد حضرت ابوالفضل رحؒ نے جب دیکھا کہ عظیم المرتبت
خرقہ خلافت: مرید نے ظاہری و باطنی علوم میں کامل دست گاہ حاصل کر لی ہے
تو انہوں نے آپ کو خرقہ خلافت عطا فرمایا اور میراں کا خطاب دیا جو رموز ولایت میں اعلیٰ درجہ
کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج تک آپ کو اصلی نام کی بجائے اسی نام سے
پکارا جاتا ہے۔

جب حضرت سید میراں حسین زنجانی رحؒ
تبلیغ اسلام کے لیے مرشد کا حکم: نے روحانیت کی منزلوں پر عبور حاصل

کر لیا تو آپ کے شیخ طریقت نے خرقہ ولایت عطا کیا اور فرمایا کہ جاؤ بیٹا بلاد ہند میں جا کر تبلیغ اسلام کا کام شروع کرو اور ہندوستان کے لوگوں کو دعوت اسلام دو۔

سفر تبلیغ: مرشد سے حکم تبلیغ پا کر آپ واپس اپنے شہر زنجان میں آئے اور وہاں سے ایک چھوٹے سے قافلے کی صورت میں آپ نے ہندوستان کی طرف ۳۸۵ھ میں تبلیغی سفر کا آغاز کیا۔ اس قافلہ میں آپ کے حقیقی بھائی حضرت یعقوب زنجانی رح اور موسیٰ زنجانی بھی تھے۔ ایک طویل سفر کے بعد یہ قافلہ قذوین شہر رے، سبزوار، نیشا پور، ہرات، کاکاخیل، ہزارہ، جنجوعہ، مہمند، چنبہ، غزنوی، کابل، جلال آباد، پشاور، مارگلہ، گکھڑ کے مقامات سے ہوتا ہوا ۳۸۷ھ بمطابق ۹۹۷ء میں لاہور پہنچا۔ راستے میں بیشمار تکلیفوں سے دو چار ہونا پڑا۔

لاہور میں قیام: لاہور میں آنے کے بعد آپ اور آپ کے ساتھیوں نے چند روز شہر کے جنوبی علاقے میں جہاں آج کل شاہ عالمی ہے گزارے۔ بعد ازاں آپ نے اپنے مشن کی تکمیل کے لیے اپنے چھوٹے بھائی یعقوب زنجانی رح کو کہا کہ وہ تبلیغ کے لیے شہر کے جنوبی حصے کو مرکز بنالیں۔ آپ کے بھائی حضرت موسیٰ زنجانی نے مستی دروازہ کی آبادی میں ڈیرہ لگایا۔ آپ نے اپنے لیے لاہور شہر کے مشرقی علاقے میں آبادی سے دور ساحلِ دریا کی خلوت کو پسند فرمایا جسے آپ کے اسم مبارک کی نسبت سے چاہ میراں کہتے ہیں۔

تبلیغ اسلام: آپ جس مقصد کو سرانجام دینے کے لیے اپنا گھر باہر چھوڑ کر سفر کی صعوبتیں برداشت کرتے ہوئے بلادِ ہند میں آئے تھے، اس کو پورا کرنے کے لیے آپ نے تبلیغ اسلام کا آغاز فرمایا۔ ان دنوں لاہور کے لوگوں کی اکثریت ہندو دھرم کے پیروکاروں پر مشتمل تھی۔ یہ لوگ سورج دیوتا کے مندر میں اپنی مذہبی رسومات کو ادا کرتے تھے۔ اور وہاں پر اپنے عقیدہ کے مطابق دیوتا کے بت کی پوجا کرتے تھے۔ تبلیغ سے پہلے آپ نے ہندوؤں کی زبان سیکھی تاکہ لوگوں کو ان کی زبان میں دین اسلام کو سمجھایا جا سکے۔ پھر آپ نے تبلیغ کا آغاز فرمایا اور ایک عرصہ تک یہ طریقہ اختیار کیا کہ آپ

روزانہ شہر کی گلی گلی کوچے کوچے میں جاتے اور اسلام کی دعوت دیتے۔ آپ جہاں موقع پاتے چند لوگوں کو اکٹھا کر کے اسلام کے بنیادی عقیدے یعنی توحید پر روشنی ڈالتے اور مذہب اسلام کی خوبیاں بیان کرنے کے بعد لوگوں کو دین حق قبول کرنے کی تلقین فرماتے بت پرستوں اور خاص طور پر ان کے اکابرین نے حضرت میراں حسین زنجانی رح کی تبلیغ کے اس پرجوش انداز اور مدلل طرزِ بیان کو اپنے مذہب کے لیے زبردست خطرہ محسوس کیا اور آپ کی شدید مخالفت شروع کر دی۔ چنانچہ جب وہ آپ کو دین اسلام کی تبلیغ کرتے دیکھتے تو آپ پر آوازے کسنا شروع کر دیتے اور لوگوں سے کہتے کہ اس درویش نے کیا ڈھونگ رچا رکھا ہے۔ یہاں تک کہ بعض اوقات آپ کے پیچھے بازاری لونڈے لگا دیے جاتے جو تالیاں بجا بجا کر آپ کا مذاق اڑاتے۔

تین سال تک آپ نے اس طرح تکالیف برداشت کرتے ہوئے دین کی تبلیغ کی لیکن اس عرصہ میں کوئی بھی غیر مسلم اسلام میں داخل نہ ہوا۔ چنانچہ تین سال بعد آپ نے ایک دن بذریعہ کشف اپنے مرشد سے دریافت کیا کہ حضرت! اب دعوت اسلام کے لیے کیا طریقہ اختیار کروں۔ آپ کے مرشد نے فرمایا کہ "اے حسین رح! جاؤ ہم نے تمہارے صبر کو آزما لیا ہے۔ اب سوائے جمعہ کے دن کے اپنی قیام گاہ پر ہی رہنا کرو۔ مرشد سے تبلیغ کے متعلق نیا حکم پا کر حضرت میراں حسین نے اس کی تعمیل شروع کر دی۔ آپ نے لاہور میں ۴۴ سال دین اسلام کی خدمت سرانجام دی۔ پہلے تین سال کے علاوہ آپ نے باقی ۴۱ سال کی مدت سوائے جمعہ کے روز کے اپنی جائے قیام پر ہی گزاری۔ ایک اور روایت کے مطابق آپ صرف جمعہ کے روز شہر جا کر تبلیغ کرتے اور یہ سلسلہ آپ نے آخری دم تک جاری رکھا۔ اس طرح شروع شروع میں آپ کی کوشش سے چند لوگ اسلام کے بنیادی اصولوں سے واقف ہو کر مشرف بہ اسلام ہوئے۔

روایت میں آتا ہے کہ ایک دفعہ آپ نے جمعۃ المبارک کو شہر میں تبلیغ کرنے کے بعد چند ہندو بیماروں کو پانی دم کر کے دیا جس سے وہ لوگ شفایاب ہو گئے۔ اس واقعہ نے لوگوں کو بہت متاثر کیا اور شہر میں آپ کی روحانیت کا چرچا ہونے لگا۔

اس کے بعد جب لوگوں کو معلوم ہوا کہ آپ صاحبِ فیض و کمال بزرگ ہیں تو لوگ شہر سے آپ کی قیام گاہ پر آتے اور آپ کے فیض سے مستفید ہوتے۔ یہ سلسلہ آپ کے آخری دم تک جاری رہا۔

معمولات و عبادات: آپ بڑی سادگی سے رہتے تھے۔ درویشانہ لباس پہنتے تھے جو اپنے پیر و مرشد کے لباس سے بہت مشابہ ہوتا تھا۔ پائے مبارک میں سادہ قسم کا جوتا پہنتے تھے۔

آپ کی خوراک بہت کم اور سادہ ہوتی تھی۔ اکثر اوقات فاقہ سے بھی ہوا کرتے تھے۔ حضرتؒ خوشبو لگا کر عبادت میں مشغول ہو جاتے۔ حضرت میراں حسین زنجانیؒ کی عبادات و عادات و اطوار بلکہ ہر فعل عین نبی پاک کی سنت کے مطابق ہوتا آپ کا معمول یہ تھا کہ عام طور پر اول شب میں کسی قدر سو لیتے پھر اٹھ کر عبادت الٰہی میں مشغول ہو جاتے اور بعض راتیں شب بیداری میں بھی گزارتے تھے۔ غرض آپ کی راتیں ذکر و فکر اور دن تبلیغ حق اور رشد و ہدایت میں گزرتے تھے۔

فیوض و برکات: آپ کا فیض عام جاری تھا۔ جو بھی حضرت کے پاس اپنی مشکل کشائی کے لیے آتا وہ خدا کے فضل و کرم سے کبھی مایوس نہ لوٹتا۔ جب کوئی بیمار شفایابی کے لیے آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا تو اس کو پانی دم کر دیتے یا کوئی نہ کوئی ایسا ورد بتا دیتے جس سے وہ شفایاب ہو کر آپ کا معتقد ہوتا۔ کثیر تعداد میں ہندو اسی طرح آپ کے معتقد ہو کر مسلمان ہوئے۔

کشف و کرامات

آپ نے زندگی بھر خوارق اور کرامتوں کے اظہار سے بے حد اجتناب فرمایا لیکن پھر بھی غیر ارادی طور پر رحمت خداوندی سے کئی روحانی تصرفات اور چیدہ چیدہ لوگوں کے سامنے آپ کی کرامتیں ظاہر ہوئی۔ آپ ولایت کو مخفی رکھنے کے قائل تھے اور اللہ کے حضور ہمیشہ عوام الناس سے مخفی رہنے کے لیے دعاگو رہے کیوں کہ آپ کو بزرگی کا چرچا مقصود نہ تھا۔ اسی لیے آپ کی زندگی میں بھی آپ کی شہرت زیادہ نہ تھی۔ چونکہ وہ زمانہ غیر مسلموں کا تھا۔ اس لیے ان میں کئی ایک آپ کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے اور ان میں سے اکثر کے سامنے آپ کے روحانی تصرفات اور کشف و کرامات کا اظہار ہوا لیکن ان تمام کشف و کرامات کے باوجود بھی آپ کی شہرت زیادہ نہ ہوئی۔ کیونکہ آپ شہرت کے سخت خلاف تھے اور اپنے آپ کو ہمیشہ چھپائے رکھا۔ حالانکہ جہاں تک مقام ولایت کا تعلق ہے آپ نہایت ہی اونچے درجے کے ولی ہیں۔ آپ کی چند کرامات مندرجہ ذیل ہیں۔

قتل کے ارادہ سے آئے مسلمان ہو کر گئے: جیسا کہ پچھلے صفحات پر ذکر کیا گیا ہے کہ آپ ابتدائی چند سالوں میں شہر میں گھوم کر تبلیغ کیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ آپ کئی روز تک دو ہندوؤں کو روزانہ اللہ کے دین کی دعوت دیتے رہے۔ ایک دن ان دونوں نے آپس میں کہا کہ یہ بوڑھا ہمیں روزانہ تنگ کرنے آجاتا ہے اور اس نے نئے دین کا کیا ڈھونگ رچا رکھا ہے۔ وہ آپ کے سخت مخالف ہو گئے آخر کار انہوں نے منصوبہ بنایا کہ کیوں نہ اس بوڑھے درویش کا کام تمام کر دیں یہ سوچ کر ایک دن آپ کے پیچھے پیچھے تعاقب کرتے ہوئے آپ کی جائے قیام تک آ گئے لیکن ابھی شام ہوا چاہتی تھی۔ انہوں نے سوچا کہ رات ہو جائے تو پھر آپ کو قتل کر دیں گے۔ اس نیت سے آپ کی جھونپڑی سے دور ہی بیٹھے رہے جب اندھیرا چھا گیا اور آپ عشاء کی نماز ادا کرنے

کے بعد یاد الٰہی میں بیٹھے ہوئے تھے کہ اچانک دونوں ہندو آپ کے کمرے میں آگئے آپ کا دروازہ کھلا ہی تھا اور آپ پر حملہ آور ہونے لگے آپ یاد الٰہی میں مستغرق تھے جونہی انہوں نے تیز چھروں سے آپ پر وار کرنا چاہا تو وہ دونوں اندھے ہو گئے۔ چنانچہ اندھے ہو کر واپس لوٹنے لگے تو پھر درست ہو گئے۔ جب ٹھیک ہو گئے۔ تو پھر دوبارہ آپ کو قتل کرنے لگے۔ کہ پھر اندھے ہو گئے اسی طرح جب تیسری بار اندھے ہو کر درست ہوئے تو ان کا دل بیدار ہو گیا کہ یہ تو کوئی اللہ کا برگزیدہ انسان ہے۔ اس کی دعوت سچی ہے۔ ہم ہی جھوٹے ہیں آخر آپ کے قدموں پر گر گئے۔ اور مسلمان ہو گئے اور آخری دم تک پھر آپ کی خدمت میں گاہے بگاہے حاضری دیا کرتے تھے۔

۲۔ ایک عقیدت مند کی روحانی مدد کا واقعہ:

ایک دفعہ آپ کا ایک عقیدت مند جو آپ کے پاس آتا جاتا رہتا ہے اور آپ کی بزرگی کا انتہائی قائل تھا۔ ایک دفعہ وہ کسی کام کے لیے دریائے راوی کے کنارے پر آیا۔ دریا کو بذریعہ کشتی عبور کیا اس کے بعد ایک مقام پر گیا۔ جہاں اسے کام تھا۔ کام کرنے کے بعد واپس لوٹا ابھی دریا تک پہنچنے ہی نہ پایا تھا کہ اچانک موسم خراب ہو گیا۔ تیز آندھی چلنا شروع ہو گئی۔ ساتھ ہی بارش ہونے لگی طوفان کا سا سماں پیدا ہو گیا۔ مگر اسی خراب موسم میں دریا کے کنارے تک واپس پہنچ آیا تاکہ بذریعہ کشتی دریا کو عبور کر کے گھر کی راہ لے، لیکن موسم کی خرابی کے باعث اسے واپسی کے لیے کوئی کشتی نہ ملی اتنے میں رات کی تاریکی چھا گئی لیکن جوں جوں رات چھانا شروع ہوئی جنگل کی تنہائی میں خوف بڑھنے لگا طوفان اگرچہ تھم چکا تھا لیکن اب واپسی کی کوئی صورت نظر نہ آتی تھی مرتا کیا نہ کرتا۔ اتنے میں اس نے دیکھا کہ ایک جنگلی درندہ اس کی طرف آ رہا ہے۔ اسے تو جان کے لالے پڑ گئے لیکن جوں جان کا خطرہ لاحق ہوا تو حضرت سید میراں حسین زنجانی کو یاد کرنے لگا۔ کہ اللہ سے فریاد کرنے لگا کہ اگر واقعی وہ تیرا ولی ہے تو آج اسے میری مدد کے لیے بھیج اس کا یہ دعا کرنا تھا۔ کہ اس نے دیکھا کہ فوراً حضرت سید میراں حسین زنجانی رح اس کے سامنے کھڑے ہیں۔ اتنے میں وہ درندہ بھی قریب آ گیا تھا لیکن جب آپ نے اللہ کا نام

لے کر آنکھیں بند کرنے کو کہا جونہی اس نے آنکھیں بند کیں اور تھوڑی دیر کے بعد اسے کہا کہ آنکھیں کھولو جب اس نے آنکھیں کھولیں تو اس نے دیکھا کہ وہ حضرت سید میراں حسین زنجانی رحمہ کے جائے قیام پر آپ کے کمرے کے اندر کھڑا ہے۔ وہ اپنی جان بچنے پر بہت خوش ہوا اور حضرت کا بے حد مشکور ہوا۔ رات آپ کے پاس ٹھہرا اور دن ہوتے ہی اپنی راہ لی۔

۳۔ سوکھے کھیت ہرے بھرے ہو گئے: ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ آپ کی قیام گاہ سے کچھ فاصلے پر ایک ہندو کاشتکار کے کھیت تھے۔ کھیتی باڑی سے اپنا ذریعہ معاش کمایا کرتا تھا۔ وہ صاحب اولاد تھا۔ اور اس کے تین بیٹے تھے۔ جو اپنے باپ کے ساتھ ہی کھیتی باڑی کیا کرتے تھے وہ ہندو کاشتکار عرصہ سے دمہ کے مرض میں مبتلا تھا۔ جب اسے پتہ چلا کہ اس کے کھیتوں کے قریب ہی ایک درویش ہے۔ تو وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آ کر عرض کرنے لگا کہ میں دمہ کا مریض ہوں بے شمار طبیبوں سے علاج کروایا ہے۔ لیکن کہیں سے بھی شفایابی نہیں ہوئی۔ آپ ہی میرا علاج کیجیے آپ مسکرائے اور فرمانے لگے کہ میں کوئی حکیم نہیں کہ تیرا علاج کر دوں البتہ ایک شرط ہے کہ تم دین اسلام قبول کر لو۔ تو اللہ تمہیں ہمیشہ کے لیے تندرست کر دے گا۔ اس ہندو نے سوچا کہ دل سے مسلمان نہیں ہوتے بظاہر کلمہ پڑھ لیتا ہوں تندرست ہو جاؤں بعد میں دیکھا جائے گا چنانچہ اس نے آپ کے کہنے پر کلمہ طیبہ پڑھ کر مسلمان ہو گیا تو اس کی تکلیف فوراً جاتی رہی جب وہ جانے لگا۔ تو آپ نے فرمایا کہ سچے دل سے مسلمان رہو گے تو ہمیشہ کے لیے تمہاری بیماری ختم ہو جائے گی اگر اللہ کو دھوکہ دینے کی نیت ہے تو پھر اسی مرض میں مبتلا ہو جاؤ گے اس نے سوچا آپ کو میرے دل کی بات کیسے معلوم ہو گئی ہے۔ لہذا آپ کے قدم پکڑ کر عرض کرنے لگا کہ آپ کو میرے دل کی نیت کا کیسے پتہ چلا تو آپ نے فرمایا اللہ جسے چاہتا ہے دوسروں کے پوشیدہ راز بتا دیتا ہے۔ اس کے بعد وہ سچے دل سے تائب ہو کر مسلمان ہوا اور ہمیشہ کے لیے آپ کا عقیدت مند بن گیا۔ عقیدت مندی کے بعد وہ عموماً اپنے کھیتوں سے آپ کی خدمت میں سبزی اجناس وغیرہ بھیجتا رہتا تھا۔

اس کے مسلمان ہونے اور آپ کی خدمت میں اشیاء بھیجنے پر اس کے لڑکے اپنے
باپ سے اکثر ناراض رہنے لگے حتیٰ کہ چند سالوں کے بعد وہ اس فانی دنیا سے کوچ کر
گیا۔ جب وہ فوت ہو گیا تو اس کے بیٹوں نے آپ کی خدمت میں سبزی بھیجنا بند کر دی
اور کہنے لگے کہ ہمارا باپ تو بیوقوف تھا کہ ایک درویش کے پیچھے لگا ہوا تھا ان کا یہ
خیال کرنا ہی تھا کہ یک دم ایک ہی دن میں ان کے کھیتوں کی فصل خشک ہو گئی۔ جب ایک
دن میں ان کے آلو گاجر، مولی اور شلغم کے کھیت خراب ہو گئے تو ان کے دل میں خیال
پیدا ہوا کہ بھگوان کی اس ناراضگی میں ضرور اس درویش کا ہاتھ ہے۔ کیونکہ ہم نے اپنے
باپ کی وصیت پر عمل کرنا ترک کر دیا تھا چنانچہ وہ تینوں بھائی آپ کی خدمت میں حاضر
ہوئے اور اپنے کیے پر نادم ہوئے۔ اور کہنے لگے کہ دعا فرمائیں کہ ہمارا نقصان پورا ہو جائے
آپ نے دعا کی تو دوسرے روز یک دم ان کے کھیت پھر ہرے بھرے ہو گئے وہ آپ
کی دعا سے متاثر ہو کر مسلمان ہو گئے اور آپ کی خدمت اپنے باپ ہی کی طرح آپ کے
آخری دم تک کرتے رہے۔

۴۔ کشف القلوب کا واقعہ: آخری عمر میں آپ کے عقیدت مندوں میں کافی اضافہ
ہو گیا تھا ایک دفعہ تین آدمیوں نے آپ کی شہرت
سنی کہ آپ اللہ کے فقیر ہیں۔ لہذا آپ کی خدمت میں کاروبار میں خیر و برکت کی دعا
کروانے کی غرض سے آنے کا ارادہ کیا۔ جوں ہی وہ آپ کے پاس آنے کے لیے
چلے تو راستے میں ایک دوسرے سے باتیں کرتے ہوئے چلے آ رہے تھے کہ ان میں سے
ایک شخص اپنے ایک ساتھی سے پوچھنے لگا کہ تم کیا کھانا چاہتے ہو وہ کہنے لگا حلوہ کھانے
کو دل چاہتا ہے، کیا بابا جی سے حلوہ ملے گا۔ پھر وہ اس سے پوچھنے لگا، تمہارا دل
کیا کھانا چاہتا ہے۔ اس نے کہا میں آم کھانا چاہتا ہوں، حالانکہ وہ آموں کا موسم نہیں
تھا۔ پھر وہ دونوں تیسرے سے کہنے لگے تمہارا دل کیا چاہتا ہے اس نے کہا کیا حضرت
ہمیں پکوڑے کھلائیں گے باتیں کرتے ہوئے سفر کٹ گیا اور حضرت سید میراں حسین زنجانی
کے پاس آ پہنچے، آپ کمرے میں تشریف فرما تھے۔ یاد الٰہی میں مگن تھے کہ تینوں دوست

آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ نے ازراہ مروت ان سے خیروعافیت پوچھی اور آنے کا مدعا پوچھا انہوں نے کہا کہ سرکار دعا کیجئے کہ ہم اجناس کے تھوک فروش تھے۔ ہمارا کاروبار خراب ہوگیا ہے ذریعہ آمدن کم ہوگیا آپ نے ان کے لیے کاروبار میں برکت کی دعا فرمائی اس کے بعد آپ کے پاس کچھ کھجوریں پڑی ہوئی تھیں آپ نے مہمان نوازی کے طور پر وہ کھجوریں ان کی خدمت میں پیش کیں اور تناول فرمانے کو کہا جس شخص نے حلوے کی خواہش کی اسے مخاطب ہوکر آپ نے فرمایا کہ کھائیے یہ حلوہ ہی ہے جس نے آم کھانے کی خواہش کی اسے مخاطب ہوکر آپ نے فرمایا کھائیے آم ہی ہے۔ جس نے پکوڑے مانگے تھے اسے کہا کھاؤ پکوڑے ہی ہیں وہ آپ کی بات سن کر حیران ہوئے کہ یہ کھجوریں حلوہ آم اور پکوڑے کس طرح ہو سکتے ہیں لیکن جونہی انہوں نے کھجوریں اٹھا کر منہ میں ڈالیں تو جس نے حلوہ مانگا تھا اس کے منہ میں حلوہ بن گیا۔ جس نے آم مانگے تھے منہ میں ڈالتے ہی وہ آم بن گئیں جس نے پکوڑے مانگے اسے کھجور کھانے سے پکوڑوں کا ذائقہ آیا وہ حیران ہوگئے کہ ہم نے آپ پر اپنے دل کی خواہش کا اظہار نہیں کیا تھا مگر جو چیز مانگی تھی وہی ملی ہے وہ آپ کے اس روحانی تصرف پر بے حد حیران ہوئے اور آپ کی مدح سرائی کرتے ہوئے آپ سے رخصت ہوئے۔

۵۔ آپ کی دُعا سے اولادِ نرینہ کا ملنا: اس زمانے کا واقعہ ہے کہ اندرون شہر ایک عورت رہتی تھی جس کا نام بلونت کور تھا جو مذہباً ہندو تھی۔ شادی کے بعد عرصہ دراز تک اس کے گھر اولاد نہ ہوئی اس نے اپنے عقیدے کے مطابق اس زمانے کے بڑے بڑے مشہور پروہتوں اور جوگیوں سے اولاد کے لیے تعویز گنڈے کروائے لیکن کچھ نہ بنا آخر کار کسی سے آپ کی بزرگی کا چرچا سن کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوکر اپنا مدعا بیان کیا آپ نے نگاہ باطن سے لوح محفوظ پر دیکھا تو اس کے مقدر میں اولاد نہ تھی آپ نے اسے کہا کہ تمہارے مقدر میں اولاد نہیں۔ اس نے کہا اسی لیے تو آپ کی خدمت میں آئی ہوں کہ آپ بھگوان کے حضور میرے لیے دعا فرمائیں تاکہ میری جھولی اولادِ نرینہ سے ہری بھری ہو۔ آپ کو اس عورت کی حالت زار پر

رحم آیا اور آپ نے اللہ کے حضور اس کے لیے دعا کی بارگاہ رب العزت میں آپ کی دعا قبول ہو گئی تو آپ نے اس عورت کو خوشخبری دی کہ جاؤ اللہ تمہیں بیٹا عطا فرمائے گا اور وہ کلمہ پڑھتا ہوا نظر آتا ہے۔ یعنی وہ مسلمان ہو گا۔ آخر وہ عورت آپ کی دعا لے کر چلی گئی کچھ عرصہ کے بعد اسے اولاد کی امید واری ہو گئی اور وقت مقررہ پر اس کے گھر بیٹا پیدا ہوا۔ اولاد نرینہ کے ملنے پر بہت خوش ہوئی جب بچہ چند ماہ کا ہوا تو اسے لے کر آپ کی خدمت میں سلام کی غرض سے آئی اور آپ کی دعائیں لے کر واپس لوٹی لیکن اللہ کو منظور ہی ایسا تھا کہ کچھ عرصہ کے بعد بلونت کور مر گئی بچہ پلتا رہا۔ بچے کو کیا معلوم تھا کہ وہ کسی اللہ والے کی دعا سے پیدا ہوا ہے۔ جب بچہ کچھ جوان ہوا تو ایک رات اس نے خواب میں دیکھا کہ اللہ کا ایک بزرگ اسے کلمہ پڑھا رہا ہے۔ اور خواب ہی میں آپ کے دست حق پرست پر مشرف بہ اسلام ہوا۔ جب وہ بیدار ہوا تو بڑا حیران ہوا اور بالآخر اس کے ذہن پر گہرا اثر ہوا خواب کی تعبیر میں متفکر رہنے لگا۔ آخر ایک دن یوں ہوا کہ آپ اندرون شہر تبلیغ کر رہے تھے کہ وہ لڑکا بھی ادھر آنکلا اس نے جب آپ کو دیکھا تو اسے یاد آیا کہ یہ تو وہی بزرگ ہیں جنہیں میں نے خواب میں دیکھا تھا۔ آگے بڑھا تو آپ نے فوراً گلے لگا لیا۔ اور آپ کے ہاتھ پر مشرف بہ اسلام ہوا اور آپ کے آخری دم تک آپ کی خدمت کرتا رہا۔

۶۔ آپ کی دعا سے کوڑھ جاتا رہا: روایت ہے کہ اس زمانے میں لاہور میں ایک ہندو رام چندر نامی رہتا تھا جو امیر کبیر بہت سے عالی شان مکان اور زمین کا مالک تھا لیکن وہ جذام (کوڑھ) کی بیماری میں مبتلا تھا۔ اس بیماری کی وجہ سے وہ زندگی سے بیزار ہو چکا تھا۔ اور اس کا یہ حال ہو چکا تھا کہ کپڑے بھی نہیں پہن سکتا تھا جب اس نے آپ کی روحانیت کا چرچا سنا تو آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ یا حضرت میری حالت زار آپ کے سامنے ہے مجھے اس عذاب سے نجات دلانے کے لیے کچھ کیجئے آپ نے دیکھا کہ اس کے جسم سے بدبو آرہی تھی اور پیپ بہہ رہی تھی۔ چنانچہ آپ نے اسی وقت تھوڑا سا پانی اسے دم کر کے دیا جسے وہ عام پانی میں ملا کر ہر روز نہاتا اور آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا رہتا اس پانی کی تاثیر اور آپ کی دعا کے اثر

سے صرف دس یوم میں تندرست ہو گیا۔ آپ کی کرامت کا اس پر اتنا اثر ہوا کہ صحت یاب ہوتے ہی حلقہ بگوش اسلام ہو گیا اور آپ نے اس کا نام عبداللہ رکھا۔

۷۔ دست غیب کا ایک واقعہ: ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ حضرت یعقوب زنجانی رح آپ سے ملنے کے لیے آپ کے پاس تشریف لائے اگرچہ اکثر آپ کی ان سے ملاقات ہوتی رہتی تھی۔ لیکن اس روز حضرت یعقوب زنجانی رح کافی دیر تک بیٹھے رہے اتنے میں رات چھا گئی آپ چاہتے تھے کہ ان کی مہمان نوازی کریں لیکن آپ کے پاس اس وقت کھانے کی کوئی چیز میسر نہ تھی۔ دونوں حضرات نے مل کر نماز مغرب ادا کی اور اس کے بعد اندر کمرے میں بیٹھ گئے۔ حضرت یعقوب زنجانی رح جانے لگے تو آپ نے انہیں مشورہ دیا کہ رات ٹھہر جائیں رات کا اندھیرا چھا چکا ہے۔ اور اب جانے میں تکلیف ہو گی۔ لہذا وہ رک گئے آپ کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ آج کچھ ہوتا تو میں بھائی صاحب کو کھلاتا خیال کا آنا ہی تھا کہ یک دم آپ کمرے سے باہر نکلے اچانک آپ نے دیکھا کہ ایک نوجوان ہاتھ میں کھانا اٹھائے ہوئے کھڑا ہے۔ اس نے کھانا آپ کو پکڑایا اور خود غائب ہو گیا۔ آپ فوراً سمجھ گئے کہ یہ تو اللہ کی طرف سے خصوصی عنایت ہے آپ نے وہ کھانا حضرت یعقوب زنجانی رح کے سامنے کھانے کے لیے پیش کیا اور پھر دونوں بھائیوں نے سیر ہو کر کھایا خوبی کی بات یہ ہے کہ کھانا بالکل تازہ اور گرم تھا جیسے کسی نے ابھی ابھی پکایا ہو۔ دست غیب سے رزق ملنے کے کئی واقعات آپ کے ساتھ پیش آئے جن میں سے ایک واقعہ مندرجہ بالا بھی ہے۔

۸۔ آپ کی پیشن گوئی سچی نکلی: غرض آپ نے لاہور میں چوالیس سال تک خلق خدا کو روحانی فیض پہنچایا اور آج بھی اگر کوئی صدق دل سے آپ کے مزار اقدس پر حاضر ہو کر اللہ تعالٰے سے دعا کرے تو یہ دعا رائیگاں نہیں جاوے گی اس لحاظ سے یہ کہنا غلط نہ ہو گا کہ آپ کے فیض روحانی کا سلسلہ آج تک جاری ہے۔ مناسب ہو گا کہ اس موقع پر آپ کی ایک پیشن گوئی بھی درج کر دی جائے جو حرف بحرف پوری ہوئی اس سے آپ کی روشن ضمیری کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

ایک بار حضرت میراں حسین زنجانی نے فرمایا کہ ہمارے بعد زنجان میں ایک شیخ پیدا ہوں گے۔ جو صاحب کشف و کرامت اور بلند پایہ ولی ہوں گے۔ ان کے والد کا نام بھی علی ہوگا۔ ولایت میں اعلیٰ مقام رکھتے ہوں گے۔ ان کا نام سعد بن علی زنجانی ہوگا۔

یہ پیش گوئی بڑی شان سے پوری ہوئی حافظ الحدیث سعد بن علی زنجان میں پیدا ہوئے اور ۴۷۱ھ میں فوت ہوئے ولایت میں بلند مقام رکھتے تھے۔ صاحب کشف و کرامت بزرگ تھے۔

حضرت ابوالمظفر فرماتے ہیں کہ میں نے پختہ ارادہ فرمایا کہ میں مکہ مکرمہ سے حج کرنے کے بعد سلطان المشائخ حضرت سعد زنجانی رح کی خدمت میں حاضر ہوں گا۔

روایت ہے کہ رات کو آپ نے خواب دیکھا کہ آپ کی والدہ ننگا سر کر کے آپ کو پکار رہی ہیں کہ میرے بیٹے میرے پاس اپنے وطن مرو (ایران) میں جلدی پہنچو۔ میں تمہاری جدائی برداشت نہیں کر سکتی خواب سے بیدار ہو کر حضرت ابوالمظفر حیران ہو گئے اور سعد بن علی زنجانی کی خدمت میں حاضر ہونے کے لیے روانہ ہو گئے۔ حضرت سعد علی کے پاس عقیدت مندوں کا ہجوم تھا۔ مجلس ختم ہوئی تو آپ کو سعد بن علی کا قرب حاصل ہوا حضرت سعد رح نے فرمایا کہ ابوالمظفر فوراً اپنے وطن واپس جاؤ تمہاری والدہ تمہیں پکار رہی ہیں

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت میراں حسین رح کا روحانی مقام کتنا بلند تھا۔ اور انہوں نے جس بزرگ کی پیدائش کی بشارت دی تھی۔ وہ کیسا صاف باطن اور صاحب کشف بزرگ تھا۔

۹۔ کشتی ڈوبنے سے بچالی: ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ آپ کسی کام کی غرض سے دریائے راوی کے پار دوسرے کنارے پر جانا چاہتے تھے۔ چنانچہ آپ نے ایک کشتی کے ملاح سنتورام سے کہا کہ ہمیں کشتی میں بٹھا لو مگر ہمارے پاس کرایہ نہیں سنتورام نے کہا۔ جا بابا کام کر اگر ہم روزانہ تمہارے جیسے لوگوں کو مفت دریا پار کرواتے رہیں تو شام کو روٹی کہاں سے کمائیں۔ آپ نے فرمایا۔ سب کے رزق کا کارساز تو اللہ ہے

حتیٰ کہ کشتی بھر گئی۔ اور ملاح کشتی لے کر دریا میں چل دیا آپ واپس آ گئے۔ قدرت خدا کی دریا بہت طغیانی میں تھا۔ اور یکدم آندھی آ گئی۔ کشتی قابو سے باہر ہو گئی اور ڈوبنے لگی سنتورام کے دل میں آیا کہ کاش میں اس درویش کو کشتی میں بٹھا لیتا۔ کشتی نہ ڈوبتی آپ کا خیال آنا ہی تھا۔ کہ سنتورام نے دیکھا کہ آپ دریا میں ہیں اور کشتی کو کندھا دے رہے ہیں آخر آپ کی روحانی مدد سے کشتی ڈوبنے سے بچ گئی۔ اس روز سے سنتورام آپ کی تلاش میں رہنے لگا۔ آخر ایک روز آپ سے ملاقات ہو گئی اور اپنے کیے پر معافی مانگتے ہوئے مسلمان ہو گیا۔ آپ نے اس کا نام محمد زبیر رکھا۔

ارشاداتِ عالیہ

۱۔ ایمان کی بنیاد دل کی تصدیق، زبان کا اقرار، تن کا عمل اور سنت کی متابعت ہے ایسا ایمان محکم اور محفوظ ہوتا ہے۔

۲۔ دنیا ایک دریا ہے اس دریا کا کنارہ آخرت ہے اور تقویٰ کشتی ہے اس کے بغیر دنیا کے دریا کو پار کرنا مشکل ہے۔

۳۔ قرآن پر عمل کرنا اور دنیا سے بے رغبت ہونا۔ تبلیغ دین کا سب سے بڑا اور پہلا اصول ہے۔

۴۔ ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ کفر سے اجتناب کرے۔

۵۔ انسان کو ایسی دولت جمع کرنی چاہیے جو مرتے وقت ساتھ جا سکے۔

۶۔ جو شخص جوانی میں فرمان خداوندی کو ضائع کرتا ہے خدا اسے بڑھاپے میں ذلیل و خوار کرتا ہے۔

۷۔ جس انسان کی زبان میں نرمی ہو، اس کے دل میں محبت کا مادہ ضرور ہوتا ہے

۸۔ عورت جزو ایمان ہے۔

۹۔ جہان کی سب خوشیاں ان کو نصیب ہوتی ہیں جو اپنے رب کے حکم پر قائم

رہتے ہیں۔

۱۰۔ سکوت سے رہنا اچھا صدق اور ناپسندیدہ باتوں سے کنارہ کرنا ایمان میں داخل ہے۔

۱۱۔ بے ادب تہی دست اور بے مراد ہوتا ہے۔

۱۲۔ بے کار باتوں کے لیے زبان اس وقت آمادہ ہوتی ہے جب قوت عمل اور اطاعت کا جذبہ مفقود ہو جائے۔ عشق الٰہی بے کار باتیں کرنے کی بالکل اجازت نہیں دیتا۔ عشق کی فطرت تسلیم و رضا ہے۔

۱۳۔ جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو اس کو شیطان مس کرتا ہے۔ اس پر وہ بچہ روتا ہے اور چیختا ہے لیکن نیک صفت۔ پاکباز، اولیا، صدیق و شہید انبیا ائمہ معصوم صفت بچگان کو شیطان مس نہیں کرتا۔

۱۴۔ بے علم فقیر یعنی درویش کافر کے برابر ہے۔

۱۵۔ اصل درویش وہ ہے جو اپنی استطاعت کے مطابق لوگوں کی حاجت روائی کرے۔

۱۶۔ بھنگی اور شرابی کو حضور سرور کائنات کا دیدار نصیب نہ ہو گا

۱۷۔ کامل ولی کی نشانی یہ ہے کہ اُسے قرب الٰہی حاصل ہو۔ اس کا باطن نور سے معمور ہو اور وہ شوق میں مسرور ہو۔

۱۸۔ اہل بدعت اور بے نمازیوں کا ذکر و فکر قبول نہیں ہوتا۔

۱۹۔ صاحب ہدایت جو کچھ اپنے مشاہدے میں دیکھتا ہے وہ معراج ہے اور صاحب بدعت جو کچھ دیکھتا ہے وہ سراسر گمراہی ہے۔

۲۰۔ ایک سچے عالم دین کی تباہی جہاں کی تباہی کا باعث بنتی ہے۔

۲۱۔ خداوند تعالیٰ کا نام سن کر جل جلالہ کہنا چاہیے۔

۲۲۔ حضرت رسول کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کا نام سن کر درود بھیجنا چاہیے۔

۲۳۔ وہ شخص جو سخت آفت میں مبتلا ہو جس کا مال ضائع ہو گیا ہو۔ اس کو بقدر

ضرورت سوال کرنا حلال ہے۔

۲۴۔ وہ شخص جس کو فاقہ در پیش ہو اور اس کی قوم کے تین عقلمند آدمی اس کے فاقہ کی تصدیق کر دیں تو اس کو سوال کرنا جائز ہے

۲۵۔ جس قوم میں بھیک مانگنے والوں کی تعداد زیادہ ہو اس میں بہت خرابیاں پیدا ہوتی ہیں۔ قوم کی دولت روز بروز گھٹتی ہے اور دولت کے ساتھ قوت بھی زائل ہو جاتی ہے۔

۲۶۔ محنت کی عادت روز بروز زوال پذیر ہو رہی ہے۔

۲۷۔ کاہل اور فاقہ مست لوگوں کی تعداد بڑھ رہی ہے۔

۲۸۔ بے حیائی اور فحاشی کو ترقی ہو رہی ہے۔

۲۹۔ مفت خوری کی وجہ سے معاشرے میں آوارگی اور بداطواری پھیلتی ہے۔

وصال

آپ نے کل ۴۴ سال لاہور میں قیام فرمایا۔ آخری ایام میں آپ بیمار ہو گئے۔ جب بیماری کی وجہ سے آپ کی حالت زیادہ خراب ہو گئی تو آپ کے سب سے زیادہ عقیدت مند رام چندر نے عرض کیا کہ یا حضرت! آپ شہر میں میرے مکان پر تشریف لے چلیں۔ وہاں تیمارداری کی سہولتیں آسانی سے میسر آسکیں گی۔ آپ نے فرمایا: اب میرا آخری وقت آچکا ہے شہر میں جانے کا کیا فائدہ، لیکن رام چندر نے بہت زیادہ اصرار کیا کہ یا حضرت! میری یہ خواہش کہ آپ کے اس دار فانی سے کوچ کرنے کا جنازہ میرے مکان سے نکلے چنانچہ رام چندر کے پرزور اصرار پر آپ ان کے مکان پر شہر تشریف لے گئے۔ رام چندر کا مکان ان دنوں یکی دروازے کے اندرون آبادی میں تھا، لیکن آج اس مکان کا پتہ نہیں چلتا کہ وہ کون سا مکان تھا۔ آخر رام چندر کے مکان پر چند روز بیماری کی حالت میں قیام کرنے کے بعد ۱۹ شعبان ۱۳۱۴ھ عصر کے وقت اپنے مالک حقیقی سے جا ملے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

نمازِ جنازہ اور لحد: آپ کے وصال کی خبر شہر میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی اور لوگ رام چندر کے مکان پر جمع ہونا شروع ہو گئے۔ آپ کے بھائی اور خاندان زنجانیہ کے وہ افراد جو لاہور میں قیام پذیر تھے یہ خبر سن کر آپ کا آخری دیدار کرنے اور جنازے میں شامل ہونے کے لیے رام چندر کے مکان پر جمع ہو گئے۔

غسل اور کفن دینے کے بعد جب آپ کا جنازہ اگلے روز صبح کے وقت شہر سے باہر لایا جا رہا تھا تو عین اس وقت حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری رح لاہور میں تشریف لا رہے تھے اور جب وہ جنازہ کے پاس آئے اور لوگوں سے دریافت کیا کہ یہ جنازہ کس کا ہے تو لوگوں نے جواب دیا کہ یہ جنازہ قطب الاقطاب جناب حضرت حسین زنجانی رح کا ہے۔ اس وقت حضرت علی ہجویری کو اپنے مرشد کا یہ حکم یاد آیا، اے علی تم لاہور جاؤ جس کے جواب میں انہوں نے عرض کیا تھا کہ یا حضرت وہاں تو میرے بڑے پیر بھائی حضرت سید میراں حسین زنجانی موجود ہیں۔ اس پر مرشد کامل نے فرمایا کہ "اے علی! تم میرے حکم کی تعمیل کرو۔ حضرت داتا صاحب نے کفن کھول کر آپ کے نورانی چہرہ مبارک کی زیارت کی اور حضرت داتا گنج بخش رح نے جنازہ میں شرکت کی اور جنازہ کو باغ زنجان میں لایا گیا۔ جہاں پر آپ ذکر و اذکار کیا کرتے تھے، اس باغ میں آپ کی قبر کھودی گئی، حضرت داتا صاحب نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور اپنے ہاتھوں سے لحد میں اُتارا۔ یہ باغ زنجان اسی جگہ واقع تھا جہاں آج کل آپ کا مزار مبارک ہے۔

روضۂ مبارک

علاقہ چاہ میراں سے جانب جنوب آبادی میں گھرا ہوا اور سطح زمین سے کسی اونچی جگہ پر ایک خوبصورت سبز گنبد نظر آتا ہے جو آج آبادی کی زینت بنا ہوا ہے شیلم سینما کے چوک سے چاہ میراں روڈ پر بجانب مشرق جاتے ہوئے تھوڑے سے فاصلہ پر دائیں جانب ایک چھوٹی سی پختہ سڑک ہے جو سیدھی اس سبز گنبد و مزار کو جاتی ہے۔ یہ سبز گنبد والا

مزار اس پاک ہستی کا ہے جو تاریخ میں حضرت میراں حسین زنجانی کے نام سے مشہور ہے جنہوں نے لاہور میں تبلیغ اسلام کی بنیاد رکھی اور وہ دل جو کفر و شرک سے سومنات بن چکے تھے ان کو نور ایمانی سے روشن اور تاریخی ادوار میں مزار مبارک کی حالت یوں بیان کی جاتی ہے کہ صدیوں تک آپ کا مزار مبارک ایک چبوترے پر باغ زنجان کے اندر مرجع خلائق رہا۔ پھر چار دیواری بنا دی گئی۔ اب یہ معلوم نہیں کہ چار دیواری کس نے اور کب بنائی، لیکن اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ جب باغ زنجان نولکھا باغ میں مدغم ہوا تو اس وقت قد آدم چار دیواری تھی۔ بعد ازاں آپ کے مزار پر ایک گنبد بنایا گیا۔ روضہ مبارک کے غرب رویہ مسجد ہے۔

حضرت عزیزالدین پیر مکّیؒ جنیدیؒ

حضرت عزیزالدین پیر مکّی لاہور کے قدیم اکابر اولیاء سے ہیں۔ اللہ کے اس ولی کو جو کچھ ملا وہ خانہ خدا سے ملا۔ اللہ کے اس محبوب بندے نے بارہ سال خانہ خدا میں سجدہ ریزیوں میں گزارے۔ صبر و شکر سے کام لیا۔ شب سحری میں اللہ کے حضور گریہ زاریاں کیں۔ دن رات یاد الٰہی میں بسر کر دیے۔ آخر ایک روز ندائے غیبی سے اشارہ ہوا کہ جا تو میرا دوست ہے اور میں تیرا دوست ہوں۔ تو میرے در پر جھکا رہا جا اب دنیا تیرے در پر جھکے گی۔ تو میرے محبوب کا شیدائی جا دنیا تیری شیدائی بنے گی۔ تو نے میرا نام ورد زبان کیا جا میں نے تیرا نام دنیا میں بلند کیا۔ آخر یہ اللہ کا ولی فضل باری سے اکمل ہوا۔ یہ وہی فضل خداوندی جو آج بھی پیر مکی کے در پر چشمہ فیض کی صورت میں جاری ہے۔

نام و نسب: آپ کا اصل نام عزیزالدین تھا۔ لیکن آپ مکہ میں بارہ سال گزارنے کی وجہ سے پیر مکی مشہور ہوئے۔ آپ کے والد کا نام سید عبداللہ تھا سید عبداللہ واقعی اللہ کا نیک بندہ تھا اور زاہد و عابد تھا۔ آپ کے والد بغداد کے ایک نواحی گاؤں کے رہنے والے تھے۔ حضرت بھی اسی گاؤں میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد ایک ایماندار تاجر تھے۔ سامان خورد و نوش کی خرید و فروخت پر گزر اوقات تھی۔ مالی حالت اچھی نہ تھی۔ اسی ماحول میں حضرت عزیزالدین کی پرورش ہوئی ابتدا میں معمولی دینی تعلیم حاصل کی۔ جب ذرا ہوش سنبھالا تو کاروبار میں والد ماجد کی مدد کرنے لگے۔

تلاش حق: آپ کا بغداد میں تو آنا جانا بنتا تھا۔ ایک روز اللہ کے ایک بندے سے ملاقات ہوئی کہ اس نے آپ کی زندگی کی سوچ کا دھارا بدل دیا انہوں نے بتایا کہ بیٹا اگر تجھے خدا مل گیا تو سمجھ دنیا کی ہر چیز مل سکتی ہے۔ لیکن اگر انسان

حصول دنیا کی خاطر اپنی زندگی ضائع کر دے تو پھر رضائے الٰہی کا حصول ممکن نہیں۔ بہتر یہی ہے کہ خدا کو تلاش کرے۔ چنانچہ اللہ کے اس بندے کی نصیحت آپ کا کام تمام کر گئی۔ آپ اسی روز سے آخرت کے طالب، حب الٰہی کی راہ پر گامزن ہو گئے۔ کیوں کہ یہ فرمان خداوندی ہے کہ جو ایمان لائے اسے چاہیے کہ اللہ کی محبت میں سب سے زیادہ مگن ہو جائے۔ چنانچہ ایسے ہی ہوا۔ آپ اللہ کے اس بندے کے مرید ہو گئے اور اس کی رہنمائی میں راہ حق پر چل دیے۔ یہ اللہ کا بزرگ سلسلہ جنیدیہ سے تعلق رکھتا تھا۔ اسی لیے آپ کے پیر کی نسبت سے آپ کو جنیدی کہا جاتا ہے۔ یاد رہے اللہ اس پر ضرور اپنا فضل فرماتا ہے جو اس کا متلاشی بنتا ہے۔ ایسے ہی حضرت پیر مکی رضائے الٰہی کے طلب گار ہوئے اور اپنی زندگی کو عشق الٰہی کے تابع کر دیا۔ رات دن اس کی یاد میں مصروف رہے۔ آخر اک روز راہ حق کی مشقت رنگ لے آئی اور آپ ولی کامل بن گئے۔

مکہ معظمہ میں قیام: آپ پر جوانی کا عالم تھا کہ بغداد میں ایک روز آپ کو پتہ چلا کہ چند افراد کا قافلہ حج کے لیے جانے والا ہے۔ چنانچہ آپ اس قافلہ کے ساتھ حج کے لیے ۵۶۲ھ بمطابق ۱۱۶۶ء میں مکہ معظمہ کی طرف چل دیے۔ منزل بہ منزل آپ مکہ معظمہ پہنچے۔ وہاں اسی سال حج ادا کیا اور اس کے بعد وہیں قیام کر لیا اور بارہ سال کے عرصہ میں آپ نے خوب ریاضت و عبادت کی اور یاد الٰہی سے اپنے اللہ کو راضی کیا۔ آخر ایک روز ایسا آیا کہ آپ رحمت خداوندی سے روحانیت میں اکمل ہو کر ولی کامل بن گئے اور پیر مکی مشہور ہوئے۔

مکہ معظمہ میں قیام کے دوران آپ نے مکہ کے اکابر صالحین سے ملاقاتیں کیں اور ان سے کسب فیض کیا اور خاص کر اللہ کے وہ نیک اور صالحین جو خانہ کعبہ میں اس زمانے میں محو عبادت تھے اور خلق خدا کی خدمت میں مصروف تھے کی صحبتوں سے بھی آپ فیض یاب ہوئے۔

روضۂ اقدس پر حاضری: جب آپ عرصہ ۱۲ سال میں روحانی منازل طے کر چکے تھے، تو ایک روز آپ کو اشارۂ غیبی بایمائے ربانی ہوا

کہ ہندوستان میں جاکر تبلیغ کریں۔ چنانچہ آپ اشارہ ربانی پانے پر مکہ معظمہ سے جدا ہوئے۔ مکہ سے روانہ ہوکر آپ مدینہ منورہ آئے اور وہاں کچھ عرصہ قیام کیا اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی باطنی محبت سے خوب مالا مال ہوئے۔ وہاں آپ نے خوب روحانی مشاہدہ کیا اور رسول اکرم کی حضوری سے فیض یاب ہوئے۔ روضہ رسول پر حاضری دینے کے بعد آپ منزل بہ منزل سیر و سیاحت کرتے ہوئے اپنے وطن واپس بغداد آئے۔ شہر سے اپنے گاؤں میں گئے۔ وہاں چند روز قیام کرنے کے بعد آپ نے ہندوستان کی طرف سفر اختیار کیا۔

ورود لاہور: آج کل اور قدیم زمانے کے سفر میں بہت فرق ہے۔ آپ کے زمانہ کا سفر از حد مشکل تھا، راستے میں بے شمار مصائب سے دوچار ہونا پڑتا تھا۔ بغداد سے لاہور تک کا سفر دو تین ماہ میں طے ہوتا تھا۔ چنانچہ آپ نے ۵۷۴ھ کے آخری ماہ میں سفر اختیار کیا اور منزل بہ منزل ہوتے ہوئے اگلے سال ۵۷۵ھ کے شروع میں لاہور پہنچ گئے۔ راستے میں آپ نے کئی مقامات کی سیر و سیاحت کی اور کئی نیک انسانوں سے ملاقاتیں بھی کیں اور خاص کر سرحدی پہاڑی علاقے کو عبور کرنے کے لیے خاصی دقت کا سامنا کرنا پڑا۔ لیکن رحمت خداوندی سے اللہ کا یہ ولی خیر و عافیت سے لاہور پہنچ گیا۔

آپ کی آمد کے بارے میں تذکرہ پیر مکی میں لکھا ہے کہ آپ مکہ معظمہ سے تمام ممالک اسلامیہ کی سیر و سیاحت کرتے حسب القائے ربانی مدینۃ الاولیا لاہور تشریف لائے۔ یہ اندازاً ۵۷۱ھ بمطابق ۱۱۷۶ء کا زمانہ تھا۔ جب کہ لاہور کا حاکم خسرو ملک تاج الدولہ غزنوی تھا جو خاندان غزنویہ کا آخری حکمران تھا۔

صاحب خزینۃ الاصفیاء نے آپ کی آمد کے بارے میں لکھا ہے کہ آپ پہلے بغداد سے مکہ معظمہ میں تشریف لائے۔ بارہ سال تک وہاں قیام فرمایا اور مجاورت بیت اللہ میں معتکف رہے۔ اور پیر مکی کے خطاب سے مخاطب ہوئے۔ بعد ازاں بایمائے ربانی مکہ معظمہ سے عازم ہندوستان ہوئے اور سال ۵۷۴ھ میں کہ جب سلطان شہاب الدین غوری

نے لاہور کا محاصرہ کیا ہوا تھا۔ لاہور میں فائز ہوئے، خسرو بن ظہیر الدولہ خسرو شاہ جو اولاد غزنویہ سے لاہور کا فرمان روا تھا اس کے محاصرہ سے تنگ آگیا اور حضرت عزیز مکی کی خدمت میں باستدعائے دعا حاضر ہوا۔ حضرت نے دعا کی اور فرمایا کہ حق تعالٰے کی طرف سے تجھ کو چھ سال تک اور امان ہے۔ بعدازاں اس اقلیم کا قبضہ مملکت شاہان غوری کو دیا گیا ہے۔ پس اس سال سلطان شہاب الدین لاہور سے ناکام واپس گیا اور پھر ۵۸۰ھ میں براہ سیالکوٹ عازم لاہور ہوا، اور پہلے قلعہ سیالکوٹ تعمیر کر کے لاہور کا محاصرہ کیا اور فتح حاصل کی۔

قیام لاہور: لاہور میں حضرت علی ہجویری کا مزار اقدس اولیا اور صلحا کے لیے ہر دور میں توجہ کا مرکز رہا ہے۔ چنانچہ جو بزرگان دین حضرت علی ہجویری رحمۃ کے بعد لاہور میں تشریف لائے، انہوں نے آپ کے مزار پر ضرور حاضری دی اس لیے جب حضرت پیر مکی لاہور میں تشریف لائے تو سب سے پہلے داتا گنج بخش کے مزار پر کچھ عرصہ مکین رہے اور ذکر و فکر میں مشغول رہے۔ اس کے بعد آپ نے اس جگہ پر قیام کیا جہاں آجکل آپ کا مزار ہے۔ یہ علاقہ اس زمانے میں آبادی سے بالکل باہر تھا۔ تاریخ لاہور اس بارے میں شاہد ہے کہ جو اولیاء کرام لاہور میں آکر قیام پذیر ہوئے، انہوں نے ہمیشہ آبادی سے باہر ڈیرہ لگایا کیونکہ اللہ کے ولیوں کو خلوت سے خاص لگن ہوتی ہے کیونکہ خلوت میں جو یاد الٰہی کا مزا آتا ہے وہ دنیاداروں میں رہ کر کم ہو جاتا ہے۔

فیوض و برکات: شروع میں آپ نے اپنی رہائش کے لیے کچی مٹی کا ایک حجرہ بنایا اور اس میں دن رات گزارتے، جو بارگاہِ رب العزت کی طرف سے مل جاتا اس پر قناعت کرتے۔ اس کے بعد آہستہ آہستہ لوگ آپ کی طرف مائل ہوئے اور آپ کی قیام گاہ پر آنے لگے کیونکہ آپ ولی کامل تھے اس لیے جو سائل بھی آپ کے در پر آتا اپنی مراد پاتا۔ بے شمار بیماروں کو آپ کی دعا سے صحت حاصل ہوئی، غم زدہ اور مصیبت زدوں کے دکھ کا مداوا ہوا۔ آپ اپنے پاس آنے والوں کو نیکی کی ہدایت کرتے اس طرح بے شمار مخلوقِ خدا نے آپ سے فائدہ اٹھایا۔ طالبان سلوک کو راہ حق ملا، آخری

عمر میں آپ کی بزرگی کی بے پناہ شہرت ہوئی۔ آپ گاہے بگاہے حضرت داتا گنج بخش رح کے آستانہ پر حاضری دیتے رہتے تھے اور جب دل چاہتا ارد گرد کے علاقے میں گھوم پھر لیتے۔

آپ کا مشرب صوفیانہ تھا۔ پابند صوم و صلوٰۃ تھے۔ آپ نے اپنے ہجرے کے پاس سایہ دار درخت لگائے۔ گرمیوں میں اکثر ان کے نیچے دن کا بیشتر حصّہ گزارتے۔ آپ کی راتوں کا زیادہ حصّہ یادِ الٰہی میں گزرتا اور دن مخلوقِ خدا کی خدمت میں گزارتے۔

جس زمانے میں آپ لاہور میں قیام پذیر تھے۔ اس دور میں لاہور میں علماء اور فضلاً کی کثرت تھی۔ اس کے بارے میں تاج الدین حسن بن نظامی صاحب تاج المآثر لکھتا ہے کہ: اس زمانے میں یہ شہر مرکز اہل بر و تقویٰ و منشا۔ اصحاب فضل و فتویٰ و مامن زہاد و عباد اور مسکن اخطاب داتا" بن چکا تھا۔ اور اس شہر کی نوے فی صد آبادی علم کے زیور سے مالا مال تھی۔ اسی جگہ فخر مدبر مبارک شاہ اور تاج الدین حسن نظامی جیسے محققین اور مورخین، سید احمد توختہ ترمذی جیسے اولیا، اصفیا مقیم تھے۔ ان کے علاوہ بے شمار شاعر ادیب اور فاضل موجود تھے۔ جن کے کارناموں سے تاریخ کے اوراق بھرے پڑے ہیں۔ مزید برآں اس لاہور میں اس زمانے میں اس قدر کتب خانے تھے کہ فخر مدبر نے صرف ایک کتاب ترتیب دینے کے لیے اس شہر کے کتب خانوں کی ایک ہزار کتابوں سے مواد حاصل کیا تھا۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ لاہور میں علم و فضل کا دور دورہ ہونے کے باوجود بیشمار اہل علم حضرات آپکی ذات بابرکات سے مستفید ہوئے۔

وصال: آپ نے لاہور میں ۲۶ سال سے چند ماہ زائد قیام کے بعد آخری عمر میں بیماری کے باعث ۶۱۲ھ بمطابق ۱۲۱۵ء میں اس جہان رنگ و بو سے آخرت کو کوچ کیا اور آپ کو آپکے حجرے میں دفن کیا گیا۔ جہاں آج کل آپ کا مزار اقدس ہے۔ آپ کا وصال شمس الدین التمش کے زمانہ میں ہوا۔

قطعہ تاریخ وفات: تاریخ وفات مفتی غلام سرور مرحوم نے یوں تحریر کی ہے۔

زدنیا چو شد در بہشتِ معلّٰے — وصالش بگو "آفتاب حسین" ۶۱۲

شہ دین و شیخ زمن پیر مکی — بخواں نیز "پیر حسن پیر مکی" ۶۱۲

مزار مبارک: آپ کا مزار مبارک بھاٹی دروازہ سے آگے راوی روڈ پر ایک گلی کے آخر میں واقع ہے، مزار مبارک پر ایک گنبد بنا ہوا ہے، آپ کے مزار کے قریب ایک مسجد بھی ہے۔

حضرت بہاء الدین زکریا سہروردی ملتانیؒ

حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی ان اکابر اولیاء سے ہیں جن کی بدولت سرزمین پاک و ہند میں فروغ اسلام کو تقویت حاصل ہوئی اور اس خطے میں سلسلہ سہروردیہ کو آپ نے بہت عروج دیا۔

حضرت بہاالدین زکریا ملتانی کے دادا مکہ شریف میں رہتے تھے۔ آپ کے دادا کا نام کمال الدین تھا جو بڑے نامدار ... یہ بزرگ تھے۔ خوارزم سے ہجرت کر کے ملتان آئے اور یہاں آکر مضافات ملتان کوٹ کڑہ میں سکونت اختیار کی۔ کچھ عرصے کے بعد بہاالدین زکریا ملتانی کے نانا مولانا حسام الدین ترمذی بھی منگولوں کے حملوں سے تنگ آکر ہندوستان آئے اور کوٹ کروڑ کے علاقے میں رہنے لگے۔ کمال الدین علی شاہ نے اپنے صاحبزادے وجیہہ الدین کی شادی مولانا حسام الدین ترمذی کی بیٹی سے کر دی جو کہ مولانا بہاء الدین زکریا ملتانی کی والدہ ماجدہ تھیں۔ موصوفہ بڑی عفیفہ اور پارسا خاتون تھیں۔ اُن کا نام نامی فاطمہ تھا۔

ولادت: آپ کی ولادت بروز جمعۃ المبارک ۲۷ رمضان ۵۶۶ھ بمطابق ۱۱۷۰ء میں کوٹ کروڑ میں ہوئی۔

آپ کا نام بہاؤالدین اور کنیت ابو محمد اور ابو برکات تھی۔ آپ مادر زاد ولی تھے۔ آثار بزرگی بچپن سے ہی آپ میں نمایاں ہو گئے تھے۔ آپ کے والد محترم جب تلاوت کلام پاک فرماتے تو آپ دودھ پینا چھوڑ دیتے اور تلاوت کی آواز سننے میں محو ہو جاتے تھے۔

حصول علم: جب آپ کو مکتب میں داخل کروا دیا گیا تو ابتدائی ایام میں ہی آپ نے فرمایا کہ جس وقت حق تعالیٰ نے (اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ) فرمایا تھا اس وقت سے لے کر اب تک کے تمام واقعات مجھے یاد ہیں۔ آپ نے سات قرأت کے قرآن پاک کو سات سال

کی عمر میں حفظ کر لیا تھا۔ آپ بہاء الدین فرشتہ کے نام سے بھی مشہور رہے ہیں آپ کی عمر بارہ سال تھی کہ آپ کے والدین یکے بعد دیگرے اللہ کو پیارے ہو گئے۔ آپ انہی دنوں خراساں چلے گئے۔ وہاں سات برس تک علوم ظاہری و باطنی کی تکمیل کی اور پھر بخارا پہنچ کر یہاں بھی مزید تعلیم کا سلسلہ جاری رکھا۔ جب بہت سارے بزرگوں کی صحبت صالحہ سے فیض یاب ہو گئے تو پھر حج بیت اللہ کے لیے حرمین شریفین حاضر ہوئے۔ حج و زیارت سے مشرف ہونے کے بعد پانچ سال تک مدینہ منورہ میں قیام کیا۔ حضرت شیخ کمال الدین محمد یمانی مشہور محدث سے آپ نے حدیث کی تعلیم حاصل کی۔ موصوف شیخ کمال الدین ۳۵ سال تک حرم نبوی کے متولی کے طور پر خدمات انجام دیتے رہے۔ جناب زکریا ملتانی نے روضۃ الرسول کے پاس تزکیہ نفس اور تصفیہ باطن کے لیے مجاہدات شروع کیے۔ اس کے بعد انبیاء علیہم السلام کے مقابر کی زیارت کے لیے بیت المقدس پہنچے یہاں سے بغداد تشریف لے گئے۔

بیعت: بغداد میں شیخ الشیوخ شیخ شہاب الدین عمر بن محمد سہروردی صاحب عوارف کے دست حق پرست پر بیعت ہو کر خرقہ خلافت حاصل کیا فوائد الفواد میں حضرت سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی کی زبانی لکھا ہے کہ حضرت شیخ بہاء الدین زکریا قدس سرہ اپنے مرشد کے پاس صرف سترہ دن ٹھہرے تھے کہ انہیں روحانی نعمتیں اور خرقہ خلافت مل گیا، خانقاہ کے دوسرے درویشوں کے دل میں رشک پیدا ہوا۔ اور انہوں نے شیخ الشیوخ حضرت شہاب الدین سے شکایت کی کہ ہم سالہا سال سے ریاضتوں اور مجاہدوں میں مشغول ہیں، اور ابھی تک آپ کی خلافت سے مشرف نہیں ہوئے۔ لیکن یہ ہندوستانی چند روز ہی میں آپ کی خلافت سے سرفراز ہو گیا، اُن کے جواب میں حضرت شیخ نے فرمایا کہ تم لوگ گیلی لکڑیاں لے کر آئے تھے، جن میں آگ دیر میں لگتی ہے اور بہاء الدین زکریا خشک لکڑیاں لایا تھا، جنہوں نے فوراً آگ پکڑ لی۔

سلسلہ طریقت: حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی کا سلسلہ طریقت یہ ہے۔

شیخ بہاؤالدین زکریا، شیخ شہاب الدین سہروردی، شیخ ضیاء الدین

ابو نجیب، سہروردی، شیخ وجیہہ الدین سہروردی، شیخ ابو عبد اللہ، شیخ اسود احمد دینوری، شیخ ممتاز علی دینوری، خواجہ جنید بغدادی، خواجہ سری سقطی، خواجہ معروف کرخی، خواجہ داؤد طائی، خواجہ حبیب عجمی، حضرت خواجہ حسن بصری رح. حضرت علی رض. جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

ملتان کو واپسی: خرقہ خلافت سے سرفراز فرمانے کے بعد حضرت الشیوخ شہاب الدین سہروردی نے حضرت شیخ بہاالدین زکریا ملتانی کو حکم دیا کہ وہ ملتان جاکر رشد و ہدایت کے نور کو عام کریں، چنانچہ آپ اپنے شیخ کے ارشاد کے مطابق ملتان روانہ ہونے لگے تو حضرت شیخ جلال الدین تبریزی بھی جو اس وقت وہاں مقیم تھے۔ حضرت زکریا کے پیر بھائی اور صعصر بزرگ تھے انتہائے محبت میں حضرت بہاالدین سے اجازت لے کر آپ کے ساتھ ہو گئے جب یہ دونوں بزرگ نیشاپور پہنچے تو شیخ جلال تبریزی حضرت شیخ فریدالدین عطار کی ملاقات کے لیے ان کے پاس تشریف لے گئے، ملاقات کے بعد جب واپس ہوئے تو حضرت شیخ بہاءالدین زکریا ملتانی نے ان سے پوچھا کیسے آج کی ملاقاتوں میں کس درویش کو سب سے بہتر پایا؟ انہوں نے جواب دیا، کہ شیخ فریدالدین عطار کو، حضرت بہاءالدین زکریا نے ان سے پوچھا کہ ان سے کیا صحبت رہی، جواب دیا کہ انہوں نے مجھ سے ملتے ہی پوچھا کہ آپ لوگ کہاں سے آرہے ہیں؟ میں نے جواب دیا کہ ہم لوگ بغداد سے آرہے ہیں، پھر انہوں نے پوچھا کہ وہاں کون درویش حق میں مشغول ہے! میں خاموش ہو رہا، حضرت شیخ بہاءالدین زکریا ملتانی نے فرمایا کہ تم نے اپنے مرشد شیخ شہاب الدین سہروردی کا نام کیوں نہ لیا۔ انہوں نے جواب دیا کہ اس وقت شیخ فریدالدین کی عظمت میرے دل میں اس قدر بیٹھی ہوئی تھی کہ میں شہاب الدین سہروردی کو بھول گیا، یہ سن کر حضرت بہاءالدین زکریا ملتانی کو بے حد رنج ہوا۔ اور وہ حضرت جلال تبریزی سے علیحدہ ہو کر ملتان چلے آئے اور حضرت جلال الدین تبریزی خراساں سے ہوتے ہوئے دہلی تشریف لے گئے

ناصرالدین قباچہ کی عقیدت مندی: اس وقت ملتان کا حکمران ناصرالدین قباچہ تھا، جو سلطان شمس الدین التمش کا حریف بھی تھا، حضرت شیخ بہاؤالدین زکریا کا قلبی رجحان سلطان التمس کی طرف تھا، کیونکہ جیسا کہ ذکر آچکا ہے، وہ اپنے زہد و تقویٰ دینداری اور شریعت کی پاسداری کے لحاظ سے اولیاء اللہ میں شمار کیا جاتا ہے۔ ناصرالدین قباچہ نے سلطان التمش کی بڑھتی ہوئی سطوت و قوت کو دیکھ کر اس کے خلاف معاندانہ سازش شروع کی۔ اس کو ملتان کے قاضی مولانا شرف الدین اصفہانی اور خود شیخ بہاؤالدین زکریا نے پسند نہ کیا۔ قاضی شرف الدین اصفہانی بہت ہی متدین عالم تھے، انہوں نے دین کی فلاح اسی میں سمجھی کہ سلطان التمش کو قباچہ کی سازش سے مطلع کردیں شیخ بہاؤالدین زکریا نے بھی ان کی حمایت کی اور دونوں نے علیحدہ علیحدہ سلطان التمش کو خطوط لکھے، مگر دونوں مکتوب قباچہ کے آدمیوں کے ہاتھ لگ گئے۔ قباچہ ان کو پڑھ کر بہت مشتعل ہوا اور ایک محضر کے ذریعہ دونوں کو طلب کیا۔ جب وہ دونوں مجلس میں تشریف لے گئے تو قباچہ نے شیخ بہاءالدین زکریا کو اپنی داہنی جانب بٹھایا اور قاضی شرف الدین اصفہانی کو اپنے مقابل بیٹھنے کو حکم دیا اور ان کا خط ان کے ہاتھ میں دے دیا۔ قاضی شرف الدین اصفہانی نے خط پڑھ کر خاموشی اختیار کی۔ قباچہ نے جلاد کو حکم دیا کہ اسی وقت وہ تہ تیغ کردے جائیں جلاد نے آگے بڑھ کر سر قلم کردیا۔ جب شیخ بہاءالدین زکریا کے ہاتھ میں ان کا مکتوب دیا گیا تو انہوں نے اس کو دیکھتے ہی فرمایا کہ بے شک یہ خط میرا ہے مگر میں نے حق تعالےٰ کے حکم سے لکھا ہے اور صحیح لکھا ہے، یہ سن کر قباچہ پر لرزہ طاری ہوگیا اور اس نے معذرت کر کے شیخ بہاءالدین زکریا کو اعزاز و اکرام کے ساتھ رخصت کردیا۔

شیخ الاسلام کے عہدے کی پیش کش: آپ کو شیخ الاسلام بنانے کا واقعہ یوں ہے۔

تبریزیؒ نیشاپور میں حضرت شیخ بہاءالدین زکریا سے علیحدہ ہو کر خراسان چلے گئے تھے، کچھ عرصہ کے بعد دہلی تشریف لائے سلطان التمش ان کی عظمت اور بزرگی کی شہرت پہلے سے سن چکا تھا۔ چنانچہ جب وہ دہلی کے قریب پہنچے تو سلطان نے علماء و مشائخ کی ایک

جماعت کے ساتھ شہر کے باہر جا کر ان کا استقبال کیا اور ان کو دیکھتے ہی گھوڑے سے اُتر آیا اور ان کو آگے کر کے خود پیچھے شہر کی طرف روانہ ہوا۔ یہ تعظیم و تکریم شیخ الاسلام نجم الدین صغریٰ کو پسند نہ آئی۔ ان کے دل میں حضرت جلال الدین تبریزی کی طرف سے رشک و حسد کی آگ بھڑک آئی، مگر اس کا اظہار نہیں کیا اور سلطان سے یہ خواہش ظاہر کی کہ حضرت جلال الدین تبریزی اس کی (یعنی نجم الدین صغریٰ) قیام گاہ کے قریب ہی فروکش ہوں۔ اور قیام کے لیے ایک مکان تجویز کیا، جو بیت الجن کے نام سے مشہور تھا۔ سلطان نے اپنے عزیز اور محبوب مہمان کو جنوں کے مکان میں ٹھہرانا پسند نہ کیا۔ مگر نجم الدین صغریٰ نے کہا اگر حضرت جلال الدین تبریزیؒ کامل درویش ہوں گے تو مکان خود جنات سے پاک ہو جائے گا اور اگر ناقص ہوں گے تو اپنے فریب کی وہیں سزا پائیں گے۔ یہ گفتگو بالکل علیحدہ ہوئی تھی کہ حضرت جلال الدین تبریزی نے خود اس مکان میں رہنے کا اعلان کر دیا۔ جب وہ اس مکان میں داخل ہوئے تو ان کی برکت سے مکان تمام بلاؤں سے پاک ہو گیا اور ان کو کسی قسم کا گزند نہ پہنچا۔ دوسرے روز خواجہ بختیار کاکیؒ کی ملاقات کے لیے شہر کی تنگ گلیوں میں سے ہو کر چلے، حضرت بختیار کاکیؒ کو کشف ہوا کہ حضرت جلال الدین تبریزی ان سے ملنے آ رہے ہیں، تو وہ خود گلیوں میں ہوتے ہوئے ان کے استقبال کو بڑھے۔ راستہ میں قران السعدین واقع ہوا۔ جس وقت حضرت خواجہ جلال الدین خواجہ بختیار کے ہمراہ ان کی خانقاہ میں پہنچے، اس وقت یہاں مجلس سماع ہو رہی تھی، فقرا، جمع تھے۔ اس بیت پر خواجہ صاحب کو وجد آ گیا۔

در میکدہ وحدت ایثار نمی گنجد ۔۔۔ در عالم یکرنگی اغیار نمی گنجد

سلطان التمش حضرت جلال الدین تبریزی کے ساتھ مرشد کا یہ لگاؤ دیکھ کر ان کا اور بھی معتقد ہو گیا۔ اس سے نجم الدین صغریٰ کا حسد اور زیادہ تھا۔ ایک روز موسم بہار میں سلطان التمش نے فجر کی نماز سے پہلے نجم الدین صغریٰ کو اپنے محل میں بلایا اور ان کو امام بنایا۔ نماز شاہی مسجد کی چھت پر ہوئی۔ چھت کے سامنے حضرت جلال الدین تبریزی کی قیامگاہ تھی۔ وہ صبح کی نماز سے فراغت کے بعد صحن خانہ میں چادر اوڑھے آرام فرما رہے تھے۔ اور ایک ملازم جس کو اللہ تعالٰے نے حسن صورت بھی عطا کیا تھا، ان کے پاؤں دبا رہا تھا۔

نجم الدین کو خیال ہوا کہ حضرت جلال الدین تبریزی نماز سے غافل ہو کر محو استراحت ہیں اسی وقت سلطان کا ہاتھ پکڑ کر کہا کہ آپ ایسے ہی دنیا پرست درویشوں کے معتقد ہیں، یہ سونے کا کون سا وقت ہے، اور ایک صاحب جمال غلام بھی پاس بیٹھا ہے۔ حضرت جلال الدین تبریزی کو نورِ باطن سے نجم الدین صغریٰ کی بدگمانی معلوم ہو گئی۔ تو اسی وقت اُٹھے اور صحن خانہ میں ہی سلطان کو حقیقت سے آگاہ کیا، سلطان نادم ہوا اور نجم الدین صغریٰ سے کہنے لگا کہ تم شیخ الاسلام ہو کر ایسی باتیں کرتے ہو۔ تم کو ابھی نیک و بد کی بھی پہچان نہیں، مگر نجم الدین صغریٰ شرمندہ ہونے کی بجائے اندرونی طور پر اور زیادہ برہم ہو گئے، اور حضرت جلال الدین تبریزی کے ساتھ پرخاش بہت زیادہ بڑھ گئی۔ اور شہر کی ایک حسین و جمیل مطربہ کو پانچ سو اشرفیاں دینے کا وعدہ کر کے آمادہ کیا کہ وہ حضرت جلال الدین تبریزیؒ پر فسق، زنا کا الزام لگائے۔ مطربہ نے سلطان کے پاس جا کر حضرت جلال الدین تبریزی کو متہم کیا، سلطان سن کر ششدر رہ گیا وہ سمجھتا تھا کہ یہ جھوٹا الزام ہے۔ اور مطربہ کو اس کی دروغ گوئی کی پوری سزا دے سکتا تھا لیکن قانون کی وجہ سے معذور تھا، مدعیہ خود اپنے بیان سے واجب التعزیر فاحشہ ثابت ہو رہی تھی، مگر حضرت جلال الدین تبریزیؒ پر بغیر شہادت کے تہمت زنا ثابت نہیں ہو سکتی تھی۔ مدعیہ کا تنہا بیان کافی نہ تھا۔ لیکن اس کا مقدمہ سامنے آجانے کے بعد اس کی شرعی تحقیقات بھی ضروری تھی اس لیے سلطان نے مشورے کے بعد ایک محضر طلب کرنے کا فیصلہ کیا۔ محضر میں شرکت کے لیے ہندوستان کے مشاہیر علماء و مشائخ کو دعوت دی گئی۔ حضرت شیخ بہاء الدین زکریاؒ نے بھی اس دعوت کو قبول کیا اور دہلی تشریف لائے۔ اس محضر میں دو سو صرف اولیائے کرام شریک ہوئے محضر جامع مسجد میں منعقد ہوا۔

شیخ الاسلام نجم الدین صغریٰ کو حضرت شیخ بہاء الدین زکریا اور حضرت جلال الدین تبریزی کی کشیدگی کا علم تھا۔ چنانچہ وہ ان دونوں کی اس کشیدگی اور ناراضی سے فائدہ اُٹھانا چاہتے تھے۔ شیخ الاسلام کی حیثیت سے انہوں نے شیخ بہاء الدین زکریا ہی کو حکم مقرر کیا۔ جمعہ کی نماز کے بعد مقدمہ کی کارروائی شروع ہوئی۔ مطربہ پیش کی گئی۔ حضرت جلال الدین تبریزی کو بھی طلب کیا گیا۔ جس وقت وہ مسجد کے دروازے پر پہنچے سارے علماء و اولیا ان کی تعظیم کے لیے

کھڑے ہو گئے، اور جب حضرت جلال الدین تبریزی نے اپنی جوتیاں اتاریں تو شیخ بہاء الدین زکریا نے بڑھ کر ان کی جوتیاں اپنے ہاتھوں میں لے لیں۔ سلطان التتمش بہت متاثر ہوا کہ ایک جلیل القدر حکم اپنے سامنے پیش ہونے والے ملزم کو ایسی توقیر و عظمت کر رہا ہے، جو حضرت جلال الدین تبریزی کے معصوم ہونے کی دلیل ہے اور تحقیقات کی کارروائی روک دینا چاہی، مگر شیخ بہا الدین زکریا نے فرمایا۔

"میرے لیے فخر کی بات ہے کہ شیخ جلال الدین تبریزی کے پاؤں کی خاک کو اپنی آنکھوں کا سرمہ بناؤں۔ کیونکہ وہ میرے مرشد شیخ الشیوخ حضرت شہاب الدین سہروردی کے ساتھ سات سال تک سفر و حضر میں رہے۔ لیکن شاید شیخ الاسلام نجم الدین کے دل میں یہ خیال ہو کہ بہاؤالدین نے شیخ جلال الدین تبریزی کی تعظیم کر کے ان کے عیب پر پردہ ڈال دیا ہے تو یہ اہل اللہ پر بخوبی روشن ہے کہ حضرت جلال الدینؒ سے ایسے فعل شنیع کا واقع ہونا محال ہے۔ لیکن پھر بھی دلائل بینہ کا اظہار ضروری ہے۔ اس لیے مدعیہ مطربہ کو سامنے لاؤ۔

چنانچہ مطربہ حضرت شیخ بہاء الدین زکریا کے سامنے لائی گئی۔ مگر اس پر ایسا رعب طاری ہو گیا کہ اس نے تہمت ثابت کرنے کی بجائے شروع سے آخر تک صحیح واقعہ بیان کر دیا کہ نجم الدین صغریٰ نے اس کو طمع دلا کر حضرت جلال الدین تبریزی پر الزام رکھنے کے لیے آمادہ کیا تھا اس سازش کے افشار پر نجم الدین صغریٰ ایسے ذلیل اور پشیمان ہوئے کہ مجلس ہی میں ان کو غش آگیا اور حضرت جلال الدین تبریزی کی معصومیت ثابت ہو گئی۔ سلطان التتمش نے اس کذب و بہتان کی سزا میں نجم الدین صغریٰ کو شیخ الاسلام کے عہدہ سے برطرف کر کے حضرت بہاالدین زکریا سے یہ عہدہ قبول کرنے کی استدعا کی۔ انہوں نے قبول فرمایا اور ایک مدت تک شیخ الاسلام کا عہدہ ان کے خاندان میں جاری رہا۔

عجز و انکساری: آپ کی طبیعت میں انکساری کا عنصر بہت نمایاں تھا۔ اپنے تمام کام اپنے ہاتھ سے کر لیا کرتے۔ کسی کام کو اس لیے نہ رد کر رکھتے تھے کہ خادم

آکر کرے گا۔ بعض اوقات خدام کی موجودگی میں بھی اپنا کام خود کر لیا کرتے تھے۔ آپ کو ایسی باتوں جن میں شخصیت پرستی کی جھلک نظر آتی تھی، سخت ناپسند تھیں۔ آپ فرماتے "خدا تعالےٰ نے تمام انسانوں کو ایک جیسا بنایا پھر تفریق کیوں کی جائے۔ فرق مراتب ہم انسانوں کے پیدا کردہ ہیں اس میں خدا تعالیٰ کی مرضی بالکل شامل نہیں اور جس کام میں اللہ تعالیٰ کی مرضی و منشا شامل نہ ہو اُن کو کرنا فضول بھی ہو گا اور اس کی ناراضگی مول لینے کے مترادف ہو گا اور کس کو مجال ہے جو خدا کی ناراضگی کا سامنا کرے۔ خدا تعالیٰ کو راضی رکھنے کے لیے انسان جب تک متقی نہ ہو جائے اپنا ہر قدم اپنا ہر لفظ محتاط روی سے استعمال نہ کرے وہ کامل بندہ نہیں بن سکتا۔ حق بندگی تو اُس وقت ہی ادا ہو سکتا ہے جب انکساری اور نفس کشی کے عوامل انسان میں نہ پیدا ہو جائیں۔

مریدوں کو نصیحت: ایک روز حضرت زکریا ملتانی مسجد میں تشریف لائے تو وہاں آپ کے مرید اور چند درویش وضو کر رہے تھے اور آپ کو دیکھ کر سب کے سب لوگ وضو چھوڑ کر کھڑے ہو گئے۔ مگر ایک درویش بدستور وضو کرتا رہا اور جب وضو سے فارغ ہوا تو تعظیم کے لیے کھڑا ہو گیا۔ آپ نے اُس درویش کی طرف اشارہ کر کے فرمایا "اصل درویش یہ ہے جس نے خدا کے کام کو مقدم جانا اور اُس کے بعد مرشد کی طرف راغب ہوا" یہی دستور درویشی ہے کہ مالک کی طرف پہلے جھکو اس کی بندگی اور عبودیت پہلے کرو۔ اس کے بعد اپنے شیخ کے لیے تعظیم بجا لاؤ۔ وضو کر کے انسان خدا کی درگاہ میں جاتا ہے اور خدا کے گھر جاتے ہوئے راستے میں کوئی انسان مل جائے خواہ وہ کتنا ہی برگزیدہ کیوں نہ ہو اس کی تعظیم سے زیادہ اپنی منزل کی طرف جانا مقدم سمجھنا چاہیے۔ آپ ہمیشہ انکساری کی تلقین فرماتے تھے اور شخصیت پرستی سے زیادہ خدا پرستی کو معتبر و مقدم جانتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ انکساری نے آپ کو اوج کمال تک پہنچا دیا تھا۔

ایک عالم دین کا واقعہ: ایک مرتبہ ایک بہت بڑا عالم و فاضل اور دانشور بخارا سے دہلی آیا۔ اس کی عالمانہ شہرت ہندوستان

بھر میں پھیل گئی۔ لوگ اس کو بہت بڑا نقطہ ور سمجھنے لگے، ہندوستان میں پھرتا پھراتا وہ ملتان بھی آیا مگر اس نے جناب زکریا ملتانی سے ملاقات کرنا کسرِ شان سمجھا۔ کافی عرصہ ملتان میں قیام کرنے کے بعد جب وہ وہاں سے واپس جانے لگا تو اس کے حواریوں اور ساتھیوں نے اس کو کہا۔ "آپ ایک مرتبہ جناب زکریا ملتانی سے مل تو لیں" اس نے بڑی ردو کد کی اور جناب زکریا ملتانی سے ملاقات کرنے میں متامل ہوتا رہا مگر اپنے ساتھیوں کے اصرار پر اس کو جناب زکریا کی خدمت میں ناچار حاضر ہونا پڑا۔

اس عالم نے لمبے لمبے بال رکھے ہوئے تھے جن کی ایک لمبی سی لٹ اس کی شانوں پر جھول رہی تھی اور سر پہ بڑا سا عمامہ باندھ رکھا تھا جس کا شملہ نیچے لٹک رہا تھا جب وہ آپ کی خانقاہ پر پہنچا تو جناب زکریا ملتانی نے اس کو مسکراتے ہوئے مخاطب کیا، "کندھوں پر دو سانپ لٹکا کر آ رہے ہو" یہ بات کرنے کی دیر تھی کہ اس عالم نے دیکھا کہ اس کے کاندھوں پر واقعی اصلی سانپ لٹک رہے تھے۔ وہ اس قدر دہشت زدہ ہوا کہ اس کی ساری رعونت، شیخی اور ڈینگ بازی رفوچکر ہو گئی اور دستار و جبہ ایک طرف پھینک کر آپ کے قدموں میں گر گیا۔ آپ نے اس کو اٹھایا اور فرمایا، بس اتنی سی بات سے گھبرا گئے تو یہ تمہارا غرور، نخوت اور برتری تھی جو تمہیں اللہ نے سانپوں کی شکل میں دکھائی۔ اُسی غرور کو ساتھ ساتھ لیے پھر رہے ہو اور جب وہ اصلی شکل میں نظر آئے ہیں تو خوف زدہ ہو گئے ہو" یہ سن کر وہ عالم بہت شرمندہ ہوا اور آپ کے قدموں میں گر کر معافی کا خواستگار ہوا۔ آپ سے بیعت ہو کر اس نے جبہ و دستار پرے پھینکے اور سر بھی منڈوا لیا اور آپ کے ساتھ ایک عرصہ تک حجرے میں بند ہو کر عبادات و ریاضت میں غرق رہا۔ وہ ہر ایک سے یہی کہتا تھا کہ اس نے کسی مدرسہ و مکتب سے علم حاصل نہیں کیا بلکہ اُس نے سب کچھ جناب زکریا ملتانی کی خانقاہ میں حاصل کیا ہے۔

رزق حلال کی تاکید: خدمتِ مولا کرتے ہوئے اُس کے آداب پر نظر رکھنا حق تعالیٰ کو بہت پسند ہے آپ اپنے مریدوں کو یہ نصیحت اکثر اوقات کرتے تھے "اپنے بیوی بچوں کو رزق طیب و حلال کھلاؤ، اگر ذرا برابر بھی ناجائز اور حرام کمائی کسی نے اپنی زوجہ و اولاد کو کھلائی تو ان کے اندر بھی حرام رزق کی تاثیر پیدا

ہو جائے گی۔ آدمی حرام کاری کے کام ولد الحرام ہونے کی وجہ سے ہی نہیں کرتا۔

ملتان کے اولے: آپ کے ایک دوست سید جلال الدین سُرخ بخاری جب ملتان میں آئے تو ہر وقت ملتان کی گرمی کی شکایت کرتے رہتے تھے۔ کیوں کہ بخارا کا موسم بڑا خوشگوار تھا اس لیے انہیں ملتان کی گرمی بے کل کر دیا کرتی۔ ایک روز اسی طرح ملتان کی گرمی سے وہ شاکی بیٹھے بخارا کو یاد کر رہے تھے کہ حضرت زکریا ملتانی کو بذریعہ کشف سید جلال الدین سرخ کی کیفیت معلوم ہوگئی آپ نے ایک خادم کو بلایا اور حکم دیا "مسجد کے صحن میں سے تمام صفیں اٹھا کر وہاں جھاڑو دیا جائے۔" ابھی خادم صفیں اٹھا کر اور جھاڑو سے فارغ ہوا ہی تھا کہ بادل نمودار ہوئے اور خوب موسلادھار بارش ہوئی اور ساتھ اولے بھی پڑے مگر خدا کی قدرت کہ اولے اور بارش مسجد میں ہی ہوئی۔ مسجد کے باہر ایک قطرہ بھی نہیں گرا۔ کیونکہ سید جلال الدین سرخ وہاں پر ہی تشریف فرما تھے۔ جب ظہر کی نماز کے وقت جناب زکریا ملتانی مسجد میں تشریف لائے تو سید جلال الدین سے مسکرا کر فرمایا "کہیے سید! ملتان کے اولے بہتر ہیں یا بخارا کی برف۔"

انہوں نے عرض کی "ایسی حالت میں تو ملتان کے اولے ہزار درجہ بہتر ہیں۔ بعض اوقات حق تعالےٰ اپنے مقربین کی دلجوئی اور تالیف اس طرح بھی فرما دیتا ہے جس طرح سید جلال الدین کی فرمائی۔

قلندروں کی جماعت: مزاج میں حلم و بردباری بہت تھی۔ آپ ایک روز خانقاہ میں تشریف فرما تھے کہ دلق پوش قلندروں کی ایک جماعت پہنچی اور ان سے مالی مدد کی خواستگار ہوئی۔ انہوں نے اس جماعت سے بیزاری کا اظہار فرمایا۔ اس پر قلندروں نے گستاخی شروع کر دی اور اینٹ پتھر سے ان کو مارنے لگے حضرت شیخ نے خادم سے فرمایا کہ خانقاہ کا دروازہ بند کر دو۔ جب دروازہ بند ہو گیا تو قلندروں نے دروازہ پر پتھر مارنے شروع کیے۔ حضرت شیخ نے کچھ تامل کے بعد خادم سے فرمایا دروازہ کھول دو۔ میں اس جگہ شیخ شہاب الدین عمر سہروردی قدس سرہ کا بٹھایا ہوا ہوں۔ خود سے نہیں بیٹھا ہوں۔ خادم نے دروازہ کھول دیا۔ اس وقت قلندر نادم ہوئے اور اپنے قصور

معافی چاہی۔

مہمان نوازی: خلق اللہ کی خاطر شاہی حکام کے ساتھ اشتراک عمل کرنے میں بھی دریغ نہ فرماتے۔ ملتان میں ایک بار سخت قحط پڑا۔ والی ملتان کو غلہ کی ضرورت ہوئی۔ شیخ بہاءالدین زکریا نے غلہ کی ایک بڑی مقدار اپنے ہاں سے اس کے پاس بھیجی۔ جب غلہ اس کے پاس پہنچا تو اس کے انبار سے نقرئی سکے کے سات کوزے بھی نکلے۔ والی ملتان نے شیخ کو اس کی اطلاع دی انہوں نے فرمایا کہ ہم کو پہلے سے معلوم تھا لیکن غلہ کے ساتھ اسے بھی ہم نے بخشا۔

شیخ بہاءالدین زکریا کے مطبخ میں طرح طرح کے کھانے پکتے تھے۔ مگر شیخ کو ان نعمتوں سے کھانے میں اسی وقت لذت ملتی، جب وہ مہمانوں، مسافروں اور درویشوں کے ساتھ مل کر کھاتے، جو شخص کھانا رغبت سے کھاتا تھا، اس کو بہت دوست رکھتے تھے۔ ایک مرتبہ فقراء کی ایک بڑی جماعت دستر خوان پر شریک تھی، حضرت شیخ بہاالدین زکریا نے ہر فقیر کے ساتھ ایک ایک لقمہ کھایا۔ ایک فقیر کو دیکھا تو روٹی شوربے میں بھگو کر کھا رہا ہے۔ فرمایا سبحان اللہ ان سب فقیروں میں یہ فقیر خوب کھانا جانتا ہے۔ کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ نانِ تر کو اور کھانوں پر وہی فضیلت ہے جو فضیلت مجھ کو تمام انبیاء پر ہے۔ اور عائشہ کو تمام دنیا کی عورتوں پر ہے۔

اللہ کی خاطر سب کچھ دے دیا: ایک مرتبہ دریا میں زبردست طغیانی آگئی اور پانی کہساروں اور میدانوں کو چیرتا ہوا جا رہا تھا۔ کئی گاؤں سیلاب کی نذر ہو گئے، ایک قیامت برپا تھی۔ لوگوں کے گھر، اسباب و اثاثہ، بیوی بچے دریا کی لہریں اپنے ساتھ بہاتی جا رہی تھیں۔ حضرت بہاؤالدین زکریا کی خدمت میں لوگوں نے عرض کی یا حضرت "خدا تعالیٰ سے دعا فرمایئے اور ہمیں اس قیامت خیز سیلاب سے نجات دلایئے" جناب زکریا ملتانی نے خدا کے حضور دعا فرمائی۔ سجدہ ریزی کرتے ہوئے آپ کا چہرہ اشکبار ہو گیا۔ طویل دعا کے بعد آپ نے اپنا لوٹا لوگوں کو دیا اور فرمایا، "یہ لوٹا لے جاؤ اور اس کو دریا میں ڈال دو۔ دریا کا سارا پانی یہ کوزہ اپنے اندر سمیٹ لے گا۔ چنانچہ لوگوں نے آپ کی حکم کی تعمیل

اور دریا میں کوزہ ڈال دیا۔ اللہ تعالٰے نے اپنی رحمت اور فضل و کرم سے واقعی کوزے میں دریا بند کر دیا اور سیلاب آن واحد میں اس طرح ختم ہو گیا جیسے کبھی پانی آیا ہی نہ تھا۔ پھر سیلاب زدگان اور بے گھر لوگوں کی آباد کاری کے لیے آپ نے اپنے خزانوں کے منہ کھول دیے۔ لاکھوں روپے اور منوں اناج متاثرہ خاندانوں میں تقسیم کیا گیا۔ آپ اپنے خدام سے فرمایا کرتے تھے گھر میں جتنا روپیہ اور گندم چاول ہوں اُن کو شام سے پہلے پہلے ختم کر دیا کرو۔ ایسا نہ ہو کہ مال و اسباب ہمارے گھر میں پڑا رہے اور غریب بھوکے مرتے رہیں"۔ اگر ایک شخص بھی میرے علاقے یا اس کے مضافات میں بھوکا رہا تو خدا کے آگے میں جواب دہ ہوں گا۔ اور ہوتا بھی یہ تھا کہ آپ اپنا خزانہ شام کو خالی کر واتے اور اللہ کی رحمت سے صبح تک پھر دولت کی ویسی ریل پیل ہوتی۔ لنگر اُسی انداز سے پکتا، پیسہ کپڑا اسی سرعت رفتار سے تقسیم ہوتا۔ لوگ دور دور سے بہاؤ الدین زکریا کے لنگر سے کھانا کھانے آیا کرتے تھے۔ آپ کا یہ معمول تھا کہ آپ لوگوں کو پیٹ بھر کر اور مختلف انواع کے کھانے کھلاتے مگر خود چوبیس گھنٹوں میں صرف ایک مرتبہ کھاتے تھے۔

حضرت شیخ بہاء الدین زکریا کے صحیفہ کمال میں جود و سخا کی بھی اعلیٰ مثالیں ملتی ہیں

جود و سخا: ایک بار ان کے معتقدوں اور مریدوں کا جہاز غرق ہو رہا تھا۔ غایت اضطراب میں انہوں نے حضرت شیخ الاسلام بہاء الدین سے روحانی استمداد چاہی، اللہ جل شانہ کی قدرت سے وہ جہاز محفوظ رہ گیا۔ جہاز پر موتی اور جواہرات کے بڑے بڑے تاجر تھے۔ جب جہاز ساحل پر پہنچا تو ان تاجروں نے اپنے مال کا ایک ثلث حضرت شیخ بہاء الدین زکریا کی خدمت میں نذر کرنے کا عہد کیا۔ اور ان کی جانب سے خواجہ فخر الدین گیلانی نقد و جواہرات لے کر ان کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ جواہرات کی قیمت اور نقد رقم ملا کر ستر لاکھ چاندی کے ٹنکے ہوئے تھے۔ شیخ نے اسی کو قبول تو کر لیا، لیکن تین دن کے اندر یہ کل رقم حقداروں، محتاجوں اور مسکینوں میں تقسیم کرا دی۔ خواجہ فخر الدین گیلانی اس سے اتنے متاثر ہوئے کہ انہوں نے اسی وقت اپنا تمام مال اسباب فقرا میں بانٹ دیا اور فقیری اختیار کر لی۔ پانچ برس شیخ کی خدمت میں گزار کر بیت اللہ کے حج کو روانہ ہوئے۔ مگر جدہ پہنچ کر جنت کی راہ لی۔

بے نیازی: شیخ کو کبھی دولت کی کمی محسوس نہ ہوئی۔ مگر وہ خود اس سے ہمیشہ مستغنی وبے نیاز رہے۔ ایک روز خادم سے فرمایا کہ جاؤ جس صندوقچہ میں پانچ ہزار دینار سرخ رکھے ہیں، اس کو اٹھا لاؤ۔ خادم نے ہر چند تلاش کیا۔ مگر صندوقچہ کہیں نہ ملا۔ وہ مایوس ہو کر واپس آیا اور شیخ کو اطلاع دی۔ کچھ تامل کے بعد فرمایا الحمد للہ! تھوڑی دیر بعد خادم پھر آیا اور صندوقچہ کے مل جانے کی اطلاع دی، پھر الحمد للہ کہہ کر خاموش ہو گئے۔ حاضرین نے عرض کی کہ حضرت نے صندوقچہ گم ہونے پر بھی الحمد للہ فرمایا۔ اور مل جانے پر بھی۔ اس میں کیا حکمت تھی۔ ارشاد فرمایا کہ فقیروں کے لیے دنیا کا وجود اور عدم دونوں برابر ہیں۔ ان کو کسی چیز کے آنے پر نہ خوشی ہوتی ہے اور نہ اس کے جانے کا غم ہوتا ہے۔ اور تمام دینار حاجت مندوں میں تقسیم کرا دیے۔

ذوق سماع: سماع سے بھی کبھی کبھی شغل فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ عبداللہ رومی قوال ملتان میں وارد ہوا، اور خدمتِ عالی میں حاضر ہو کر عرض کی کہ اس کا گانا حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی نے شوق کے ساتھ سنا ہے اور وہ ان کی خدمت میں اکثر حاضر رہا ہے۔ شیخ نے فرمایا کہ جب شیخ الشیوخ نے سنا ہے تو زکریا بھی سنے گا۔ چنانچہ قوال کو ایک خاص حجرہ میں بلایا گیا۔ عشا کی نماز کے بعد ایک پہر رات گزری ہو گی کہ خود حجرہ میں تشریف لائے، دو پارے کلام پاک تلاوت کر کے قوال کو سنانے کا حکم دیا اور حجرے کے دروازہ میں زنجیر لگا دی۔ قوال نے گانا شروع کیا۔

مستاں کہ شراب ناب خورند   از پہلوئے خود کباب خورند

جب اس بیت کی تکرار کی تو حضرت شیخ بہاء الدین زکریا وجد میں کھڑے ہو گئے اور حجرہ کا چراغ گل کر دیا۔ قوال کا بیان ہے کہ اس کو کچھ معلوم نہ ہوتا تھا، اور کچھ نظر نہ آتا تھا کہ شیخ کی کیا کیفیت ہو رہی ہے صرف دامن معلوم ہوتا تھا اور کچھ نظر نہ آتا تھا۔ تھوڑے وقفہ کے بعد شیخ حجرہ سے باہر تشریف لے گئے اور وہ (یعنی قوال) اپنے رفیقوں کے ساتھ حجرہ ہی میں رہا۔ جب صبح ہوئی تو شیخ نے خادم کے ہاتھ خلعت اور بیس نقرئی ٹنکے بھجوا دیے۔

تلاوت کا شغف: کلام پاک کی تلاوت سے بڑا شغف رکھتے تھے۔ ایک بار اپنے خلفا کے ساتھ مجلس میں بیٹھے تھے کہ ان سے مخاطب ہو کر فرمایا تم میں سے کوئی ایسا شخص ہے کہ دو رکعت نماز کی نیت باندھے اور ایک رکعت میں نماز کے درمیان کلام پاک ختم کرے، حاضرین میں سے کسی کو ہمت نہ ہوئی۔ پھر خود ہی نماز کے لیے کھڑے ہو گئے، اور دو رکعت نماز کی نیت کر کے پہلی ہی رکعت میں پورا کلام مجید ختم کر دیا۔ اور چار پارے زائد پڑھے، دوسری رکعت میں سورہ اخلاص پڑھی بار ہا فرماتے تھے کہ اہل دل سے مجھ کو کچھ فیض پہنچا ہے، اللہ تعالیٰ نے اس کو عمل میں لانے کی بھی توفیق عطا فرمائی ہے اور جس کام کے لیے حوصلہ کیا وہ پورا ہوا، لیکن ایک کام اب تک نہیں ہو سکا، ایک بزرگ آغاز صبح سے طلوع آفتاب قرآن شریف ختم کر لیتے ہیں۔ میں نے بھی ہر چند اس کی کوشش کی، مگر یہ حوصلہ پورا نہیں ہو سکا، تین چار پارے باقی رہ جاتے ہیں۔ مگر سیر العارفین کے مولف کا بیان ہے کہ میں نے اپنے پیر دستگیر شیخ سما الحق والدین سے سنا تھا کہ حضرت شیخ بہاء الدین زکریا کا معمول تھا کہ تہجد کی نماز کے بعد کلام پاک کا آغاز کرتے اور فجر کی نماز کی سنتوں تک پورا ختم کر لیتے تھے۔

قطب الدین بختیار کاکی کی تعظیم: وہ خود دوسروں کی بڑی تعظیم کرتے تھے، حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ جب وارد ہندوستان ہوئے اور ملتان آکر ٹھہرے، حضرت شیخ بہاالدین زکریاؒ ان سے تعظیم و محبت اور شفقت سے ملے اور اصرار کر کے کچھ دنوں ان کو اپنے ہاں روکا۔ حضرت خواجہ بختیار کاکیؒ بھی حضرت شیخ بہاالدین زکریاؒ کی بڑی قدر کرتے تھے، چنانچہ جب معتقدین نے اُن کو ملتان میں قیام کرنے کی دعوت دی تو فرمایا کہ ملتان کی سرزمین پر شیخ بہاالدینؒ کا قبضہ اور سایہ کافی ہے یہاں ان ہی کی حمایت تم لوگوں کے ساتھ رہے گی۔

حضرت بابا فریدؒ کے ساتھ تعلقات: حضرت خواجہ فریدؒ کے ساتھ آپ کو بڑی عقیدت تھی۔ آپ ہمیشہ اُن کو خلوص و محبت سے ملتے تھے اور اُن کے ساتھ بڑی محبت کا سلوک کیا کرتے تھے۔

وفات: شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی نے ۷ صفر ۶۶۱ھ کو وصال فرمایا۔ فوائد الفواد میں ہے کہ حضرت محبوب الٰہی خواجہ نظام الدین دہلوی کی محفل میں ایک دفعہ حضرت شیخ بہاء الدین ملتانی کی وفات کا تذکرہ چلا، حضرت محبوب الٰہی نے فرمایا کہ ایک روز ایک بزرگ صورت شخص ظاہر ہوئے اور ایک لفافہ آپ کے صاحبزادے شیخ صدر الدین کو دیا۔ اور کہا کہ یہ خط ایک صاحب نے دیا ہے اور کہا ہے کہ یہ شیخ بہاء الدین کو پہنچا دو۔ شیخ صدر الدین اُس کا عنوان پڑھ کر بے حد متحیر ہوئے اور اپنے والد کی خدمت میں وہ خط پیش کر کے باہر آئے، باہر آکر دیکھا کہ قاصد جا چکا تھا، خط کے پڑھنے کے ساتھ ہی شیخ بہاء الدین زکریا کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی، اور آواز بلند ہوئی کہ "دوست بدوست رسید" یہ آواز سنتے ہی شیخ صدر الدین حجرے میں گئے دیکھا کہ آپ وصال فرما چکے تھے۔

اس واقعہ کو بیان فرمانے کے بعد محبوب الٰہی نے فرمایا، وہ بھی کتنا اچھا زمانہ تھا جس میں یہ پانچ بزرگ زندہ تھے۔ شیخ ابو الغیث یمنی۔ شیخ سیف الدین باخرزی۔ شیخ سعد الدین حمویہ، شیخ الاسلام شیخ فرید الدین قدس اللہ سرہم۔

حضرت بابا گنج شکر کے ملفوظات "راحت القلوب" میں مذکور ہے کہ جب حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی نے وفات پائی، اُسی وقت اُجودھن (پاک پٹن) میں حضرت بابا گنج شکر بے ہوش ہو گئے، جب ہوش آیا تو فرمایا۔

برادرم بہاء الدین زکریا رازیں بیابان فنا بشہرستان بقا بردند پھر آپ نے اُٹھ کر اپنے مریدوں کے ساتھ غائبانہ نماز جنازہ پڑھی ۔آپ کا مزار مبارک ملتان میں سب سے بڑی زیارت گاہ ہے۔

اولاد: اولاد میں آپ کے صاحبزادے شیخ صدر الدین آپ کی وفات کے بعد مسند آرائے رشد و ہدایت ہوئے۔

خلفاء: آپ کے خلفاء کی تعداد کثیر ہے، مشہور خلفاء کے نام یہ ہیں، (۱) شیخ حسن افغان (۲) شیخ فخر الدین عراقی (۳) سید صدر الدین احمد بن سید نجم الدین ہروی سے (۴) شیخ جمال خنداں (۵) شیخ نجیب الدین علی برغش۔

مقبرہ: آپ کا مقبرہ پرانے قلعہ ملتان کے روبرو واقع ہے۔ عمارت کے بڑے عظیم الشان دروازے پر لکھا ہے "خانقاہ غوث العٰلمین حضرت غوث بہاء الحق والدین زکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ تاریخ وفات ۷ صفر ۶۶۱ھ مقدس"۔ پاکستان میں اس قدر بلند اور عالیشان و رفیع الشان کوئی اور مقبرہ نہیں ہے۔ دراصل یہ مقبرہ سلاطین دہلی میں سے ایک بادشاہ نے اپنے لیے بنوایا تھا مگر اس کی قسمت میں یہ جگہ نہ ہو سکی اور آنحضور رح کا مرقد منور یہاں بن گیا۔ آپ کے ساتھ مقبرہ کے نیچے اور بے شمار مزارات ہیں جو کہ آپ کے خاندان کے ہی افراد تھے۔ اور بعد از وفات یہاں دفن ہوئے۔

حضرت صدرالدین عارف سہروردی رح

حضرت صدرالدین عارف شیخ بہاءالدین زکریا ملتانی کے سب سے بڑے بیٹے تھے آپ انہی کے تربیت یافتہ ہیں۔ والد ماجد کے بعد مسند ارشاد آپ نے سنبھالی اور تبلیغ اسلام اور تزکیہ نفس کے جو اصول حضرت بہاءالدین زکریا ملتانی نے قائم کیے تھے انہیں بڑے احسن طریقے سے قائم رکھا۔

ولادت: حضرت صدرالدین عارف ۶۲۱ھ میں ملتان میں پیدا ہوئے آپ کی والدہ ماجدہ کا نام بی بی رشیدہ بانو تھا جو شیخ احمد غوث کی صاحبزادی تھیں۔ آپ کی پیدائش پر بڑی خوشی کا اظہار کیا گیا۔

پرورش اور تربیت: آپ کی پرورش اور تعلیم و تربیت اپنے والد گرامی کی نگرانی میں ہوئی آپ نے ظاہری اور باطنی علم انہی سے حاصل کیا آپ تھوڑے ہی عرصہ میں علم و فضل میں یگانہ روزگار ہو گئے۔ سب سے پہلے آپ نے قرآن مجید حفظ کیا۔ کہا جاتا ہے کہ دینی علوم میں بیشتر علماء آپ کے ہم پلہ بھی نہ تھے۔

علوم باطنی کا حصول: علوم ظاہری کی تکمیل سے فارغ ہوئے تو آپ کے والد ماجد نے آپ کو علوم باطنی اور اسرار معرفت کی تعلیم دینا شروع کی تھوڑے عرصہ میں والد بزرگوار کی نگاہ فیض سے وہ مقام حاصل کر لیا جو دوسروں نے سالہا سال کے مجاہدات اور ریاضتوں کے بعد پایا تھا۔

لقب عارف: آپ شیخ صدرالدین عارف کے نام سے مشہور تھے۔ اس لقب سے مشہور ہونے کی یہ وجہ تھی کہ جب آپ تلاوت قرآن مجید کرتے یا کلام مجید ختم فرماتے تو معرفت و حکمت کے نئے نئے اسرار و رموز آپ پر آشکارا ہوتے،

والدگرامی کا وصال: حضرت بہاءالدین زکریا ملتانی نے ۶۶۱ھ میں وصال فرمایا حضرت شیخ صدر الدین عارف کی عمر اس وقت چالیس برس تھی۔ مگر آپ کو بڑا صدمہ ہوا اور چند روز ناقابل برداشت حالت میں رہے لیکن ترفیق باری تعالیٰ سے آپ نے اس صدمہ کو بڑے صبر و تحمل سے برداشت کیا۔ اپنے والد ماجد کی نماز جنازہ آپ نے خود پڑھائی۔

مسند رشد و ہدایت: والد محترم اور مرشد گرامی کے وصال کے بعد خاندان سہروردیہ کے جلیل القدر بزرگوں نے اور اپنے خانوادہ کے اکابرین نے دستار غوثیت آپ کو باندھی اور رشد و ہدایت کی مسند پر فائز کیا تو اس روز سے آپ عملی طور پر اسلام کی تبلیغ اور خلق خدا کی خدمت میں مصروف ہو گئے۔

فرغانہ کی شہزادی بی بی راستی اپنے حسن و جمال میں یکتا دور دور تک مشہور تھیں۔ اُن کے حسن کا شہرہ سن کر آس پاس کی ریاستوں کے شہزادے اور امراشہزادی سے شادی کے زبردست خواہشمند تھے لیکن شہزادی کو کسی سے دلچسپی نہ تھی۔ وہ عام شہزادیوں سے بہت مختلف تھیں۔ انتہائی پرہیزگار اور عبادت گزار۔ اپنی عبادت و ریاضت کے باعث وہ سلوک کے راستے سے مقام ناسوت کو عبور کر کے عالم ملکوت میں داخل ہو چکی تھیں۔ اس لیے اُن کی نظر میں دُنیاوی امور میں اُلجھے یہ شہزادے کسی طور پر بھی جچ نہ پائے۔ شہزادی کے والد سلطان جمال الدین بھی ایک درویش صفت باکمال بزرگ تھے۔ وہ بیٹی کی منشاء و رضا بخوبی جانتے تھے لیکن ایک باپ ہونے کے ناطے اُن کی بھی یہ دلی خواہش تھی کہ کسی طرح جلد از جلد اس فرض سے سبکدوش ہو جائیں۔ آخر ایک دن سلطان جمال الدین نے کھل کر بیٹی سے بات کرنا چاہی تو شہزادی نے سر جھکا کر آہستہ سے کہنا شروع کیا کہ "بابا حضور! جب خدا کی مرضی ہوگی تب یہ کام بھی انجام پا جائے گا۔ آپ کیوں فکرمند ہوتے ہیں۔ ہمیں خدا کے حکم کا انتظار کرنا چاہیے۔ اور سلطان شہزادی کی اس منطق کے آگے خاموش ہو کر رہ گیا۔

شہزادی بی بی راستی اکثر مکہ عبادت کی غرض سے جاتی رہتی تھیں۔ اور وہاں خانہ کعبہ میں روزانہ حاضری دیتیں اور عبادت کرتیں ایک مرتبہ شہزادی حسب معمول مکہ گئیں خانہ کعبہ میں

طواف کر رہی تھیں کہ انہوں نے ایک انتہائی خوبصورت اور مردانہ وجاہت کے اعلیٰ ترین نمونے کو دیکھا جو انہی کی طرح خانہ کعبہ کا طواف کر رہا تھا۔ لیکن اُس نوجوان کی پشت سے شعاعیں منعکس ہو رہی تھیں۔ یوں لگتا تھا گویا نور کا سیلاب اُمڈ رہا ہو۔ اور یہ اس امر کی علامت تھی کہ اس نوجوان کے صلب میں کوئی ایسا وجود پوشیدہ ہے جو اپنے دور کا قطب الاقطاب ہو گا شہزادی جو غور سے انہیں دیکھ رہی تھیں۔ انہیں طواف ختم کرتے دیکھ کر فوراً اُس نوجوان کی طرف لپکیں اور شرما کر بولیں "کیا میں معلوم کر سکتی ہوں کہ جناب کا اسم شریف کیا ہے اور کہاں سے تشریف لائے ہیں۔

اس نوجوان نے حیرت سے اس حسین شہزادی کو دیکھا اور بولے میرا نام صدر الدین ہے اور ہندوستان کے شہر ملتان کا رہنے والا ہوں۔

شہزادی نے یہ سنا اور کہا "اوہ... تو گویا آپ بہاء الدین زکریا کے ملتان سے تشریف لائے ہیں

جی ہاں، اور مجھے اُن کی فرزندی کا شرف بھی حاصل ہے۔

یہ سن کر شہزادی نے دوبارہ دریافت کیا کیا آپ شادی شدہ ہیں؟ اُس نوجوان نے جس نے اپنا نام صدر الدین بتایا تھا نفی میں جواب دیا۔ یہ سن کر شہزادی نے کسی قدر جھجکتے ہوئے کہا۔ "اگر آپ شادی کے خواہش مند ہوں تو میں ایک ایسے رشتے تک آپ کی راہنمائی کر سکتی ہوں جو آپ کے لیے بہت مناسب رہے گا۔" کعبہ گواہ ہے کہ میں نے جو مناسب اور موزوں رشتے کے الفاظ کہے ہیں وہ غلط نہیں کہے۔

صدر الدین نے کہا "شادی کا جہاں تک تعلق ہے تو یہ بات میرے والد کے متعلق ہے جو بھی وہ فیصلہ کریں گے مجھے قبول ہو گا۔

شہزادی نے فوراً فرغانہ کی طرف سفر شروع کیا۔ اور فرغانہ پہنچ کر اپنے والد سلطان جمال الدین سے یہ تمام ماجرا کہہ سنایا۔ سلطان جمال الدین نے یہ سنا تو خوش ہو گئے کہ چلو شہزادی کو کوئی تو پسند آیا۔ چنانچہ انہوں نے اس موقعہ کو غنیمت جانتے ہوئے فوراً ملتان کے سفر کی تیاری شروع کر دی اور ملتان پہنچ کر ہی دم لیا۔ جیسے ہی سلطان جمال الدین اور اُن کا شاہی قافلہ ملتان

کی حدود میں داخل ہوا تو بہاء الدین زکریا اپنے خلفاء کے ساتھ شاہی مہمانوں کے استقبال کے لیے راستے میں کھڑے ہو گئے اور مہمانوں کو اپنی رہائش گاہ میں لے گئے۔ ملتان میں جہاں آج کل بی بی پاک دامن کا مزار ہے وہاں اُس زمانے میں حضرت شیخ بہاء الدین زکریا کا عالی شان محل اور باغ تھا۔

ملتان پہنچنے کے دوسرے دن دوران ملاقات سلطان جمال الدین نے حضرت بہاء الدین زکریا اس بات کی خواہش بیان کی کہ وہ اپنی صاحبزادی کی شادی کسی مخدوم زادے سے کرنا چاہتے ہیں۔ حضرت بہاء الدین نے سلطان جمال سے فرمایا "میرے بھی بیٹے آپ کے سامنے بیٹھے ہیں۔ آپ جسے اپنی فرزندی میں لینا چاہتے ہیں۔ اسے اپنا بیٹا بنا لیں۔ سلطان نے یہ سن کر فوراً صدر الدین کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھا اور اسے محفل میں موجود پا کر بہا الدین زکریا سے مخاطب ہوئے۔ حضرت میں صدر الدین کے لیے ہی اتنی مسافت طے کر کے ملتان آیا ہوں حضرت بہاء الدین زکریا نے اپنے بیٹے صدر الدین کی طرف اشارہ کیا وہ فوراً اُٹھے اور سلطان جمال الدین کے پاس ادب سے آن کر بیٹھ گئے۔

گویا یہ حضرت بہاء الدین زکریا کی طرف سے ایک قسم کی اظہار رضا مندگی کا ثبوت تھا چنانچہ پوری محفل میں مسرت و انبساط کی لہر دوڑ گئی اور سبھی نے بیک آواز مبارک باد دینا شروع کر دیا۔ شیخ بہاء الدین زکریا نے شفقت سے شہزادی کے سر پہ ہاتھ پھیرا اور یوں شہزادی بی بی راستی اور صدر الدین کا ملاپ ہو گیا۔ جن کے وجود سے ایک ایسے آفتاب نے جنم لینا تھا جس سے ہند کا یہ خطہ منور ہونے والا تھا۔

ہر قمری مہینے کی پہلی تاریخ کو بہاء الدین زکریا اپنی بہو بیٹیوں سے ملتے۔ ایک مرتبہ حسب معمول جب شیخ بہاء الدین کی بیٹیاں اور بہوئیں اُن سے ملنے اور زیارت کرنے اُن کے حجرے میں داخل ہوئیں جب تمام بہو بیٹیاں آپ کو سلام کر کے ایک جگہ ہو کر بیٹھتی گئیں اور آخر میں شہزادی راستی کی باری آئی۔ تو آپ جو اب تک بیٹھے ہوئے تھے ایک دم کھڑے ہو گئے اور تعظیماً ذرا سا جھک گئے۔ یہ دیکھ کر جہاں دوسروں کو حیرت ہوئی وہاں بی بی راستی بھی شرمندہ ہو گئیں اور وہ انتہائی ندامت بھرے لہجے میں مخاطب ہوئیں یا حضرت! یہ آپ کیا

کر رہے ہیں، آپ کیوں مجھے شرمندہ کیئے جا رہے ہیں۔ میں بھلا اس تعظیم کے کہاں قابل ہوں۔

یہ سن کر آپ نے فرمایا" بیٹی یہ تعظیم تو ہم نے اس وجود کے لیے دی ہے جو تمہارے بطن میں پروان چڑھ رہا ہے۔ اور ہمارے خاندان کا یہ چشم و چراغ ایک دن اس خطہ کی جس طرح تقدیر بدل ڈالے گا وہ ہماری نظریں دیکھ رہی ہیں۔ ہم اپنے دور کے اس قطب الاقطاب کی تعظیم کے لیے کھڑے ہوئے تھے۔ یہ سن کر بی بی راستی نے خوشی سے اپنا سارا اثاثہ غربار حاجت مندوں میں خیرات کر دیا آخر ۹ رمضان ۶۴۹ھ بروز جمعہ حضرت رکن الدین پیدا ہوئے۔ جس کے لیے بی بی راستی نے برسوں سے امید لگار کھی تھی۔ جس کے لیے انہوں نے تخت و تاج ٹھکرا دیا تھا۔

کرامات: صاحب خزینۃ الاصفیا، لکھتے ہیں کہ شیخ احمد نام ایک سوداگر قندھار میں رہتا تھا بہت خوب صورت نوجوان تھا۔ اسے شراب کی اتنی لت پڑ چکی تھی۔ کہ بے پیئے ایک لحظہ زندگی بسر کرنا اس کے بس کی بات نہ تھی۔

اتفاق سے شیخ احمد اپنا اسباب تجارت ملتان لے آیا۔ اور بازار میں ایک شاندار دکان کرایہ پر لے کر کاروبار شروع کر دیا۔ کام خوب چل نکلا۔ شہر بھر میں اس کی شہرت ہوگئی خوب کمایا اور خوب کھایا اس کی مے خوارگی کا کسی نے حضرت شیخ العارف رحمۃ اللہ علیہ سے بھی ذکر کر دیا اور عرض کی۔ حضور! شہر کے تمام بے فکرے اس کے ہاں بیٹھتے ہیں۔ اور دن بھر شراب کا دور چلتا رہتا ہے۔

آپ نے کچھ دیر تامل کے بعد فرمایا۔ "جب میں بازار سے گذروں مجھے وہ نوجوان دکھانا۔ بہر حال میرے شہر میں وہ پردیسی ہے۔ اس سے الجھنا اور بگڑنا بھی تو مناسب نہیں۔

بات رفت گذشت ہو گئی۔ ایک دن اتفاق سے حضور حضرت غوث العلمین۔ قدس سرہ العزیز کے مقبرہ کی زیارت کو تشریف لیئے جاتے تھے۔ جب اس کی دکان سے گذرے، تو غلام نے عرض کی، حضور یہی وہ سوداگر ہے جس کی مے خوارگی کا چرچا حضرت

تک پہنچا تھا۔ شیخ نے مڑ کر دیکھا۔ تو ایک بانکا، رنگیلا، سجیلا، نوجوان مسند پر بیٹھا پایا۔ اس کی جبین سے سعادت کے آثار ظاہر تھے۔ آپ نے خادم سے فرمایا۔ جس طرح بھی ممکن ہو اس نوجوان کو میرے پاس لے آ۔ حضرت زیارت سے فارغ ہی ہوئے تھے۔ کہ خادم نے شیخ احمد کو لاکر پیش کر دیا۔ حضرت اسے اپنے ہمراہ حجرہ شریف میں لے آئے گرمی کا موسم تھا خدام نے شربت کا پیالہ پیش کیا۔ آپ نے اس میں سے ایک دو گھونٹ نوش فرمائے اور پھر وہ پیالہ شیخ احمد کی طرف بڑھایا اور فرمایا۔ "بنوش"

اس کے پیتے ہی نوجوان کا باطن انوار الٰہی سے جگمگا اٹھا۔ غفلت و بدمستی سے آنکھیں کھل گئیں۔ شیخ کے سراپا پر نظر ڈالی۔ تو کچھ اور ہی کیفیت نظر آئی وہاں شیخ عارف کہاں تھے۔ معرفت الٰہی کا ایک نور تھا۔ جو زمین سے اٹھ اٹھ کر آسمان سے باتیں کر رہا تھا۔ شیخ احمد وحدت کے نشہ سے مخمور ہو کر شیخ کے قدموں میں گرے اور بیعت کی التماس کی حضرت نے اسے اٹھا کر گلے سے لگایا۔ اور سہروردیہ طریقہ کے مطابق اپنے حلقہ بیعت میں شامل کر لیا۔ شیخ احمد خانقاہ غوثیہ سے واپس روانہ ہوا مگر اس حال میں کہ آنکھیں پر آب تھیں اور نظر قدموں سے اٹھنے کا نام نہ لیتی تھی بازار سے گزرے دکان پر پہنچے۔ تو یاروں کا جمگھٹا لگ رہا تھا۔ انہوں نے ہاتھوں ہاتھ لیا۔ قسم قسم کے چٹکلے پھبتکے۔ گدگدیاں نکالیں شراب کا پیالہ پیش کیا۔ لیکن یہاں تو کایا ہی پلٹ چکی تھی۔ شیخ احمد نے تحسر انگیز نظر سے اس مجمع کو دیکھا۔ اور فرمایا،، دوستو! معاف کیجیے۔ میں اب ایسی شراب پی کر آ رہا ہوں۔ جس کا ایک گھونٹ ہمیشہ کے لیے مست بنا دیتا ہے۔ اگر تم بھی ایسے کیف و سرور سے لطف اندوز ہونا چاہتے ہو۔ تو حضرت شیخ العارف ؒ کے قدموں کی خاک پاک کو سرمہ بصیرت بناؤ۔ اس میخانہ سے کوئی رند بادہ الست شاکی نہیں۔ جب مجھ سے غریب الوطن پر یہ عنایت ہوئی ہے۔ تو تم جو اس ذات مقدس کے ہم وطن ہو محروم کیسے رہ سکتے ہو۔

مفتی غلام سرور لاہوری مولف خزینۃ الاصفیا فرماتے ہیں۔ کہ شیخ احمد ؒ اسی وقت دکان کا تمام سامان و اسباب گاڑیوں پر لدوا کر خانقاہ معلی پر لے آیا۔ اور

فقراء ومساکین میں بانٹ اس طریق سے تجرید اور تفرید کی زندگی شروع کی ۔ کہ سات سال صرف ایک تہبند میں گذار دیے ۔ جس مست شباب کی پہر پہر کے بعد پوشاک بدلتی تھی ۔ اب اس تن نازنین پر سوائے ایک کہنہ چادر کے اور کوئی پارچہ نظر نہیں آتا تھا ۔ سات سردیاں اور گرمیاں اسی ایک تہبند میں گذر گئیں ۔

محمد قاسم مؤلف تاریخ فرشتہ لکھتا ہے کہ شیخ احمد کا جذبہ عشق یہاں تک پہنچا ، کہ انہیں جہاں اور اہل جہاں کی خبر تک نہ رہی مدہوشی کے عالم میں انہیں ادائیگی فرائض کا احساس تک بھی نہ ہوتا ۔ ملتان کے علمائے ظاہر نے انہیں مجبور کیا کہ نماز ادا کریں کیونکہ اگر وہ نماز نہیں پڑھیں گے ۔ ان پر لفظ مسلمان کا اطلاق نہیں ہو سکے گا ۔ آپ نے فرمایا صاحبو ! میں معذور ہوں ۔ نماز ادا کرنے کی قدرت مجھ میں نہیں ہے ۔ لیکن جب ان کا اصرار بڑھ گیا ۔ تو فرمایا ۔

" اچھا اگر مجبور کرتے ہو ۔ تو تمہاری خاطر نماز پڑھ لیتا ہوں ۔ لیکن سورۃ فاتحہ نہیں پڑھوں گا ۔

حضرات علماء نے کہا کہ بغیر فاتحہ نماز کیونکر درست ہو سکتی ہے ۔ آپ نے فکر مند ہو کر فرمایا اچھا سورۃ فاتحہ بھی پڑھ لیتا ہوں ۔ لیکن اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ پڑھنے پر اصرار نہ کیجئے علمائے نے برہم ہو کر کہا ۔

" آپ کیسی باتیں کرتے ہیں ۔ کیا اس آیہ کریمہ کے بغیر فاتحہ درست ہو سکتی ۔

فاتحہ بھی پڑھنی ہو گی اور یہ آیت بھی ۔ انجام کار علما کے اصرار پر آپ مصلّی پر نماز پڑھ لیے آکھڑے ہوئے ، اور نماز شروع کی ۔ لیکن جب اِیَّاکَ نَعْبُدُ پر پہنچے ۔ اُن کے ہر بن مو سے خون جاری ہو گیا ۔ یہاں تک کہ آپ کی تمام پوشاک خون سے تر بتر ہو گئی ۔ آپ نے نماز توڑ ڈالی ۔ اور فرمایا ۔ بزرگو ! اب میں زنِ حائضہ کے حکم میں ہوں مجھ پر نماز فرض ہی نہیں رہی ۔

حضرت مولانا حسام الدین رح شیخ الاسلام عارف باللہ کے جلیل القدر خلیفہ تھے ۔ اور سالہا سال حضرت کی صحبت میں بسر کر چکے تھے ۔ فرماتے ہیں ۔ ایک دفعہ میں حضرت

خلاصتہ المشائخ صدر الملتہ والدین کے ہمراہ شیخ الاسلام بہاء الملتہ والدین قدس سرہ۔ کے روضہ اطہر کی زیارت کو گیا۔ حضرت عارف باللہ جب زیارت سے فارغ ہو کر باہر تشریف لائے میرے دل میں خیال گذرا کہ اگر ایک ٹکڑا زمین کا اپنی قبر کے لیے مانگ لوں تو کیا عجب ہے۔ کہ شیخ کبیرؒ کی ہمسائیگی کے طفیل مجھے عذاب دوزخ سے نجات مل جائے بمجرد اس خیال کے گزرنے کے شیخ المشائخ صدر الملتہ والدین نے میری طرف دیکھا اور مسکرا کر فرمایا۔

"مولانا حسام الدین! زمین از برائے مزار سما دریغ نیست اما حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم دمینے پاک برائے مزارِ شما در خطۂ بدایوں اشارت فرمودہ است، البتہ خاکِ شما در انجا آسودہ خواہد شد"۔

شیخ المشائخ حضرت محبوب الٰہی دہلوی کا بیان ہے۔ کہ جب قضا و قدر مولانا حسام الدین کو بدایوں لے گئی۔ تو ایک رات انہوں نے خواب میں جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ ایک جگہ بیٹھے وضو فرما رہے ہیں۔ صبح کو اس مقام پر گئے تو یہ دیکھ کر ان کی حیرت کی انتہا نہ رہی کہ زمین وضو کے پانی سے بھیگی ہوئی ہے۔ اور وضو کا نشان ظاہر ہے۔ حضرت مولانا نے وصیت کی۔ کہ مجھے اسی مقام پر دفن کیا جائے۔ چنانچہ بعد وفات دفن کیے گئے۔

شیخ صدرالدین کے ملفوظات، اُن کے ایک مرید خواجہ ضیاء الدین نے،

ملفوظات: "کنز الرموز"، کے نام سے جمع کئے تھے۔ یہ ملفوظات پند و موعظمت، اسرار و معارف، اثر و تاثیر کے لحاظ سے ایک بیش بہا خزینہ ہیں، ہم اخبار الاخیار سے ان ملفوظات میں سے چند ارشادات یہاں تبرکاً نقل کرتے ہیں۔ اپنے مریدوں کو وصیت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

حدیث قدسی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لا اِلٰہ اِلّا اللّٰہُ میرا قلعہ ہے۔ جو اس قلعے میں داخل ہو گیا وہ میرے عذاب سے محفوظ ہو گیا، اور

اس قلعے میں آنے کے تین طریقے ہیں، ظاہر، باطن، اور حقیقت،
ظاہر یہ ہے کہ بندہ خوف اور امید سوائے خدا کے کسی سے نہ رکھے، اگر
تمام لوگ اس کے دشمن ہو جائیں تو اس سے فکر مند نہ ہو، اور اگر تمام لوگ
اس کے دوست ہو جائیں تو اس سے خوش نہ ہو۔ کیونکہ خدا کے حکم کے
بغیر کوئی نفع نقصان اور خیر و شر اس کو نہیں پہنچا سکتا۔ کیونکہ قرآن مجید میں
ہے۔ وَاِنْ یَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗ وَاِنْ یُّرِدْكَ
بِخَیْرٍ فَلَا رَادَّ لِفَضْلِهٖ۔
باطن یہ ہے کہ آدمی کو اس کا یقین ہو کہ موت سے پہلے اس دنیائے فانی میں
جو کچھ اس کو پیش آتا ہے وہ آنی و فانی ہے اور خدائے تعالےٰ کا قلم اس
کے فانی ہونے پر چل چکا ہے۔ کل من علیھا فان، اس کو ہستی و نیستی
قابل التفات نہیں۔
حقیقت یہ ہے کہ آدمی کے قلب میں نہ جنت کی آرزو ہو، نہ دوزخ کا خوف
ہو، صرف اللہ ہی اللہ، ہو جب انسان کے دل میں یہ سچائی جاگزین
ہو جاتی ہے تو بہشت اس کے پیچھے پیچھے آتی ہے اور دوزخ اس
سے بھاگتی ہے۔
ایک اور موقع پر اپنے مریدوں کو وصیت فرمائی کہ۔
کوئی سانس بغیر ذکر کے باہر نہ نکلنا چاہیے کہ بزرگوں نے کہا ہے کہ جو کوئی
بغیر ذکر کے سانس لیتا ہے، وہ اپنا حال ضائع کرتا ہے، اور ذکر کے
وقت وسوسہ اور حدیثِ نفس سے گریز کرنا چاہیے۔ جب یہ صفت پیدا
ہو جائے گی تو وسوسہ اور حدیث نفس ذکر کے نور سے جل جائیں گے
اور دل میں نورِ ذکر اترتا جائے گا۔ اور قلب میں ذکر کی حقیقت متمکن ہو
جائے گی۔ پھر ذکر مذکور کے مشاہدے کے ساتھ ہوگا، اور دل، نور
یقین سے منور ہو جائے گا، اور یہی طالبوں اور سالکوں کا مقصود ہے،

ایک اور موقع پر مریدوں سے ارشاد فرمایا کہ پہلا قدم اتباع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں ایمان لانا ہے۔ اور پھر اس ایمان پر ثابت قدم ہونا ہے اور یہ اُس وقت تک ممکن نہیں کہ جب تک کہ بغیر کسی شک وشبہ کے رغبت محبت اور معرفت کے ساتھ دل میں یہ اعتقاد رکھے کہ خدائے تعالےٰ اپنی ذات میں اکیلا اور اپنی صفات میں یگانہ اور تمام صفات کمالیہ سے متصف ہے۔ اسمار صفات اور افعال کے لحاظ سے قدیم ہے، اوہام و افہام کے ادراک سے بالاتر ہے، حدوث، عوارض اور اجسام کی علامتوں سے منزہ ہے۔ تمام عالم اُسی کا پیدا کیا ہوا ہے۔ اُس کی ذات وصفات میں چون وچرا کرنا جائز نہیں۔ نہ وہ خود کسی چیز سے مشابہ ہے، تمام پیغمبر اُسی کے بھیجے ہوئے ہیں، اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام پیغمبروں سے افضل ہیں اور جو کچھ آپ نے فرمایا وہ صحیح ہے اور اُس میں کوئی تفاوت نہیں، خواہ یہ باتیں عقل میں آئیں یا نہ آئیں، اگر نہ آئیں تب بھی اُنہیں ماننا چاہیے تاکہ اعتقاد کی درستی حاصل ہو۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خدا کے حکم کو جانا۔ اُس کی کنہ اور کیفیت معلوم کرنے کی کوشش نہیں کی، اگر خدائے تعالیٰ کے حکم کی تاویل آیات اور احادیث کے مطابق ہو تو تاویل کرنا جائز ہے۔ اور صحتِ ایمان کی علامت یہ ہے کہ اگر بندہ نیک کام کرے تو اس کی خوشی محسوس ہو۔ اگر اُس سے برائی سرزد ہو تو اُس کو وہ برائی بری معلوم ہو، اور ایمان کے استقامت کی علامت یہ ہے کہ بندے کو ازوائے ذوق وحال کے اللہ اور اس کا رسول اُس کو محبوب ہوں بجائے علم کے۔

ایک موقع پر مریدوں سے یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْکُرُوا اللّٰہَ ذِکْرًا کَثِیْرًا۔ کے ضمن میں فرمایا۔

خدائے تعالیٰ جب کسی بندے کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کرتا ہے

تواس کو سعید بندہ لکھ دیتا ہے، اور اس کو زبان کے ذکر کے ساتھ قلب
کے موافقت کی توفیق عطا کرتا ہے۔ اور زبان کے ذکر سے قلب کے
ذکر کی طرف ترقی دیتا ہے۔ یہاں تک کہ اگر زبان ذکر سے خاموش ہو جاتی
ہے، لیکن دل خاموش نہیں ہوتا، یہی ذکر کثیر ہے، اور بندہ اس ذکر تک
اُس وقت تک نہیں پہنچتا جب تک کہ وہ نفاق خفی سے بری نہ ہو۔ جس کے
متعلق حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا، میری امت کے
اکثر منافق اُس کے قاری ہیں، اس نفاق سے مراد غیر خدا کے ساتھ
وقوف اور تعلق باطن ہے، اس سے پرہیز ضروری ہے۔ باطن کا تعلق
صرف خدا سے ہونا چاہیے۔ پس جب بندے کو تجرید ظاہری یعنی
ناپسندیدہ چیزوں سے علیحدگی کی توفیق ہوتی ہے، اور وہ بُرے
وساوس اور اخلاق سے پاک وصاف ہو کر تفرید باطن سے آراستہ ہوتا
ہے تو توقع کی جاتی ہے کہ اس کے باطن میں نور کا ذکر متجلی ہو جائے
اور شیطانی وساوس اور نفسانی خواہشات اُس سے دور ہو جائیں اور
اس کے باطن میں نور کے ذکر کا جوہر نمایاں ہو جائے۔ یہاں تک کہ اس
کا ذکر مشاہدہ مذکور متجلی کر دے۔ اور یہ بلند مرتبہ اور عطیہ عظمیٰ ہے
کہ جس کے حصول کے لیے امت کے اصحاب کی ہمت اور ارباب
بصیرت کی گردنیں بڑھتی ہیں۔ اور اللہ ہی توفیق دینے والا اور
مددگار ہے [۱]۔

رشد و ہدایات: سفینۃ الاولیا میں ہے کہ شیخ صدرالدین اٹھارہ سال تک ملتان میں اپنے والد کی خانقاہ میں رشد و ہدایت اور مریدوں کی اصلاح و تربیت میں مصروف رہے اور اس عرصہ کے دوران آپ نے بے پناہ خدمات بھی سرانجام دیں۔

وصال: شیخ صدرالدین کا سنہ وفات سفینۃ الاولیا میں ۲۳ ذالحجہ ۶۸۴ھ مذکور ہے، صاحب مراۃ الاسرار کا بیان ہے کہ وفات کے وقت آپ کی عمر انتھر سال کی تھی، صاحب خزینۃ الاصفیا نے آپ کا سنہ وفات ۶۶۲ھ بتایا ہے،

خلفاء: حضرت شیخ صدرالدین کے جلیل القدر خلفاء میں شیخ جمال خنداں، شیخ حسام الدین ملتانی، مولانا علاء الدین خجندی۔ شیخ احمد بن محمد قندھاری معروف بہ شیخ احمد معشوق اور شیخ صلاح الدین درویش مشہور ہیں۔

مزار اقدس: آپ کا مزار اقدس آپ کے والدگرامی حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی کے پہلو میں ہے مزار مبارک پر ایک عالی شان گنبد بنا ہوا ہے۔

حضرت شاہ رکن عالم ملتانی سہروردیؒ

حضرت شیخ ابوالفتح رکن الدین خطۂ ملتان کے اولیائے مشائخ میں سے ہیں۔ شیخ صدرالدین کے فرزند، شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی کے پوتے اور حضرت جہانیاں جہاں گشت کے پیرو مرشد ہیں۔ آپ کی والدہ کا نام بی بی راستی تھا، جو زہد و تقویٰ میں اونچا مقام رکھتی تھیں۔

پیدائش: حضرت قطب الاقطاب رکن الدین ۹ رمضان المبارک ۶۴۹ھ بروز جمعہ عالم کون و مکان میں تشریف لائے۔ خاندان کا فانوس اس سراج منیر کی روشنی سے جگمگا اٹھا حضرت شیخ الاسلام بہاء الدین زکریا نے ملتان کے غربا اور مساکین کے دامن زر و جواہر سے بھر دیئے۔ عقیقہ کے موقعہ پر آپ کے سر کے بال تراشے گئے۔ جو اب تک تبرکات میں محفوظ ہیں اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت قطب الاقطاب کی ولادت کی تقریب خاندان غوثیہ کی تاریخ میں خاص اہمیت رکھتی ہے حضرت بہاء الدین زکریا نے مولود مسعود کا نام "رکن الدین" رکھا تھا۔ جو بعد میں آپ شاہ رکن عالم کے نام سے مشہور ہوئے۔

بچپن: حضرت کی والدہ حضرت بی بی راستی جنہوں نے اپنے خسر حضرت غوث بہاء الدین زکریا کے زیر سایہ باطنی اور روحانی تعلیم و تربیت حاصل کی ان کو کلام مجید کی تلاوت سے خاص شغف تھا۔ روزانہ ایک بار قرآن مجید ختم کرتی تھیں۔ حضرت رکن الدین کی ولادت سے پہلے حضرت زکریا ملتانی نے یہ بشارت دی تھی۔ کہ ان کی وجہ سے خاندان کا چراغ روشن ہو گا صاحب مراۃ المناقب لکھتے ہیں کہ بی بی راستی حضرت کو دودھ پلانے سے پہلے وضو کر لیتی تھیں۔ آپ حافظہ قرآن تھیں اس لیے لوری کی بجائے قرآن تلاوت فرمایا کرتیں اسی حالت میں اگر اذان کی آواز سنائی دیتی تو حضرت رکن الدین والعالم دودھ پینا چھوڑ دیتے اور غور سے اذان سننے لگتے۔ رات کو بی بی صاحبہ جب

تہجد کے لیے بیدار ہوتیں حضرت رکن الدین بھی جاگ پڑتے ام المریدین بی بی راستی نے گھر کی نوکرانیوں کو حکم دے رکھا تھا کہ بچے کو سوائے اسم ذات کے اور کسی لفظ کی تلقین نہ کریں اور نہ کوئی دوسرا لفظ اس کی موجودگی میں بولیں اس احتیاط کا نتیجہ یہ نکلا کہ جب قطب الاقطاب بولنے کی قابل ہوئے تو سب سے پہلے جو لفظ زبان مبارک سے نکلا وہ اللہ جل جلالہ، کا اسم گرامی تھا ایک دن جب کہ حضرت رکن الدین ۴ سال کے تھے حضرت بہار الدین زکریا چارپائی پر بیٹھے تھے اور دستار مبارک سر سے اتار کر چارپائی پر رکھ دی تھی حضرت صدر الدین بھی پاس ہی مودب بیٹھے تھے کہ شیخ رکن الدین کھیلتے کھیلتے دستار مبارک کے قریب آئے اور اٹھا کر اپنے سر پر رکھ لی۔ والد ماجد نے ڈانٹا کہ یہ بے ادبی ہے مگر دادا نے فرمایا کہ صدر الدین پگڑی پہننے سے اس کو نہ روکو۔ وہ اس کا مستحق ہے اور یہ پگڑی میں اس کو عطا کرتا ہوں۔ چنانچہ وہ پگڑی محفوظ کر دی گئی اور جب حضرت شیخ رکن الدین اپنے والد بزرگوار کے بعد مسند خلافت پر متمکن ہوئے تو وہ پگڑی ان کے سر پر رکھی گئی۔

تعلیم: ظاہری تعلیم اپنے والد بزرگوار سے حاصل کی اور جدامجد نے باطنی علوم سے آراستہ کیا۔ باپ اور دادا دونوں کو بہت پیارے تھے۔ انہیں دونوں بزرگوں کی صحبت میں انہوں نے صوری اور معنوی کمالات حاصل کیے، علم، تواضع، شفقت حلم، عفو، حیا، وقار، جملہ صفات ان میں بدرجہ اتم پائی جاتی تھیں۔ اور انہوں نے مکاشفہ و مجاہدہ سے اتنے مدارج طے کر لیے تھے کہ ان کو "مخزن مشہود الٰہی"، منبع جود ناشناہی ادریس خلوت وحدت، برجیس برج معرفت، گوہر معدن، صفات لاریب، لولوئے دریائے غیب، زبدۃ المشائخ، مفتاح قفل حق الیقین کے القاب سے یاد کیا جاتا ہے۔

مسند ارشاد پر جلوہ افروزی: آپ اپنے والد محترم صدر الدین عارف کے مرید و خلیفہ تھے حضرت شیخ رکن الدین کے خلیفہ حضرت جہانیاں جہاں گشت اپنے ملفوظات میں فرماتے ہیں کہ جب شیخ

شیخ رکن الدین قدس سرہ کا کام کمال کو پہنچا تھا تو تہجد کے وقت سے دوپہر تک ریاضت و عبادت میں مشغول رہتے ۳۶ سال کی عمر میں جب اپنے والد بزرگوار کی مسند پر بیٹھے تو ہر گوشہ سے لوگ خدمت میں حاضر ہو کر فیض یاب ہوئے، جو بھی سائل آتا حاجت روائی فرماتے۔ مجلس میں جس کے دل میں کوئی بات آتی تو اس کا ان کو کشف حاصل ہو جاتا۔ اور اس کی دلجوئی فرماتے۔

علاؤالدین خلجی سے تعلقات: عوام کے علاوہ بادشاہوں سے بھی آپ کے تعلقات تھے اور امرا بھی آپ کے معتقد اور غلام تھے آپ کے زمانے میں علاؤالدین خلجی دہلی کے تخت پر متمکن تھا۔ آپ ایک مرتبہ ملتان سے دہلی تشریف لے گئے تو سلطان نے شاہان شان و شوکت سے آپ کا استقبال کیا اور بڑے اعزاز و اکرام کے ساتھ اپنے محل میں لے گیا، بہت سا روپیہ نذر کیا۔ رخصت کے وقت مزید رقم پیش کی۔ شیخ نے رقم قبول فرمالی مگر ساری کی ساری وہیں فقرا میں تقسیم کر دی، ساتھ کچھ نہ لے گئے۔

خواجہ نظام الدین اولیاؒ سے تعلقات: حضرت نظام الدین اولیاؒ سے آپ کو بہت محبت تھی۔ خواجہ نظام الدین بھی آپ کی بہت عزت کیا کرتے تھے، چنانچہ فرماتے ہیں میں ملتان سے دہلی صرف خواجہ کی زیارت کے لیے گیا تھا، چنانچہ جب سلطان علاؤالدین استقبال کو آیا تو خواجہ نظام الدین اولیا بھی آپ کی عزت افزائی کے لیے وہاں تشریف لائے تھے۔ اگرچہ آپ سلطان کے ہاں مہمان ٹھہرے مگر زیادہ وقت خواجہ نظام الدین اولیاؒ کے ساتھ بسر کیا کرتے تھے۔

ایک اور موقع پر جب آپ دہلی تشریف لائے تو نماز جمعہ ادا کرنے کے لیے مسجد میں تشریف لے گئے۔ خواجہ نظام الدین اولیا وہاں پہلے سے موجود تھے۔ نماز ختم ہو گئی تو خواجہ نظام الدین اپنی جگہ سے اٹھے اور شیخ رکن الدین کے پاس آئے جب نماز سے فارغ ہوئے تو دونوں نے بڑی گرم جوشی سے معانقہ کیا، باتیں ہوتی رہیں، پھر دونوں بزرگ اپنے اپنے ڈولے میں سوار ہو کر چلے گئے

ایک مرتبہ شیخ رکن الدین خواجہ صاحب سے ملاقات کے لیے ان کی خانقاہ میں تشریف لے گئے۔ شیخ کے پاؤں میں تکلیف تھی اس لیے جب ڈولے سے باہر آنے لگے تو خواجہ صاحب نے انہیں باہر آنے سے روک دیا اور خود اپنے مریدوں کے ساتھ ڈولے کے پاس ہی بیٹھے رہے اور باتیں ہوتی رہیں۔ اس گفتگو کا حال بیان کرتے ہوئے "بزم صوفیہ" کے مصنف لکھتے ہیں۔ "شیخ رکن الدین کے بھائی شیخ عماد الدین اسمعیل کے دل میں بعض علمی نکات حل کرنے کا سوال پیدا ہوا۔ اور دونوں بزرگوں سے اجازت لے کر عرض کیا کہ ہجرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں کیا مصلحت تھی۔ حضرت شیخ رکن الدین نے فرمایا کہ جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض کمالات کی تکمیل مدینہ منورہ کی ہجرت ہی پر موقوف و منحصر تھی، اس لیے مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ کی جانب جلوہ فرما ہوئے۔ حضرت محبوب الٰہی نے ارشاد فرمایا کہ اس مسئلہ میں میری سمجھ میں یہ بات آتی ہے کہ اللہ جل شانہ نے اپنے محبوب کو مدینہ طیبہ اس لیے بھیجا کہ وہ اصحاب مدینہ جو اپنی بے بضاعتی کی وجہ سے مکہ معظمہ حاضر ہونے کی استطاعت نہیں رکھتے تھے۔ وہ بھی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات سے مستفیض و مستفید ہو کر ظاہری و باطنی کمالات میں مکمل ہو جائیں۔

شیخ رکن الدین کے قیام دہلی کے زمانہ میں بابا گنج شکر کے عرس کے دن آگئے چنانچہ پاک پٹن کی طرح دہلی میں بھی عرس منایا گیا۔ عرس میں شیخ رکن الدین اور خواجہ نظام الدین دونوں شریک تھے۔ مجلس سماع میں خواجہ صاحب پر وجد طاری ہو گیا اور اضطراب کی حالت میں کھڑا ہونے لگے۔ لیکن شیخ رکن الدین نے انہیں پکڑ کر بٹھا دیا۔ تھوڑی دیر بعد خواجہ صاحب پر وہی کیفیت طاری ہو گئی اور کھڑے ہو گئے۔ اس مرتبہ شیخ رکن الدین نے انھیں بٹھایا نہیں۔ بلکہ دوسرے بزرگوں کی طرح خود بھی دست بستہ مؤدب کھڑے ہو گئے۔ جب محفل سماع ختم ہوئی تو کسی نے شیخ رکن الدین سے دریافت کیا کہ کیا وجہ تھی۔ پہلی مرتبہ جب خواجہ صاحب کھڑے ہونے لگے تو آپ نے انہیں بٹھا دیا، مگر دوسری مرتبہ آپ نے ایسا نہ کیا۔ شیخ نے فرمایا پہلی مرتبہ خواجہ کی رسائی عالم ملکوت تک ہوئی تھی جہاں تک میرا بھی گزر ممکن تھا، اس لیے میرا ہاتھ وہاں تک پہنچ گیا اور انہیں بٹھا دیا۔ دوسری مرتبہ ان کی رسائی

عالم جبروت میں ہوئی اور وہاں تک میں نہیں پہنچ سکا۔ اس لیے خاموش رہا۔

ایک اور موقع پر شیخ رکن الدین ملتان سے دہلی آئے تو خواجہ نظام الدینؒ سے بھی ملنے گئے۔ عشرہ ذی الحجہ کا دن تھا۔ جب ملاقات ہوئی تو شیخ نے خواجہ صاحب سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ حج کا زمانہ ہے میں حج سے بہرہ ور تو نہیں ہو سکا مگر آپ کی زیارت سے مجھے حج کا ثواب ضرور پہنچ سکتا ہے۔ خواجہ نظام الدین یہ سن کر آبدیدہ ہو گئے۔ اور شرمندگی کا اظہار کیا۔

علاؤ الدین خلجی کی وفات کے بعد اس کا بیٹا ہندوستان کے تخت و تاج کا مالک بنا اور قطب الدین خلجی کے نام سے مشہور ہوا۔ قطب الدین خلجی کے تخت نشین ہوتے ہی درباری خوشامدیوں نے اسے یوں گھیرے میں لے لیا کہ وہ سوچنے سمجھنے کی صلاحیت سے عاری ہو گیا۔ جو درباریوں نے کان میں ڈالا آنکھ بند کر کے اس کی حقیقت پہ ایمان لے آیا شاہی درباریوں نے دلی میں خواجہ نظام الدین کی شہرت و دبدبہ دیکھا تو آگ پر لوٹنے لگے۔ وہ خیال کرتے تھے کہ ہم شاہی دربار سے وابستہ ہیں۔ لہذا عوام ہماری زیادہ عزت کرے گی۔ اور اپنی مشکلات و مصائب ہمارے آگے آ کر بیان کرے گی تاکہ ہم اسے شہنشاہ ہند تک پہنچا سکیں۔ یا اپنے اختیارات سے کام لے کر انہیں دور کریں۔ لیکن یہ لوگ تو بھولے سے بھی ہمارے پاس نہیں آتے اور خواجہ صاحب کے گرد گھیرا ڈالے بیٹھے رہتے ہیں تو انہوں نے بادشاہ کو خواجہ کے خلاف بھڑکانا شروع کر دیا۔ قطب الدین بھی اب خواجہ سے عناد رکھنے لگا۔ اور ان کا وجود اپنی اور اپنی سلطنت کی سالمیت کے لیے حد درجہ خطرناک سمجھنے لگا۔ چاہتا تھا کہ کسی طرح خواجہ نظام الدین کو زک پہنچا کر دلی سے نکلوا دے لیکن پھر ان کی درویشی و عظمت کے آگے بے بس ہو جاتا۔ اور سوچتا کہیں یہ میرے حق میں ایسی بد دعا نہ کر دیں کہ مجھ ہی کو دلی کی مسند چھوڑنی پڑ جائے۔ چالاک اور مفسد درباریوں نے جب بادشاہ کو اس کشمکش میں دیکھا تو اسے کہنے لگے کہ اگر آپ ملتان سے شاہ رکن عالم کو دلی بلائیں تو وہی مقاصد حاصل کر سکتے ہیں۔ جو آپ کے ذہن میں ہیں بادشاہ نے سوالیہ انداز میں درباریوں کی طرف دیکھ کر پوچھا وہ کیسے! ان مفسد درباریوں نے عیاری سے کہا۔ شاہ رکن عالم اور خواجہ نظام الدین اولیا کی آپس میں بہت کم بنتی ہے۔ اس طرح

جب ایک شہر میں دونوں یکجا ہو جائیں گے۔ تو دونوں میں رنجش بڑھے گی اور پھر ہم اسی رنجش سے بھرپور فائدہ اٹھالیں گے۔ بادشاہ کو یہ تجویز بڑی بھائی۔ اس نے فوراً شاہ رکن عالم کی طرف ایک دعوت نامہ بھیجا اور دلی آنے کے لیے پُر زور اصرار کیا۔ شیخ رکن عالم کو اچھی طرح علم تھا کہ اس دعوت نامہ کے پس پردہ کیا عوامل ہیں۔ وہ بادشاہ کی عیاری خوب سمجھتے تھے لیکن انہوں نے دلی جانا بھی ضروری خیال کیا۔ چنانچہ آپ نے فوراً اپنے عقیدت مندوں اور ارادت مندوں کو ساتھ لیا اور دلی کے سفر پر نکل کھڑے ہوئے۔ ادھر خواجہ نظام الدین اولیا کو بھی معلوم ہو چکا تھا کہ بادشاہ اور اس کے خوشامد پسند کھلاڑی کیا کھیل کھیل رہے ہیں تو انہوں نے اس کے توڑ کا حل یہی نکالا کہ پہلے خود شاہ رکن عالم کے استقبال کے لیے جائیں۔ اس لیے انہیں جیسے ہی اطلاع ملی کہ شاہ رکن عالم دہلی کے نزدیک پہنچ چکے ہیں تو آپ بھی اپنے ارادت مندوں، عقیدت مندوں اور مریدوں کے ساتھ دلی شہر سے نکل کر ذرا آگے جا کر رکن عالم کے استقبال کے لیے کھڑے ہو گئے اور جیسے ہی شاہ رکن عالم دلی کے نزدیک پہنچے آپ کا انہوں نے پُرجوش خیر مقدم کیا۔ رات بھر دونوں بزرگ ایک خیمے میں بیٹھے شرعی مسائل پر گفتگو کرتے رہے۔ صبح ہوئی تو نظام الدین اولیا نے شاہ رکن عالم سے الوداعی مصافحہ کیا اور پھر اپنے عقیدت مندوں کے ساتھ دلی واپس کوچ کر گئے۔ شاہ رکن عالم نے بھی نظام الدین اولیا کے جاتے ہی دلی شہر کی طرف کوچ کا حکم صادر کیا۔ بادشاہ شہر کی فصیل کے پاس شاہی افراد کے ساتھ کھڑا آپ کے استقبال کے لیے تیار تھا۔ چنانچہ جیسے ہی اسے شاہ رکن عالم کی آمد کی اطلاع ملی وہ آگے بڑھ کر آپ کا استقبال کرنے والوں میں شامل ہو گیا اور آپ کے گھوڑے کی لگام تھام کر کچھ فاصلہ آگے بڑھنے کے بعد آپ کو گھوڑے سے اتار کر ایک دوسری آرام دہ سواری پر بٹھایا گیا۔ پھر یہ قافلہ شاہی محل کی طرف روانہ ہوا۔ شاہی محل کے پھاٹک پر پہنچ کر بادشاہ نے جو پیچھے نظر دوڑائی تو اسے انسانوں کے سروں کا اژدھام نظر آیا۔ جو شاہ رکن عالم کے استقبال کی خاطر ان کے پیچھے چلا آیا تھا۔ بادشاہ نے یہ موقع مناسب گردانا اور شیخ رکن عالم کو وہیں ٹھہرا کر آپ سے عوام کے سامنے مخاطب ہوا، حضرت آپ کا دلی شہر میں سب سے پہلے کس نے استقبال کیا۔

شیخ رکن الدین ملتانی بھی دلی کے تاجدار کی بات خوب سمجھ رہے تھے۔ لہٰذا انہوں نے بلند آواز سے مجمع کی طرف دیکھ کر کہا "لوگو تمہارے اس شہر میں مجھ ملتانی درویش کا سب سے پہلے سواگت اس نے کیا جو تمہارے شہر کا سب سے زیادہ متقی اور پرہیزگار انسان ہے اور جو خدا کا محبوب بندہ ہے" بادشاہ جو اپنی دانست میں آپ کا استقبال کرنے والوں میں سب سے آگے تھا یہ سن کر خوشی سے پھولا نہ سما رہا تھا۔ اس نے پھر بھی مزید تصدیق کے لیے آپ سے کہا۔ حضرت وہ خوش نصیب کون تھا اس کے نام سے بھی تو مطلع فرمائیں تاکہ دلی کے لوگ جان لیں کہ ان کے شہر کا سب سے پرہیزگار اور عبادت گزار انسان کون ہے۔

یہ سن کر شیخ رکن عالم ملتانی نے مجمع کی طرف مسکراتے دیکھ کر کہا "لوگو تمہارے شہر میں داخل ہونے سے پہلے میرا جس شخص نے سب سے پہلے استقبال کیا وہ محبوب الٰہی خواجہ نظام الدین بدایونی تھے۔ اور تم لوگ اچھی طرح سے جان لو کہ وہ دلی کے سب سے اچھے بندے اور خدا کے نزدیک محبوب ترین بشر ہیں۔

شیخ رکن الدین کا یہ معمول تھا کہ جب کبھی بادشاہ کے ہاں جاتے راستے میں اپنی سواری ٹھہراتے جاتے تاکہ جو لوگ بادشاہ کی خدمت میں عرضیاں دینا چاہتے وہ ان کے حوالے کر دیتے۔ بعض کی معروضات زبانی بھی سنتے اور بادشاہ سے بیان کرتے۔ شاہی محل کے پاس پہنچ کر دو دروازوں تک سوار ہی چلے جاتے، تیسرے دروازے پر سلطان بڑی عزت کے ساتھ انھیں دربار میں لے جاتا اور مودب دو زانو ہو کر بیٹھ جاتا۔ پھر شیخ ان کے سامنے لوگوں کی درخواستیں پیش کرتے، بادشاہ ہر درخواست کو غور سے پڑھتا اور اس کے اوپر ہی اسی وقت حکم لکھ دیتا۔ واپسی پر شیخ ان تمام درخواستوں کو ساتھ لے جاتے اور راستہ میں درخواست دینے والوں کو دیتے جاتے۔

دلی میں اگرچہ شاہ رکن عالم جب بھی تشریف لاتے تو شاہی دربار کے مہمان کی حیثیت رکھتے۔ اور انہیں محل میں ہی قیام کے لیے مجبور کیا جاتا لیکن آپ اپنا زیادہ وقت نظام الدین اولیاء کی صحبت میں گزارنا پسند فرماتے۔ اکثر گھنٹوں دونوں بزرگ سر جوڑے

سیر حاصل گفتگو میں محو پائے جاتے ہیں اور لوگ دونوں بزرگان دین کی یہ مثالی سنگت اور دوستی رشک سے دیکھتے جو ایک دوسرے کے عہدے سے بے نیاز آپس میں دو دوستوں کی طرح باتیں کرتے رہتے۔ اکثر یوں بھی ہوتا کہ نظام الدین اولیا اور شیخ رکن عالم دلی کی کسی مسجد میں نماز کے لیے جاتے اور جب نظام الدین اولیاء نماز ختم کر پاتے تو اس جگہ آن کھڑے ہوتے جہاں شاہ رکن عالم عبادت الہٰی میں مشغول ہوتے۔ انہیں عبادت میں مصروف دیکھ کر خواجہ نظام الدین چپ چاپ خاموشی سے اُن کے پیچھے بیٹھ جاتے اور اُن کی نماز ختم کرنے تک وہیں بیٹھے رہتے۔

غیاث الدین تغلق کے بعد سلطان محمد تغلق سریر آرائے سلطنت ہوا اس سے بھی حضرت رکن الدین کے تعلقات قائم تھے اور اس کے یہاں آکر مہمان ہوئے یہ زمانہ محبوب الٰہی کے مرض الموت کا تھا۔ حضرت شیخ رکن الدین ان کی عیادت کے لیے آئے تو وہ عالم تحیر میں تھے۔ سر بدین پریشان ہوئے کہ اس عالم تحیر میں دونوں کی ملاقات کیسے ہو گی۔ لیکن حضرت محبوب الٰہی کا تحیر جاتا رہا۔ حضرت شیخ رکن الدین کو دیکھ کر چارپائی سے نیچے اترنا چاہتے تھے مگر غایت جوش کی وجہ سے نیچے نہ اتر سکے۔ اس لیے حضرت شیخ رکن الدین کو چارپائی پر بیٹھنے کا کہا۔ لیکن شیخ رکن الدین نے چارپائی پر بیٹھنا پسند نہ فرمایا۔ ایک کرسی لائی گئی تو وہ اس پر بیٹھے حضرت شیخ رکن الدین نے سلسلہ کلام شروع کرتے ہوئے فرمایا کہ آپ کی حیات کچھ دنوں اور رہوتی کہ ناقص کو آپ کمال تک پہنچا سکتے محبوب الٰہی نے یہ سنا تو ان کی آنکھیں اشکبار ہوئیں اور فرمایا کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے فرما رہے تھے کہ نظام تم سے ملنے کا بڑا اشتیاق ہے۔ حضرت شیخ رکن الدین نے یہ سنا تو ان پر گریہ طاری ہو گیا ان کے ساتھ اور حاضرین بھی رونے لگے۔ اس ملاقات کے بعد حضرت محبوب الٰہی نے رحلت فرمائی ان کے جنازہ کی نماز حضرت شیخ رکن الدین نے پڑھائی اور اس سعادت پر وہ ہمیشہ فخر کرتے تھے۔

(۱) غیاث الدین تغلق سے بھی شیخ رکن الدین کے تعلقات خوشگوار رہے

کرامات: ایک مرتبہ جب بادشاہ بنگالہ کی مہم سے کامیاب و کامران واپس آرہا تھا تو شیخ خاصی دور تک اس کے استقبال کے لیے گئے تھے۔ رات کو سلطان کے ساتھ جس جگہ کھانا کھا رہے تھے اس جگہ کے متعلق کشف باطن سے شیخ کو معلوم ہوا کہ اس کی دیوار اچانک گر جائے گی، چنانچہ شیخ کھانا چھوڑ کر باہر چلے آئے، سلطان سے بھی فرمایا کہ باہر آجائے مگر اس نے باہر آنے میں دیر کر دی، دیوار گر گئی سلطان اس کے نیچے دب کر ہلاک ہو گیا۔

(۲) کہا جاتا ہے کہ آپ کو لوگوں کے دل کی باتوں کا از خود علم ہو جایا کرتا تھا، گویا کشف سے دلوں کا حال جان لیا کرتے تھے۔ اسی لیے ابو الفتح کا لقب پایا۔ شیخ کے ایک مرید نے مجمع الاخیار کے نام سے ایک کتاب لکھی تھی (اس کتاب کا ذکر مولانا عبدالحق دہلوی نے اپنی کتاب اخبار الاخیار میں بھی کیا ہے)، جس میں وہ بیان کرتے ہیں کہ سلطان غیاث الدین تغلق نے ایک مرتبہ مولانا ظہیر الدین بیگ سے پوچھا کہ کیا تم نے شیخ رکن الدین کی کوئی کرامت بھی دیکھی ہے۔ مولانا نے کہا ہاں ایک دفعہ جمعہ کے دن ہم ان سے ملاقات کے لیے گئے۔ میں نے دل میں خیال کیا کہ میں بھی عالم ہوں، مگر میری طرف کوئی رجوع نہیں کرتا، شاید شیخ رکن الدین کے پاس کوئی عمل ہے۔ میں نے سوچا کہ دوسرے دن صبح شیخ سے پوچھوں گا کہ وضو میں کلی کرنے اور ناک میں پانی ڈالنے میں کیا حکمت ہے۔ چنانچہ جب میں رات کو سو گیا تو خواب میں دیکھا کہ شیخ رکن الدین مجھے حلوہ کھلا رہے ہیں اور اس کی شیرینی صبح تک میری زبان پر قائم رہی۔ میں نے دل میں خیال کیا کہ اگر یہی کرامت ہے تو اس طرح تو شیطان بھی لوگوں کو گمراہ کر سکتا ہے۔ پھر جب میں شیخ کی خدمت میں پہنچا تو دیکھتے ہی فرمایا میں تمہارا ہی انتظار کر رہا تھا۔ گفتگو شروع ہوئی تو فرمایا، جنابت دو طرح کی ہے جسم کی جنابت اور دل کی جنابت۔ جسم کی جنابت کا سبب تو صاف ظاہر ہی ہے۔ مگر دل کی جنابت ناہموار لوگوں کی صحبت سے پیدا ہوتی ہے، جسم تو پانی سے پاک ہو جاتا ہے۔ مگر دل کی جنابت آنکھوں کے پانی سے دور ہوتی ہے۔ پھر فرمایا جس طرح شیطان کسی نبی کی شکل

اختیار نہیں کر سکتا۔ اسی طرح وہ شیخ حقیقی کی صورت بھی اختیار نہیں کر سکتا۔ کیونکہ شیخ حقیقی کو نبی کی کامل مطابقت حاصل ہوتی ہے۔

(۳) ملتان میں ایک ہندو عورت رہا کرتی تھی۔ بیوہ تھی اور سوائے ایک اکلوتے بیٹے کے اُس کا اس دنیا میں کوئی سہارا نہ تھا مگر وہ نصیبوں جلی اس بیٹے کی رفاقت سے بھی محروم تھی دنیا جہان کی محنت مشقت اٹھا کر اس نے بیٹے کی پرورش کی اور وہ بیٹا جس کے لیے اس نے سب کچھ کیا۔ ایک دن تجارت کی غرض سے خراساں کے سفر پر ایسا روانہ ہوا کہ دوبارہ ملتان کی راہ ہی بھول گیا نہ تو خود آیا اور نہ کوئی خیریت کا پتہ ماں کو بھیجا۔ وہ بیچاری ممتا کی ماری اس کی یاد میں رات بھر روتی رہی اور دن بھر لوگوں کی منتیں کرتی کہ کسی طرح وہ اس کے بیٹے کو واپس لا دیں۔ لوگ بھی اسے رحم کے جذبے سے دیکھتے اور بے بسی کا اظہار کر کے اپنی راہ لیتے آخر جب کچھ ہمدردوں نے دیکھا کہ یہ تو ممتا کی ماری اب پاگل ہونے کو آئی ہے تو کسی نے اُسے مشورہ دیا کہ دیکھ تو ملتان کے مسلمان درویش کے پاس جا۔ ان پر ایشور کی بڑی کرپا ہے۔ اور وہ تجھے تیرے بیٹے سے ملوا سکتے ہیں۔ ڈوبتے کو تو تنکے کا سہارا بھی کافی ہوتا ہے۔ چنانچہ اس عورت نے جب یہ سنا کہ ایک ایسا در بھی ہے جہاں سے وہ کامیاب لوٹ سکتی ہے تو اس نے فوراً شاہ رکن عالم کی خانقاہ کی طرف دوڑ لگائی اور سیدھی آپ کے حجرے میں پہنچ کر فریاد کرنے لگی کہ "شری مان جی مجھ ابھاگن پہ دیا کریں۔ میرا اکلوتا بیٹا بڑے سمے سے مجھ سے الگ ہے نجانے کدھر ہوگا" جذبات کی شدت سے وہ عورت روتی بھی جاتی تھی اور زبان سے فریاد بھی کرتی جاتی۔ آپ نے رحم دلی سے اُسے دیکھتے ہوئے چند لمحوں کے لیے آنکھیں بند کر کے مراقبے میں چلے گئے۔ پھر کچھ دیر بعد آنکھیں کھولے ہوئے اُس ہندو عورت سے بولے "گھر جاؤ تمہارا بیٹا اللہ کی رضا سے گھر پہنچ چکا ہوگا۔

(۴) سندھ کا ایک عابد بھی آپ کی خانقاہ میں دین حق کی تعلیم کے لیے ٹھہرا ہوا تھا اور آپ سے فیض یاب ہو رہا تھا۔ وہ دن رات آپ کی خانقاہ میں عبادت اور ریاضت میں وقت گزارتا۔ خانقاہ کا لنگر عظیم الشان تھا اور وہاں کسی قسم کی چیز کی کوئی کمی نہ تھی۔ لہذا

خانقاہ میں ٹھہرے ہوئے درویش ہر قسم کی فکر سے آزاد پوری تندہی سے خدا کی عبادت میں مشغول رہتے۔

سندھ کا وہ درویش جب ایک مرتبہ حج کی نیت سے آپ کی خانقاہ سے نکل کر مکہ کے سفر پر روانہ ہوا اور وہاں غلے کو گراں دیکھ کر سخت پریشان ہوا۔ غلہ کی گرانی کے سبب اسے مکہ میں صرف ایک روٹی کھانے کو ملتی۔ جبکہ اسے شاہ رکن عالم کی خانقاہ میں چار چار روٹیاں کھانے کو مل جاتی تھیں۔ یہ صورتِ حال دیکھ کر وہ شخص سخت دل برداشتہ ہو گیا۔ اس کی پریشانی وہاں ٹھہرے ایک اور بزرگ سے چھپی نہ رہ سکی۔ انہوں نے سندھی سے کہا "جناب آپ جس خانقاہ سے آتے ہیں وہاں کا نگران و مالک بہت سخی اور فیاض ہے۔ جس کی بدولت خانقاہ کا لنگر دن رات جاری رہتا ہے۔ لیکن یہاں یہ صورت نہیں۔ میں آپ کی پریشانی بہت دنوں سے محسوس کر رہا ہوں۔ اور آپ کو اس بات کی خوشخبری دوں کہ آپ کے فیاض اور سخی مرشد ہر جمعہ کو یہاں آتے ہیں۔ چنانچہ جب جمعہ کی شب شاہ رکنِ عالم مکہ تشریف لائے تو ان سے سب سے پہلے ملنے والوں میں وہ سندھی عابد تھا۔ اس نے آپ کے حضور اپنی مشکل بیان کی تو آپ مسکرا پڑے اور کہا "چار روٹیوں کے لئے اس قدر پریشانی۔ خیر جاؤ اطمینان رکھو تمہیں تمہاری خواہش کے مطابق کھانا ملتا رہے گا۔

اور پھر کچھ دیر بعد ہی اس سندھی عابد کے حجرے میں ایک شخص خوان لے کر آیا جو انواع اقسام کے کھانوں سے لبالب بھرا تھا۔ کھانا لانے والے نے اس سندھی عابد سے کہا۔ "شیخ رکن عالم کے حکم سے آج سے تمہیں دن رات تمہاری قیام گاہ پر کھانا پہنچتا رہے گا۔ تم اطمینان رکھنا"

۵۔ تواضع کے بارے میں آپ کا ایک واقعہ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک عرب درویش آپکی خانقاہ میں ٹھہرا۔ آپ نے اپنے خادم خاص کے ذریعے سے اسے کھانا بھجوایا۔ خادم نے درویش سے پوچھا کیا تم حضرت شیخ کو دیکھنا چاہتے ہو۔ اس نے کہا میری کیا مجال کہ میں انہیں دیکھوں۔ خادم واپس آیا تو شیخ رکن الدین سے یہ ماجرا بیان کر دیا۔ شیخ نے فرمایا میں خود اس کے پاس جاؤں گا چنانچہ جب دیکھا کہ درویش فارغ بیٹھا ہے تو اس کے پاس تشریف لے گئے اور اسے منزل مقصود تک پہنچا کر سرفراز فرمایا۔

ایک شخص شیخ کی خدمت میں آیا اور کہا میں آپ کے دوست کے لڑکوں میں سے ایک

لڑکا ہوں۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ اس کے باپ سے آپ نے سورۂ اخلاص پڑھی تھی۔ آپ نے فرمایا کہ تم میرے آقازادے ہو تم مجھے اس طرح حکم دو جس طرح ایک آقا اپنے غلام کو حکم دیتا ہے، اس نے کہا مجھے دنیا کا مال چاہیے۔ آپ نے اسی وقت اُسے بہت سا مال دے کر رخصت کیا۔

آپ کی غذا بہت کم ہوتی تھی، دودھ میں کچھ میوے ڈال کر کھا لیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ گھر والوں نے ایک طبیب سے کہا کہ شیخ بہت کم غذا کھاتے ہیں۔ طبیب نے آپ کی غذا منگائی اور اس میں سے چند لقمے کھائے مگر گرانی محسوس کی۔ کہنے لگا اب سات دن تک کھانے کی ضرورت محسوس نہ ہوگی۔ کیوں کہ بزرگوں کے کھانے میں کمیت سے زیادہ کیفیت ہوتی ہے۔

ارشادات عالیہ: حضرت شیخ رکن الدین کی کسی تصنیف کا کہیں کوئی ذکر نہیں، مگر مجمع الاخبار میں ان کے وصایا و ملفوظات درج ہیں، جن کے کچھ اقتباسات اخبار الاخیار میں نقل کئے گئے ہیں۔ موخر الذکر کتاب کی مدد سے حضرت شیخ رکن الدین کی صوفیانہ تعلیمات ہدیہ ناظرین کی جاتی ہیں۔ اپنے ایک مرید کو لکھتے ہیں،

(۱) آدمی دو چیزوں سے عبارت ہے، صورت اور صفت ان میں سے قابل اعتنا آدمی اوصاف ذمیمہ سے پر ہے تو اس کا شمار بہائم میں ہے، اوصافِ ذمیمہ کو دور کرنے کے لیے تزکیہ نفس کی ضرورت ہے اور تزکیہ نفس اس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتا جب تک بندہ خدائے عزوجل سے التجا و استعانت نہ کرے یعنی اس کی بارگاہ میں گڑگڑائے اور اس سے مدد طلب کرے۔ التجا و استعانت سے اللہ تبارک تعالےٰ کی طرف سے فضل و رحمت حاصل ہوتی ہے فضل و رحمت کے ظہور کی علامت یہ ہے کہ بندہ کی چشم بینا میں اس کے عیوب ظاہر ہو جاتے ہیں اور عظمت الٰہی کے انوار کے پرتو سے ساری کائنات اس کی نظر میں ہیچ ہو جاتی ہے دنیا کے بھیدوں میں پھنسے رہنے والوں کی وقعت اس کے دل سے بالکل جاتی رہتی ہے اور جب اس کے قلب پر یہ کیفیت مستولی ہو جاتی ہے تو اس کے اوصاف فرشتوں کے اوصاف میں تبدیل ہو جاتے ہیں

اور اس میں ظلم کے بجائے عفو، غضب کے بجائے حلم، کبر کے بجائے تواضع، بخل کے بجائے سخاوت، حرص کے بجائے ایثار کی خوبیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ مگر یہ خوبیاں عقبےٰ کے طلب کرنے والوں کے لیے ہیں۔ طالبان کے حق کے اوصاف اور بھی بلند تر ہیں وہاں تک پہنچنے کے لیے عقل کام نہیں دیتی۔

(۲) ایک دوسرے موقع پر اپنے ایک مرید کو تحریر فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ، نے ارشاد فرمایا کہ میں نے آج تک کسی کے ساتھ نہ نیکی کی اور نہ بدی، حاضرین نے استعجاب سے پوچھا کہ امیر المومنین بدی تو خیر آپ سے نہیں ہو سکتی مگر نیکی کے متعلق آپ کیا فرماتے ہیں ارشاد فرمایا کہ حق جل وعلاء کا قول ہے کہ جس نے اچھے کام کئے اپنے نفس کے لیے کئے، اور برے کام کئے وہ بھی اپنے نفس کے لیے کئے۔ پس جو کچھ نیکی یا بدی مجھ سے صادر ہوئی وہ درحقیقت میرے لیے تھی نہ کہ دوسروں کے لیے

(۳) فرماتے ہیں کہ اعضاء وجوارح کو شرعی ممنوعات سے قولاً وعملاً باز رکھنا چاہیے لایعنی مجلس سے بھی پرہیز لازم ہے اس سے مراد ایسی مجلس ہے جو حق تعالےٰ سے برگشتہ کر کے دنیا کی طرف مائل کرتی ہے، بطالوں سے بھی احتراز ضروری ہے بطال وہ لوگ ہیں جو طالب حق نہیں۔

وفات: حضرت محبوب الٰہی کی وفات کے دس سال بعد حضرت شیخ رکن الدین اپنے محبوبِ حقیقی سے جا ملے وفات سے تین ماہ پہلے لوگوں سے ملنا جلنا اور بولنا بالکل ترک کر دیا۔ صرف نماز کے لیے حجرہ سے باہر آتے تھے اور پھر واپس لوٹ جاتے ۵ ۳ ۷ ھ کے رجب کی ۱۶ تاریخ جمعرات کے دن نماز مغرب کے بعد اوابین پڑھ رہے تھے کہ سجدہ کی حالت میں جان جانِ آفرین کے سپرد کر دی۔ مرقد مبارک آپ کا ملتان میں ان کے جد امجد اور والد ماجد کے مزار کے قریب ہے۔

تعمیر مقبرہ: آپ کا مقبرہ تاریخی اور تعمیری خصوصیات کے باعث بجا طور پر ملتان کی قدیم عظمت کا نشان کہا جاتا ہے۔ یہ گنبد کے اعتبار سے ایشیا کا دوسرا سب سے بڑا گنبد ہے یہ عظیم الشان عمارت اسلامی تعمیر کا حسین امتزاج ہے اور اپنی خوبصورتی

کے باعث زائرین کی نگاہیں خیرہ کر دیتی ہے یہ مقبرہ سلطان غیاث الدین تغلق نے حضرت غوث العالمین کے قرب میں دفن ہونے کی خاطر اپنے ذاتی خرچ سے تعمیر کرایا تھا۔ مگر اتفاق سے سلطان کی موت دہلی میں واقع ہوئی۔ جس کا ذکر پہلے آچکا ہے سلطان کو دہلی میں دفن کیا گیا۔ سلطان کے جانشین محمد شاہ تغلق نے جو حضرت رکن الدین کا معتقد تھا۔ مقبرہ حضرت کو دے دیا، آپ اسے عبادت گاہ کے طور پر استعمال فرماتے رہے مگر محض اس خیال سے کہ ممکن ہے اس کی تعمیر بیت المال کے روپے سے کی گئی ہو دفن ہونا پسند نہ فرمایا۔ زندگی کے آخری لمحات میں آپ نے وصیت فرمائی کہ مجھے جدامجد حضرت غوث العالمین کے قدموں میں دفن کیا جائے۔ وصیت کے مطابق آپ کو حضرت بہاء الدین زکریا جدبزرگوار کو پائنتی دفن کیا گیا۔ مگر بعد میں حضرت سلطان فیروز شاہ تغلق دہلی سے ملتان آیا تو اس نے تمام حال معلوم کر کے صاحب سجادہ حضرت کے حقیقی برادر کو اس بات کا یقین دلایا کہ اس مقبرہ کی تعمیر بیت المال سے نہیں ہوئی بلکہ سلطان غیاث الدین تغلق نے اپنی ذاتی آمدنی سے جب کہ وہ دیپال پور کے گورنر تھے تعمیر کرایا تھا لہذا فیروز شاہ تغلق نے حضرت کے تابوت کو خود کندھا دے کر اس مقبرہ میں منتقل کیا اس وقت ہزاروں کی تعداد میں مریدین و عوام موجود تھے۔

آپ کے خلفاء کی تعداد یوں تو کافی ہے مگر خاص خاص خلفاء کے اسم گرامی

خلفاء: یہ ہیں۔ سلطان التارکین حمید الدین حاکم۔ مخدوم جہانیاں، جہاں گشت بخاری، حاجی صدر الدین چراغ، شیخ وجیہہ الدین سیاح سنامی، مولانا ظہیر الدین۔ مولانا علی بن احمد غوری۔ شیخ عمر غوری۔

حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت سہروردیؒ

حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت ان باعظمت اولیا سے ہیں جن کی زندگی کا بیشتر حصہ دنیا کی سیاحت میں گزرا اور اللہ تعالٰے نے آپ کو ایسے باطنی اسراروں سے نوازا جو بہت کم اولیاء کو حاصل ہوئے ہیں آپ شاہ رکن عالم کے جلیل القدر خلفاء سے تھے آپ کا شمار سلسلہ سہروردیہ کے اکابر اولیاء میں ہوتا ہے جنہیں بہت مقبولیت اور شہرت حاصل ہے۔

نام و لقب: آپ کا نام سید جلال الدین بخاری تھا اور کنیت ابوعبدالحسین تھی مگر مخدوم جہانیاں جہاں گشت، کے لقب سے مشہور تھے، آپ کے تذکرہ نگاروں نے اس لقب کی وجہ یہ بتائی ہے کہ آپ نے عید کے روز حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی، حضرت شیخ صدرالدین عارف اور شیخ ابوالفتح رکن الدین کے مزاروں پر جا کر مراقبہ کیا، اور مراقبے میں عیدی طلب کی تو آپ کو ان بزرگوں کی طرف سے مخدوم جہانیاں کا لقب ملا۔ جب وہاں سے واپس ہوئے تو راستے میں جو کوئی ملتا بے اختیار آپ کو مخدوم جہانیاں کہتا۔

صاحب خزانہ جلالی نے اس خطاب کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ ایک روز شیخ رکن الدین ابوالفتح ملتانی اپنے گھر سے نکل رہے تھے، جب انہوں نے گھر کے دروازے کی پہلی سیڑھی پر قدم رکھا، فوراً ہی سید جلال بخاری دہلیز کی دوسری سیڑھی پر لیٹ گئے تاکہ شیخ رکن الدین کا قدم اُن کے سینے پر رکھا جائے، شیخ رکن الدین نے اُن سے فرمایا کہ اے سید نبوت کا دروازہ بالکلیہ مسدود ہو چکا، رہا رتبہ ولایت تو تم اس مرتبہ پر فائز ہو کہ "مخدوم جہانیاں"، ہو، یہ کہہ کر انہوں نے ہاتھ پکڑ کر سید جلال بخاری کو اُٹھایا اور اپنے سینے سے لگالیا، اور نعمت وافر سے سرفراز فرمایا۔ اُس وقت سے آپ

مخدوم جہاں کہلائے۔
چونکہ آپ کا بہت سا وقت سیاحت میں گزرا، اس لیے "جہاں گشت" کے لقب سے مشہور ہوئے۔

۲۔ ولادت: مخدوم جہانیاں جہاں گشت کی ولادت باسعادت ۱۴ شعبان المعظم ۷۰۷ھ بمطابق ۱۹ جنوری ۱۳۰۸ء بروز جمعرات بمقام اوچ میں ہوئی۔

۳ شجرہ نسب: سید جلال بخاری کا نسب نامہ یہ ہے!

مخدومِ سید جہانیاں جلال الحق والدین ابو عبد الحسین بن سید احمد کبیر بن سید جلال الملت والدین سرخ بخاری بن ابی المو ید علی بن جعفر بن محمد بن محمود بن احمد عبد اللہ بن علی اصغر بن عبد اللہ جعفر بن امام علی نقی بن امام محمد تقی بن امام علی موسیٰ رضا بن امام موسیٰ کاظم بن جعفر الصادق بن امام محمد باقر بن زین العابدین، بن امام حسین شہید کربلا بن سید علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ۔

بچپن کا ایک واقعہ: جب آپ سات سال کے تھے تو آپ کے والد آپ کو شیخ جمال خنداں کی خدمت میں لے کر گئے۔ اس وقت شیخ صاحب کے سامنے کھجوروں کا ایک طباق رکھا ہوا تھا۔ انہوں نے حکم دیا کہ یہ کھجوریں حاضرین میں تقسیم کر دی جائیں۔ جب مخدوم جہانیاں کو اپنا حصہ ملا تو وہ اپنے حصے کی کھجوریں گٹھلیوں سمیت کھا گئے۔ شیخ جمال خندان نے یہ دیکھا تو مسکرا کر فرمایا، میاں صاحبزادے تم نے گٹھلیوں سمیت یہ کھجوریں کیوں کھائیں۔ مخدوم جہانیاں نے جواب دیا کہ جو کھجوریں آپ کے دست مبارک سے عطا ہوئی ہیں، مجھے اچھا نہیں معلوم ہوا کہ میں وہ گٹھلیاں پھینک دوں یہ سن کر شیخ جمال خنداں نے فرمایا تم نقراور اپنے خاندان دونوں کے نام روشن کرد گے۔

حضرت جہانیاں جہاں گشت کا خاندان اپنے دور میں علم وفضل میں

تعلیم و تربیت: یکتا تھا ان کے والد اور دادا سہروردی سلسلے کے بزرگوں سے تھے اور ان کی خانقاہ اوچ میں خاص طور پر مشہور تھی۔ مخدوم جہانیاں نے ابتدائی تعلیم اوچ ہی میں پائی۔ لطائف اشرفی میں ہے کہ ابتداءً آپ سید محمد بخاری کے زیر تربیت رہے، پھر اوچ کے قاضی علامہ بہاء الدین سے ابتدا سے ہدایہ تک کتابیں پڑھیں۔ علامہ قاضی بہاء الدین کی وفات کے بعد آپ تعلیم کے لیے ملتان آئے اور اپنے والد ماجد کے مرشد شیخ ابو الفتح رکن الدین کی خانقاہ میں ٹھہرے، شیخ رکن الدین آپ کے ساتھ نہایت شفقت و مہربانی سے پیش آئے، اور آپ کی تعلیم اپنی بہن کے صاحبزادے مولانا موسیٰ اور ایک ماہر عالم مولانا مجد الدین کے سپرد کی، اور ان بزرگوں سے آپ نے ہدایہ اور بزدوی ختم کی، جب یہ کتابیں ختم کر چکے تو شیخ رکن الدین نے آپ کو کشتی پر سوار کر کے واپس اوچ بھیج دیا۔

در منظوم میں ہے کہ آپ نے کلام مجید کی ساتوں قرأتیں سیکھیں، پھر مکہ معظمہ میں اور مدینہ منورہ میں بھی شیخ مکہ عبد اللہ یافعی سے اور شیخ مدینہ عبد اللہ مطری سے مختلف کتابیں پڑھیں، اس کے علاوہ دونوں شیوخ سے آپ نے صحاح ستہ پڑھی۔ شیخ عبد اللہ مطری کی خدمت میں دو سال رہے اور تہجد کے وقت ان سے عوارف اور حدیثِ نبوی پڑھتے۔ شیخ عبد اللہ مطری آپ پر اس قدر شفقت فرماتے کہ مخدوم جہانیاں نے ان شفقتوں کو بیان کرتے ہوئے ایک مرتبہ فرمایا کہ شیخ عبد اللہ مطری تہجد کے وقت میرے حجرے میں آتے، ان کے ایک ہاتھ میں چراغ اور ایک ہاتھ میں کھانا ہوتا، میں نے ایک روز ان سے عرض کیا اے شیخ! آپ کیوں زحمت فرماتے ہیں، میں خود آپ کی خدمت میں حاضر ہو جایا کروں گا، آپ میرے مخدوم اور استاد ہیں۔ لیکن انہوں نے فرمایا نہیں تمہیں اس کی ضرورت نہیں تم میرے پاس نہ آؤ میں ہی تمہارے پاس آؤں گا تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد ہو۔

شیخ عبد اللہ مطری کی شفقتوں کی بنا پر ایک مرتبہ حضرت مخدوم جہانیاں کو مسجد نبوی

میں امامت کی بھی سعادت حاصل ہوئی۔

حضرت مخدوم جہانیاں نے عوارف کا درس جس نسخے میں لیا تھا، وہ نسخہ شیخ شہاب الدین سہروردی کے مطالعے میں رہ چکا تھا۔ جب شیخ عبد اللہ مطری کی وفات کا وقت قریب آیا تو انہوں نے وہ نسخہ شیخ مکہ عبد اللہ یافعی کے پاس اس غرض سے بھیجا کہ اس کو سید جلال الدین بخاری کے پاس بھیجوا دیا جائے۔ چنانچہ انہوں نے وہ نسخہ آپ کو بھجوا دیا، جس کو مخدوم جہانیاں بے حد عزیز رکھتے تھے۔ آپ نے عوارف کو شیخ شرف الدین محمود شاہ تستری سے بھی اُن کے وطن شومارہ (عراق) جا کر پڑھا۔ شیخ شرف الدین شیخ شہاب الدین سہروردی کے خلیفہ تھے۔

حضرت مخدوم جہانیاں کے ملفوظات کے جامع سید علاء الدین علی بن سعد حسینی کا بیان ہے کہ مخدوم جہانیاں ایک سو اٹھاسی علوم میں مہارت کاملہ رکھتے تھے۔

درس قرآن و حدیث فقہ و تصوف و اذکار: مخدوم جہانیاں کا اگرچہ زیادہ وقت رشد و ہدایت میں صرف ہوتا تھا۔ لیکن علوم فنون کے درس سے بھی آپ کو غیر معمولی دلچسپی تھی۔ رشد و ہدایت کے زمانے میں بھی کبھی آپ قرآن مجید، کبھی تفسیر (مثلاً تفسیر مدارک)، کبھی حدیث میں صحاح ستہ، مشارق الانوار اور مشکوٰۃ المصابیح کبھی فقہ میں ہدایہ، کبھی تصوف میں عوارف المعارف، اور رسالہ مکیہ، کبھی قصیدہ لامیہ کبھی مختلف اوراد کا اور کبھی شرح نود و نو اسمار کا درس دیتے تھے۔

بیعت و خلافت: مخدوم جہانیاں جہاں گشت نے شروع میں اپنے والد سید احمد کبیر سے مرید ہو کر تصوف کی تعلیم حاصل کی، پھر اپنے چچا صدر الدین بخاری سے خلافت حاصل کی، پھر ملتان حاضر ہو کر شیخ ابو الفتح رکن الدین سے بیعت ہو کر علوم ظاہری اور باطنی کی تکمیل کی اور ان سے خرقہ خلافت حاصل کیا۔

شیخ عفیف الدین جب آپ کو نعمت باطنی سے سرفراز فرما چکے تو فرمایا کہ تمہارے چلانے کی قینچی گارزدن میں ہے۔ جب آپ گارزدن پہنچے تو آپ شیخ امام الدین برادر شیخ الاسلام امین الحق والدین سے ملے، انہوں نے فرمایا کہ میرے بھائی شیخ امین الدین نے اپنی رحلت کے وقت مجھے وصیت کی تھی کہ سید جلال بخاری ہماری ملاقات کے لیے اُچ اور ملتان سے آرہے تھے، لیکن شیطان نے اثنا راہ میں ان کو یہ دھوکا دیا کہ شیخ امین الدین وفات پا چکے ہیں۔ اس لیے وہ مکہ معظمہ چلے گئے۔ وہ وہاں سے واپسی میں گارزدن آئیں گے۔ جب وہ یہاں پہنچے تو اُن کو میرا سلام پہنچانا اور میری قینچی اور سجادہ ان کو دینا اور ان کو میری طرف سے مجاز اور خلیفہ بنانا، چنانچہ شیخ امام الدین نے ایسا ہی کیا اور آپ نے شیخ الاسلام رکن الحق والدین سے خرقۂ تبرک پہنا۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے لکھا ہے کہ مخدوم جہانیاں کو چودہ خانوادوں میں خلافت حاصل تھی۔

جن بزرگوں سے آپ نے خرقہ خلافت حاصل کیے اُن کے اسمائے گرامی یہ ہیں

(۱)۔ سید کبیر والد بزرگوار حضرت مخدوم جہانیاں، (۲) شیخ رکن الدین (۳) حضرت شیخ نظام الدین اولیاء (خواب میں)۔ (۴) حضرت شیخ قوام الدین خلیفہ شیخ رکن الدین (خط کے ذریعہ) (۵) شیخ قطب الدین منور (خط کے ذریعہ) (۶) حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلی۔ (۷) شیخ مکہ عبداللہ یافعی (۸) شیخ مدینہ عبداللہ مطری (۹) حضرت شیخ قطب عدن فقیہ بصال، (۱۰) شیخ ابواسحاق گارزونی، (۱۱) شیخ امام الدین برادر شیخ امین الدین (۱۲) حضرت سید جہدہ حمید حسینی، (۱۳) حضرت شیخ معمر شرف الدین محمود شاہ تستری خلیفہ شیخ شہاب الدین سہروردی (۱۴) سید احمد کبیر رفاعی کبیر (۱۵) شیخ نجم الدین صنعانی (۱۶) شیخ نجم الدین کبریٰ (خواب میں) (۱۷) حضرت خضر علیہ السلام۔ (۱۸) حضرت اوحد الدین حسینی)۔ (۱۹) حضرت شیخ نور الدین علیہم الرحمۃ۔

سیر و سیاحت: حضرت مخدوم نے بہت وقت سیر و سیاحت میں گزارا اور تمام ممالک اسلامی میں گھوم پھر کر علمائے عظام اور صوفیائے کرام

سے فیوض و برکات حاصل کیں۔ اسی دوران چھتیس حج کیے۔

سیروفی الارض پر عمل کرتے ہوئے "جہاں گشت" کے لقب سے مشہور ہوئے۔ جن جن ممالک اور مقامات پر آپ تشریف لے گئے۔ ان کا اجمالی تذکرہ یوں ہے۔

مکہ معظمہ: حضرت مخدوم کا قیام مکہ معظمہ میں سات سال رہا۔

مدینہ منورہ: مدینہ منورہ میں مخدوم کا قیام دو سال رہا۔

اس کے علاوہ یمن، عدن۔ دمشق۔ لبنان۔ مدائن۔ فارس۔ بصرہ۔ کوفہ۔ شیراز۔ تبریز۔ بلخ۔ نیشاپور۔ خراساں۔ سمرقند۔ گازرون۔ لہسہ۔ بحرین۔ قطیف غزنین کی سیاحت کی۔

پاک و ہند: برصغیر پاک و ہند میں انہوں نے مختلف اوقات میں دہلی۔ جونپور۔ ملتان۔ بھکر۔ الور۔ روہڑی۔ رتن پور۔ لاہرہ۔ ٹھٹھہ کا سفر کیا۔

رشد و ہدایت: ہندوستان واپس آنے کے بعد حضرت مخدوم جہانیاں نے اپنے وطن اُچ میں قیام فرمایا، اور رشد و ہدایت میں مصروف ہو گئے۔ آپ لوگوں کو سلوک و معرفت کی تعلیم شریعت کے مطابق دیتے۔ امر بالمعروف اور انہی عن المنکر کے بڑی شدت سے پابند تھے۔ غیر شرعی امور پر نہایت سختی سے تنبیہ کرتے۔

ایک دفعہ اُچ میں ایک شخص آیا جو اپنے آپ کو ولی اللہ کہتا تھا۔ لوگ اس کے بے حد معتقد ہو گئے۔ حضرت مخدوم جہانیاں بھی اُس سے ملنے کے لیے گئے، جب آپ اُس کے پاس جا کر بیٹھے تو اس نے نہایت فخر سے کہا۔ اے سید! ابھی حق تعالیٰ میرے پاس سے اُٹھ کر گیا ہے، آپ نے یہ سنا تو نہایت غصے سے اُسے ڈانٹا، اور فرمایا اے بدبخت کیا بک رہا ہے تو کافر ہو گیا، پھر سے کلمہ شہادت پڑھ اور مسلمان ہو، اور پھر شہر کے قاضی کے پاس جا کر اُس سے کہا کہ اس شخص کو اپنے پاس بلاؤ۔ اگر وہ توبہ کرے تو اسے معاف کر دو، ورنہ اُس پر حد شرعی جاری کر کے اُس کو قتل کرا دو۔ شہر میں چونکہ اس شخص کے بہت سے معتقد تھے۔ قاضی کو اس معاملے میں کچھ تامل ہوا۔ آپ نے قاضی

کے تذبذب کو محسوس کر لیا۔ پھر آپ نے حاکم شہر سے کہلا بھیجا کہ ایک شخص شہر میں کفر پھیلا رہا ہے، اگر تم نے اُسے سزا نہ دی تو پھر میں مجبوراً بادشاہ سے شکایت کروں گا، چنانچہ وہ شخص شہر بدر کر دیا گیا۔

ایک دفعہ کچھ درویش عرب سے آئے۔ حضرت مخدوم جہانیاں نے اُن سے پوچھا کہ آپ لوگ کس خاندان سے ہیں۔ انہوں نے جواب دیا سیدی احمد کبیر کے خاندان سے، فرمایا میں نے سیدی احمد کبیر سے خرقہ پہنا ہے۔ اور انہوں نے مجھے خرقہ پہنانے کی اجازت دی ہے۔ وہ صوفی تھے، اور سنت کے مطابق کپڑے پہنتے تھے۔ پھر اُن درویشوں کو نصیحت فرمائی کہ تم علم شریعت حاصل کرو، سنت کا اتباع کرو، پھر اُن کو توبہ کی تلقین کی اور خرقہ پہنایا۔

ایک مرتبہ مخدوم جہانیاں نے ارشاد فرمایا کہ میں مکہ معظمہ سے بھکر واپس آیا، وہاں لوگوں نے مجھ سے کہا کہ الور کے پاس ایک پہاڑ کے غار میں ایک درویش رہتا ہے، جو یہ دعویٰ کرتا ہے کہ اللہ نے اسے نماز معاف کر دی، یہ سن کر میں اس کے پاس گیا امراء اور دوسرے بڑے لوگوں کا ہجوم تھا، میں اس کے قریب پہنچا، میں نے اسے سلام نہیں کیا، بلکہ اُس کے نزدیک جا کر بیٹھ گیا۔ پھر میں نے اُس سے پوچھا کہ تم نماز کیوں نہیں پڑھتے۔ حالانکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ مومن اور کافر کے درمیان نماز سے فرق ہوتا ہے، اُس درویش نے جواب دیا میرے پاس جبرئیل آتے ہیں، اور جنت سے کھانے لاتے ہیں، خدا کا سلام مجھے پہنچاتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ تمہارے لیئے نماز معاف کر دی گئی۔ اور تم خدا کے خاص مقرب ہو، میں نے اُس درویش سے کہا کہ کیا بیہودہ بکواس کرتے ہو، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیئے تو نماز معاف نہیں ہوئی۔ تجھ جیسے جاہل کے لیے کیسے معاف ہو سکتی ہے۔ وہ جبرئیل نہیں شیطان ہے جو تیرے پاس آتا ہے اور تجھے دھوکا دیتا ہے جبرئیل تو وحی لانے والے فرشتے ہیں، جو سوائے پیغمبروں کے کسی کے پاس نہیں آتے رہا وہ کھانا جو تمہارے پاس آتا ہے۔ وہ بھی سراسر غلیظ ہے۔ اُس درویش نے کہا کہ وہ کھانا تو بہت مزیدار ہوتا ہے، اور میں اُس

میں لذت محسوس کرتا ہوں، میں نے کہا اب اگر وہ فرشتہ تمہارے پاس آئے تو تم لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ پڑھنا۔ میں دوسرے دن پھر اس درویش کے پاس گیا، وہ مجھے دیکھ کر میرے قدموں میں گر پڑا۔ اور اس نے مجھ سے کہا کہ میں نے آپ کے کہنے پر عمل کیا، جب وہ فرشتہ آیا تو میں نے لاحول پڑھی، وہ فوراً میرے سامنے سے غائب ہو گیا۔ اور وہ کھاتا جو اس نے مجھے دیا وہ غلیظ ہو کر میرے ہاتھ سے گر گیا، یہاں تک کہ میرے سارے کپڑے ناپاک ہو گئے۔ اس کے بعد میں نے اس بے نمازی درویش کو توبہ کرائی، اور اس کی جس قدر نمازیں فوت ہوئی تھیں، ان کی قضا پڑھوائی۔

تبلیغ اسلام: آپ کے ملفوظات کے مجموعے سے پتہ چلتا ہے کہ بہت سے ہندو حضرت مخدوم جہانیاں کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے۔ گجرات کا ایک راجپوت (مولی الاسلام) آپ کے ہاتھ پر مسلمان ہوا، جسے آپ نے تعلیم دے کر گجرات بھیجا تاکہ وہ اپنے گھر والوں کو اپنی قوم میں تبلیغ اسلام کرے۔

حضرت قطب عالم اور شاہ عالم جن کے مزار احمد آباد گجرات میں مرجع خاص و عام ہیں۔ اور جو وہاں تبلیغ اسلام کا ذریعہ بنے، حضرت مخدوم جہانیاں کے پوتے اور پڑپوتے تھے۔

مغربی پنجاب میں جو قبیلے حضرت مخدوم جہانیاں کی تبلیغی کوششوں سے مسلمان ہوئے بہاول پور کے سرکاری گزیٹیر میں ان کی فہرست درج ہے۔ ان قبیلوں کی تعداد آٹھ تک پہنچتی ہے۔ ان میں راجپوتوں کا مشہور قبیلہ کھرل بھی شامل ہے۔

"در منظوم" میں ہے کہ غیر مسلم خصوصاً ہندو آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کرتے، ایک ہندو عورت مسلمان ہو کر ولیہ ہو گئی، اس کی یہ کیفیت تھی کہ تمام تمام رات جاگ کر خدا کی عبادت کرتی۔

حضرت مخدوم جہانیاں جب اُچ سے دہلی تشریف لاتے تو راستے میں بہت سے غیر مسلم آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کرتے۔

ملتان کے گزیٹیر میں ایڈورڈ میکلیگن نے بعض قبائل کے قبول اسلام کی تاریخ بھی لکھی ہے، انہوں نے لکھا ہے کہ پنجاب کا مشہور قبیلہ "نون" مخدوم جہانیاں کے ہاتھ پر ایمان لایا۔

اتباعِ شریعت: حضرت مخدوم جہانیاں بے حد پابند شریعت اور متبع سنت تھے، فرمایا کرتے تھے کہ حقیقت شریعت ہے۔ اور جب تک کوئی شریعت کو مضبوط نہ پکڑے گا، حقیقت تک نہ پہنچ سکے گا۔

ایک اور موقع پر ارشاد فرمایا جو شریعت سے عاری ہے، وہ طریقت و حقیقت سے واقف نہیں ہو سکتا۔

ایک اور موقع پر ارشاد فرمایا جو شیخ طریقت اور حقیقت کو جانتا ہے لیکن شریعت سے واقف نہیں، وہ شیخ نہیں جاہل ہے۔ کوئی صالح آدمی اس وقت تک ولی نہیں ہو سکتا جب تک کہ شریعت، حقیقت اور طریقت کا علم اس کو نہ ہو۔

عام معمولات: حضرت مخدوم جہانیاں کی روزمرہ کی زندگی کے عام معمولات یہ تھے پانچ وقت کی نماز کے علاوہ تہجد، اشراق، چاشت، صلوۃ الاوابین، تراویح، اور دوسری نفلیں اس قدر پڑھتے، جتنی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم روزانہ پڑھتے تھے، زیادہ تر وہ اوراد و وظائف پڑھتے جن کا ذکر حدیثوں میں آیا ہے، رات کو عبادت ہی میں ساری رات نہ جاگتے بلکہ کچھ دیر سو رہتے فرماتے کہ جو شخص عبادت میں تمام رات جاگتا رہا اس نے ترک سنت کی، کیونکہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا فرمان تو یہ ہے کہ انا اصلی وانام یعنی میں نماز پڑھتا بھی ہوں اور سوتا بھی ہوں۔ کھانا تنہا نہ کھاتے، بلکہ تقسیم کر کے کھاتے اور فرماتے کہ حدیث میں ہے وہ ملعون ہے۔ جو تنہا کھانا کھاتا ہے۔

شاہان وقت کی عقیدت: سلطان محمد تغلق حضرت مخدوم جہانیاں سے عقیدت رکھتا تھا۔ اس نے آپ کو شیخ الاسلام بنا کر چالیس خانقاہیں آپ کے تصرف میں دیں، لیکن آپ ان کو چھوڑ کر حج کے لیے تشریف

لے گئے۔

فیروز تغلق اگرچہ شیخ علاؤ الدین اجودھنی[2] کا مرید تھا، لیکن اس کو حضرت سید جلال الدین بخاری سے غیر معمولی عقیدت تھی۔

حضرت سید جلال الدین جب اُچ سے تشریف لاتے اور فیروز آباد کے قریب پہنچتے تو بادشاہ مندنک ان کے استقبال کے لیے جاتا اور جب دونوں میں ملاقات ہوتی تو سید جلال الدین بخاری کو بے حد اعزاز و اکرام کے ساتھ شہر میں لاتا۔

سبحان اللہ کیا حسن ادب تھا جو بادشاہ حضرت سید جلال الدین بخاری کے لیے بجالاتا تھا۔

فیروز شاہ بھی دوسرے تیسرے روز حضرت سید جلال الدین بخاری کی قیام گاہ پر اُن کی ملاقات کے لیے حاضر ہوتا، اور یہ دونوں بزرگ ایک جا بیٹھ کر محبت آمیز گفتگو فرماتے، اُچ اور دہلی کے باشندے اپنی اپنی حاجت اور غرض سید جلال الدین بخاری کی خدمت میں پیش کرتے، اور حضرت سید جلال الدین بخاری اپنے خدام کو حکم دیتے کہ ان کی حاجات کو قلم بند کرلیں۔

جب بادشاہ ملاقات کے لیے آتا تو وہ حاجت مندوں کے کاغذات کو اس کی خدمت میں پیش کرتے، سلطان فیروز اُن کاغذات کو غور سے پڑھ کر ہر حاجت مند کی اس کے معروضے کے مطابق حاجت روائی کرتا۔

دہلی میں رشد و ہدایت: ۷۸۱ھ میں حضرت مخدوم جہانیاں دہلی تشریف لائے اُس وقت سلطان فیروز سومانہ کی مہم میں دار السلطنت دہلی سے باہر گیا ہوا تھا، آپ کو اس کی ملاقات کے لیے دہلی میں دس مہینے قیام کرنا پڑا اس زمانے میں دہلی کے باشندے اور دوسرے مقامات کے لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر ہر قسم کے روحانی اور مذہبی فیوض حاصل کرتے۔ آپ کی مجلسوں میں کبھی درس و تدریس ہوتی، کبھی فقہی اور شرعی مسائل بیان فرماتے، کبھی اخلاق و معاشرت کو بہتر بنانے کی تعلیم دیتے، کبھی تصوف کے اسرار و معارف بیان کرتے۔

سلطان فیروز خود بھی حضرت مخدوم جہانیاں کی قیام گاہ پر حاضر ہوتا تھا، ایک دفعہ وہ حضرت مخدوم جہانیاں کے پاس آیا، اُس وقت آپ اشراق کی نماز پڑھ رہے تھے، جب تک آپ نماز پڑھتے رہے، سلطان کھڑا رہا۔ جب آپ نماز ختم کر چکے تو دونوں نے بڑی گرمجوشی سے مصافحہ کیا، فیروز تغلق نے پھولوں سے بھری ہوئی ایک ٹوکری آپ کی خدمت میں پیش کی، حضرت مخدوم جہانیاں نے وہ پھول اُن لوگوں میں تقسیم کر دیے جو وہاں بیٹھے ہوئے تھے، پھر سلطان کے آنے کا شکریہ ادا کیا، اور دعائیں دیں۔

سلطان فیروز رخصت ہونے لگا، تو اُس نے آپ سے اپنے پوتوں کے لیے دعا کی درخواست کی، آپ نے اُن کے لیے وہی دعائیں کیں جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم بچوں کو دیا کرتے تھے، سلطان فیروز رخصت ہونے لگا تو آپ اسے رخصت کرنے کے لیے زینے سے اُترنے لگے، لیکن سلطان فیروز نے آپ کو ہاتھ پکڑ کر روکا۔ آپ نے فرمایا، جب تم مجھ سے ملنے کے لیے آئے ہو، تو مجھے کچھ تمہاری تعظیم کرنی چاہیے سلطان فیروز نے عرض کیا کہ واجب التعظیم تو آپ ہی ہیں۔ میں تعظیم کا مستحق نہیں ہوں۔

فیاضی: فیاضی کا یہ عالم تھا کہ بادشاہ اور معتقدین کے پاس سے جو تحائف آتے انہیں قبول کر لیتے اور ان میں سے اپنی ضرورت کے مطابق رکھ کر دوسروں میں تقسیم کر دیتے، فرمایا کرتے تھے کہ کہیں سے بھی کوئی فتوح آتی ہے تو میں اسے اس لیے قبول کر لیتا ہوں کہ شیخ مکہ عبداللہ یافعی اور شیخ مدینہ عبداللہ مطری اور دوسرے بزرگوں نے فرمایا ہے کہ فتوح کو اس لیے قبول کرو کہ دوسروں تک پہنچاؤ اور کچھ اپنی ضرورت کے لیے بھی رکھو۔

مخدوم جہانیاں جب مکہ معظمہ سے شیراز تشریف لے گئے تو ایران کے فرماں روا نے سونے اور چاندی کے سکے طشت میں پیش کئے۔ لیکن آپ نے یہ تمام سکے اپنے ان ساتھیوں کو دے دیئے جو مقروض تھے۔

شیراز میں حضرت مخدوم جہانیاں کے ایک شاگرد نے جو آپ سے مصابیح پڑھتا تھا۔ کئی ہزار دینار نذر کئے۔ لیکن آپ نے یہ دینار اپنے اُن رفیقوں میں تقسیم کر دیئے ہیں

جن کو اپنی لڑکیوں کی شادی کرنی تھی۔

ایک دفعہ ایک عرب آیا، اس نے کہا کہ میں لکھنؤ جانا چاہتا ہوں مجھے سفر خرچ اور کچھ کپڑا دیدیجئے۔ اسی وقت اتفاق سے ایک مرید طشت میں بھر کر مصری تحفتاً لایا حضرت مخدوم جہانیاں نے عرب سے کہا کہ تم یہ لے لو، اس نے وہ مصری لے لی اور پھر کپڑا مانگا، اسی وقت آپ کے جسم پر جو کپڑے تھے، وہ کسی مرید نے عاریتاً پہنائے تھے۔ تاکہ وہ تبرک ہو جائیں، آپ نے عرب سے فرمایا اگر یہ کپڑے میرے ملکیت ہوتے تو تمہیں دے دیتا، لیکن وہ عرب مانگتا رہا خادموں کو یہ دیکھ کر غصہ آیا۔ عرب نے کہا کیا آپ مجھے مروا ڈالنا چاہتے ہیں۔ فرمایا اگر وہ تمہیں ماریں تو تم مجھے مار ڈالنا، یہ کہہ کر آپ نے اپنی گردن جھکادی، عرب آپ کے اس اخلاق سے بے حد متاثر ہوا اور آپ کے قدموں پر گر پڑا۔ آپ نے اس کو اٹھا کر گلے سے لگالیا۔ اور اپنی ٹوپی پہنا کر رخصت کیا۔

انکساری و عاجزی: طبیعت میں بے حد انکسار اور خاکساری تھی، ایک دفعہ ایک مرید نے القاب میں قطب عالم، شیخ الشیوخ اور سید السادات لکھا، فرمایا مجھ کو گدائے عالم کہو، مریدین اور معتقدین پاؤں چومنے کی کوشش کرتے، لیکن آپ اُن کو روکتے، بعض مرید سجدہ تعظیمی کرنا چاہتے۔ فرماتے خدا کے سوا کسی کو سجدہ کرنا جائز نہیں۔

مہمان نوازی: جب کوئی حضرت مخدوم جہانیاں سے ملاقات کے لیے آتا تو آپ اسے ضرور کچھ نہ کچھ کھلاتے، فرمایا کرتے تھے کہ جو آدمی کسی زندہ آدمی کی ملاقات کے لیے آئے اور اس کے یہاں کچھ نہ چکھے تو گویا اُس نے مردے کی زیارت کی۔

جب کوئی مہمان آتا تو جب تک وہ رہتا، اس کے لیے کھانے پینے اور نقد وظیفے کا انتظام فرماتے، اور اس کے قیام کے لیے ایک علیحدہ حجرہ متعین فرما دیتے۔

عفو و درگذر: عفو و درگذر آپ کی صفت خاص تھی، اُس زمانے میں جب کہ آپ کا قیام دہلی میں تھا، کسی نے آپ کی چادر چرالی۔ لوگوں نے کہا آپ چور کے لیے بد دعا کریں، فرمایا میں کبھی اُس کے لیے بد دعا نہ کروں گا، بلکہ اگر وہ میرے سامنے آجائے تو میں اُس کو معاف کردوں گا۔ پھر فرمایا میری بہت سے چیزیں چوری ہوگئیں، لیکن میں نے کبھی چور کے لیے بد دعا نہیں کی۔

ہمعصروں کا احترام: اپنے ہم عصر بزرگوں کا بے حد احترام فرماتے تھے، ایک دفعہ مخدوم الملک شرف الدین منیری نے آپ کے لیے جوتا بھیجا جس سے اُن کا مقصد یہ تھا کہ میں آپ کا کفش پا ہوں۔ آپ نے اس کے عوض میں اُن کو دستار روانہ کی جس سے مطلب یہ تھا کہ میں تمہیں سر تاج سمجھتا ہوں۔

حضرت جہانگیر سمنان سے آپ کی زیارت کے لیئے حاضر ہوئے تو آپ اُن سے نہایت شفقت سے ملے اور فرمایا کہ ایک مدت کے بعد طالب صادق کی بو دماغ میں پہنچی اور ایک زمانے کے بعد گلشن سیادت کی نسیم چلی۔

سلسلہ قادریہ سے محبت و عقیدت: باوجود اس کے کہ حضرت مخدوم جہانیاں سلسلہ سہروردیہ میں بیعت تھے، لیکن سلسلہ عالیہ قادریہ سے بھی بے حد عقیدت و محبت رکھتے تھے۔ اخبار الاخیار میں بحوالہ خزانہ جلالی منقول ہے کہ آپ نے فرمایا کہ حضرت شیخ محی الدین عبد القادر جیلانی نے فرمایا ہے کہ خوش خبری ہو اُن لوگوں کو جنھوں نے مجھے دیکھا، اور میرے دیکھنے والے کو دیکھا اور میرے دیکھنے والوں کے دیکھنے والوں کو دیکھا۔ واقعی آپ قطب ہیں اور سچے ہیں مجھے آپ کے اس قول سے قوی امید ہے کہ حق تعالیٰ حضرت شیخ کے اس قول کے مطابق مجھ پر بھی رحمت کرے گا، بعد اس کے اپنی رویت کے سلسلے کو ایک واسطہ سے حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی تک پہنچایا اور سلسلہ حضرت شیخ بہاء الدین زکریا کے علاوہ تھا۔ فرماتے ہیں کہ میں نے فلاں کو دیکھا ہے انہوں نے حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی کو دیکھا ہے اور حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی نے حضرت شیخ محی الدین عبد القادر جیلانی

کو دیکھا ہے۔

وصال: سید جلال الدین بخاری جہانیاں جہاں گشت کا وصال ۷۷ سال کی عمر میں عین عید اضحیٰ کے دن ۷۸۵ھ میں ہوا۔

اولاد: آپ کے بعض صاحبزادوں کے نام یہ ہیں، سید شمس، سید ماہ، سید صدرالدین اور سید سلطان محمود ناصرالدین۔

حضرت سید جلال بخاری مخدوم جہانیاں جہاں گشت کی اولاد کے متعلق بزم صوفیہ میں بحوالہ مراۃ الاسرار منقول ہے کہ۔

حضرت سید جلال (بخاری) کی بہت سی اولاد تھی اور اُن کے اکثر فرزند ولایت کے مرتبے کو پہنچے، اُن میں سے ایک شاہ جلال بھی تھے، جو اپنے بھائیوں کے جھگڑے کی وجہ سے اُچ سے قنوج چلے گئے تھے اور اسی شہر میں سکونت اختیار کر لی تھی انہوں نے اپنے کشف و کرامات کی وجہ سے بڑی شہرت پائی، ان کے (سید جلال کے) صاحبزادے بھی صوری و معنوی کمالات کی وجہ سے مشہور ہوئے، قنوج اور نواح قنوج کے لوگ اُن ہی کے سلسلہ ارادت سے منسلک رہے۔ اور یہ سلسلہ اب تک جاری ہے حضرت کے بعض فرزند دہلی کے نواح شکارپور میں محوِ خواب ہیں، ان میں شاہ عمر، شاہ محمود اور شاہ کبیر بڑے صاحبِ کشف و کرامات تھے اور بہت مشہور ہوئے، حضرت کے ایک فرزند شاہ قطب عالم گجرات میں مدفون ہیں"۔

خلفاء: حضرت مخدوم جہانیاں کے خلفاء کی تعداد کثیر ہے اُن میں سے مشہور خلفا کے نام یہ ہیں۔ (۱) سید صدرالدین معروف بہ شیخ راجو قتال، (۲) شیخ اخی راج گیری۔ (۳) حضرت سید علم الدین (۴)، حافظ شیخ سراج الدین، (۵) سید اشرف الدین مشہدی، (۶) شیخ بابو تاج بکھری (۷)، سید محمود شیرازی، (۸) سید سکندر بن مسعود (۹) سید علاؤالدین بن سعد حسینی (مرتب جامع العلوم)،

(۱۰) سید شرف الدین سامی، (۱۱) مولانا عطاء اللہ۔

۲۴۔ **مزار اقدس:** آپ کا مزار اقدس اوچ شریف (ضلع بہاول پور) میں مرجع خلائق ہے عمارات مزار قدیم اور خوبصورت بنی ہوئی ہیں۔

حضرت سلطان سخی سرورؒ

حضرت سخی سرورؒ بلا شبہ ان اولیائے کبار اور صوفیائے عظام سے تھے جنہوں نے تزکیہ نفس سے اللہ کو راضی کیا اور اللہ تعالیٰ نے انہیں عزت اور بزرگی عطا کی۔ آپ کی عقیدت مندی میں بے شمار لوگوں نے راہ ہدایت پائی۔

آپ کا اصل نام سید احمد سلطان ہے لیکن سخی سرورؒ کے نام سے مشہور ہوئے۔ چونکہ آپ بڑے دریا دل تھے جو کچھ آپ کے پاس آتا راہ خدا میں لٹا دیتے حتیٰ کہ شادی میں جو جہیز ملا وہ بھی آپ نے محتاجوں میں تقسیم کر دیا۔ اس لیے آپ لوگوں میں سخی مشہور ہوئے۔ اس لقب کی ایک وجہ یہ بھی بیان کی جاتی ہے۔ کہ آپ بڑے بلند پایہ بزرگ تھے۔ جو بھی آپ کے پاس آتا خالی نہ لوٹتا اس لیے آپ سخی کے لقب سے مشہور ہوئے۔

۱۔ آباؤ اجداد: حضرت سخی سرور کے آباؤ اجداد عرب کے رہنے والے تھے اور آپ کے والد حضرت زین العابدین بغداد سے برصغیر پاک و ہند میں تشریف لائے اور ملتان کے قریب ایک گاؤں میں سکونت اختیار کر لی۔ جسے اس وقت شہ کوٹ اور کرسی کوٹ کہا جاتا تھا۔ آپ کے والد کی آمد کے بارے میں یہ روایت مشہور ہے کہ آپ کے والد بزرگوار حضرت زین العابدینؒ سرزمین پاک و ہند میں تشریف لانے سے قبل بائیس سال سے روضہ رسول اطہر صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کرتے چلے آرہے تھے۔ ایک روز سید الانبیاء و ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے عالم خواب میں ہندوستان جانے کا حکم دیا۔ آپ نے فوراً رخت سفر باندھا اور ملتان کے قریب ایک گاؤں (سرور کوٹ) شاہکوٹ میں توطن اختیار کیا۔ یہ ۵۲۰ ہجری (۱۱۲۶ء) کا واقعہ ہے۔

۲۔ والد ماجد کا گزر اوقات: آپ کے والد ماجد سید زین العابدین ہر وقت یادِ الٰہی میں مشغول رہتے تھے۔ گزر اوقات کے لیے آپ نے زراعت کے علاوہ بھیڑ بکریاں بھی پال رکھی تھیں۔ دو سال کے بعد آپ کی اہلیہ محترمہ بی بی آیمنہ جنت الفردوس کو سدھار گئیں۔ ان کے بطن سے تین لڑکے حضرت سلطان قیصر، حضرت سید محمود اور حضرت سید سہرا تھے۔ شاہکوٹ کا نمبردار پیر ارہان آپ کا مرید تھا۔ اس نے اپنی کھوکھر برادری سے مشورہ کے بعد اپنی بڑی دختر بی بی عائشہ کو آپ کے عقد میں دے دیا۔

۳۔ پیدائش: حضرت سید احمد سلطان ۵۲۴ھ بمطابق ۱۱۳۰ء میں پیدا ہوئے۔

۴۔ سلسلہ نسب: آپ کا سلسلہ نسب چند واسطوں سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے جا ملتا ہے، آپ کا سلسلہ نسب یہ ہے۔

سید احمد بن سید زین العابدین بن سید عمر بن سید عبداللطیف بن
سید بہار الدین بن سید غیاث الدین بن بہار الدین بن سید صلاح الدین
بن سید زین العابدین بن سید عیسیٰ بن سید صالح بن سید عبدالغنی بن
سید جلیل بن خیر الدین بن سید ضیاء الدین بن سید داؤد بن سید عبدالجلیل
رومی بن سید اسماعیل بن امام جعفر صادق بن امام محمد باقر بن امام زین العابدین
علی بن سید الکونین امام حسین بن حضرت علی رض

۵۔ تعلیم و تربیت: آپ بچپن سے ہی بڑے ذہین و فہمیدہ تھے۔ اکثر اوقات آپ والد مکرم سے شرعی مسائل سیکھتے رہتے تھے۔ ان دنوں لاہور میں مولانا سید محمد اسحاق مدظلہ العالی کے علم و فضل کا بڑا شہرہ تھا۔ آپ کو علوم ظاہری کی زیور سے آراستگی کے لیے لاہور بھیج دیا گیا۔ حضرت مولانا کی صحبت و تربیت و تعلیم کی بدولت آپ ان تمام صلاحیتوں اور صفات سے متصف ہو گئے جو کسی عالم دین کا خاصہ ہوتی ہیں۔ تحصیل علم کے بعد واپس آکر باپ کا پیشہ اختیار کیا لیکن زیادہ تر وقت

یادِ الٰہی میں ہی بسر ہوتا تھا۔ ظاہری علوم کے ہم آہنگ علوم باطنی حاصل کرنے کا جذبہ واشتیاق سینے میں کروٹیں لینے لگا جس میں روز افزوں طغیانی آتی گئی۔ آپ کے والد محترم نے جب اپنے اس ہونہار بیٹے کا رجحان دیکھا تو اس طرح تربیت فرمانے لگے۔ جیسے مرشد مرید کی کرتا ہے۔ لیکن دل کی خلش برقرار رہی۔ چاہتے تھے کہ سلوک و معرفت کی راہوں پر گامزن ہوں۔ علم لدنی سے مالامال ہوں اور کسی صاحبِ حال بزرگ کے دست حق پرست پر بیعت ہوں۔

۶۔ والد کی وفات: جب ۵۳۵ ہجری (۱۱۴۱) میں آپ کے والد گرامی نے رحلت فرمائی اور شاہکوٹ میں ہی مدفون ہوئے تو آپ کے خالہ زاد بھائی ابی۔ جودھا۔ ساون۔ لکھو اور رکمو نے آپ کو تنگ کرنا شروع کر دیا۔ روز افزوں ان کی چیرہ دستیوں اور زیادتیوں میں اضافہ ہوتا گیا۔ انہوں نے پیر اراہان کی وفات کے بعد زرخیز زمین اپنے پاس رکھ لی اور بنجر ویران اراضی آپ کے حوالے کر دی لیکن اللہ کے کرم سے وہ زرخیز و شاداب ہو گئی تو وہ بڑے نالاں و افسردہ ہوئے اور حسد کی آگ میں جلنے لگے۔ اس تاک میں رہتے تھے کہ حیلے بہانے آپ کو نقصان پہنچائیں۔

۷۔ شادی: باپ کے وصال کے بعد آپ کی شادی گھنو خاں حاکم ملتان کی بیٹی بی بی بائی سے ہو گئی۔ امراء اور رؤساء نے نذرانے پیش کیے۔ جب آپ دلہن کو گھر لائے تو آپ کی والدہ ماجدہ حضرت مائی عائشہ نے گھی کے چراغ جلائے اور خوب خوشیاں منائیں۔ اس پر آپ کے خالہ زاد بھائی سیخ پا ہو گئے اور دل ہی دل میں آپ کو بے عزت کرنے کے منصوبے بنانے لگے انہوں نے لاگیوں اور بھانڈ میراثیوں کو بہلا پھسلا اور لالچ دے کر بھیجا کہ وہ حضرت سید احمد سلطان کو بدنام اور شرمسار کریں اور ترکیب یہ بتائی کہ اگر وہ سیر دے تو وہ سواسیر مانگیں۔ انہوں نے ایسا کیا۔ لیکن اللہ تعالےٰ اپنے نیک بندوں کی خود حفاظت فرماتا ہے۔ آپ نے نہ صرف لاگیوں، بھانڈوں، میراثیوں کو ہی نہیں بلکہ غرباء، مساکین اور محتاجوں کو بے شمار دولت، جہیز کا سامان اور دیگر اشیاء سے خوب نوازا۔ اس دن سے آپ سخی سرور، لکھ داتا۔ لکھی خان، لالانوالہ، پیر خانو۔ شیخ راؤ نکور وغیرہ

مختلف القابات سے نوازے جانے لگے۔ لیکن سخی سرور کا لقب ان سب پر حاوی ہو گیا آپ کے خالہ زاد بھائی بھلا یہ کب برداشت کر سکتے تھے لہذا ان کے آتش حسد و انتقام مزید بھڑک اٹھی۔ اسی اثنا میں آپ کی والدہ محترمہ اور سوتیلے بھائی سید محمود اور سید سہرا راہی ملک عدم ہوئے اور شاہ کوٹ میں ہی دفن ہوئے تو آپ دل برداشتہ ہو گئے۔ کسی مردِ حق کے ہاتھ میں ہاتھ دینے کا جذبہ بڑی شدومد سے بیدار ہو گیا۔

۸۔ اکتساب فیض: تلاش حق کے لیے آپ مختلف مقامات کی سیر و سیاحت کے بعد عراق گئے اور وہاں سلسلہ طریقت کے تین سلسلوں یعنی چشتیہ سہروردیہ اور قادریہ سے فیض حاصل کیا آپ نے حضرت مودود چشتی کی صحبت میں رہ کر ان سے سلسلہ چشتیہ میں خرقہ خلافت پایا۔

بغداد میں آپ حضرت سید عبد القادر جیلانی میں خدمت میں بھی کچھ عرصہ رہے اور اس طرح ان سے بھی آپ نے سلسلہ قادریہ میں فیض پایا۔ ان بزرگوں کے علاوہ حضرت سخی سرور نے شیخ الشیوخ شیخ شہاب الدین سہروردی سے خصوصی فیض حاصل کیا۔ اور بعض تذکروں کی رو سے حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی نے آپ کو خرقہ خلافت بھی عطا فرمایا۔ آپ کا ذاتی رجحان بھی سلسلہ سہروردیہ کی طرف زیادہ تھا یہی وجہ ہے کہ آپ کا شمار سلسلہ سہروردیہ کے بزرگان میں ہوتا ہے، حضرت سخی سرور کا شجرہ طریقت حسب ذیل ہے۔

۹۔ شجرہ طریقت: حضرت سخی سرور، حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی۔ شیخ ابو نجیب۔ شیخ وجیہہ الدین ۔ حضرت ابو عبد اللہ۔ حضرت اسود احمد دینوری ۔ ممشاد علی دینوری ۔ حضرت ہبیرۃ البصری ۔ حضرت حذیفہ المرعشی ۔ حضرت ابراہیم بن ادہم ۔ حضرت فضیل بن عیاض ۔ حضرت عبد الواحد ۔ حضرت خواجہ حسن بصریؒ ۔ حضرت علی رضہ

۱۰۔ سوہدرہ میں قیام: بغداد شریف سے واپسی پر آپ نے چند دن لاہور میں قیام فرمایا اور پھر وزیر آباد کے قریب سوہدرہ میں دریائے چناب کے کنارے یاد الٰہی میں مشغول ہو گئے ۔ اسی موضع میں آپ ارشاد و تلقین میں مصروف

ہوئے۔ چند ہی دن میں شہرت اور مقبولیت کا یہ عالم تھا کہ لوگ دور دور سے آکر اس شمع معرفت کے گرد پروانہ وار جمع ہوتے تھے۔ آپ کی بزرگی و ولایت کا چرچا چار دانگ عالم میں ہو گیا۔ ہر وقت لوگوں کا ہجوم ہونے لگا۔ جو بھی حاجت مند درِ اقدس پر پہنچ جاتا تہی دامن و بے مراد نہ لوٹتا تھا۔ آپ کو جو کچھ میسر آتا فوراً راہ خدا میں تقسیم فرما دیتے تھے، ہر جگہ آپ کو لوگ سخی سرور اور سخی داتا کے نام نامی اسم گرامی سے یاد کرنے لگے۔ آپ کی خدمت میں حاضر ہونے والے دنیا کے ساتھ دین کی دولت سے بھی مالامال ہونے لگے، دن بدن آپ کے محبین معتقدین اور مریدین میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔

۱۱۔ دھونکل میں قیام: دھونکل میں بھی آپ نے چند سال قیام فرمایا۔ جہاں آپ نے ڈیرہ ڈالا وہ بڑی اجاڑ و ویران جگہ تھی۔ اللہ تعالےٰ نے اپنے فضل و کرم سے وہاں پانی کا چشمہ جاری فرما دیا۔ مخلوق خدا یہاں بھی جوق در جوق آنے لگی۔ میلوں کی مسافت طے کر کے لوگ آتے اور اپنے دکھوں، غموں اور محرومیوں کے مداوا کے بعد ہنسی خوشی واپس جاتے۔ ایک دن دھونکل کے نمبر دار کا لڑکا مفقود الخبر ہو گیا۔ حاضر خدمت ہو کر عرض کیا تو ارشاد فرمایا۔ "مطمئن رہو، شام تک لوٹ آئے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

۱۲۔ خالہ زاد بھائیوں کی دشمنی: وطن مالوف سے نکلے کئی سال ہو گئے تھے لہذا واپس شاہکوٹ تشریف لے گئے۔ اسی اثنا میں آپ کی شہرت و بزرگی کے چرچے ہندوستان کے گوشے گوشے میں پہنچ چکے تھے۔ سینکڑوں میلوں کا سفر طے کر کے لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔ آپ کے خالہ زاد بھائیوں کو آپ کی یہ شہرت و مرتبہ ایک آنکھ نہ بھایا۔ اپنے لیے خطرہ محسوس کرنے لگے لہذا ان کی دیرینہ دشمنی پھر عود کر آئی۔

بستی سخی سرور: جب خالہ زاد بھائیوں کی عداوت انتہا کو پہنچ گئی تو آپ نے نقل مکانی فرما کر ڈیرہ غازی خان تشریف لے گئے اور کوہ سلیمان کے دامن میں نگاہیہ کے مقام پر قیام فرمایا اور عبادت الٰہی میں مصروف ہو گئے۔ یہ وہی جگہ تھی جہاں آجکل

آپ کا مزار اقدس ہے اور اب سخی سرور کے نام سے مشہور ہے۔ لوگوں کو یہاں بھی اژدہام ہونے لگا۔ ہر مذہب و ملت کے لوگ آپ کے درِ دولت پر حاضر ہونے لگے۔ کئی ہندو، سکھ اور ان کی عورتیں بھی آپ کے عقیدتمندوں اور معتقدوں میں شامل تھے جو سلطانی معتقد کہلاتے تھے، اور اب بھی پاک و ہند میں موجود ہیں۔

۱۴۔ شہادت:

آپ کے ارادتمند، عقیدت مند، معتقد اور مریدین بے شمار تھے لیکن ان میں سے چار اصحاب خاص الخاص تھے۔ یہ چار یاروں کے نام سے مشہور تھے۔ انہیں آپ سے بے حد عشق تھا۔ آپ بھی انہیں جانی جان تصور فرماتے تھے۔

آپ کے خالہ زاد بھائیوں نے آپ کو یہاں بھی سکھ کا سانس نہ لینے دیا۔ انہوں نے اپنی قوم کے لوگوں کو آپ سے بدظن کر دیا۔ اور جم غفیر لے کر آپ کو شہید کرنے کے لیے چل پڑے۔ ان دنوں آپ کے سگے بھائی حضرت سید عبد الغنی المعروف خان ڈھوڈا نگاہیہ سے بارہ کوس دور قصبہ ودود میں عبادت و ریاضت میں مشغول رہتے تھے۔ ان کے خادم نے جب خالہ زاد بھائیوں کے عزائم کے بارے میں اطلاع دی تو تن تنہا ان کے مقابلے میں اتر آئے اور بہتر اشخاص کو حوالہ موت کرنے کے بعد جام شہادت نوش کیا۔ اس کے بعد وہ سب لوگ نگاہیہ پہنچے۔ اس وقت حضرت سید احمد سلطان سخی سرورؒ نماز پڑھنے میں مصروف تھے چند ایک خادم اور چاروں یار موجود تھے۔ نماز سے فراغت کے بعد جب آپ کو اطلاع دی تو آپ گھوڑی پر سوار ہو گئے۔ بھائیوں نے حملہ کیا تو آپ نے بھی جنگ شروع کر دی اور یاروں سمیت مقام شہادت سے سرفراز ہوئے۔ دم واپسیں آپ نے ارشاد فرمایا کہ میرے یاروں کو مجھ سے بلند مقام پر دفن کیا جائے چنانچہ حسب الارشاد ایسا ہی کیا گیا۔

۲۲ رجب المرجب ۵۷۷ ہجری (۱۱۸۱ء) کو ترپن سال کی عمر میں آپ کی شہادت ہوئی آپ کا مزار اقدس ڈیرہ غازی کی مغرب کی جانب بیس کوس بستی سخی سرور میں مرجع خلائق ہے۔

رحمۃ اللہ علیہ

حضرت سید کبیرالدین شاہ دولہ دریائی

روایت ہے کہ آپؒ بغداد میں پیدا ہوئے اس وقت ہند و پاک میں اکبری عہد تھا والدین چھوٹی عمر میں انتقال کر گئے اور بعض اوباش لوگوں نے آپؒ کو کسی ہندو کے ہاتھ فروخت کر دیا جو آپ سے سخت کام لیتا تھا مگر آخر میں وہ آپؒ کی خدمت سے متاثر ہوا اور انہیں آزاد کر دیا۔

ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت شاہ دولہؒ لودھی خاندان کے ایک صاحبِ طریقت بزرگ کے فرزند ارجمند تھے۔ آپ کی طفولیت میں ہی آپ کے والدِ گرامی انتقال فرما گئے۔ رشتہ داروں اور عزیزوں نے معصوم شاہ دولہؒ پر کوئی توجہ نہ دی۔ پڑوسی کبھی کبھی اپنا بچا کھچا کھانا آپ کو دے دیا کرتے تھے۔

۱۔ پرورش: ایک دفعہ حضرت شاہ دولہ کئی روز سے بھوکے پیاسے تھے۔ آپ کے پاس سونے اور رہنے کے لیے بھی کوئی ٹھکانہ نہ تھا۔ اس بے چارگی کے عالم میں ایک سال خوردہ شخص نے آپ کی مدد و اعانت کی۔ محبت بھری گفتگو حضرت شاہ دولہ کے لیے تریاق ثابت ہوئی۔ اس ہمدرد پیران سال نے آپ کو کھانا بھی اور سونے کے لیے جگہ بھی دی۔ سونے کی جگہ ملتے ہی شاہ دولہؒ گہری نیند سو گئے اور گھنٹوں سوتے رہے اور مہربان اجنبی کہیں چلا گیا۔

شام کے وقت وہ مہربان واپس لوٹا اور حضرت شاہ دولہ کو کہا۔ "میں تمہارے لیے خوشخبری لایا ہوں۔ تمہارے رہنے سہنے اور کھانے پینے کا انتظام ہو گیا ہے۔ میں چاہتا تھا کہ تمہیں اپنے ساتھ رکھوں مگر میں ایسا کرنے سے قاصر ہوں۔ میری بیوی بڑی بدمزاج اور جھگڑالو عورت ہے وہ تمہارا وجود ہرگز برداشت نہ کرے گی۔ اس لیے میں نے تمہارا کہیں اور بہتر انتظام کر دیا ہے وہاں تم اطمینان سے رہو گے وہ لوگ تمہارا بہت خیال رکھیں گے

اور تمہیں اپنی اولاد کی طرح عزیز جانیں گے۔ اس کے بعد اُس بزرگ نے معصوم شاہ دولہؒ کو اپنے ہاتھ سے کھانا کھلایا۔ شاہ دولہؒ بہت کم بولتے تھے وہ اُس کی گفتگو سنتے رہے کھانا کھا کر آپ کو اس نے گھوڑا گاڑی پر سوار کیا اور لے کر چل پڑا۔ راستے بھر وہ شخص متواتر بولتا گیا اور آپ اس کی باتیں ہمہ تن گوش ہو کر سنتے رہے۔ اس شخص نے آپ سے کہا۔ "برخوردار اگر تمہارے والدین زندہ ہوتے اور تمہیں کوئی کام کہتے تو تم کیا کرتے؟" "میں اُن کے حکم کی تعمیل کرتا۔ آپ نے جواب دیا۔ "شاباش" وہ شخص بولا۔ "میں تم سے یہی توقع رکھتا تھا۔

اسی قسم کی باتیں کرتا ہوا وہ شخص شاہ دولہؒ کو لے کر ایک بڑی سی حویلی میں داخل ہوا اور بولا "جس حویلی میں ہم جا رہے ہیں یہاں رہنے والے میاں بیوی حد درجہ شریف ہیں۔ تمہیں انہی کے پاس رہنا ہو گا یہ تمہیں اپنی اولاد کی طرح سمجھیں گے اور تم بھی اُن کا احترام اپنے والدین کی طرح کرنا۔" شاہ دولہؒ بولے۔ میں پوری کوشش کروں گا آگے اللہ بہتر جانتا ہے۔

حویلی کے صدر دروازے پر رک کر اس بزرگ نے اندر پیغام بھجوایا کہ علی نقی آیا ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد علی نقی کو اندر طلب کر لیا گیا۔ وہ شاہ دولہ کو لے کر حویلی کے اندر چلے گئے۔ حویلی کے اندر جا کر شاہ دولہ نے دیکھا کہ ایک موٹا سا آدمی صرف ایک دھوتی میں ملبوس کان میں مندریں ڈالے ایک پتھر کی مورتی کے سامنے بیٹھا کچھ پڑھ رہا ہے۔ علی نقی اور شاہ دولہ خاموشی سے مونڈھوں پر بیٹھ گئے۔ اور اس شخص کے فارغ ہونے کا انتظار کرنے لگے۔ جب وہ فارغ ہوا تو علی نقی سے گویا ہوا۔ "استاد علی کیا حال ہے کام دھندا کیسا چل رہا ہے۔

"لالہ جی! کام بالکل ٹھپ ہے آج کل۔ علی نقی نے جواب دیا۔

لالہ جی نے شاہ دولہ کی طرف اشارہ کر کے پوچھا "تو یہ ہے وہ لڑکا جس کا تم نے ذکر کیا تھا" "یہی وہ یتیم بے آسرا لڑکا ہے۔ علی نقی نے جواب دیا۔ لالہ جی نے حضرت شاہ دولہ کو اندر اپنی بیوی کے پاس بھیج دیا اور علی نقی سے پوچھا۔ "بتاؤ اب تمہیں کیا قیمت دی جائے اس لڑکے کی" علی نقی نے کہا "پانچ سو اشرفیاں۔

"پانچ سو اشرفیاں اتنے سے لڑکے کی۔" لالہ جی کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔ اور بولے۔ "میں تو دو سو سے زیادہ ایک پائی بھی نہ دوں گا۔ علی نقی نے دو سو اشرفیوں کو غنیمت جانا اور یوں اس نے شاہ دولہ رح کو دو سو اشرفیوں کے عوض ایک ہندو لالے کے ہاتھ فروخت کر دیا۔

حضرت شاہ دولہ دن رات اس ہندو لالہ اور اس کی بیوی کی مختلف خدمات سرانجام دیتے گھر کی صفائی، پانی بھرنے کے علاوہ وہ لالہ اور اس کی بیوی کے کپڑے بھی دھوتے۔ رات کو دیر تک لالہ کے پاؤں بھی دباتے تھے اور جب چھٹی ملتی تو عبادت میں مشغول ہو جاتے اسی طرح کئی سال گذر گئے۔

جب آپ سن شعور کو پہنچے تو آپ میں اللہ نے ایک حیرت انگیز خاصیت پیدا کر دی وہ یہ تھی کہ جو بات کہتے وہ سچ ثابت ہوتی تھی۔ ایک روز آپ نے لالہ کی بیوی سے کہا "آج آپ کی بہن آ رہی ہے" حالانکہ اس کے آنے کے کوئی امکان نہ تھے۔ مگر وہ شام تک پہنچ گئی۔ اسی طرح ایک دن لالہ نے آپ سے پوچھا "شاہ دولہ؟" "تمہیں جو شخص علی نقی میرے پاس فروخت کر گیا تھا اس کا کچھ حال معلوم ہے" آپ نے جواب دیا۔ "وہ قتل ہو گیا ہے۔ اس کو ایک مغل شہزادے نے برچھی سے ہلاک کیا ہے۔" اب تو لالہ آپ کے پاؤں پکڑ کر بیٹھ گیا اور عرض کیا "ہم لوگوں نے اتنے عرصہ آپ کی گستاخی کی اور آپ سے کئی نہ لینے والے بھی کام لیے ہم معافی چاہتے ہیں۔

حضرت شاہ دولہ رح نے جواب دیا "آپ لوگ اس طرح مجھ سے معافیاں نہ مانگیں۔ میں خدا کی رضا پر صابر و شاکر ہوں۔ اس نے مجھے جس کام پر معمور کیا میں نے وہ سرانجام دیا۔ یہ سن کر لالہ نے آپ سے عرض کی "میرا بھائی ایک عرصہ سے غائب ہے اس کا کوئی پتہ بتا دیں کہ وہ زندہ ہے یا مر گیا ہے" آپ نے کہا "وہ زندہ ہے اور خدا نے چاہا تو کل تک تمہارے پاس پہنچ جائے گا۔" اگلے روز لالہ کا بھائی اس کے پاس پہنچ گیا اس کے بعد لالہ، اس کی بیوی اور اس کے بھائی نے آپ سے عرض کی "اگر آپ ہمارے گھر مزید رہنا چاہیں تو یہ ہماری خوش نصیبی ہو گی۔ ورنہ آپ ہماری طرف سے آزاد ہیں۔ آپ ہمیں معاف کر دیں ہم آپ کے مقام سے

آشنانہ تھے۔ اور لاعلمی میں ہم سے بہت سی غلطیاں ہوئی ہیں۔" آپ نے جواب دیا۔ آپ نے مجھے آزاد کر دیا ہے تو میں یہاں سے کل ہی چلا جاؤں گا اور جس کی یاد نے مجھے بے چین کر رکھا ہے اس کو تلاش کروں گا۔ رہا آپ کی غلطیوں کا قصہ تو میں آپ لوگوں سے بالکل ناراض نہیں ہوں بلکہ میں بہت خوش ہوں اور آپ لوگوں کے لیے دعاگو ہوں۔

۲۔ بیعت: آزاد ہونے کے بعد شاہ دولا سید سرمست سیال کوٹی کی خدمت میں حاضر ہوئے جو اپنے وقت کے جلیل القدر صوفیا میں تھے، اور ایک عرصے تک اُن کی خدمت میں رہ کر ان کے دست حق پرست پر بیعت کی۔

۳۔ سلسلہ طریقت: آپ کا سلسلہ سہروردیہ تھا جو مندرجہ ذیل واسطوں سے حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی پر منتہی ہوتا ہے۔ سلسلہ طریقت یہ ہے۔

حضرت شاہ دولا، شاہ سید سرمست۔ شاہ مونگا، شاہ کبیر، شیخ شہر اللہ، شیخ یوسف، پیر بڑہان، شیخ صدر الدین، شیخ بدر الدین، شیخ اسماعیل شاہ صدر الدین عارف، شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی۔ علیہم الرحمتہ۔

سید سرمست کی وفات کا وقت جب قریب آیا تو اتفاق سے اُن کے حلقہ ارادت میں ایک اور صاحب بھی تھے جو انہیں کے ہمنام تھے۔ سید سرمست نے چاہا کہ اُن صاحب کو نعمت باطنی سے سرفراز کریں۔ اپنے حجرے سے آواز دی دولا یہاں آؤ۔ اتفاق سے وہ موجود نہ تھے، شاہ دولا نے سُنا تو فوراً ان کی خدمت میں حاضر ہو گئے، سید سرمست نے اُن کو دیکھ کر فرمایا کہ میں نے تم کو نہیں بلایا تھا، یہ فوراً الوٹ آئے، اور حجرے کے دروازے کے پاس بیٹھ گئے، تھوڑی دیر کے بعد سید سرمست نے پھر آواز دی کہ دولا یہاں آؤ۔ اس وقت بھی وہ دولا موجود نہ تھے، یہ پھر حاضر ہو گئے۔ سید سرمست نے ان کو روحانی نعمتوں سے سرفراز کر کے فرمایا کہ جس کو خدائے تعالیٰ سرفراز فرماتا ہے وہی شاہ دولا ہوتا ہے۔

اس کے بعد ایک عرصے تک شاہ دولا پر جذب و مستی کی کیفیت طاری رہی

آپ کا وقت زیادہ تر ویرانوں اور جنگلوں میں گزرتا تھا۔ جب جذب کا غلبہ کم ہو گیا تو آپ نے سالکانہ زندگی اختیار کر کے گجرات کو اپنا مسکن بنا لیا۔ یہاں آپ نے ایک عبادت کے لیے حجرہ بنا لیا اور اس میں رہنے لگے۔

۴۔ سلسلہ چشتیہ سے تعلق: حضرت شاہ دولہ کا سلسلہ طریقت سہروردیہ خاندان سے ہے لیکن انہوں نے مشائخ چشتیہ سے بھی فیوض باطنیہ حاصل کیے ہیں۔ صاحب معارج الولایت کا بیان ہے "میں" حسن ابدال" جاتے ہوئے شاہ دولہ کی خدمت میں حاضر ہوا، اس وقت شاہ مراقبے میں تھے۔ اور قوال مشائخ چشت کی تعریف میں کچھ گا رہے تھے۔ جب آپ نے مراقبے سے سر اٹھایا تو میری طرف متوجہ ہوئے اور مجھے مٹھائی دی، میں نے عرض کیا کہ میں اس ظاہری نعمت کا طالب نہیں ہوں مجھے باطنی نعمتوں سے سرفراز فرمایئے، ہنستے ہوئے فرمایا تم یہ تو لو، وہ نعمت بھی تمہیں ملے گی، پھر مجھے اپنی عنایت سے ظاہری اور باطنی نعمتوں سے سرفراز فرمایا۔

۵۔ اولاد کے لیے دعا: ایک مرتبہ کسی علاقے کی ایک مہارانی آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کی۔ "اللہ نے مجھے ہر چیز عطا کر رکھی ہے۔ دنیا کی دولت اور جاہ و حشمت کی کوئی کمی نہیں مگر اولاد کی نعمت سے محروم ہوں اور دعا کی طالب ہوں تاکہ اللہ مجھ پر رحم کرے اور میری حاجت روائی کرے۔

شاہ دولہ نے فرمایا، "خاتون! تمہاری دعا تو قبول ہو جائے گی مگر ایک شرط ہے جو تمہیں قبول نہیں ہو گی۔" عرض کی۔ "حضرت مجھے آپ کی ہر شرط منظور ہے" فرمایا۔ تو سن تمہارے ہاں اولاد ضرور ہو گی بفضل خدا مگر اولاد اس خانقاہ کے لیے وقف کرنا ہو گی یعنی پہلی اولاد سے اس خانقاہ کے لیے دستبردار ہونا ہو گا۔ عورت نے کچھ سوچا پھر بولی۔ "مجھے یہ شرط منظور ہے۔" آپ نے فرمایا تو اب تو گھر چلی جا اور خدا کی رحمت کا انتظار کر۔

عورت حاملہ ہوئی دس ماہ کے بعد اللہ نے اس کو ایک لڑکا دیا۔ لڑکے کا سر عام بچوں کے سروں سے قدرے چھوٹا تھا۔ اس عورت کے دل میں خیال پیدا ہوا

کہ ایک ہی اولاد پیدا ہوئی ہے آئندہ کوئی اولاد ہو کہ نہ ہو تو کس طرح یہ اکلوتا بچہ خانقاہ کے حوالے کر دوں۔ اسی کشمکش میں کئی روز گزر گئے۔ عورت نے اپنے نوکروں عزیزوں اور رشتہ داروں سے مشورہ کیا اور متفقہ طور پر بچے کی ولادت کو مخفی رکھنے کا فیصلہ کیا گیا۔

ایک رات خواب میں اُس عورت کو حضرت شاہ دولہ نظر آئے، انہوں نے فرمایا "خاتون! تم وعدہ خلافی کی مرتکب ہو رہی ہو، یہ بات خلاف شرع ہے"۔ عورت نے حالت خواب میں ہی جواب دیا۔ "ایک ہی بیٹا اللہ نے مجھے دیا ہے تو میں کس طرح اس کو اپنے آپ سے جدا کروں"۔ حضرت شاہ دولہ نے فرمایا۔ "یہ بچہ چھوٹے سر کا ہے اس کا سر عام سروں سے چھوٹا ہے لہذا تمہیں پتہ ہونا چاہیے کہ اس کے سر سے عقل سلب کر لی گئی ہے اور یہ ایک مخبوط الحواس بچہ ہو گا"۔ یہ سننا تھا کہ عورت ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی اور اس نے بچے کا معائنہ حاذق حکیموں اور لائق طبیبوں سے کروایا۔ سب نے ایک ہی جواب دیا کہ بچہ دماغی توازن سے خالی ہے اور اس کی عقل بالکل نہیں ہے۔

اب اُس عورت کے ہوش ٹھکانے آ گئے فوراً حضرت شاہ دولہ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کی "کہ مجھ سے غلطی اور تاخیر ہو گئی لیجئے بچہ آپ کی خدمت میں پیش ہے۔ حضرت شاہ دولہ نے جواب دیا۔" اے خاتون تمہیں شیطان نے تمہارے مقصد سے غافل کرنے کی پوری کوشش کی مگر خدا کی مہربانی جان جس نے تم پر اپنا کرم کیا۔ اب بچہ یہاں چھوڑ دے اور یہاں سے چلی جا۔

اس عورت نے بچہ آپ کی درگاہ پر چھوڑا اور گھر واپس چلی گئی۔ اس کے بعد اس عورت کے گھر تین لڑکے پیدا ہوئے جو کہ بالکل صحیح الدماغ اور جسمانی طور پر بالکل صحت مند اور نارمل تھے۔ اس کے بعد آج تک یہ معمول بن گیا ہے کہ بے اولاد لوگ اپنی اولاد کی طلبی کی دعا کرتے ہیں اور پہلی اولاد حضرت شاہ دولہ کے در پر چھوڑ جاتے ہیں اور جو لوگ حضرت شاہ دولہ سے دعا کرواتے اور پہلی اولاد خانقاہ کے لیے وقف کرنے کا وعدہ کرتے ہیں ان کا پہلا بچہ چھوٹے سر کا اور مسلوب العقل پیدا ہوتا ہے۔ زبان گنگ ہوتی ہے اور

مجذوب ہوتا ہے یہ بچے موشِ شاہ دولہ یعنی شاہ دولہ کے چوہے کہلائے جاتے ہیں یہ سلسلہ ہنوز جاری وساری ہے۔

۶۔ آپ کی پیشن گوئی: مغل تاجدار اورنگ زیب عالمگیر کی بیوی "بائی" کے بارے میں اس وقت پیدائش پر حضرت شاہ دولہؒ نے پیشن گوئی کی تھی کہ یہ بچی بڑی ہو کر کسی بادشاہ کی بیوی بنے گی اور اس کی اولاد ہندوستان پر حکومت کرے گی۔

"بائی" کے خاندان کے لوگ ہندو تھے۔ ان میں یہ روایت تھی کہ اُن کے ہاں جب لڑکی پیدا ہوتی تو اس کو قتل کر دیا جاتا تھا۔ "ملک راجو" "بائی" کا ایک مرتبہ حضرت شاہ دولہ کی خدمت میں حاضر ہو کر اور دعا کے لیے درخواست کی اُس کو اولاد نرینہ کی بڑی خواہش تھی حضرت شاہ دولہ نے فرمایا "ملک راجوڑ! تم میری ایک بات لو تو اللہ تمہیں ایک نہیں کئی اولاد نرینہ دے گا۔" اُس نے عرض کی "حضرت آپ جو فرمائیں گے میں اس کی تعمیل کروں گا۔

حضرت شاہ دولہؒ نے فرمایا۔ "دیکھو اس مرتبہ تمہارے گھر جو لڑکی پیدا ہو گی تم اس کو قتل نہ کرنا بلکہ اس کی نہایت بہتر طریقے سے پرورش کرنا اور پھر اللہ کے کمال دیکھنا" ملک راجوڑ بڑا پریشان ہوا ایک تو لڑکی کی پیدائش کی خبر سن کر اس کا دل آزردہ ہوا دوسرے خاندانی روایت توڑ کر لڑکی کو زندہ رکھنا اس کے بس سے باہر تھا۔ کیونکہ اگر وہ خاندان کی روایات کے خلاف کوئی بھی عمل آتا تو اس کو خاندان سے باہر نکلنا پڑتا تھا۔

حضرت شاہ دولہ نے اس کو سمجھایا۔ "تو میرے کہنے کے مطابق عمل اور تشفی رکھ تمہیں کسی پریشانی کا سامنا کرنا پڑے گا۔ وہ اپنے گھر چلا گیا اور بیوی کو سارا واقعہ سنایا۔ اس کی بیوی بڑی خوش ہوئی کہ اگر لڑکی بھی ہوئی تو کم از کم زندہ تو رہے گی۔ اب ولادت تک ملک راجوڑ بڑا پریشان رہا کسی پل اس کو چین نہ آرہا تھا۔ اس کو سمجھ نہیں آرہی تھی کہ کیا کرے اور کیا نہ کرے۔ اس کش مکش میں دن پورے ہو گئے اور اس کے گھر لڑکی پیدا ہوئی

خاندان کے تمام افراد بچی کو ہلاک کرنے پر زور دیتے رہے۔ لیکن ملک راجوڑ حضرت شاہ دولہ کے حکم سے سرتابی کرنے سے باز رہا۔ اس کی ماں نے اس کو بڑا مجبور کیا اور کہا "جب مدتوں سے ہمارے ہاں لڑکیاں قتل ہوتی آئی ہیں تو اب تمہیں کیوں اعتراض ہونے لگا ہے۔"

ملک راجوڑ نے ماں سے کہا "میں حضرت شاہ دولہ کی ہدایت کے بغیر کوئی قدم نہیں اٹھا سکتا۔ میں بچی ان کی خدمت میں لے جاتا ہوں جیسا وہ حکم کریں گے ویسا عمل کروں گا۔ ملک راجوڑ جب بچی کو لے کر حضرت شاہ دولہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو وہ بہت خوش ہوئے اور ملک راجوڑ سے کہا "جا! یہ بچی ایک بادشاہ کی بیوی اور کئی بادشاہوں کی ماں ہوگی۔ اس سے تیرا رتبہ بھی بلند ہو جائے گا۔"

اس کے بعد حضرت نے اس نومولود بچی کا نام "بائی" رکھا۔ بائی کا مطلب ہوتا ہے عزت دار خاتون۔ پھر ملک راجوڑ کو حکم دیا "اس بچی کی اعلیٰ طریقے سے پرورش کی جائے اور اس کو کوئی گزند نہ پہنچایا جائے۔"

"راجا نے بچی کو بڑے ناز و نعم سے پالا اس کی تعلیم و تربیت کا خاص خیال رکھا، حتیٰ کہ لڑکی جوان و بالغ ہو گئی۔ انہی دنوں شاہجہان کشمیر کی سیر کرتے ہوئے لاہور پہنچا۔ اس کے ساتھ اس کا بیٹا اورنگ زیب اور برادر نسبتی آصف خاں بھی تھا۔ بادشاہ کو مقامی اور لاہور کے قرب و جوار کے والیاں، ریاست اور امراء نے اپنی اپنی حیثیت کے مطابق تحائف پیش کیے۔ ملک راجوڑ نے اپنی طرف سے اپنی بیٹی کو بادشاہ کی خدمت میں پیش کرتے ہوئے کہا کہ یہ میرا حقیر سا تحفہ ہے۔ بادشاہ نے لڑکی کو دیکھا اور بڑا خوش ہوا اور اس کا نکاح اورنگ زیب سے کر دیا۔ اورنگ زیب اپنی بیوی کو لے کر ملتان چلا گیا۔ یوں حضرت شاہ دولہ نے پیشن گوئی حرف بہ حرف ہوئی پوری اور ملک راجوڑ کو اللہ تعالےٰ نے کئی اولادیں نرینہ عطا فرمائیں۔

۷۔ اورنگ زیب کی عقیدت: جب تخت نشینی کے لیے شاہجہان نے دارا شکوہ کو نامزد کیا تو اورنگ زیب کو بڑی فکر لاحق ہوئی۔

"بائی" نے جب اپنے خاوند کو آزردہ خاطر دیکھا تو اس کو تسلی دیتے ہوئے کہا "حضرت شاہ دولہ کی بات غلط نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ انہوں نے پیشین گوئی کی تھی کہ میں ایک بادشاہ کی بیوی اور کئی بادشاہوں کی ماں بنوں گی تو مجھے امید ہے آپ ضرور بادشاہ بنیں گے۔

یہ بات سن کر اورنگ زیب حضرت شاہ دولہ کی خدمت میں حاضر ہوا کہ ان سے دعا کروائے۔ اورنگ زیب اپنے ہمراہ ایک زردمرغ دو ولایتی بلبلیاں اور ایک لکڑی کی چھڑی لے کر گجرات پہنچا اور یہ چیزیں حضرت شاہ دولہ کی خدمت میں پیش کیں۔ اورنگ زیب نے دل میں سوچ رکھا تھا کہ اگر حضرت نے یہ چھڑی مجھ کو واپس کر دی تو اس کا یہ مطلب ہو گا کہ میں بادشاہ بنوں گا۔ کیوں کہ چھڑی حکمرانی کا نشان ہوتی ہے۔

حضرت نے اس کو بادشاہ بننے کی پیشگی مبارک باد دی اور چھڑی بھی اس کے حوالے کر دی۔ شہزادہ اورنگ زیب خوشی خوشی واپس لوٹا اور اپنی بیوی سے کہا "میں حضرت شاہ دولہ کو اتنا بڑا ولی نہ سمجھتا تھا لیکن آج میں آپ کی کشف و کرامات کا قائل ہو گیا ہوں۔

"بائی" نے جواب دیا شہزادے! "ہمارے خاندان میں بیٹی کو پیدا ہوتے ہی قتل کرنے کا رواج تھا۔ مگر میرے باپ کو حضرت شاہ دولہ نے ایسا کرنے سے باز رکھا اور جب میں پیدا ہوئی تو میرے متعلق یہ خوشخبری دی کہ میں بادشاہ کی بیوی اور بادشاہوں کی ماں بنوں گی۔ چنانچہ ان کی خوش خبری حرف بہ حرف پوری ہوئی۔ اورنگ زیب بادشاہ بنا اور اس نے ہندوستان پر بڑی شاندار مستحکم اسلامی طرز کی حکومت کی اور اس کے بعد اس کا بیٹا بہادر شاہ اول جو اسی "بائی" کے بطن سے پیدا ہوا تھا۔ وہ بھی ہندوستان کا حکمران بنا تھا۔ اللہ تعالے اپنے ولی کے منہ سے کوئی ایسی بات نہیں نکلواتا جو پوری نہ ہونے والی ہو۔ اور ولی بھی اشارہ غیبی کے بغیر کوئی بات نہیں کرتے۔ حضرت شاہ دولہ کو اللہ نے اس بات کا علم دیا اور انہوں نے اس کی پیشین گوئی کر دی اور اللہ نے اس کو بعینہٖ پورا کر دیا اور اپنے ولی کی شان بڑھا دی۔

۸۔ بارش کے لیے دعا کی قبولیت: ایک مرتبہ آپ کی خدمت میں لوگ حاضر ہوئے کہ حضرت بارش کے لیے دعا فرمائیے۔ آپ نے دعا فرمائی اور لوگوں سے کہا "میری چادر لے جاؤ اور اس کو دھوپ میں ڈال دو۔" چنانچہ ایسے ہی کیا گیا چند ہی لمحوں میں چمکتی دھوپ سیاہ بادلوں میں تبدیل ہو گئی اور اتنی موسلادھار بارش ہوئی کہ ہر طرف ندی نالے بہنے لگے۔ پھر لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی "حضرت ہماری ضرورت کے مطابق بارش ہو گئی ہے اس لیئے آپ خدا سے عرض کیجئے کہ بارش بند ہو جائے۔" آپ نے فرمایا "جاؤ اور میری چادر باہر سے اٹھا لو" جونہی چادر اٹھائی بارش رک گئی۔ یہ کرامات اللہ تعالےٰ لوگوں کے لیے مثالیں پیدا کرنے کے لیے اپنے ولیوں سے سرزد کرواتا ہے اور ان کا مقام بلند کرنے اور لوگوں کو راہ ہدایت دینے کے لیے یہ سب کچھ کیا جاتا ہے۔

آپ فرماتے ہیں "قریب تر راستہ ذکر ہے اور اس سے بھی قریب تر صورت پیر و مرشد کے ساتھ مشغول ہونا ہے۔ اس کے لیے اس سے بہتر اور کوئی کام نہیں کہ ایک گوشہ میں بیٹھ کر اسی ملاحظہ میں مشغول رہے۔ اگرچہ کوئی اور ریاضت نہ کی ہو۔ فقط یہی اس کو خدا تک پہنچا دے گی اور مبتدی کو پیر کی صورت میں مشغول ہونے کے بغیر کوئی چارہ نہیں ہے۔ کیونکہ عالم الٰہی عالم معنی ہے اور اس کا دیکھنا ممکن نہیں ہے مگر صاحب کمال کی صورت میں کہ انسان کامل کی ذات، ذات حق ہے اور کمال حق کی مظہر ہے۔

۹۔ تعمیرات: شاہ دولہؒ نے اپنی خانقاہ کے مضافات میں کئی مدرسے، مساجد اور لنگر خانے بنوائے ہیں۔ جہاں ہزاروں ضرورت مند دونوں وقت کا کھانا کھاتے تھے، حاجت مندوں کا تانتا لگا رہتا تھا اور آپ ہر کسی کی حاجت روائی فرماتے تھے۔

گجرات اور سیالکوٹ وغیرہ میں آپ کے تعمیر کرائے ہوئے بہت سے کنویں، سرائے اور پل اب تک موجود ہیں، جنھیں دیکھ کر شاہی عمارتوں کا دھوکا ہوتا ہے۔

۱۰۔ سماع : سماع سے غیر معمولی شغف رکھتے تھے۔ آپ کی مجلس کبھی سماع سے خالی نہ ہوتی تھی۔

آپ کے حاسدوں اور مخالفوں نے آپ کی مخالفت میں شاہجہاں کے سامنے ایک محضر پیش کیا۔ لیکن شاہجہاں نے اس پر توجہ نہ دی۔

۱۱۔ فیاضی وسخاوت : شاہ دولہ کی فیاضی وسخاوت کا یہ عالم تھا کہ جو کچھ خزانہ، غیب سے آپ کو ملتا تھا بے حساب غریبوں اور مسکینوں پر خرچ کرتے ایک بڑے پیمانے پر آپ نے لنگر جاری کر رکھا تھا۔ غربا اور فقرا اس سے کھانا کھاتے، آپ کے آستانے پر ان اخراجات کو دیکھ کر اُمرا اور ملوک کی بارگاہ معلوم ہوتی تھی۔

۱۲۔ مجاہدہ کا اصول : آپ فرمایا کرتے تھے " پختہ کار آدمی کو طمع خام کا آرزومند ہونا فائدہ نہیں دیتا۔" آپ کا خیال ہے کہ مشغولی کے لیے جنگل کو جاؤ تو کچھ کھا کر جاؤ یا کھانا ساتھ لے جاؤ۔ اس میں دو مصلحتیں ہیں ایک یہ کہ سالک کو بھوک سے بڑھ کر اور کوئی خطرہ نہیں۔ بھوک کے اگرچہ فائدے بھی بہت ہیں۔ لیکن اس کی وجہ سے دل کو بہت قلق اور اضطراب لاحق ہوتا ہے۔ یہ بھوک کے فائدے پر غالب آجاتا ہے مگر کچھ کھا لیا جائے تو خطرات رفع ہو جاتے ہیں، اور دل کو قرار اور اطمینان میسر آجاتا ہے۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنا کھانا غار حرا میں لے جاتے تھے اور عبادت میں مشغول رہتے تھے اور جب آپؐ کا کھانے کا سامان ختم ہو جاتا تو پھر گھر تشریف لے آتے یوں گھر والوں کی خیریت بھی دریافت ہو جاتی اور دوسرے کھانا وغیرہ کا بھی از سر نو بندوبست کر لیتے اور واپس غار حرا میں چلے جاتے۔

۱۳۔ منزل معرفت : آپ بڑے ہی خوش بیان وخوش گفتار بزرگ تھے۔ آپ پر دوران گفتگو کبھی کبھی جذب طاری ہو جاتا اور گھنٹوں طاری رہتا۔ بعض اوقات آپ پر جلال بھی طاری ہو جاتا کرتا تھا۔ آپ فرماتے تھے۔ " دولت دیدار نصیب! طلب کی انتہا سلوک ہے اور سلوک کی انتہا معرفت اور معرفت کی کوئی انتہا نہیں۔ معرفت کا دروازہ ہمیشہ کھلا رہتا ہے عارف کے لیے اس سے گزرنا ہمیشہ روا ہے۔ تجلی غیر مکرر ہے اور یہ امر مسلم ہے کہ یہ تجلی بر وقت۔

تازہ بہ تازہ ہے۔ یہ تازگی قیاس سے بالا ہے۔ حق تعالے اپنی ذات وصفات میں لامحدود اور اس کی سخنِ عالی کو سمجھنا بڑی بات ہے۔

۱۴۔ نماز کی تاکید: آپ اللہ تعالیٰ کی عبادات شرعی طریقے سے کرنے کی تعلیم دیا کرتے تھے۔ فرض نمازوں کے علاوہ آپ نے نوافل پر بھی زور دیا ہے۔ آپ فرماتے تھے۔ "جب تک فرائض والی نماز ادا نہ ہوگی نوافل کا کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔

۱۵۔ سیرت: حضرت شاہ دولہ صاحب کرامت بزرگ تھے۔ عبادت وریاضت، مجاہدات اور ترک وتجرید، صبر وتحمل، فقر وفاقہ، عفو ودرگذر، قناعت وتوکل میں یگانہ روزگار تھے۔ سخاوت، عطا وبخشش کے لیے مشہور تھے۔ کمالات صوری سے آراستہ تھے۔ علم ظاہر وباطن میں دسترس حاصل تھی۔ آپ کی تعلیمات تصوف کا بیش بہا خزانہ ہیں۔ آپ کا لباس سادہ ہوتا تھا گھر میں بھی ایک پرانا بوریا بچھا رہتا تھا دنیاوی چیزوں سے کسی قسم کا لگاؤ نہیں تھا۔

۱۶۔ وصال: آپؒ نے ۱۰۸۵ھ میں گجرات میں وصال فرمایا۔ مزار مبارک پر تاریخ لکھی ہے۔

به توحید آں عارف حق گزیده

بگو شاهد دله بجنت رسیده

آپ کا مزار گجرات کے مشہور مزارات میں شمار ہوتا ہے مزار اقدس پر خوبصورت گنبد بنا ہوا ہے اور ساتھ ہی مسجد بھی ہے۔

حضرت مخدوم لعل شہباز قلندر سیوستانی رح

حضرت مخدوم لعل شہباز قلندر ان اولیاء سے ہیں جن کی شہرت اور عظمت سے ہر خاص وعام آگاہ ہے۔ آپ کا مشرب قلندرانہ تھا سلسلۂ فقر میں یہ مقام بہت بلند تصوّر کیا جاتا ہے کیوں کہ قلندر کی ولایت کا تعلق اللہ تعالےٰ کے ذاتی نور سے ہوتا ہے اس لیے یہ ولایت کا خصوصی مقام شمار کیا جاتا ہے یہ مرتبہ بہت کم اولیاء کو ملا ہے۔

۱۔ وطن: حضرت لعل شہباز کا وطن مرند تھا مروند کا شہر تبریز سے کچھ فاصلے پر ہے اس شہر کو مہمند بھی کہا جاتا ہے۔ یہ شہر بہت قدیم ہے۔

یہ شہر اس وقت آذربائیجان کا دارالخلافہ تھا۔ دریا کے کنارے خوش نما شاداب منظر کے سبب مشہور تھا، یاقوت نے لکھا ہے کہ اس شہر کو کردوں نے تخت وتاراج کیا۔ کردوں کے حملے کے بعد قلعہ برباد ہوگیا۔ اور شہر کی ہیبت وشان جاتی رہی کرد اہل مروند کو اپنا غلام بنا کر لے گئے، مدتوں یہاں خاک اُڑتی رہی۔ انسانی آبادی سے یہ شہر مدتوں خالی رہا۔ مستوفی کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ شہر نہر رود پر واقع تھا۔ اس نہر کی کافی وسعت تھی۔ نو ہاتھ زمین کے اندر بہتی تھی۔ مرند کی خوشحالی اور رونق ختم ہو چکی تھی۔ یہ شہر قرمز کے کیڑوں کی وجہ سے مشہور تھا۔ جن سے لالی رنگ تیار ہوتا ہے تاریخ میں آتا ہے کہ اس شہر کے نواح میں بہت سی بستیاں تھیں۔

ان حقائق سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کا وطن آذربائیجان ہے۔ اور شہر کا صحیح نام مرند ہے۔ مرند سے مروندی ہو جانا کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔

۲۔ خاندان: اس میں کلام نہیں کہ الحافظ سید محمد عثمان المرندی رح عالی نسب تھے اور آپکا خاندان یگانہ روزگار تھا۔ ان کے والد ماجد سید کبیر اپنے وقت کے مشہور عالم تھے ان کا طریق اتباع سنت نبوی تھا، شرعی احکام سے سرمو انحراف نہ کرتے تھے، ان کی والدہ بڑی عبادت گزار تھیں۔ حضرت شیخ مرندی اپنے خاندان کے اعتبار

سے اونچی نسبت رکھتے تھے۔ اس لیے صالحیت و سخا کے بہت سے خصائص ان کے خاندان میں منتقل ہو گئے تھے۔ ان کی والدہ کے متعلق معلوم ہے کہ پردہ شب کی تاریکی میں بیٹھ کر رویا کرتی تھیں۔ فرماتیں۔ اللہ کے خوف سے رونے والا دوزخ میں نہ جائے گا۔ ان کی ذات خشیت الٰہی کا سرچشمہ تھی، رات کا اکثر حصہ عبادت میں گزارتیں، اس ماں کی گود کا لعل جذب و جلال کا جوہر بن کر جب سیوہن پہنچا تو اس کی تابناکی کئی نگاہوں کو خیرہ کر رہی تھی۔ سلطان شاہ حاکم مروند کی یہ صاحبزادی اپنے شوہر سید کبیر کے جذب و تصرّف کی تاثیر سے اپنے وقت کی زاہدہ و عابدہ خاتون کہلائیں۔

۳- ولادت: حضرت حافظ محمد عثمان مروندی ۵۷۳ھ مطابق ۱۱۷۷ء میں مروند میں پیدا ہوئے۔

۴- نسب نامہ: آپ کا شجرہ نسب حسب ذیل ہے۔

حضرت عثمان مروندی بن سید کبیر بن سید شمس الدین بن سید نور شاہ بن سید محمود شاہ بن سید احمد شاہ بن سید ہادی بن سید مہدی بن سید منتخب بن سید غالب بن سید منصور بن سید اسماعیل بن امام محمد بن جعفر صادق علیہ السلام

۵- تعلیم و تربیت: بچپن میں ابتدائی منزلیں باپ کے سائے میں گزاریں، آپ کے والد مشائخ تربیت میں بڑا درجہ رکھتے تھے۔ ان کی نگرانی میں آپ کی نشو و نما ہوئی، اور تعلیم و تربیت کا اہتمام ہوا۔ اہل علم باپ کی وجہ سے حافظ محمد عثمان کو اہل اللہ کی بچپن سے صحبتیں میسر آئیں تھیں، اس طرح فیوض و برکات اور علم دین کے گہرے نقش ان کے لوح دل پر ثبت ہوئے تھے، وقت آیا کہ ایمان و یقین کی ایسی دولت ہاتھ آئی کہ فکر و تحیر کا ان پر دروازہ کھل گیا۔ بچپن میں ایسی مجالس میں شریک ہوتے تھے جن میں موت اور قیامت کے منظر کو یاد کیا جاتا ہے، ان مجالس میں قرآن کی وہ آیات تلاوت کی جاتیں جن کا تعلق حشر جزا اور سزا سے ہے، لوگوں کا عجیب حال ہوتا آنکھوں سے آنسو بہتے نفس کا محاسبہ کرتے۔ فضا استغفار سے گونجتی تھی، نیکی و راست بازی! بچپن میں ان کا شعار بن گئی تھی،

علم حاصل کرنے کا بہت شوق تھا۔ تحقیق و تجسس کی طرف طبیعت بہت زیادہ راغب تھی۔

عمر کا ساتواں سال تھا کہ آپ قرآن پاک کے حافظ ہو گئے تھے۔ کلام اللہ حفظ کرنے کے بعد آپ علوم مروجہ کی طرف متوجہ ہوئے۔ اور جلد ہی عربی اور فارسی میں کامل دسترس حاصل کر لی۔ ان کی فارسی کتب اب بھی ملتی ہے۔

۶۔ سلسلہ بیعت: آپ حضرت شیخ بہاء الدین ذکریا ملتانی علیہ الرحمتہ کے مرید اور خلیفہ تھے اور آپ کئی بار ملتان میں تشریف لائے۔

۷۔ دیگر اولیاء سے حصول فیض: مختلف اولیاء و صوفیائے کرام کی روح پرور صحبتوں سے مستفیض ہوئے۔ جن میں حضرت شیخ فرید گنج شکر، حضرت بہاء الدین ذکریا ملتانی۔ حضرت مخدوم جہانیاں جلال الدین بخاری خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں۔ شیخ صدر الدین عارف سے بھی آپ کی ملاقاتیں رہیں۔

روایت ہے کہ ملتان کے بعد یہ ہندوستان کے اہم شہروں میں بھی گئے مثلاً جونا گڑھ گئے اور ایک درویش سے ملاقات کی۔ روایت یہ ہے کہ "آپ جب بو علی قلندرؒ سے ملے تو انہوں نے فرمایا کہ ہندوستان میں تین سو قلندر موجود ہیں، بہتر ہے کہ تم سندھ جاؤ۔ چنانچہ آپ ان کے مشورے پر سندھ آ گئے۔

۸۔ سفر حج: حج بیت اللہ کے لیے آپ کی بے تابیوں کا منظر بہت عجیب تھا سارے قرض ادا کر دیئے۔ امانتیں واپس کیں۔ اتنا مال ساتھ لیا جس سے زاد راہ اور سواری خریدی جا سکے۔ خدا کی قدرت کی نشانیوں کے مشاہدہ کے لیے دل مضطرب تھا اور عرفہ کا دن یاد کرتے اور آنکھیں آنسوؤں سے تر ہو جائیں جب حق تعالیٰ آسمان دنیا پر نزول جلال فرماتے ہیں اور اہل عرفات سے فرشتوں پر فخر کرتے ہیں۔ دیکھو! میرے بندوں کو دور دراز راستوں پراگندہ بال غبار آلود شور مچاتے ہوئے میرے پاس آئے ہیں۔ تم کو گواہ بناتا ہوں کہ میں ان کی مغفرت کر چکا۔

ان کی روانگی کا منظر ایسا تھا جیسے سفر آخرت پر جا رہے ہیں۔ اپنے کو مخاطب کر کے فرماتے اے عثمان! آج اس سواری پر سفر حج کر رہا ہے۔ کل سفر جنازہ کی سواری پر آخرت کا کیا توشہ اور زاد راہ رکھتا ہے احرام کے دو کپڑے پہنے تو کفن کو یاد کر رہے تھے، عثمان! ایک دن اس میں لپیٹا جائے گا۔ لَبَّیْکَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ کہا تو علی بن حسین رضؓ کا واقعہ سامنے آگیا، رو دیئے۔

حضرت حافظ محمد عثمان المرندی رحمۃ اللہ علیہ کے حج کی عجیب شان ہے۔ عرفات کے منظر کو دیکھ کر حشر کے منظر کو سامنے لاتے ہیں جب لوگ قبروں سے محشور ہو کر اس طرح قیامت کے میدان میں جمع ہوں گے۔ ساری مخلوق داخلہ کی امید میں جنت کی طرف دوڑ پڑے گی، اس کے بعد دو فریق ہو جائیں گے۔ کسی کو داخلہ کی اجازت ملے گی اور ان کا رخ ادھر سے پھیر دیا جائے گا، اسی طرح حجاج کے دو فریق ہوں گے، ایک مقبول دوسرا وہ جسے رد کر دیا جائے گا۔

آؤ، دیکھیں مرندی کے اس درویش کا طواف کیا ہے؟ کمال محبت اور تعظیم کو اپنے قلب میں حاضر کر کے طواف میں مصروف ہے۔ اس طرح کہ جیسے کوئی نماز میں مصروف ہو۔ حجر اسود کو بوسہ دیا تو یوں کہ اللہ سے اس کی اطاعت کی بیعت کر رہا ہے۔ اس کی ایک ایک ادا نرالی تھی ملتزم سے چمٹنے اور پردہ ہائے کعبہ سے لپٹنے کا وقت آیا تو دیکھنے والوں نے دیکھا کہ جیسے خطا کار جس کی اس نے خطا کی ہو اس سے لپٹتا ہے۔ اس کا دامن پکڑتا ہے معافی چاہتا ہے۔ یہ حال حافظ مرندی رحؒ کا تھا۔ جیسے سوائے اس کے کہیں پناہ و معافی کی جگہ نہیں ہے۔

۹۔ مدینہ منورہ: حضرت مخدوم سید حافظ محمد عثمان المرندی رحمۃ اللہ علیہ وارد مدینہ منورہ ہوئے۔ قلندران بیاباں کی وضع تھی، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان کی والہانہ محبت کا یہ حال تھا کہ گریہ تھمتا نہ تھا، کبھی اس مقام پر جا کھڑے ہوتے جسے باب عبد المجید کہتے ہیں۔ کبھی باب جبرئیل کے پاس آجاتے کبھی باب السلام پر کھڑے ہوتے، روضہ اطہر کو دیکھتے اور ہوش نہ رہتا۔ عجیب ذوق ہے

اور عجیب سوز ہے قلندر سراپا، صدق و اخلاص کا پیکر اور تعلیم و رضا کی تصویر بنا مودجہ شریف کے اس وقت سامنے ہے۔

۱۰۔ بغداد: حج سے فارغ ہوئے تو بغداد کا سفر اختیار کیا، یہاں بڑے بڑے علماء و فضلا موجود تھے۔ جن سے انہیں استفادہ کا موقع ملا۔ سید علی جن کا مزار سیوہن میں ان کے مقبرہ کے باہر مسجد کے مغرب میں ہے۔ بغداد میں آپ سے بیعت ہوئے تھے۔ حضرت محمد عثمان المرندی ؒ ان سے خاص شفقت فرماتے تھے۔

۱۱۔ مشہد: بغداد سے مشہد مقدس پہنچے، جہاں حضرت امام موسیٰ رضاؒ کی زیارت گاہ سے مشرف ہوئے۔ بابا ابراہیم ولی سے کربلا معلیٰ میں ملاقات ہوئی ان سے روحانی فیض حاصل کیا۔ کئی دوسرے اہل اللہ سے آپ کی ملاقات کا حال معلوم ہوتا ہے۔

اس طرح سفر حج سے واپسی کے بعد آپ ایران کے راستے تبریز تشریف لے گئے اپنے وطن مرند واپس پہنچے۔ تزکیہ نفس اور مراحل سلوک طے کرنے میں مصروف رہے۔ یہ سلسلہ اس وقت تک جاری رہا جب تک یہاں حفظ وامن کی فضا قائم رہی۔ بڑے بڑے علماء جب منگولوں کی شورش سے، جس کا تذکرہ پہلے کیا جا چکا ہے، ہجرت پر آمادہ ہوئے تو انہوں نے بھی رخت سفر باندھا۔

۱۲۔ سفر سیوہن: رفاقتیں چھوٹ رہی تھیں، وطن کی محبتوں کو الوداع کہہ رہے تھے، ایک مسافر دیارِ مرند کو دور مسافتوں کے لیے چھوڑ رہا تھا۔ مرند سے تبریز کا سفر پیادہ پا طے کیا تھا۔ آذربائجان کا سارا خطہ تاتار کے وحشی لشکروں سے پامال ہو چکا تھا۔ شہروں پر ویرانی چھائی ہوئی تھی۔ کہیں کہیں کوئی انسان نظر آجاتا تھا۔ کیا انقلاب آیا تھا۔ ساری آبادی تاراج تھی، حضرت مرندیؒ ان آثار کو دیکھتے اور بے قرار ہو جاتے۔ وطن کی محبت بھی عجیب محبت ہے۔ پردیس کے اس سفر میں اس کا غم سوا تھا۔

کبھی چھوڑی ہوئی منزل بھی یاد آتی ہے راہی کو
کھٹک سی ہے جو سینے میں غم منزل نہ بن جائے (اقبالؒ)

۱۳۔ منزل بہ منزل: سندھ میں یہ بات تحقیق طلب رہی ہے کہ حضرت قلندر شہباز رحؒ کس راستے سندھ کی حدود میں داخل ہوئے۔ بیشتر مورخین کا یہ خیال ہے کہ وہ مکران والے راستے سے اس خطہ میں وارد ہوئے۔ سمجھنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ خطہ مکران کی کیفیت پر روشنی ڈالی جائے۔ مکران میں پہاڑوں کے تین متوازی سلسلے شرقاً غرباً واقع ہیں۔ ایک سلسلہ ساحل کے ساتھ ساتھ جاتا ہے، کہیں کہیں پہاڑیاں بڑھ کر سمندر کے اندر تک چلی گئی ہیں۔ اور ان کی وجہ سے ساحل کے ساتھ ساتھ سفر کرنا غیر ممکن ہے۔ مثلاً اس مالدن پہاڑیوں اور ساحل کے درمیان ایسا علاقہ ہے جس میں سے گذرا جا سکتا ہے۔ کس قدر فاصلہ چھوڑ کر دوسرے سلسلہ کوہ کی دیوار کھڑی ہے جسے ہم مکران کی وسطی کوہستانی دیوار کہہ سکتے ہیں۔ تیسرا سلسلہ ہائے کوہ وہ ہے جو مکران کی شمالی سرحد پر واقع ہے۔ اور اسے خاران چاغی سے الگ کرتا ہے۔

اس تحقیق کے ذیل میں تین نکات قابل غور ہیں۔

۱۔ مکران کی حدود جہاں ایران سے ملتی ہیں۔ وہاں ایک بہت بڑا دشت پایا جاتا ہے۔ جس کا ذکر ہم اوپر کر آئے ہیں۔ دشت شہباز کہلاتا ہے اس بات کا امکان موجود ہے کہ یہ دشت ان کی گذرگاہ ہو۔

۲۔ اس راستے میں کئی تکیہ گاہیں موجود ہیں جو ان کے نام سے منسوب ہیں، جس طرح سیوہن کے راستے "لعل کے باغ" پر تکیہ گاہ موجود ہے۔ لاہوت لامکان جو کراچی سے ۱۲۰ میل کے فاصلے پر واقع ہے اور تلات کا ایک حصہ ہے۔ یہ مقام قادر مطلق کی قدرت کا ایک کرشمہ معلوم ہوتا ہے یہاں بھی حضرت لعل شہباز قلندر کا تکیہ ملتا ہے۔

۳۔ سیوہن شریف میں مکرانی عقیدت مندوں کا کافی ہجوم رہتا ہے اور یہ لوگ شہر کی مستقل آبادی میں اپنا نمایاں حصہ رکھتے ہیں۔ شہر کے جنوبی حصہ میں مکرانی آبادی ہے۔

۱۴۔ سیوہن میں قیام: یہ مرد درویش شہر میں اس طرح وارد ہوا کہ جسم پہ قلندرانہ عبا کے سوا کچھ نہ تھا لوگوں کے پہلے پہل ان کو دیکھنے کا منظر عجیب تھا۔ ایک مسافر اجنبی با زبان سے بھی اجنبی اور لباس سے بھی اجنبی! سیوہن کے خوش منظر شہر کے ایک گوشے میں پھٹی عبا اوڑھے خاموش بیٹھا تھا۔

سیوہن کفر و عصیاں کا مرکز تھا مسلمان موجود تھے، بدھ اور برہمنوں کی کثرت تھی آج اس شہر کی فضا کا انداز بدلا تھا۔ حضرت لعل شہباز قلندر کے آہ و نالہ سے سیوہن کے در و دیوار گونج رہے تھے۔ ان کا اضطراب اہل سیوہن سے دیکھا نہ جاتا بلا تفریق مذہب و ملت سب ان کے گرویدہ تھے۔ آنکھیں ہر وقت روتی تھیں اور زبان پر یہ شعر جاری تھا۔

یعنی۔ کیا تجھے خبر نہیں ہے کہ تیرا دن قریب آگیا ہے کیا تجھے معلوم نہیں کہ تیری عمر ختم ہو گئی، پس تو کس برتے پر خوش ہوتا ہے

وقت کے اس قطب اور قلندر کے متعلق کس کو خبر تھی کہ اس کی آمد سے مہران کے سارے خطہ میں تہلکہ مچ جائے گا۔

۱۵۔ رشد و ہدایت: یہ ایک روشن حقیقت ہے کہ حضرت قلندر شہباز نے سندھ میں آکر یہاں کے عوام کی روحانی اور اخلاقی اصلاح کی، اصلاحی و تبلیغی مشاغل جاری کئے۔ لیکن تاریخ پر پردے پڑے ہونے کی وجہ سے ہم اس تفصیل سے آگاہ نہیں۔

ان کا ایک کارنامہ تو یہی تھا کہ ان کی آمد سے فاحشہ عورتوں نے فحاشی سے توبہ کی اور زمین کو بسانے کی طرف توجہ دی جس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کی تعلیمات میں محنت اور کسب حلال کا عنصر تھا اور آپ نے تارک دنیا ہونے کی بجائے اپنی قوت بازو سے محنت کرنے اور روزی کمانے کی تعلیم دی۔ اس طرح آپ نے نہ صرف روحانی اصلاح کے لیے کوشش کی بلکہ عوام کی اقتصادی اصلاح پر بھی توجہ دی۔

ان کا اصلاحی و تبلیغی کام صرف سیوہن تک محدود نہیں تھا بلکہ یہ سندھ میں جگہ جگہ

گھومے پھرے۔ تحفتہ الکرام اور لب تاریخ میں ہے کہ حضرت شہباز رح حضرت غوث العالم ملتانی رح حضرت بابا فرید گنج شکر اور سید جلال اُچھ شریف والے سندھ میں بہت گھومے پھرے۔

خواجہ فرید گنج شکر کی سہون آمد ان کے ملفوظات "راحت القلوب" ص ۱۷ اور بزم صوفیہ ص ۱۲۹ سے بھی ظاہر ہوتا ہے۔ جن دنوں حضرت بابا فرید گنج شکر سیوستان کی سیر و سیاحت میں مصروف تھے تو ان کی شیخ اوحد الدین کرمانی سے ملاقات ہوئی اور اس ملاقات میں سہون کے ایک بزرگ کی صحبت کا ذکر کیا اور کہا۔

"اللہ تعالےٰ جس کو سعادت بخشتا ہے۔ اس پر ذکر کے دروازے کھول دیتا ہے اور علاوہ قضائے حاجت کے ہر وقت ذکر ہوتا رہتا ہے۔

حضرت شہباز قلندر رح کے سندھ میں گھومنے اور تبلیغ کرنے کے سلسلے میں تحفتہ الکرام میں لکھا ہے کہ۔

"رکن پور، شیخ رکن الدین ملتانی کے نام پر ایک گاؤں ہے۔ یہاں سومرو ذات کے ایک شیخ ریحان رہتے تھے۔ شیخ رکن الدین ان کی زیارت کے لیے یہاں تشریف لائے تھے اور اسی نسبت سے اسے رکن پور کہا جانے لگا۔ اس سے قبل یہ گاؤں اپنے نام (ریحان) پر بھی پکارا جاتا تھا۔ شیخ ریحان کا اصلی نام چینسر تھا۔ کہا جاتا ہے کہ اتفاق سے جب شیخ رکن الدین اور مخدوم لعل شہباز یہاں تشریف لائے تو اس بنجر علاقے میں ایک قدرتی حسن پیدا ہو گیا۔ جس وجہ سے اسے انسانوں کی زیارت گاہ کہنے لگے۔

تحفتہ الکرام ص ۱۷۸ کی روایت کے مطابق حضرت قلندر شہباز اور شیخ ریحان شیخ ددی کی شہادت کے بعد یہاں فاتحہ خوانی کے لیے آئے تھے۔

تحفتہ الکرام نے رکن پور حیدرآباد کے قریب ایک گاؤں دکھایا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ لعل سائیں نے سندھ کے کونے کونے کی سیر کی تھی اور رشد و ہدایت کا

پرچار کیا۔ اس طرح یہ سیاحت یقیناً تبلیغی لحاظ سے ہوتی تھیں۔ تبلیغی سیاحت کی ہو گی۔

حیدر آباد میں بھی ٹکر کے علاقہ میں ان کی چلہ کشی کی جگہ مشہور ہے، جس سے پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے حیدر آباد کے قرب و جوار میں بھی سیاحت کی۔ اس کے علاوہ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ انہوں نے حیدر آباد کے نزدیک ساجن سوائی اور تاج الدین سے بھی طویل ملاقاتیں کی تھیں۔

ایک روایت ہے کہ ٹھٹھی کے پیر پیر ٹھٹھی سے بھی آپ ملے اور لعل سائیں سہولت سے لاہوت گئے اور یہاں سے ہنگلاج اور واپسی پر کراچی کے نزدیک منگھو پیر میں پیر منگھو سے ملے۔

بکھر میں شاہ صدر الدین رضوی کی درگاہ میں بھی آنے کی روایات مشہور ہیں۔

اسی طرح قلندر شہباز کے تبلیغی دوروں اور سیاحت کے سلسلے میں اور بہت سی روایات ملتی ہیں۔ قلندر شہباز رشد و ہدایت کے ساتھ ساتھ خالق حقیقی کی عبادت بھی کرتے تھے اور آپ جب واپس آئے تو سہون میں فساد شر کی بنیاد پڑ چکی تھی۔ آپ ہمیشہ حق کی یاد میں پھر سے مشغول رہنے لگے۔

قلندر نامہ کے مصنف نے لکھا ہے کہ:

"حکم اللہ کے بموجب سہون میں تشریف لا کر فساد کو بند کرایا اور حق کی یاد میں مشغول ہو گئے۔"

مشہور ہے کہ آپ نے سہون کے قریب ایک غار میں چلہ کھینچا، یہ غار آج بھی سہون اسٹیشن کے پاس باغ میں ہے اور "لعل باغ" کہلاتا ہے۔

۱۶۔ شاعری: حضرت قلندر شہباز کبھی کبھی وجد کی حالت میں شعر کہتے رہتے تھے۔ آپ کی مندرجہ ذیل غزلیں بطور مثال پیش کی جاتی ہیں۔

(۱)

زعشق دوست ہر ساعت درون نار می رقصم
گہی بر خاک می غلطم گہی بر دار می رقصم۔

شدم بدنام در عشقش بیا ای پارسا اکنوں
نمی ترسم زرسوائی بهر بازاری رقصم
بیا ای مطرب او ساقی سماع وشوق را در وه
که من از شادی وصلش قلندر واری رقصم
اگر صوفی شدن خواہی بیا تا خرقه پوشانم
چه خوش زنار بربستم به این دیداری رقصم
مرا مخلوق میگوید گدا چندا چه می رقصی
بدل داریم اسرار ازاں اسراری رقصم
خلائق گر کنند برمن ملامت زیں سبب ہر دم
مگر نازم براین ذوقیکه پیش یاری رقصم
منم عثمان ہروندی که یار خواجه منصورم
نه لرزم از ملامت آن که من بر داری رقصم

من آن دُرم که در بحر جلال الله بوداستم
بکوهِ طور با موسیٰ کلیم الله بوداستم
بر آبی زنده هم بودم بر خضری زنده بوداستم
بر اسکندر در آن لشکر به لشکر گاه بوداستم
بر اسماعیل پیغمبر به ابراہیم بن آذر
در آن سر وقت قربانی به قربان گاه بوداستم
گهی بر تخت گریانم گهی بردار خندانم
گهی در مذہب ترسا بسے محنت کشیداستم
دو صد جامه کهن کردم لباس فقر پوشیدم
بر آن برجی که من بودم ہزاراں یک رسیداستم

ایا عثمان سروندی چرا مستی دریں عالم
بجز مستی و مدہوشی دگر چیزی" نہ دانستم

۲

رسیدم من بدریائے کہ موجش آدمی خوارست
نہ کشتی اندران دریا نہ ملاحے عجب کارست
شریعت کشتی دارد و طریقت بادبان او ! !
حقیقت لنگرے دارد کہ راہ فقر دشوار است
چو آتش جملہ خون دیدم بترسیدم ازاں دریا
بدل گفتم چرا ترسی گذر باید کہ ناچارست
ندا از حق چنیں آید مگر از جان نمی ترسی
ہزاران جان مشتاقاں دریں دریا نگونسار است
بگفتم من ہمی آیم کمر بستم چو غواصاں
چہ ترسم از نگہبانے کہ گل پیوستہ با خارست
ایا عثمان سروندی سخن با پردہ داران گو
نیابی در جہاں یاری جہلنے پر ز اغیارست

۳

کمند عشق در گردن مرا سرور خوشش آید
خم و خمار و خم رم ہم ازاں مخمور خوشش آید
مطلع میشود خورشید جلال من چو بر آید!
جمالم میکندم ہم بدریا نور خوشش آید ا
تجلی جلالم کرد موسےٰ را بہ بے ہوشی
بہ بین کار جلالم را کہ چوں بر طور خوشش آید

بیا اے مرد رازے بین ازین جا تو چرا لرزی
شهنشاهم ببزم من همه مذکوره خوش آیدا
قلندر من و شهبازم مرا آشیانه گوناں گوں
بهر جا میردم آنگاه با من نور خوش آید

۴

زغم خواری غم غم غریبم — ندارم جز غم غم غم غریبم
نمانده در دلم جز غم غریبی — غریبی در غریبی ام غریبم
نمانده در دلم غم غیر جانان — غمش را دوستم هر دم غریبم
ندارم بے غمی را طاقت آورد — بغم خو کرده ام چون غم غریبم
بجز غم خواری عشقت ندارم — دگر کارے، ازاں با غم غریبم
غم عشقت دلم را تازه دارد — همین بس درد امر هم غریبم
چو عثمان جان و دل در باز پیشش — بغم شو آشنا هر دم غریبم

۵

براه عاشقی غم یار باید — رخش زرد و تنش بیمار باید
نباید فکر دیگر هیچ گاهے — بدرد و محنتش دشوار باید
بخواری و بمحنت انس گیرد — به آه و ناله هر دم زار باید
ز لذات جهان آزاد گردد — همیشه دیده اش خونبار باید
تنش بیمار باید از غم عشق — دلش از تیر عشق افگار باید
بیا عثمان اگر وصلش بخواهی — ترا اول قدم بردار باید

۶

چه بندی دل درین نابود آخر — گر نتوانی درد آسود آخر
بجز درد تو من کارے ندارم — دهد لیکن ستاند زود آخر
نه بنده دل بدنیا مرد عاشق — هر آنکو بست، شد مردود آخر

که دنیا جائے حظ کافراں است
زجائے دوستان معبود آخر

اگر دنیا تمامی گنج دارد
بود آں گنج زہر آلود آخر

اگر مرد خدائی، دل چہ بندی
بباشی زیں بدر خوشنود آخر

فداکن جان وتن در راہ جاناں
اگر خواہی رہائی زود، آخر

نباشی زین جہاں بے غم زمانے
نگہ کن جملہ رابر بُود آخر

بیا عثمان بدر کن دل زعالم
اگر خواہی زحق بہبود آخر

۷

نمی بینی نمیدانی چہ می ورزی چہا داری
چہ نادانی نمی دانی چہ می ورزی چہا داری

تو مرغ لامکان بودی، فرو ماندی دریں فانی
کہ نادان تر زنا داری چہ می ورزی چہا داری

چرا ز خود ستم آری گہر گیری خزف پینی
مگر کوری نمی دانی چہ می ورزی چہا داری

بیکدم میتوانی ہر دو عالم راخریدن تو
ولے قیمت نمی دانی چہ می ورزی چہا داری

چہ مغروری دریں فانی کہ فانی خود نمی ماند
دریغا در چہ سامانی چہ می ورزی چہا داری

برین بازی چہ می نازی کہ بازی نیست خود قائم
بیا بگذر ازیں فانی چہ می ورزی چہا داری

اگر ترک جہاں گیری شوی سلطان عالم را
سر افلاک گزارنی چہ می ورزی چہا داری

بیا عثمان چہ درماندی فنا شو پیش از مردن
نمیری چون زخود مانی چہ می ورزی چہا داری

آن شاہ ہر دو عالم عربی محمدؐ است
مقصود بود آدم عربی محمدؐ است

صد شکر آں خدائے کہ پشت و پناہ خلق
شاہنشہے مکرم، عربی محمدؐ است

مارا ز جرم حال پریشان ولے چہ غم
چوں پیشوائے عالم، عربی محمدؐ است

مارا چہ غم بود کہ چنیں سایہ بر سر است
غمخوار حال زارم، عربی محمدؐ است

بختم مدد نمود کہ از ا متش شدم!
مطلوب و جان جانم، عربی محمدؐ است

ختم رسل، چراغ رہ دین و نور حق!
آن رحمت دو عالم، عربی محمدؐ است

آن سرور خلائق و آں رہنمائے دین
آن صدر و بدر عالم، عربی محمدؐ است

آن کعبہ معارف و آن قبلہ یقین
آن شاہ دیں پناہ ہم عربی محمدؐ است

کن پیروی راہ دے ار بایدت نجات
شاہنشہے معظم، عربی محمدؐ است

عثمان چو شد غلام نبی و چہار یار
امید شں از مکارم، عربی محمدؐ است

۹

اے شاہ شاہ بقا باگدا نما
اے ماہ ماہ وفا باگدا نما

از محنت فراق چگویم درد دل
از شربت وصال عطا باگدا نما

دردم ز حد گذشت وندانم چہا کنم
از مرہم وصال شفا باگدا نما

ہستم گدائے کوئے تو خواہم لقائے تو
شاہا جمال خود زسخا باگدا نما

ہم حاضری وناظری در جملہ کائنات
انوار ذات عز وعلا باگدا نما

عثمان مدام از تو ترا خواہد از کرم
باخود بکش ز لطف، لقا باگدا نما

۱۷۔ فیض یافتہ حضرات: آپ سے بے شمار لوگوں نے روحانی فیض حاصل کیا مگر چند حضرات کا نام نامی خوب چمکا۔ آپ کے فیض یافتوں میں مندرجہ ذیل شخصیتیں قابل ذکر ہیں۔

(۱) عبد اللہ شاہ ابدال۔ (۲) سکندر ربودلو۔ (۳) سید علی سرمست (۴) سید عبد الوہاب۔ (۵) سید میر کلاں۔ (۶) سید صلاح الدین۔ (۷) شاہ گودڑو۔ (۸) پیر پٹھہ۔ (۹) لعل موسیٰ۔

۱۸۔ وفات: حضرت شہباز قلندر نے ۲۱ شعبان ۶۷۳ھ بمطابق ۱۲۷۴ھ میں وفات پائی اور آپ کو آپ کی جائے قیام پر دفن کیا گیا۔

۱۹. مزار اقدس: آپ کا مزار اقدس سیہون شریف (سندھ) میں مرجع خاص و عام ہے۔

فیروز شاہ کی حکومت کے زمانے میں ملک رکن الدین عرف اختیار الدین والی سیوستان نے آپ کا روضہ مبارک تعمیر کروایا اس کے بعد ۹۹۳ھ میں ترخانی خاندان کے آخری بادشاہ مرزا جانی بیگ ترخان نے آپ کے روضہ کی توسیع و ترمیم کرائی پھر ۱۰۰۹ھ میں مرزا جانی بیگ ترخان کے بیٹے مرزا غازی بیگ نے اپنی صوبہ داری کے زمانے میں اس میں دوبارہ ترمیم کرائی۔

حضرت شاہ عبداللطیف بھٹائیؒ

حضرت شاہ عبداللطیف بھٹائی سندھ کے اکابر اولیاء سے ہیں۔ اگرچہ سندھ میں بڑے جلیل القدر اولیاء، صوفیاء اور شعراء پیدا ہوئے، لیکن ان سب میں حضرت شاہ عبداللطیف بھٹائی کو خاص شہرت اور مقبولیت حاصل ہوئی۔

اُن کی ذات فیوض و برکات کا سرچشمہ تھی۔ اس کے علاوہ ان کی شاعری اثر و تاثیر، سوز و گداز کا ایک خزینہ ہے۔

۱۔ نام و نسب: آپ کا نام عبداللطیف، آپ کے والد ماجد کا نام سید حبیب شاہ تھا، آپ کا سلسلہ نسب یہ ہے شاہ عبداللطیف بن سید حبیب شاہ بن سید عبدالقدوس بن سید جمال بن سید عبدالکریم بن سید اللہ۔ آپ کی والدہ درویش مخدوم عربی دیانہ کی صاحبزادی تھیں۔

۲۔ خاندان: آپ کا نسبی تعلق خاندان حضرت امام موسیٰ کاظم سے ہے۔ اس خاندان کے ایک بزرگ سید حیدر ۸۰۱ھ میں سندھ تشریف لائے اور قصبہ ہالہ میں سکونت اختیار کی، پھر سید حیدر کے خاندان کے کچھ افراد بکڑی میں آباد ہوگئے جو حیدر آباد سندھ کے جنوب میں واقع ہے۔ اس خانوادے کے جو افراد بلڑی میں آباد ہوئے اسی شاخ میں سید عبدالکریم متعلوی بھی ہیں جو شاہ عبداللطیف کے پردادا ہیں۔ شاہ عبداللطیف کے والد سید حبیب شاہ بہت ہی زاہد و عابد بزرگ تھے۔ صاحب حال و قال تھے۔ بعض اوقات ان پر حال کا غلبہ رہتا اور آپ پر استغراق کی کیفیت طاری ہو جاتی۔ اُن پر استغراق میں اس درجہ محویت طاری رہتی تھی کہ کبھی آپ کے صاحبزادے شاہ عبداللطیف آپ کی خدمت حاضر ہوتے اور گفتگو کرتے تو آپ پوچھتے "تم کون ہو"، تو وہ عرض کرتے کہ آپ کا بیٹا ہوں

تو فرماتے ہیں نہیں جانتا۔

۳۔ **ولادت:** شاہ عبداللطیف کی ولادت باسعادت ہالہ حویلی جو پرگنہ ہالہ کا ایک چھوٹا سا قصبہ ہے ۱۶۸۹ء میں ہوئی۔ یہ اورنگ زیب عالمگیر کی حکومت کا زمانہ تھا۔

۴۔ **تعلیم و تربیت:** شاہ صاحب نے اپنی ابتدائی زندگی اپنی والدہ کی شفقت و محبت کے زیرِ سایہ اپنے گاؤں میں ہی گزاری۔ معزز خاندانوں میں بچپن سے ہی تربیت کے زریں اصول عملاً پیشِ نظر رکھے جاتے ہیں۔ شاہ صاحب کے اندر بھی اپنے حسب و نسب کا اخلاق نیکی کی دولت، عزت و شرافت کا ورثہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ آپ کی عادات و اطوار عام سادات سے بالکل مختلف تھے۔

آپ نے اپنی ابتدائی تعلیمات اپنے محترم پدر ہی سے حاصل کیں۔ تعلیم کے ساتھ عمدہ اخلاقیات کے درس بھی آپ کو اپنے والد صاحب سے ہی ملے آپ نے بہت سی علمی کتابوں کا مطالعہ کیا مگر آپ لکھنا نہ جانتے تھے۔ شاہ صاحب نے متعدد اساتذہ کرام سے علم حاصل کیا مگر آپ کے پہلے استاد آخوند نور محمد تھے۔ بعض لوگوں کے نزدیک آپ علم سے بالکل نابلد تھے مگر آپ کے دیوان نے لوگوں کو ان خیالات کی نفی کی ہے آپ کے استاد آخوند نور محمد فرماتے ہیں "شاہ عبداللطیف کی روح میں حق پرستی کا ایک چراغ روشن تھا جس کی روشنی نے ایک عالم کو منور کر دیا تھا۔ آپ نے اپنے افکار و علوم کو مختلف زبانوں میں پیش کر کے لوگوں کے اذہان و قلوب کو تاباں کیا۔ آپ کو ہر وقت ایک تجسس سا رہتا تھا۔ اسی وجہ سے آپ کے چہرے پر ہر وقت گہری فکر اور سنجیدگی کے آثار عیاں رہتے تھے۔ آپ کے روئے مبارک سے ہر وقت ایک نور سا برستا ہوا محسوس ہوتا تھا۔

ان کے کلام کا مطالعہ کرنے کے بعد اندازہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے وقت کے بڑے عالم اور فاضل تھے۔ عربی، فارسی اور ہندی پر آپ کو بڑا عبور حاصل تھا، قرآن مجید

حدیث، تصوف اور دیگر شرعی علوم پر آپ کی گہری نظر تھی۔ قرآن و حدیث کے مضامین کو اور تصوف کے معارف اور اصطلاحوں کو جس دلکش انداز میں آپ نے اپنی سندھی شاعری میں سمویا ہے یہ سب چیزیں آپ کے علم و فضل کی گواہی ہیں

۵۔ تلاشِ حق: آپ نے اپنی جوانی کے ایام اپنے والد ماجد کے ہمراہ کوٹڑی میں گزارے اور جوانی کا عالم بڑی بے نیازی سے گزارا۔ آپ کو شروع سے ہی ایسا ماحول ملا جس نے آپ کی فکر اور شخصیت کو جلا بخشی ابتدا ہی سے علم و عرفان سلوک و معرفت کا نور آپ کے چہرے سے ہویدا تھا آپ زمانہ شعور ہی سے ذکر و فکر میں مصروف رہتے تھے۔

آپ کو مولانا روم سے بڑی محبت اور والہانہ عقیدت تھی۔ آپ کی مثنوی کے مطالعہ سے ہی آپ کے اندر تصوف کا شوق پیدا ہوا اور اسی شوق میں آپ نے سیاحت کا ارادہ کیا آپ لسبیلہ، مکران، کچھ، کاٹھیاوار اور جیلسمیر سے ہوتے ہوئے ملتان پہنچے، اس دور کے بڑے بڑے اولیا سے مستفیض ہوئے۔ مختلف مکاتیب ذکر و فکر کے صوفیہ سے آپ نے ہدایات حاصل کیں۔ آپ بڑے ہی صاحب فہم و ادراک تھے۔ آپ علم کی لگن اور عمل کی جستجو کے داعی تھے۔ آپ کا خیال تھا کہ خالق اور مخلوق کی محبت سے عظیم کوئی طاقت نہیں۔ اور اصل مذہب بھی یہی ہے۔

کہتے ہیں کہ کچھ دن آپ پر عشق مجازی کا بھی غلبہ رہا۔ آخر یہی عشق مجازی عشق حقیقی کا راہبر بنا اور ایک دم دل انوار الہی سے روشن ہوگیا۔ اور آپ صحرا نوردی چھوڑ کر یادِ الہی میں مصروف ہو گئے۔

۶۔ بھٹ شاہ میں قیام: ریاضت و عبادت کے لیے آپ نے جنگل میں ایک ایسی جگہ منتخب کی جو ایک ٹیلے کی شکل میں تھی اور چاروں طرف سے خاردار جھاڑیوں سے گھری ہوئی تھی۔ ٹیلے کے نشیبی علاقہ جس کو "کراڑ" کہا جاتا ہے، وہاں بارش کا پانی جمع ہو جانے کی وجہ سے ایک جھیل بن جاتی تھی۔ سندھی زبان میں ٹیلے کو کیونکہ "بھٹ" کہا جاتا ہے اسی کی مناسبت سے آپ بھٹائی کہلاتے ہیں۔

آپ نے گھاس پھونس کے جھونپڑے بنا کر اپنی رہائش کا انتظام کیا۔ پہلے پہل آپ کے ساتھ کچھ درویش اور فقیر لوگ بھی رہنے لگے اور سب کی مشترکہ کاوشوں سے اس ٹیلے پر ایک خانقاہ اور مسجد تعمیر کی گئی۔ بعد میں شاہ صاحب اکثر اوقات خلوت میں رہتے اور اپنا زیادہ تر وقت خدا کی عبادت میں گزارتے تھے۔

۷۔ شادی: ایک مرتبہ کوٹڑی کے ایک رئیس مرزا مغل بیگ کے محل پر ڈاکہ پڑا۔ ڈاکوؤں نے مال و زر لوٹنے کے ساتھ مرزا مغل کو قتل بھی کر دیا، سارا گھر بار تباہ ہو گیا اُس کی بیٹی بڑی غم زدہ اور مصیبت آگیں تھی۔ جب شاہ صاحب کو مرزا مغل کے گھرانے کی بربادی اور بد حالی کی خبر ہوئی تو آپ اس کی بیٹی کے پاس گئے اور اس کے ساتھ اظہار ہمدردی کے ساتھ اس کو شادی کی بھی پیش کش کی جو اُس نے منظور کر لی۔ اس طرح آپ نے ایک ستم رسیدہ اور خزاں زدہ لڑکی سے شادی کر کے ایک خوشگوار فرض ادا کیا۔ آپ خلق خدا پر بذات خود خلیق و شفیق تھے۔ آپ نے کبھی کسی کو کوئی تکلیف نہ پہنچائی تھی۔ شاہانہ شان و شوکت سے ہمیشہ گریزاں رہے اور سادگی کی زندگی کو پسند کیا۔

۸۔ تبلیغ اسلام: شاہ عبداللطیف نے سترھویں اور اٹھارویں صدی کے بہت سے انقلابات دیکھے، اورنگ زیب نے جب وفات پائی تو اس وقت آپ کی عمر اٹھارہ سال کی تھی۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ جب کہ سلطنت مغلیہ کے عروج کا آفتاب زوال پذیر ہو رہا تھا۔ ان کے وطن میں خاندان کلہوڑا کی حکومت کا جرا کندھے سے اُتار کر تیزی سے خود مختاری کی طرف قدم بڑھا رہی تھی۔ انہوں نے وہ وقت بھی دیکھا کہ جب سندھ کو نادر شاہ نے لوٹا اور کلہوڑا فرمانروا ایران کے باجگزار بنے۔ انہیں کے سامنے وہ وقت بھی آیا جب احمد شاہ ابدالی دندناتا ہوا دہلی آیا اور اس نے سندھ کو کابل کے ماتحت بنایا۔

یہی وہ زمانہ تھا جب ایک طرف سیاسی نظام متزلزل ہو رہا تھا تو دوسری طرف اخلاقی قدروں کی گرفت ڈھیلی پڑ رہی تھی۔ فکر و عمل و اخلاق و کردار کا قوام بگڑ چکا تھا۔ طبقاتی تفاوت نے غریبوں کے لیے زندگی کو ایک عذاب بنا دیا تھا۔ زندگی کی ساری

راحتیں امیر اور دولت مند طبقے کے لیے تھیں، اور غریب بیچارے زمین کا بوجھ بنے ہوئے تھے۔ صوفیائے خام اور علمائے سوء رشد و ہدایت کے پردے میں گمراہیوں کو رواج دے رہے تھے۔ یہ تھا وہ ماحول جس نے شاہ عبداللطیف کے حساس دل کو بے حد متاثر کیا انہوں نے وقت کی آواز کو پہچانا اور دکھی انسانیت کو محبت کا پیغام دیا۔ آپ کی ساری زندگی کی جدوجہد کا سب سے بڑا مقصد یہ تھا کہ انسانوں کے رشتے کو خدا سے جوڑا جائے رسول اکرم کی محبت سے قلوب کو گرمایا جائے۔

تبلیغ کے سلسلوں میں آپ روزانہ کئی کئی میل پیدل سفر کرتے اور راستے میں جتنے گاؤں آتے، قافلے ملتے یا کوئی بھی شخص ملتا اس کو دین کی دعوت دیتے تھے۔ آپ نے سندھ کا سارا علاقہ پیدل گھوما اور لوگوں میں ایمان کے زر و جواہر لٹائے۔ یوں اسلام کی اسی خدمت نے آپ کی شاعری اور شخصیت میں ایک نکھار پیدا کر دیا۔ آپ نگری نگری، قریہ قریہ سفر کر کے اپنا فیض عام پہنچاتے رہے۔ ان کا سفر، سفر وسیلہ ظفر تھا۔ عمر بھر آپ کے توسّل سے نیکی، اعتماد اور پاکیزگی کی دولت لوگوں میں تقسیم ہوتی رہی۔

شاہ صاحب نے قرآنی تعلیمات کے فروغ کے لیے جو خدمات انجام دیں۔ وہ سنہری حروف میں لکھنے کے قابل ہیں۔ سندھی زبان میں آپ نے اسلام کی تبلیغ اور قرآنی تعلیمات کے فروغ اشاعت کا کام لے کر اس زبان کو غیر معمولی بنا دیا۔ اس زبان میں آپ نے اپنے افکار جلیلہ کے ذریعے منصب اولیٰ تک پہنچا دیا۔ اور یہ زبان زندہ جاوید ہو گئی۔ آپ کی جدت، ندرت اور انداز بیان نے لوگوں کو مسخر کر دیا آپ نے عملی طور پر یہ بات ثابت کی کہ سندھی اور عربی زبان کا ایک ہی مشن ہے کہ اسلام کی تبلیغ اور قرآنی تعلیمات کی ترویج و اشاعت کی جائے۔ عربی زبان کی طرح سندھی زبان میں بھی مترادفات کی کمی نہیں۔ کیوں کہ عربی کی طرح سندھی زبان بھی دلکش اور اپنی جامعیت کے سبب زندہ زبان کہلانے کی مستحق ہے۔

بھٹ میں قیام فرمانے کے بعد تقریباً چالیس سال تک اس مقصد کے لیے شاہ عبداللطیف نے جو انتھک کوشش کی ہے، ان کی پوری شاعری اس پر گواہ ہے انہوں

نے اپنے پیغام کو عام بنانے کے لیے اپنی شاعری میں سندھ کی اُن رومانی داستانوں کو بنیاد بنایا ہے جنھیں سندھ کے لوگ بڑے ذوق شوق سے سنتے تھے۔ انہیں کہانیوں کے پردے میں آپ نے عوام کے دکھوں اور غموں کی ترجمانی کی ہے، اور اُن میں زندگی کی ایک نئی اُمنگ اور ولولہ پیدا کیا ہے۔ خالق اور مخلوق کی محبت اُن کی شاعری کا موضوع خاص ہے، اُن کی شاعری میں تصوّف اور شعریت کا ایک ایسا حسین امتزاج ہے کہ پڑھنے والا ان کے نغموں میں ایک روحانی کیف محسوس کرتا ہے۔

۹۔ حضرت شاہ لطیف کی شاعری:

شاہ صاحب کی تمام شاعری اسلام کے بنیادی ارکان اور ایمانی عقائد کے عین مطابق ہے۔ آپ نے اپنی شاعری میں پیغمبری کی ترجمانی کی ہے۔ اور ترجمانی بھی سطحی نہیں بلکہ دل کی گہرائیوں سے نکلے ہوئے ایمانی جوش و جذبہ کا نتیجہ ہے۔ جس میں انسانیت کے مرجھائے ہوئے پھول تھے جن میں تازگی پیدا کرنے کے لیے آب حیات کا عمیق مہران موجزن نظر آتا ہے۔ آپ فرماتے ہیں میرے شعروں کی (بیت)، قرآن مجید کی آیات کا ترجمہ ہے اور یہی آیات خدا اور بندے کے درمیان ایک محبت کا رشتہ ہیں جن کو جتنی گہرائی سے سمجھا جائے اتنی ہی سوچ اور فکر تازہ ہو جاتی ہے۔

شاہ عبداللطیف بھٹائی نے اپنے عقیدے اور شاعری میں جگہ جگہ محبوب حقیقی کی اطاعت کی تلقین کی ہے۔ آپ نے اللہ تعالیٰ سے اپنا سچا عشق ہمیشہ قائم رکھا۔ خدا کی قربت آپ کی منزل تھی، آپ نے اس منزل کی رسائی کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات والا صفات کو ذریعہ بنایا۔ آپ کے نزدیک خدا کی رضا حاصل کرنے کے صرف دو ہی ذریعے ہیں، ایک اسلامی لائحہ عمل جس کے تحت کلام حکیم انتہائی خلوص، فہم اور من حیث المجموع پڑھا اور سمجھا جائے اور پھر احکام خداوندی کی تعمیل کی جائے۔ اور دوسرا ذریعہ سرور کائنات فخر موجودات کی حرمت و اطاعت کا ہے۔ ان دونوں ذرائع کا نام ہی وحدت الوجود ہے توحید کو قرآن کی بنیادی تعلیم قرار دیتے ہوئے شاہ صاحب فرماتے ہیں، "دنیا میں اضطراب و بے چینی کا صرف ایک علاج صرف توحید کے عقیدے

کی استقامت ہے اور خدا کی ذات پر بھروسہ دلوں کی تسکین کا باعث ہے۔

آپ کا تصوف زندگی آموز ہونے کے ساتھ زندگی آمیز بھی ہے۔ آپ خدا کے خود بھی سچے عاشق تھے اور آپ کی ہمیشہ یہی خواہش رہی کہ سب لوگ بھی خدا کو صحیح طور پر اور بخوبی پہچان لیں تاکہ بے راہ روی اور گمراہی اُن کے قریب سے بھی نہ گزرے۔ آپ کا خیال ہے کہ قرآن مجید کی تعلیمات ہی ہموار اور کشادہ راہ پر سفر کرنے کے لیے حقیقی جذبہ پیدا کرتی ہیں اور یہ جذبہ جب کسی کے اندر پیدا ہو جائے تو پھر وہ اپنی منزل سے کبھی نہیں بھٹکتا۔

شاہ صاحب کا ایمان ہے کہ اگر کوئی شخص عشق کو اپنا راہ نما اور ضابطہ اخلاق بنا لے تو وہ کامیاب و کامران ہو جاتا ہے۔ آپ کا اپنے دور کے مسلمانوں پر بڑا احسان ہے۔ آپ نے خدا رسول اور کتاب کا بیک وقت درس دیا۔ اس درس کی بدولت یہ ساری قومیں جو لسانی اعتبار سے جدا جدا ہیں نظریہ اسلامی کی روشنی میں ایک امت کہلاتی ہیں۔ آپ کا کلام پڑھنے کے بعد فکر و تجسس کی راہیں از خود واضح ہو جاتی ہیں۔ آپ عربی زبان کی شاعرانہ لذت سے بھی آشنا تھے۔ فارسی زبان کا فہم و ادراک بھی رکھتے تھے۔

آپ کو دین سے اتنی محبت تھی کہ آپ نے اس کو اخوت کا سرچشمہ سمجھا اور سب کو اتحاد و یگانگت کا درس دیا۔ آپ کا نظریہ فقط ایک تھا اور وہ انسان دوستی سے عبارت نظریہ تھا جس میں پاکیزگی بھی تھی اور سچائی بھی تھی۔ اور دردمندی کے جذبات کوٹ کوٹ کر بھرے ہوئے تھے۔

شاہ صاحب نے لوگوں کو چند روزہ حیات کی وقعت سے آگاہ کرنے کے لیے اور زندگی کے وسیع تر اور جامع تر نظریے کو سمجھانے کے لیے عشق ازلی کا ذکر بڑے ہی پر اثر انداز سے کیا ہے۔ آپ کا انداز تصوف کے رنگ سے رنگا ہوا ہے۔ آپ نے اپنے ہی کلام میں معرفت کے رنگ میں بنی نوع انسان کی پوری تاریخ کو سمو کر رکھ دیا۔ آپ نے انسانوں کے لیے ایک مثالی معاشرہ کا مکمل اور واضح تصور پیش کیا۔ آپ نے تمام لوگوں

کے عقائد اور فرائض کو مدنظر رکھتے ہوئے ایک ایسے مسلک کو پھیلانے کی والہانہ کوشش کی ہے جو اعلیٰ اخلاقی اقدار کا سرچشمہ اور پوری انسانی ذات کی محبت اور اخوت کا منبع ہو۔

آپ حقیقی محبت کے لیے زندہ رہنے اور مر مٹنے والے انسانوں کے قصے سنا کر ـــــ لوگوں کو محبت کی سچی عظمت اور رفعت سے آگاہ کیا اور اس وصف نے انہیں قصص کے کردار اور اولیاء کے مقامات تک پہنچا کر اُن کی محبت کو لافانیت بخشش دی۔

شاہ عبداللطیف کو غریب طبقہ سے بے حد محبت تھی۔ وہ اُن کے دکھ درد کو محسوس کرتے اور اپنی شاعری میں عوام اور غریبوں کی ترجمانی کرتے تھے۔ ایک مرتبہ شاہ صاحب "شابندر" گئے اور وہاں کے کسی گاؤں میں ٹھہرے۔ اس جگہ شتربانوں کے خیمے بھی تھے۔ شاہ صاحب کے سامنے کچھ اونٹ بلبلاتے اور چلاتے ہوئے آئے۔ آپ نے اونٹوں کے مالکوں سے اونٹوں کے چلانے کی وجہ پوچھی۔ انہوں نے عرض کی "حضرت! یہاں ڈیرے نامی گاؤں کا حاکم بڑا ظالم ہے۔ اس کے گاؤں کی طرف سے جو بھی اونٹ گزرے وہ اُن کی دُموں میں کپڑے کے گولے بنوا کر ان گولوں میں آگ لگوا دیتا ہے۔ جب وہ جلنے کی تکلیف سے بلبلاتے ہیں تو وہ بہت خوش ہوتا ہے۔ اس وقت بھی یہ اونٹ اسی تکلیف سے بلبلا رہے ہیں۔ شاہ عبداللطیف کو یہ بات سن کر بہت دکھ ہوا اور اونٹ پر رحم کھاتے ہوئے آپ نے سندھی میں ایک شعر پڑھا جس کا مطلب یہ تھا "خیموں والے آباد رہیں جب کہ محلوں والے غارت ہو جائیں۔ میں نے اونٹوں کا دودھ پیا ہے میں اس کی شیرینی کبھی نہیں بھول سکتا۔ شتربان ہمیشہ شادمان رہیں اور اُن کو ستانے والے ہمیشہ دودھ کو ترستے رہیں۔

پھر شاہ صاحب نے ان اونٹوں کے مالکان سے کہا "میرے بچو! صبر کرو کچھ دنوں تک یہ محل اُجڑ جائیں گے اور سارا گاؤں اونٹوں کے بیٹھنے کے لیے رہ جائے گا"۔ شاہ صاحب کی پیشن گوئی بہت جلد پوری ہوئی اور پورا گاؤں ڈیرہ نامی اُجڑ گیا

اور وہاں ہر طرف اونٹ ہی اونٹ نظر آتے تھے۔

شاہ صاحب اپنے محبوب کے استغنا اور شانِ جمال کو بڑے ہی دلکش انداز میں بیان کرتے ہیں۔ آپ کا اندازِ سخن بڑا منفرد ہے۔ آپ فرماتے ہیں "میرا محبوب اپنی شانِ جمال کے ساتھ جب خراماں خراماں چلتا ہے تو زمین سے بھی بسم اللہ کی صدائیں اُٹھتی ہیں اور جس جس جگہ پر میرے پیارے کے قدم پڑتے ہیں وہاں کی مٹی اس کے قدموں کو بوسہ دیتی ہے اور یوں معلوم ہوتا ہے جیسے چاروں طرف حوریں ادب سے کھڑی ہوں

شاہ صاحب عاشق کے کردار کی رفعت محبت کے دیئے گئے درد فراق کی لذت اور دردمندوں سے الفت اور ایسی دیگر کیفیات کو بڑی نفاست و دلکشی کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں محبوب کی باتیں سننا ضروری نہیں ہوتیں بلکہ محبوب کا سکوت ہی سلام اور پیار بھرا اندازِ گفتگو ہوتا ہے۔ شاہ صاحب کی شاعری کا اصل موضوع وحدت الوجود ہے آپ نے اٹھارویں صدی میں اس نظریہ کو بڑے اعتدال واحتیاط کے ساتھ بیان کیا، اور اپنے کلام کو دل آویز طریقے پر پیش کرتے ہوئے احتیاط کا دامن کہیں سے بھی نہیں چھوڑا۔ معرفتِ حقیقی حاصل کرنے کے لیے بہت سے راستے ہیں۔ کوئی بھی راہ اس کا مشاہدہ کرا سکتی ہے۔ ایک قصر ہے جس کے لاکھوں دروازے اور ہزاروں کھڑکیاں ہیں اور جس طرف نظر اُٹھاتا ہوں مجھے اُس طرف سے خدا کے جلوے نظر آتے ہیں۔

۱۰۔ نمونہ کلام: اس وقت تک ان کے کلام کا جو حصہ اُردو میں منتقل ہوا ہے اس میں سے چند درج ہے۔ نمونے کے طور پر نقل کیے جاتے ہیں جن میں ان کی فکر رسا نے تصوف کے نہایت باریک نکات کو بے حد حسن اور دلکشی کے ساتھ پیش کیا ہے۔ ایک جگہ خود ہی انہوں نے اپنے کلام کے مقصد اور مطمح نظر کو بیان کرتے ہوئے کہا ہے۔

اس کلام کو معمولی اشعار نہ سمجھو، یہ آیات ربانی ہیں۔

یہ آیات پڑھنے والوں کو محبوب حقیقی کی طرف لے جاتی ہیں۔

ایک جگہ وہ اپنے محبوب کے استغنا اور شانِ جمال کو بیان کرتے ہوئے جو

دلکش اندازِ بیان اختیار کرتے ہیں۔ شاید ہی اس کی مثال ہمیں کسی دوسری زبان کی شاعری
ں مل سکے۔ فرماتے ہیں۔

جب میرا محبوب اپنی شانِ جمال کے ساتھ خراماں ہوتا ہے تو زمین
بھی بسم اللہ پکار اُٹھتی ہے۔

دیکھو جہاں جہاں اُس کے قدم گزرے وہاں راہ بھی بوسہ زن ہے
حوریں ایک طرف ادب سے کھڑی ہیں۔

میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میرے محبوب کا چہرہ سب سے زیادہ حسین ہے عاشق
کے کردار کی بلندی، محبوب کے دیئے ہوئے درد کی لذت، اہل درد سے الفت،
ان کیفیات کو شاہ نے جس نفاست و دلکشی کے ساتھ ادا کیا ہے وہ آپ اپنی مثال
ہیں۔ فرماتے ہیں۔

کسی نے پوچھا تمہارا محبوب کبھی تم سے بات کرتا ہے۔
"نہیں"
"پھر وہ محبوب کیسا"
محبوب کا سکوت ہی میرے لیے سلام ہے۔

اُن کا دیا ہوا یہ زخم سدا مجھ سے یہ کہتا رہتا ہے کہ طبیب کے پاس مت جا
ورنہ میں اچھا ہو جاؤں گا۔

آؤ چلیں ایک رات اُن کے پاس گزاریں، جن کے جسم درد سے چاک
ہیں۔ لیکن جب لوگ آتے ہیں تو اُن سے اپنا درد چھپاتے ہیں۔

حسن کی معصومیت، اس کی توصیف کے نغمے شاہ صاحب نے جس انداز سے گائے ہیں
اس اندازِ فکر تک دوسروں کی رسائی نہیں۔ فرماتے ہیں۔

میرے محبوب کی پیشانی سے نیکیوں کے انوار ہویدا ہیں۔ یہی وجہ تو
ہے کہ وہ مجھ جیسے بداطوار کے پاس آنے سے گریز نہیں کرتا۔ اسی
لیے تو میں دوستوں سے کہتا ہوں کہ سورج و چاند میرے محبوب کا مقابلہ

نہیں کر سکتے، اُن میں حسن تو ہے، نیکی نہیں۔

میرے دل میں درد اٹھا کر چلے گئے اور مجھے یہ درد اس لیے پیارا ہے کہ وہ محبوب کا دیا ہوا ہے اس لیے مجھے طبیبوں کی آواز بھی بُری لگتی ہے مجھے طبیبوں کے پاس بیٹھنا بھی گوارا نہیں۔ اس لیے کہ میرا سب سے بڑا دوست تو محبوب کا دیا ہوا درد ہے۔

اے چاند! تو میرے محبوب کا مقابلہ کرتا ہے، میں تجھے للکارتا ہوں تو چودھویں رات کا جو سنگھار چاہے کرے، ساری کائنات کا حسن اکٹھا کرلے، لیکن میرے محبوب کے ایک جلوے کی بھی برابری نہیں کر سکتا۔

حب الوطنی شاہ کی شاعری کا موضوع خاص ہے، وہ نت نئے طریقوں پر اپنے اہل وطن کے قلوب میں محبت وطن کے چراغ روشن کرنا چاہتے ہیں، ماروی کے پردے میں وہ اپنے ہم وطنوں کو حب الوطنی کا درس دیتے ہوئے فرماتے ہیں۔

اگر میں پردیس میں مرجاؤں تو میری مٹی بیابانوں میں بستے ہوئے غریب رشتے داروں کے ساتھ ملانا اور میری میت کو آبائی وطن کی باڑوں سے دھواں دینا

۱۱۔ شاہ صاحب کی بیان کردہ داستانیں : آپ نے نتیجہ خیز کہانیاں اور قصے ان شعروں میں بیان کیے ہیں سندھ کی رومانی داستانیں یعنی سسی پنوں، عمر ماروی اور کومل رانو وغیرہ کی داستانیں بڑے عمدہ طریقہ سے نظم کیں جنھیں آج بھی سندھ کے عوام بڑے شوق سے گاتے ہیں عمر ماروی، لیلاں اور جینسیر کے بارے میں شاہ صاحب کی نظموں کے خلاصے پیش کیے جاتے ہیں۔

سندھ میں عمر اور ماروی کا قصہ بہت مشہور ہے۔ یہ داستانِ محبت صرف افسانہ ہی نہیں بلکہ حقیقت پر مبنی ہے ماروی ملیر گاؤں کے ایک غریب گلہ بان کی لڑکی تھی، یہ بہت

حسین تھی، اس کی نسبت اس کے قبیلہ مارو کے ایک نوجوان سے ہو چکی تھی، عمر کوٹ کا راجہ سمرو کسی کے بہکانے سے اسے حسین دیکھ کر اسے اُٹھا لے گیا۔ اسے اپنے حرم میں داخل کرنا چاہا۔ لیکن ماروی راضی نہ ہوئی۔ سمرو نے اسے ایک دو منزلہ مکان میں بند کر دیا وہ پیکرِ وفا ثابت قدم رہی۔ سمرو نے سختی سے کام لینا چاہا تو ماروی نے اسے دھمکی دی کہ وہ چھلانگ لگا کر نیچے کود جائے گی اور خود کشی کر لے گی۔ آخر یہ طے پایا کہ اگر بارہ مہینے کے اندر اندر اس کے عزیزوں نے آکر اسے چھڑا لیا تو ٹھیک ورنہ ماروی کو اس سے شادی کرنا پڑے گی۔ وہ اس بالاخانے میں بارہ ماہ قید رہی۔ اس کہانی کی نظم میں اس کے انہی جذبات کی آئینہ داری کی گئی ہے قید میں اپنے دیس کی یاد میں گھلتی ہے اور اپنے رشتہ داروں کے انتظار میں چشم براہ ہے جو آکر اسے قید سے چھڑا لیں گے۔

عمر ماروی کی داستان سے شاہ صاحب نے وطن پرستی، عصمت وعفت اور سچی محبت کی تعلیم دینے کی کوشش کی ہے۔ اپنے رشتہ داروں، محبوب اور وطن سے دور ماروی اپنی عصمت وعفت کو ہر ممکن طریقہ سے محفوظ رکھتی ہے وہ دولت وحشمت ریشم وزربفت، محلات اور جھولوں کی طلب گار نہیں، وہ اپنی گودڑی کو ان سے زیادہ قیمتی سمجھتی ہے۔

"اے قوم کے سردار! میں ان چیزوں کی طلب گار نہیں، میں اپنی گودڑی کو اس شاہانی شال پر ترجیح دیتی ہوں"

"اس حاکم عمر کے اچھے اچھے کھانے اور خوان گڑھے میں جائیں۔ میرے لیے تو اپنے قبیلہ والوں کی خشک روٹی ان سے بہتر ہے"۔

"ماروی اپنے محبوب سے دور ہے وہ اس قید کی زندگی کو زندگی نہیں سمجھتی"۔

"میرے کپڑوں میں سیکڑوں پیوند ہیں۔ میری کمبلی پرانی اور پھٹی ہوئی ہے، میں نے کسی دن بال بھی نہیں سنوارے، میری زلف اپنی قدرتی خوشبو کھو چکی ہے، اے

کاش میں اپنے محبوب چرواہے کو دیکھوں۔ یہ بھی کوئی زندگی ہے، جس میں میں ہوں
ماروی نے نہ کبھی بال سنوارے نہ نئے کپڑے پہنے تاکہ جب مارو اسے
دیکھیں، تو یہ اندازہ کرلیں کہ یہ امید و آرزو کے سہارے زندہ تھی۔

ماروی عمر سے کہتی ہے:

"اے عمر تو مجھے قید کر کے کیا لے گا۔ میرا من تیری طرف آنا مشکل ہے۔ اے عمر تو مجھے دفن کر دے تو اچھا ہے کیونکہ تو مجھے حاصل نہیں کر سکتا، کاش کہ میں پیدا نہ ہوتی، اگر پیدا ہوئی تھی تو مر جاتی تاکہ میرے قبیلہ والوں کو یہ بدنامی تو نہ ہوتی۔ کہ ماروی کو عمر اٹھا کر لے گیا۔ شاہ صاحب سبق دیتے ہیں کہ۔

"اے حسینہ! جہاں سکھ ہے وہاں دکھ بھی ہے، اگر تو وفا پر قائم ہے تو پھر یہ قید کوئی معنی نہیں رکھتی۔ بس یہ خیال رکھنا کہ ناامید نہ ہونا چاہیے، یہ قید کی مدت تو جلد ہی ختم ہو جائے گی۔

۱۲۔ لیلاں اور چنیسر: لیلاں اور چنیسر کا قصہ بہت دلچسپ اور مشہور ہے۔ اس قصہ میں انسانی کمزوریوں، عام جذبات اور ان غلطیوں کی عکاسی کی گئی ہے۔ جو انسان لالچ میں کر بیٹھتا ہے۔ چنیسر دیول کوٹ کا نامور اور شجاع حاکم تھا، اپنی شجاعت کی وجہ سے بہت مشہور تھا، لیکن جس طرح جہانگیر نور جہاں کے آگے بے بس تھا اسی طرح یہ اپنی حسین و جمیل رانی لیلاں کی دلفریب اداؤں کے آگے بالکل بے بس تھا۔ زندگی بڑی کامرانی اور مسرت سے گزر رہی تھی۔ اسی زمانے میں ایک راجہ تھا، جس کی لڑکی کندرو بہت خوب صورت اور ضدی تھی۔ ایک دن اس کی سہیلیوں نے طعنے کے طور پر اسے کہا کہ اگر تو اتنی ہی خوب صورت ہے تو جا کر لیلاں کو ہٹا کے چنیسر سے شادی کر لے۔ لڑکی تھی ضدی۔ اس نے تہیہ کر لیا کہ وہ چنیسر کو ضرور ہی اپنے دام میں لے آئے گی۔ وہ ایک ملازمہ کے بھیس میں محل میں آئی اور لیلاں کی خدمت گار مقرر ہو گئی۔ جب لیلاں کے دل میں گھر کر لیا تو ایک دن اسے ایک نہایت قیمتی ہار دکھایا لیلاں کے منہ میں پانی بھر آیا۔ کندرو نے کہا کہ اس کی قیمت یہ ہے کہ چنیسر کے

ساتھ ایک رات بسر کرنے کی اجازت مل جائے۔ زیور عورت کی سب سے بڑی کمزوری ہے، لیلاں کا دل اس ہار پر آگیا تھا، اس نے کہا کہ اچھا ایک رات کی بات ہی کیا ہے، اتنا اچھا ہار اسے مل جائے گا۔

"میں یہ سمجھتی تھی کہ یہ مرصع ہار جب میرے پاس ہوگا تو اس سے میرا حسن دوبالا ہو جائے گا، مجھے کیا خبر تھی کہ ظالم کندرو نے یہ کوئی جال بچھایا ہے۔

بات یہ تھی کہ اس نے اپنے محبوب پر حد سے زیادہ بھروسہ کر لیا تھا۔ جب چنیسر کو اس لالچ والے سودے کی خبر ملی تو وہ انتقاماً کندرو کے پاس چلا گیا۔ لیلاں کو چھوڑ دیا اور اسے اس کے گاؤں بھیج کر کندرو سے شادی کر لی ——— لیلاں کہتی ہے:۔

"اے میرے محبوب میں کیا کروں، تیری تو سو رانیاں ہیں۔ لیکن میرے تو صرف تم ہی محبوب ہو"۔

"اے میرے محبوب اگر میں نے غلطی کی تھی تو تیرا کام تو غلطیاں چھپانا ہے

شاہ کی نظموں میں لیلاں کی نامرادی اور پچھتاوے کا ذکر ہے۔ آخر میں لیلاں چنیسر کے بازوؤں میں اس احساس کے ساتھ کہ وہ اب بھی اس سے محبت کرتا ہے خوشی کی زیادتی سے دم توڑ دیتی ہے۔

۱۲۔ شاہ جو رسالو: شاہ کے مجموعہ کلام کا نام "شاہ جو رسالو" ہے، جو سندھ کے چپے چپے میں نہایت عقیدت و اخلاص کے ساتھ پڑھا جاتا ہے۔ یہ کلام اُن کے مریدوں اور فقیروں نے جمع کیا تھا۔

۱۴۔ وفات: حضرت شاہ عبداللطیف ۱۱۶۵ھ سنہ ۱۷۵۲ء میں بھٹ میں واصل الی اللہ ہوئے اور وہیں مدفون ہوئے۔

آپ کا عرس ہر سال صفر کے مہینے میں بڑی دھوم سے منایا جاتا ہے۔

۱۵۔ مزار کی کیفیت: سندھ کے حکمران غلام شاہ نے آپ کی قبر پر خوب صورت روضہ تعمیر کرایا۔ اُسی نے سکھر کے ایک مشہور خطاط اور نقاش

سے روضہ پر نقاشی کرائی۔ قیام پاکستان کے بعد بھٹ شاہ میں ایک ثقافتی مرکز کی بنیاد رکھی گئی ہے۔ بھٹ شاہ کے قریب کرار نام ایک جھیل ہے۔ جس کا پانی بہت ٹھنڈا اور میٹھا ہوتا ہے۔ زائرین اسی جھیل کے کنارے خیمہ زن ہوتے اور سفر کی کوفت دور کرتے ہیں تاکہ عرس کے لیے تیار اور تازہ دم ہوجائیں۔ قیام پاکستان سے پہلے ہندو بھی کثیر تعداد میں عرس میں شریک ہونے کے لیے آتے تھے۔ عرس سے کچھ دن پہلے آمد و رفت کا ایسا تانتا بندھتا ہے جو عرس کے چند دن بعد ہی ٹوٹتا ہے۔

بھٹ شاہ کی پرسکون اور سادہ بستی عرس کے دنوں میں دور دور تک پھیل جاتی ہے۔ جا بہ جا خیمے دکھائی دیتے ہیں۔ قصبے کے اطراف میں بڑے شہر کی سی کیفیت نظر آتی ہے منڈیاں لگتی ہیں۔ بازار سجائے جاتے ہیں۔ دن کو منڈیوں اور بازاروں میں خوب چہل پہل ہوتی ہے مگر رات کے وقت یہ ساری رونق مزار کی طرف منتقل ہو جاتی ہے۔

مزار کے صحن میں موسیقی کی محفل منعقد ہوتی ہے جس میں مغربی پاکستان کے قوال خصوصاً سندھ کے قوال حصہ لیتے ہیں شاہ صاحب کی کہی ہوئی کہانیاں، دوہے اور کافیاں گا کر سنائی جاتی ہیں اور عقیدت مند "واہ سائیں" "دو مٹھا سائیں" کے نعرے لگاتے ہیں۔

حضرت سلطان باہو سروری قادری

حضرت سلطان باہوؒ جلیل القدر اولیا سے ہیں آپ خطہ پنجاب میں بہت مشہور ہیں۔ آپ سلطان العارفین اور شمس السالکین ہیں۔ آپ بارگاہ رب العزت اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ کے مقرب اور حضوری تھے آپ زہد و تقویٰ میں یکتائے زمانہ تھے۔

۱۔ خاندان: آپ قبیلہ اعوان سے ہیں۔ آپ کے والد باجد دہلی کے بادشاہ کے منصب دار تھے۔ نہایت نیک متبع سنت حافظ قرآن فقیہہ اور عالم باعمل بزرگ تھے۔ ان کی شادی بی بی راستی سے ہوئی۔ اور ان کو شور کوٹ ضلع جھنگ میں شاہجہان نے ایک سالم گاؤں قہرگان اور پچاس ہزار بیگھے زمین چند آباد کنوؤں کے ساتھ بطور انعام کے عطا فرمائی۔ چنانچہ آپ کے والد نے شور کوٹ قصبہ میں سکونت اختیار کر لی۔

۲۔ پیدائش: آپ کی پیدائش شور کوٹ شہر میں ۱۰۳۹ھ میں ہوئی۔ آپ کا نام سلطان محمد باہو رکھا گیا۔ اس وقت اورنگ زیب عالمگیر بادشاہ کا عہد حکومت تھا۔

۳۔ شجرہ نسب: آپ کا شجرہ نسب یہ ہے۔ حضرت سلطان باہو۔ بن حضرت بازید محمدؒ بن حضرت فتح محمدؒ۔ بن حضرت اللہ وتہ بن حضرت محمدؒ تمیم۔ بن حضرت محمدؒ منان بن حضرت موغلا بن حضرت محمدؒ پیدا بن حضرت محمدؒ سگھرا بن حضرت محمدؒ نون بن حضرت سلاؒ بن حضرت محمدؒ بہاری بن حضرت محمدؒ جیون۔ بن حضرت محمدؒ ہرگن بن حضرت نور شاہ۔ بن حضرت امیر شاہ۔ بن حضرت قطب شاہ۔

۴۔ بچپن: بچپن ہی سے حضرت باہو کی پیشانی سے انوار ولایت تاباں و نمایاں نظر آتے تھے۔ اور بعض ایسی باتیں پائی جاتی تھیں کہ جن سے اندازہ ہوتا تھا کہ آپ آئندہ چل کر آسمان ولایت کے روشن آفتاب بنیں گے۔ سلطان باہو نے شورکوٹ ہی میں تعلیم و تربیت حاصل کی، تعلیم ظاہری کے بعد وہ علوم باطنی کی طرف متوجہ ہوئے۔

۵۔ فیض مصطفویؐ: ولایت کسبی نہیں وہبی چیز ہے۔ اللہ تعالےٰ نے جس پر چاہا اپنی عنایت کر دی۔ جسے چاہا منتخب کر لیا۔ اس انتخابِ خداوندی کے لیے کوئی انسان ضابطہ مقرر نہیں کر سکتا حضرت سلطان العارفین مادرزاد ولی تھے۔

جب آپ سن بلوغت کو پہنچے تو ایک روز کا واقعہ ہے کہ آپؒ قصبہ شورکوٹ کے قریب کھڑے تھے اچانک ایک صاحب حشمت، صاحب نور اور بارعب سوار نمودار ہوا اور آپ کا ہاتھ پکڑ کر آپ کو پیچھے بٹھا لیا پہلے تو آپ ڈرے لیکن کچھ دیر بعد دل کو ٹھہرایا جرأت کی، اور سوال کیا کہ حضرت آپ کی تعریف کیا ہے اور مجھے کہاں لے جانے کا ارادہ ہے؟ اس پاکیزہ دل سوار نے پہلے توجہ کی اور اس کے بعد اپنی زبان درفشاں سے ارشاد فرمایا، میرا نام علی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) ہے اور میں تجھے حسب الارشاد حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کی مجلس پاک میں لیے جا رہا ہوں یہ سن کر آپؒ مطمئن ہو گئے تھوڑی دیر بعد آپ کو حاضر مجلس کر دیا اس وقت حضرت صدیق اکبرؓ۔ حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہم اجمعین بھی اہل بیت اطہار کی نورانی مجلس میں حاضر تھے۔ آپ کو دیکھتے ہی سب سے پہلے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالےٰ عنہ مجلس سے اٹھے اور حضرت سلطان العارفین قدس سرہ سے ملاقات کی اور توجہ فرما کر رخصت ہو گئے۔ اس کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ، پھر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ، جب تینوں خلفائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باری باری رخصت ہو گئے اور مجلس میں صرف اہل بیت اطہار رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین ہی رہ گئے۔ تو حضور سلطان العارفین قدس سرہ ارشاد فرماتے

ہیں کہ اس وقت مجھے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے چہرہ انور سے اس قسم کے آثار نظر آتے تھے۔ کہ میری بیعت کے لیے نبی کریم رؤف الرحیم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے انہیں ارشاد ہو گا مگر بظاہر خاموش تھے۔

کچھ دیر کے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے دونوں دست مبارک میری طرف بڑھائے اور ارشاد فرمایا، میرے ہاتھ پکڑو "مجھے دونوں مبارک ہاتھوں سے بیعت اور تلقین فرمایا۔ آپ کے مبارک ہاتھوں کے پکڑنے کی دیر تھی کہ میرے لیے درجات اور مقامات کا کوئی حجاب باقی نہ رہا۔ دور اور نزدیک کی ہر چیز یکساں دکھائی دینے لگی لوح محفوظ کے تمام پردے اٹھ گئے اول آخر، ظاہر، باطن ایک جیسا ہو گیا۔ چنانچہ آپ اپنی کتاب "عین الفقر شریف" میں فرماتے ہیں کہ مرشد کامل ایسا ہی ہونا چاہیے جو طالب کو ایک ہی نظر سے مراتب انتہا کو پہنچا دے اور تمام حجابات کو دور کر کے اسے مشاہدات میں غرق کر دے۔ پھر فرماتے ہیں کہ جب نبی پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام تلقین فرما چکے تو سیدۃ النساء حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالےٰ عنہا نے مجھے فرمایا کہ تو میرا فرزند ہے" میں نے حضرت سبطین الشریفین امام السعیدین حضرت امام حسن و حضرت امام حسین رضی اللہ عنہما کے مبارک قدموں کو چوما اور اپنی کانوں میں غلامی کا حلقہ پہنایا۔

سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے تلقین کے بعد مجھے فرمایا کہ خلق خدا سے محبت کرنا کیونکہ تمہارا مرتبہ دن بدن بلکہ گھڑی بہ گھڑی ترقی پر ہو گا اور ابد آلاباد تک ایسا ہی ہوتا رہے گا۔ کیونکہ یہ حکم سروری اور سرمدی ہے اس کے بعد آقائے نامدار، مالک کون و مکان، محبوب رب دوجہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے قطب الاقطاب غوث الاغیاث محبوب سبحانی، حضرت شیخ سید عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ کے سپرد فرمایا حضرت پیر دستگیر قدس سرہ العزیز نے مجھے سرفراز فرمانے کے بعد خلعت کے لیے ارشاد و تلقین کا حکم دیا۔

حضرت سلطان العارفین قدس سرہ فرماتے ہیں کہ میں نے جو کچھ دیکھا ان ظاہری آنکھوں سے دیکھا جو سر میں موجود ہیں اور کچھ سنا ان ظاہری کانوں سے سنا اور بمعہ

جسم مجلس پاک میں حاضر ہوا۔

اس روز کے بعد آپ پر ذات الہی کے انوار و جذبات اسی طرح متجلے ہونے لگے کہ سینکڑوں آدمیوں کو ایک ہی نگاہ سے ایک ہی قدم پر خدا رسیدہ واصل باللہ، کر دیتے تھے چنانچہ لاکھوں طالبان حق کی مرادیں آپ کی نظر کرم سے بر آئیں سبحان اللہ مالک کائنات جل مجدہ، اپنے بندوں میں سے جسے چاہے بلا محنت و مشقت اپنا قرب ووصال بخش دے، یہ اس کی عنایت اور خاص فضل ہے۔ اس فیض یابی کے بعد حضرت سلطان العارفین سلطان باہو قدس سرہ ہر وقت اور ہر گھڑی وحدانیت میں مستغرق حق تعالے کی تجلیات کے مشاہدوں سے مشرف اور ذات مطلق کے جلال و جمال کے دیدار میں مست رہتے تھے۔

۶۔ تلاش مرشد کامل: آپ کی والدہ ماجدہ نے فرمایا بیٹا! تمہیں اللہ تعالے نے اپنی معرفت کے لیے پیدا کیا ہے۔ اس لیے اب تمہیں کسی مرشد کامل کے ہاتھ پر بیعت کرنی چاہیے۔ آپ نے عرض کیا مجھے خدا کی معرفت حاصل ہے اور میرے مرشد کامل حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ والدہ ماجدہ نے فرمایا پھر بھی ظاہری مرشد پکڑنا لازمی ہے۔ کیا تجھے معلوم نہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو باوجود اللہ تعالے کی ہم کلامی کا شرف حاصل ہونے کے حصول ارشاد اور تلقین کے لیے حضرت خضر علیہ السلام کے ساتھ چلنا پڑا جس کا مفصل ذکر سورہ کہف میں موجود ہے یہ سن کر آپ نے عرض کیا آپ میرے لیے کافی مرشد ہیں۔ آپ کی والدہ ماجدہ نے فرمایا بیٹا! عورتوں کو بیعت اور تلقین کرنے کا حکم نہیں کیوں کہ امہات المومنین اور سیدۃ النسا حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالے عنہم اور رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا نے کسی کو بیعت کی تلقین نہیں کی پس مجھے بیعت کا حکم کیسے ہو سکتا ہے آپ نے عرض کی کہ میں مرشد کامل کہاں سے تلاش کروں؟ فرمایا کہ خدا کی زمین میں چل پھر کر تلاش کرو اور بابرکت ہاتھ سے اشارہ مشرق کی طرف کیا۔ آپ فوراً اٹھے والدہ ماجدہ کو سلام کہا اور دریا کے راوی کی طرف چل پڑے جب آپ دریا کے کنارے پہنچے تو وہاں آپ نے حضرت شاہ حبیب اللہ رحمتہ اللہ علیہ

کے فیض عام کا شہرہ سنا جو ایک گاؤں میں (جس کا نام بغداد تھا) سکونت رکھتے تھے۔ آپ وہیں ان کے پاس پہنچے تو آپ خاموش ہو کر بیٹھ گئے پھر اپنا مقصود عرض کیا حضرت شاہ حبیب اللہ رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا اے درویش تم چند روز ٹھہرو۔ مجاہدہ کرو اور تمہاری ڈیوٹی مسجد کا پانی بھرنا ہے۔

آپ نے پانی بھرنے کے لیے مشک مانگی اور درویشوں نے مشک لا کر دی آپ نے ایک ہی مشک بھر کر ڈالی تو مسجد کا حمام اور تمام صحن پانی سے بھرپور ہو گیا۔ درویشوں نے یہ واقعہ شاہ صاحب کی خدمت میں عرض کیا۔ آپ نے حضرت سلطان العارفین قدس سرہ کو بلایا اور فرمایا، اے درویش کیا تمہارے پاس دنیا کا مال ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں ہے؟ شاہ صاحب نے فرمایا تو پھر یاد رکھو دو کام نہیں ہو سکتے پہلے مال و متاع سے فارغ ہو لو پھر اس مقصد کے لیے یہاں آنا۔ یہ سن کر آپ فوراً گھر واپس آئے چونکہ آپ کی والدہ ماجدہ بھی ولی اللہ تھیں اس لیے انہوں نے پہلے ہی سے آپ کے اس غرض سے لوٹنے کا ذکر آپ کی پاکیزہ ازدواج سے کر دیا تھا۔ اور انہیں اپنا اپنا زیور اور نقدی محفوظ کر لینے کا حکم بھی دے دیا تھا انہوں نے زیور وغیرہ زمین میں دفن کر دیا تاکہ بوقت ضرورت کام آئے۔ اس وقت سلطان العارفین قدس سرہ کے فرزند حضرت نور محمد علیہ الرحمتہ شیر خوارگی کی حالت میں گہوارے میں تھے جب آپ تشریف لائے تو والدہ ماجدہ نے آنے کی وجہ پوچھی۔ حضور نے عرض کیا کہ شیخ نے دنیاوی مال و متاع کو دور کرنے کا حکم دیا ہے آپ نے فرمایا اگر کوئی مال نظر آتا ہے تو لے کر دور کر دو۔ آنحضرت قدس سرہ نے بچے کی انگلی میں انگوٹھی دیکھی جو نظر بد کے بچاؤ کے لیے ڈالی گئی تھی آپ نے اسے اتار کر باہر پھینک دیا۔ پھر آپ نے فرمایا اگر کوئی دنیاوی مال ہے تو دو تاکہ اسے باہر پھینک دوں والدہ ماجدہ نے فرمایا بیٹا تمہارے گھر میں مال کہاں آپ نے عرض کیا ابھی مجھے بدبو آتی ہے والدہ ماجدہ نے فرمایا اگر بدبو آتی ہے تو جہاں ملتا ہے لے کر باہر پھینک دو چنانچہ جس جگہ زیور وغیرہ دبایا ہوا تھا وہاں سے نکال کر آپ نے باہر پھینک دیا اور فارغ ہو کر شاہ حبیب اللہ علیہ الرحمتہ کی خدمت میں حاضر

ہوئے، شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تم دنیاوی مال سے تو فارغ ہو گئے۔ اب اپنی عورتوں کا کیا کرو گے ؟ چنانچہ آپ دیدار ذات کے مست الست اسی وقت واپس گھر لوٹے تاکہ اپنی ازدواج کو آزاد کردیں۔ اللہ! اللہ! یہ ہے خدا کی سچی طلب! شاہ صاحب نے آپ کا امتحان کتنا سخت لیا۔ مگر آپ ہیں کہ خدا کی طلب میں کسی چیز کی پرواہ نہیں کر رہے۔

کیست صائب زہرہ کس را سینہ بر سنداں زدن

از دو صد سے عاشق یکے بے باک مے آید بروں

آپ کی والدہ ماجدہ نے آپ کی مستورات کو اطلاع دی کہ میرا بیٹا اب تم سے قطع تعلق کی غرض سے آرہا ہے تم ہوشیار ہو جاؤ اور میرے پیچھے بیٹھ جاؤ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ خدا کی طلب میں مست تمہارے حق میں کوئی شرعی کلمہ کہہ دے چنانچہ انہوں نے ایسے ہی کیا اتنے میں سلطان العارفین قدس سرہ بھی تشریف لے آئے۔ والدہ ماجدہ نے فرمایا بیٹا تمہاری مستورات تمہیں اپنے حقوق بخش دیتی ہیں۔ اگر تم خدا کو حاصل کر کے آؤ گے تو بہتر، ورنہ تمہیں ان کے حقوق ادا کرنے کے لیے آنے کی ضرورت نہیں، چونکہ آپ شریعت کے سخت پابند تھے اس لیے اپنی والدہ ماجدہ کی فرمانبرداری میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھتے تھے والدہ صاحبہ کی یہ نصیحت بھی آپ پر اثر کر گئی اپنی مستورات کی زبان سے ان کے حقوق کی معافی قبول کر کے پھر شاہ صاحب رحمۃ اللہ کی خدمت میں حاضر ہوئے حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے نظر کاملہ سے توجہ فرمائی پھر آپ سے حصول مراد کے متعلق پوچھا آپ نے عرض کیا یا شیخ! جو مقامات آپ کی توجہ سے آج منکشف ہوئے ان سے تو میں اپنے گھوارے میں ہی گزر چکا تھا۔

فرمایا، کہ اے درویش جس نعمت کے تم مستحق ہو وہ ہمارے امکان سے باہر ہے البتہ ہم تمہاری اتنی رہنمائی کرتے ہیں کہ جس جگہ تمہارا نصیبہ ہے وہ جگہ بتا دیتے ہیں وہاں جا کر اپنا نصیبہ لے لو۔ پھر حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو ارشاد فرمایا کہ تم میرے شیخ سید السادات حضرت پیر عبد الرحمن شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ دہلوی قادری

کی خدمت میں جاؤ جو ظاہر شاہی منصب دار ہیں چنانچہ حضرت سلطان العارفین قدس سرہ، دہاں سے دہلی رخصت ہوئے راستے میں بہت سے ابدال، ادتاد، مجذوب کشاں کشاں آپ کے حضور میں حاضر ہو کر ملاقات کا شرف حاصل کرتے۔

۷۔ پیر عبدالرحمان کی بیعت و حصول خلافت:

حضرت شاہ حبیب اللہ رحمۃ اللہ علیہ سے دھلی رخصت ہوتے کے بعد اثنائے سفر میں آپ نے ایک ایسا مجذوب دیکھا جس نے آپ کے خلیفہ سلطان حمید بھکر والے کی پشت کی طرف سے ہو کر سلطان حمید پر لکڑی کا ایک ایسا وار کیا کہ وہ بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ اس مست نے دوسری طرف لکڑی مارنے کے لیے اٹھائی تو حضرت سلطان العارفین قدس سرہ نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور فرمایا اے صاحب بس کر ہم درویش اہل صحو اہل سنت و جماعت ہیں ہمیں ایسا کرنا روا نہیں وہ مست باز آیا اور چلا گیا۔ پھر آپ نے سلطان حمید کو حالت سکر سے صحو میں لا کر روانہ ہونے سے پہلے فرمایا کہ اے حمید اگر ہمیں خبر نہ ہو جاتی اور وہ مجذوب دوسری دفعہ تمہیں لکڑی مار بیٹھتا تو ہم بھی تمہیں مستی سے ہوش میں نہ لا سکتے۔

پھر آپ وہاں سے آگے رخصت ہو کر تلاش حق میں سفر طے کرتے ہوئے شہر دہلی کے قریب آپہنچے۔ ادھر حضرت شیخ سید عبدالرحمن رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنے ایک درویش کو فرمایا کہ فلاں راستے اس شکل و صورت اور حلیہ کا ایک فقیر آرہا ہے جاؤ اور اسے ہمارے پاس لے آؤ۔

غور فرمایئے ایک ولی کامل کی فراست، وسعت علم اور نگاہ کتنا کام کر رہی ہے سید السادات حضرت پیر صاحب رحمۃ اللہ علیہ شاہی منصب دار ہیں۔ آپ بیک وقت حکومت کی طرف سے سپرد کیے ہوئے کام کو بھی سر انجام دے رہے ہیں۔ طالبانِ حق کی تلقین کا سلسلہ بھی جاری ہے۔ حضور نبی کریم رؤف الرحیم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مجلس پاک سے بھی غیر حاضر نہیں اور اسی وقت میں سینکڑوں میل دور سے آنے والے طالبِ صادق کو بھی دیکھ رہے ہیں اس کے آنے کی غرض اور ارادے کا بھی علم رکھتے ہیں

اس کا اٹھا ہوا قدم جس زمین پر پڑنے والا ہوتا ہے۔ اس زمین کو بھی جانتے ہیں۔ آنے والا ابھی دور ہے اور آپ وہیں بیٹھے ایک درویش کو یہ کہہ کر بھیج رہے ہیں کہ، جاؤ اس شکل وصورت کا ایک انسان فلاں فلاں راستہ سے ہوتا ہوا فلاں گلی سے شہر میں داخل ہونے والا ہے اُسے ہمارے پاس بُلا لاؤ۔ ولی اللہ کی یہ ایک ادنیٰ سی کرامت ہے یہاں تو آنے والے اور بلانے والے دونوں کی مرضی ہی ایسے تھی ورنہ اگر وہ چاہتے تو پہلا قدم ہی اٹھا کر منزلِ مقصود پر رکھ سکتے تھے کیونکہ اولیا اللہ کی صف میں ان مقدس ہستیوں کو وہ مرتبہ اور مقام حاصل تھا جس مرتبہ کے اہل اولیا اللہ کو باذن اللہ تعالیٰ زمان و مکان پر تصرف حاصل ہوتا ہے یہ جب چاہتے ہیں وہی وقت ہوتا ہے (ہو جاتا ہے) اور اسی طرح مکان کو بھی اپنی مرضی کے مطابق قبض کر لیتے ہیں۔

آمدم برسرِ مطلب وہ درویش حکم سنتے ہی آپ کے بتائے ہوئے راستے کی طرف چل پڑا، حضرت سلطان العارفین قدس سرہ بھی اُسی راستے چلے آ رہے تھے جب وہ درویش آپ کے پاس پہنچا تو آپ کو سید السادات حضرت پیر صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے بتائے ہوئے حلیہ اور شکل وصورت کو پا کر اپنے ہمراہ کر لیا، اور حضرت پیر صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں لا حاضر کیا۔ سید السادات حضرت پیر صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے آپ کا ہاتھ پکڑا اور خلوت میں لے گئے اور ایک دم میں ایک ہی نگاہ سے نعمت عظمیٰ سے مالا مال کر دیا۔ فیض ازلی سے مستفیض فرمایا، آپ کی امانت آپ کے سپرد کی اور ساتھ ہی گھر جانے کی اجازت بھی فرما دی۔

آپ نعمت سے پُر اور فیض رسانی کے جذبات سے لبریز تھے باہر تشریف لائے اور ہر خاص وعام پر توجہ کرنے لگے۔ لوگوں نے بھی جب دیکھا کہ ایک فقیر کامل قیمتی گوہر مفت تقسیم کر رہا ہے تو موقعہ کو غنیمت جانا اور دھڑا دھڑ فیض حاصل کرنا شروع کر دیا۔ پھر کیا تھا منٹوں کے اندر اندر بے شمار مخلوق خدا جمع ہو گئی بازار اور گلیاں لوگوں سے بھر گئیں، راستے بند ہو گئے اور تمام شہر میں غل سا مچ گیا۔ حضرت پیر صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے درویش بھی ادھر آ نکلے جب مخلوق خدا کو اس طرح سے جمع دیکھا تو وجہ دریافت

کر کے حضرت پیر عبد الرحمن قادری رحمتہ اللہ علیہ (یعنی اپنے شیخ) کی خدمت میں حاضر ہوئے
اور عرض کیا حضرت! آج شہر میں ایک ولی اللہ داخل ہوا ہے جو اپنی توجہ سے عام مخلوق خدا
کو جذبات الٰہی میں لاتا ہے۔ آپ نے فرمایا جاؤ اور اچھی طرح معلوم کر کے آؤ کہ وہ درویش
کون ہے کہاں کا رہنے والا ہے، اور کس خاندان اور سلسلہ سے تعلق رکھتا ہے؟ درویش
وہاں پہنچے تو دیکھتے ہی پہچان لیا۔ دوڑتے ہوئے حضرت پیر صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی
خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا حضرت یہ تو وہی درویش ہے جسے آپ نے تلقین
فرمائی ہے اور فیض بخش کر رخصت کیا ہے یہ سن کر آپ کو سخت رنج ہوا اور فرمایا کہ جاؤ
اسے میرے پاس لے آؤ۔ درویش واپس گئے اور حضرت سلطان العارفین قدس سرہ، کو
حضرت پیر صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر کر دیا۔ حضرت پیر صاحب رحمتہ اللہ علیہ
نے جھڑک کر فرمایا کہ اے درویش ہم نے تجھے یہ خاص نعمت عنایت کی اور تو نے عام
کر دی آپ نے عرض کیا سیدی جب بڑھیا عورت روٹی پکانے کا توا بازار سے خریدتی
ہے تو اسے بجا کر دیکھتی ہے کہ آیا یہ مجھے کام دیتا رہے گا؟ اس میں کوئی خرابی تو نہیں!
اور جب ایک لڑکا لکڑی کی کمان خریدتا ہے تو اسے کھینچ کر دیکھتا ہے کہ اس میں لچک
کافی ہے یا نہیں؟ سو میں نے جو آپ سے "نعمت عظمیٰ" حاصل کی ہیں۔ بھی اس کی آزمائش
کرتا تھا، کہ مجھے آپ سے کس قدر نعمت عطا ہوئی، اور اس کی ماہیت کیا ہے۔ پس جس
طرح حضرت سید المرسلین احمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور سے مجھے حکم ہوا تھا
کہ خلق خدا سے ہمت کر، اسی طرح آپ نے بھی حکم دیا تھا کہ اسے آزماؤ اور فیض کو عام
کر دو۔ انشاء اللہ العزیز قیامت تک یہ نعمت ترقی پر ہو گی۔

۸۔ اتباع شریعت:

خلاف پیمبر کسے راہ گزید — کہ ہر گز بمنزل نخواہد رسید

سلطان العارفین نے زندگی بھر کوئی خلاف شریعت کام نہیں کیا، فرض تو فرض
ایک مستحب تک نہیں چھوڑا۔ استغراق مراقبہ میں جب کئی کئی ہفتے گذر جاتے تو فارغ ہوتے

ہی آپ قضا نماز ادا کرتے ۔ آپ فرماتے ہیں جو لوگ پانچ وقت اللہ کے نام کی پکار پر اس کے دربار میں حاضر ہونے کی تکلیف برداشت نہیں کرتے ۔ ان کے زبانی دعوئ محبت کی کیا حقیقت ہے ۔ آپ نے داشگاف الفاظ میں فرمایا ۔

ہر مراتب از شریعت یافتم   پیشوائے خود شریعت ساختم

ولی را ولی می شناسد کے مصداق آپ کے مقام کا تعین تو کوئی واقف حال ہی کر سکتا ہے ۔ آپ سرِ اسم ذات ہو کے مظہر عین ہیں ۔ رسالہ روحی شریف میں لکھتے ہیں ۔

" و بمنزل فقر از بارگاہ کبریا حکم شد کہ تو عاشق مائی ۔ ایں فقیر عرض نمود کہ عاجز را توفیق عشق حضرت کبریا نیست باز فرمود کہ تو معشوق مائی ۔ باز ایں عاجز ساکت ماند ۔ پر تو شعاع حضرت کبریا بندہ را ذرہ اور در ابحار استغراق مستغرق ساخت و فرمود تو عین ما ہستی و ما عین تو ہستم ۔ در حقیقت حقیقت مائی و در معرفت یار مائی و در ہو صیرورت سر یا ہو ہستی ۔ "

۹ ۔ **تصنیفات :** آپ نے علم تصوف پر ڈیڑھ سد کے قریب کتابیں بزبان فارسی چھوڑی ہیں مجموعہ ابیات پنجابی بھی آپ کی یادگار ہیں ۔ آپ کے تصوف کا اندازہ اچھوتا ۔ جداگانہ اور انمول ہے ۔ آپ نے تصوف کی قدیم اصطلاحوں کو بہت کم استعمال کیا ہے ۔ جو کچھ لکھا باطنی توفیق اور تائید ایزدی سے لکھا ہے ۔ صاف اور دوٹوک الفاظ کہتے ہیں ۔ بلا شک و شبہ اس قحط الرجال میں یہ کتابیں مرشد کامل کا کام دیتی ہیں ۔ ان کتابوں کی ایک خوبی جو آپ کو شاید ہی تصوف کی کسی اور کتاب میں ملے یہ ہے کہ صاحبِ تعلق جو کچھ مطالعہ کرتا ہے ۔ وہ سب کچھ خواب میں اس پر منکشف اور وارد ہو جاتا ہے ۔

آپ کی جن کتابوں کا پتہ چل سکا ان کے نام یہ ہیں :۔

(۱) عین الفقر کبیر ۔ (۲) عین الفقر صغیر ۔ (۳) عقل بیدار کبیر ۔ (۴) عقل بیدار صغیر ۔ (۵) ۔ کلید التوحید کبیر ۔ (۶) کلید التوحید صغیر ۔ (۷) مجالستہ النبی ۔ (۸) محبت الاسرار ۔

۹۔ اسرار قادری۔ (۱۰) توفیق الهدایت۔ (۱۱) تیغ برہنہ۔ (۱۲) مجموع الفضل (۱۳) محک الفقر الکبیر۔ (۱۴) محک الفقر الصغیر۔ (۱۵) فضل اللقاء۔ (۱۶) شمس العارفین۔ (۱۷) رسالہ روحی اورنگ شاہی۔ (۱۸) امیر الکونین۔ (۱۹) مفتاح العاشقین۔ (۲۰) قرب دیدار۔ (۲۱) نور الہدیٰ۔ (۲۲) دیوان اردو۔ (۲۳) دیوان فارسی۔ (۲۴) دیوان پنجابی وغیرہ

ان کتابوں کے مطالعہ سے جہاں آپ کے غیر معمولی تبحر علمی، غیر معمولی استعداد اور صلاحیتوں کا پتہ چلتا ہے، وہیں یہ کتابیں ایک سالک راہ طریقت کے لیے عرفان وہدایت کی ایک گنج گراں مایہ ہیں۔

۱۰۔ وصال: حضرت سلطان العارفین نے یکم جمادی الثانی ۱۱۰۲ھ حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت میں ترسیٹھ سال کی عمر میں داعیٔ حق کو لبیک کہا۔

۱۱۔ مزار: آپ کو شورکوٹ کے قریب دریائے چناب کے کنارے موضع تھرگان کے قلعہ میں دفن کیا گیا، لیکن دریا کے بڑھ آنے کی وجہ سے، اور مزار مبارک کو طغیانی کا خطرہ لاحق ہونے کی وجہ سے آپ کے جسد مبارک کو وہاں سے منتقل کر کے دوسری جگہ دفن کیا گیا، یہ واقعہ ۱۱۸۰ھ کا ہے لیکن ۱۳۳۲ھ میں جب کہ حضرت شیخ حاجی سلطان نور احمد کی سجادگی کا زمانہ تھا۔ پھر مزار مبارک کو دریا کی طغیانی کا خطرہ لاحق ہوا۔ چونکہ ماہ محرم ۱۳۳۶ھ میں جسد مبارک وہاں سے منتقل کر کے اس جگہ دفن کیا گیا۔ جہاں اب آپ کا مزار مبارک مرجع خاص وعام ہے اس لیے ماہ محرم ہی میں آپ کا عرس ہوتا ہے۔

۱۲۔ اولاد: حضرت سلطان باہو کے آٹھ صاحبزادے تھے۔ جن کے نام یہ ہیں۔

(۱) شیخ سلطان نور محمد۔ (۲) سلطان ولی محمد۔ (۳) سلطان لطیف محمد۔ (۴) سلطان صالح محمد۔ (۵) سلطان اسحاق محمد۔ (۶) سلطان فتح محمد۔ (۷) سلطان شریف محمد۔ (۸) سلطان حیات محمد۔ سلطان حیات محمد نے بچپن ہی میں وفات پائی۔

۱۲۔ شاعری: حضرت سلطان باہو ایک عظیم المرتبت صوفی اور جلیل القدر عالم ہونے کے ساتھ ساتھ بلند پایہ شاعر بھی تھے، آپ نے اُردو، فارسی اور پنجابی تینوں زبانوں میں شاعری کی ہے، اور اپنی شاعری میں عرفان و تصوف کو سمو کر شعر کو ایک نیا آب و رنگ بخشا ہے، ہم پہلے آپ کی فارسی پھر پنجابی شاعری کے چند نمونے تبرکاً یہاں پیش کرتے ہیں۔

الف اللہ چنبے دی بوٹی مرشد من وچ لائی ہُو
نفی اثبات دا پانی ملیس ہر رگ ہر جائی ہُو
اندر بوٹی مشک مچایا جاں پھلاں تے آئی ہُو
جیوے مرشد کامل باہو جیں ایہ بوٹی لائی ہُو

الف اَحد جد دتی دکھالی از خود ہویا فانی ہُو
قرب وصال مقام نہ منزل نہ اُتھ جسم نہ جانی ہُو
نہ اُتھ عشق محبت کائی نہ اُتھ کون مکانی ہُو
عینوں عین تھیوسے باہو سرّ وحدت سبحانی ہُو

اللہ پڑھیوں حافظ ہویوں نہ گیا حجابوں پردا ہُو
پڑھ پڑھ عالم فاضل ہویوں بھی طالب ہویوں زر دا ہُو
لکھ ہزار کتاباں پڑھیاں پر ظالم نفس نہ مردا ہُو
باجھ فقیراں کوئی نہ مارے ایہو چور اندر دا ہُو!

اندر کلمہ کل کل کردا عشق سکھا دے کلماں ہُو
چوداں طبقے کلمے اندر چھوڑ کتاباں علماں ہُو
کانے کپ کپ قلم بنادن لکھ نہ سکن قلماں ہُو
کلمہ میتھوں پیر پڑھایا نہ انہ رہیاں الماں ہُو

اندر ہو تے باہر ہو وت باہو کتھے لبھیندا ہُو
ہو دا داغ محبت والا ہر دم پیا سڑیندا ہُو

جتھے ہو کرے روشنائی چھوڑ اندھیرا دیندا ہو
دوہیں جہان غلام اس باہو جو سجی کریندا ہو

ایمان سلامت ہر کوئی منگے عشق سلامت کوئی ہو
منگن ایمان شرماون عشقوں دل نوں غیرت ہوئی ہو
جس منزل نوں عشق پچاوے ایمان خبر نہ کوئی ہو
عشق سلامت رکھیں باہو دیاں ایمان دھروئی ہو

ایہ تن میرا چشماں ہووے مرشد دیکھ نہ رجاں ہو
لوں لوں دے مڈھ لکھ لکھ چشماں ہک کھولاں ہک کجاں ہو
ایناں ڈٹھیاں صبر نہ آوے ہور کتے دل بھجاں ہو
مرشد دا دیدار ہے باہو مینوں لکھ کروڑاں حجاں ہو

ب بسم اللہ اسم اللہ دا ایہ بھی گہنا بھارا ہو!
نال شفاعت سرور عالمؐ چھٹسی عالم سارا ہو!
حدوں ودھ درود نبیؐ نوں جیندا ایڈ پسارا ہو
میں قربان تنہاں تھیں باہو جیں ملیا نبی سہارا ہو

پیراں دی گل کفنی پا ساں راساں سنگ فقیراں ہو
شہر بغداد دے ٹکڑے منگساں کرساں میراں میراں ہو

پڑھ پڑھ حافظ کرن تکبر ملاں کرن وڈائی ہو
گلیاں دے وچ پھرن نمانے بغل کتاباں چائی ہو
جتھے دیکھن چنگا چوکھا پڑھن کلام سوائی ہو!
دوہیں جہانیں مٹھے جہناں کھادی ویچ کمائی ہو

پیر ملے تے پیڑ نہ جاوے ناں اس پیر کیہ دھرنا ہو
مرشد ملیاں رشد نہ من نوں اوہ مرشد کیہ کرنا ہو

جس ہادی تھیں نہیں ہدائت اوہ ہادی کیہ پھڑنا ہُو
سر دیتاں حق حاصل ہووے موتوں مول نہ ڈرنا ہُو
جنھاں عشق حقیقی پایا مونہوں نہ الاون، ہُو !
ذکر فکر وچ رہن ہمیشاں دم نوں قید لگاون ہُو
نفسی قلبی روحی سری اخفی خفی کماون ہُو!
میں قربان تنھاں توں جہیڑے ہکس نگہ جواون ہُو
جو دم غافل سو دم کافر مرشد ایہ پڑھایا ہُو !
سنیا سخن گیاں کُھل اکھیں چت مولا ول لایا ہُو!
کیتی جان حوالے رب دے ایسا عشق کمایا ہُو
مرن تھیں اگے مر گئے باہو توں مطلب نوں پایا ہُو
چڑھ چناں توں کر رشنائی ذکر کریندے تارے ہُو
گلیاں دے وچ پھرن نمانے لالاں دے ونجارے ہُو
شالا کوئی نہ تھیے مسافر ککھ جہناں تو بھارے ہُو
تاڑی مار اُڈا نہ سانوں اسیں آپے اُڈنہارے ہُو
دل دریا سمندروں ڈونگھے کون دلاں دیاں جانے ہُو
وچے بیڑے وچے جھیڑے وچے ونجھ مہانے ہُو
چوداں طبق دِلے دے اندر تنبو وانگن تانے ہُو
جوئی دل دا محرم ہووے سوئی رب پچھانے ہُو
دنیا ڈھونڈن والے کتے در در پھرن حیرانی ہُو
ہڈی اُتے ہوڑ تنھاں دی لڑدیاں عمر وہانی ہُو
عقل دے کوتاہ سمجھ نہ جانن پیون لوڑن پانی ہُو
باجھوں ذکر ربے دے باہو کوڑی رام کہانی ہُو۔

زے زبانی ہر کوئی پڑھدا دل دا کلمہ کوئی ہُو!
جتھے کلمہ دل دا پڑھیے ملے زبان نہ ڈھوئی ہُو!
دل دا کلمہ عارف پڑھدے جانے کیا گلوئی ہُو
کلمہ مینوں پیر پڑھایا سدا سہاگن ہوئی ہُو

علموں باجھ جو کرے فقیری کافر مرے دیوانہ ہُو
سَے ورھیاں دی کرے عبادت اللہ کیوں بیگانہ ہُو

حضرت امام بری رح

حضرت امام بری اپنے عہد کے عظیم اور مشہور اولیاء سے ہیں۔ آپ کا تعلق سلسلہ قادریہ سے تھا آپ کی زندگی میں زہد اور جذب بہت نمایاں ہے آپ کی بزرگی اور عظمت کا چرچا گلی گلی ہے۔

آپ کا اصل نام شاہ عبداللطیف ہے۔ والد ماجد کا اسم گرامی سید سخی محمود تھا آپ کے والدین موضع کرسال تحصیل چکوال ضلع جہلم میں رہائش پذیر تھے۔ اور آپ اسی گاؤں میں ۱۰۲۶ھ میں پیدا ہوئے، یہ بادشاہ جہانگیر کا عہد حکومت تھا

آپ کا سلسلہ نسب حضرت امام موسیٰ کاظم سے ملتا ہے جو

۱۔ سلسلہ نسب: مندرجہ ذیل ہے۔

(۱) شاہ لطیف بری۔ (۲) محمود شاہ۔ (۳) سید احمد یا حامد۔ (۴) بودلا شاہ۔ (۵) اسکندر۔ (۶) عباس۔ (۷) عبدالغنی۔ (۸) سید حسین۔ (۹) سید آدم۔ (۱۰) علی شیر۔ (۱۱) عبدالکریم۔ (۱۲) وجیہہ الدین۔ (۱۳) محمد ولی۔ (۱۴) محمد ثانی الغازی۔ (۱۵) رضا دین۔ (۱۶) صدر الدین۔ (۱۷) محمد احمد سابق۔ (۱۸) ابو القاسم۔ (۱۹) پیر بر بریاں۔ (۲۰) سلطان عبدالرحمن (۲۱) اسحاق ثانی۔ (۲۲) موسیٰ اول۔ (۲۳) محمد عالم۔ (۲۴) قاسم عبداللہ۔ (۲۵) محمد اول۔ (۲۶) اسحاق۔ (۲۷) امام موسیٰ کاظم۔

آپ کا بچپن عام بچوں سے قطعاً مختلف تھا۔ بچپن ہی میں آپ کا رجحان

۲۔ بچپن: زہد و تقویٰ ترک دنیا اور مذہب کی طرف مائل تھا۔ وہ گاؤں کے دیگر بچوں سے مل کر نہ کھیلتے بلکہ اپنے مویشیوں کو لے کر گاؤں سے دور نکل جاتے تھے اور علیحدگی میں بیٹھ کر عبادت الہٰی میں مشغول ہو جاتے اور مویشی اِدھر اُدھر چرتے رہتے اور شام کو انہیں جمع کر کے واپس گھر لے جاتے، اپنے والد سے مذہبی تعلیم حاصل کرتے

کبھی جھوٹ نہ بولتے۔ اور کسی کو گالی نہ دیتے تھے کسی کی غیبت نہ کرتے اور شرارت سے ہمیشہ دور رہتے تھے۔ آپ کے اس رجحان اور مالک حقیقی سے عشق صادق کا نتیجہ یہ ہوا کہ آپ چھوٹی سی عمر میں اللہ کے محبوب بن گئے اور آپ کی زبان میں تاثیر پیدا ہو گئی جو بات منہ سے نکالتے پوری ہو جاتی۔

۲۔ باغ کلاں میں قیام: حضرت سید عبداللطیف بالکل بچے ہی تھے کہ آپ کے والد اپنے آبائی گاؤں موضع کرسال سے نقل مکانی کر کے موضع باغ کلاں یعنی آبپارہ اسلام آباد کے مقام پر آ کر رہائش پذیر ہوئے اور حسب معمول مویشی چرانے کا کام شروع کر لیا۔ بچپن حضرت امام بری بھی مویشی چرانے چلے جاتے۔ ایک دن کا واقعہ ہے کہ آپ تقریباً ایک صد بھینسوں کا گلہ لے کر پہاڑ کے دامن میں چرانے گئے اور حسب معمول انہیں چھوڑ کر یاد الٰہی میں مشغول ہو گئے اور عبادت میں اس قدر محو ہو گئے کہ بھینسیں قریبی کھیت میں جا گھسیں اور فصل تباہ کر دی۔ لیکن آپ کو خبر نہ ہوئی۔ کھیت کا مالک یہ کیفیت دیکھ رہا تھا۔ وہ اپنے نقصان پر بڑا جھنجلایا اور فوراً گاؤں پہنچ کر حضرت شاہ محمود سے شکایت کی۔ حضرت شاہ محمود اٹھے۔ اور شاہ لطیف کو ان کی غفلت پر سرزنش کرنے کے لیے دامن کوہ میں جا پہنچے۔ چاروں طرف نگاہ دوڑائی دیکھا کہ شاہ لطیف شیشم کے ایک درخت کے نیچے محو خواب ہیں۔ شاہ محمود نے آپ کو ایک ضرب لگائی آپ فوراً اٹھ کر بیٹھ گئے اور فرمایا۔ اباجان میں جنت الفردوس کی سیر کر رہا تھا۔ آپ نے کیوں مجھے واپس بلا لیا۔ شاہ محمود نے فرمایا۔ اے جان پدر تمہاری غفلت سے اس کاشتکار کی فصل بھینسیں کھا گئی ہیں اور اس نے تمہاری شکایت کی ہے شاہ عبداللطیف نے جواب دیا۔ ابا جان اس کے کھیت میں کوئی نقصان نہیں ہوا ہے۔ آپ خود معائنہ کر لیں۔ اس پر شاہ محمود اور شاہ لطیف کاشت کار کو لے کر کھیت میں جا پہنچے۔

شاہ محمود اور کاشت کار یہ دیکھ کر حیران و ششدر رہ گئے۔ کہ اس کے کھیت میں پوری فصل کھڑی ہے اور اس میں ایک پتے کا بھی نقصان نہیں ہوا۔ اس پر حضرت شاہ محمود نے دہقان سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ اے دہقان: تمہاری فصل تو

ٹھیک ہے پھر تم نے غلط الزام کیوں لگایا دہقان اس کا کوئی جواب نہ دے سکا۔

۴۔ تحصیل علم: آپ کو ظاہری علم حاصل کرنے کے لیے غور غشتی ضلع کیمبل پور میں بھیجا گیا۔ جو اس زمانے میں دین کا مرکز تھا وہاں آپ نے قرآن تفسیر، حدیث، فقہ، منطق اور ریاضی پڑھی۔ اس کے علاوہ علم طب بھی حاصل کیا ظاہری علوم حاصل کرنے کے بعد آپ کشمیر بدخشاں، مشہد نجف اشراف کربلا معلیٰ، بغداد بخارا، مصر، دمشق کی سیر و سیاحت کرتے رہے پھر وہاں سے مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ تشریف لے گئے اور حج بیت اللہ کی سعادت حاصل کی۔ تقریباً ۱۵ برس کی عمر میں واپس اپنے گھر تشریف لائے۔

۵ بیعت: آپ نے حضرت حیات المیر کے ہاتھ پر بیعت کی جن کے سلسلہ طریقت کا تعلق حضرت سید عبد القادر جیلانی رح سے تھا اس طرح آپ نے سلسلہ قادریہ میں رہ کر اکتساب فیض کیا۔

۶۔ دعوت حق: حالت جذب سے پہلے آپ نے چور پور میں قیام کیا جو بعد میں نور پور شاہاں کے نام سے مشہور ہوا اور وہاں آپ نے رشد و ہدایت کا سلسلہ احسن طریقہ سے شروع کیا۔ دینِ مبین کو منظم انداز میں جاری کرنے کے لیے درس گاہیں قائم کیں۔ آپ خود درسِ قرآن مجید بھی دیتے اور وعظ بھی کیا کرتے تھے۔ آپ کی روحانیت اور علمیت کی شہرت سن کر دور دور سے لوگ آپ کے درس میں شرکت کے لیے آیا کرتے تھے۔ آپ نے اپنی درس گاہ میں طلبا کے لیے ان کی خورد و نوش کا بھی انتظام کر رکھا تھا۔ جس کا سارا بار اللہ تعالےٰ اپنے خزانوں سے پورا کرتا ہے۔ آپ ایک عالم باعمل تھے۔ حقیقت و طریقت آپ پر روز روشن کی طرح عیاں تھی۔ نوجوانوں کی زندگی اور ان کے تخیل کی رفعت و پابندی آپ کی تربیت پر منحصر تھی۔

جب کسی ملک کے انفرادی اخلاقی نظام کی اصلاح نہیں ہوتی تو قوم کی زندگی کی اصلاح ناممکن ہی نہیں ہوتی بلکہ مشکل ترین ہوتی ہے۔ بری سرکار نے دینی علوم کی ترویج

اور اپنے افکار کو پھیلانے کے لیے تین اداروں کا قیام ضروری سمجھا۔ مدرسہ کو آپ نے اولیت دی۔ جہاں عربی علوم شریعت کی تعلیم کے علاوہ درس نظامی کی تعلیم کا فروغ ملا، صوفیائے کرام کے لیے تصوف کی تعلیم و تربیت کے لیے خانقاہوں کے قیام کا اہتمام کیا گیا، عوام الناس کے لیے وعظ و ہدایت کا انتظام مسجد میں کیا گیا۔ حضرت بری سرکار نے اپنے ان اداروں سے دین حق کی تبلیغ پورے زور شور سے کی۔ یہی نہیں آپ نے ایک جگہ بیٹھ کر تبلیغ کا کام کیا بلکہ علاقہ میں پھر کر بھی اسلام کی روشنی کو پھیلایا آپ دین کی تبلیغ کے لیے دھیر کوٹ تشریف لے گئے۔ وہاں اسلام کی تبلیغ کی اور لوگوں کو خدا کی وحدانیت کا درس دیا جس سے سینکڑوں لوگ حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔ دھیر کوٹ میں ایک قوم ستی آباد تھی اس کو اسلام کی ہدایات اور پند نصائح سے مشرف بہ اسلام کیا۔

ایک قوم تھوڑ آپ کے خلاف ہو گئی اس قوم کا سردار کئی ہزار افراد کو لے کر آپ کے خلاف جنگ کے لیے نکل آیا۔ آپ نے اس کو سمجھایا اور جنگ سے باز رہنے کی تلقین کی مگر اس نے آپ کی تمام باتوں کو مسترد کر دیا۔ خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ اسی خاندان کا ایک اور سرکردہ شخص اسلام لے آیا اور اس کی تقلید کرتے ہوئے اور بھی کئی لوگ مسلمان ہو گئے۔ اس طرح آپ کے پاس بھی کافی طاقت جمع ہو گئی۔ ستی قوم نے تھوڑ قوم کے ساتھ مقابلہ کیا، تھواڑوں کو شکست فاش ہوئی۔

آپ فرمایا کرتے تھے کہ قرآن مجید اور سنت رسول کی اہمیت و احادیث کو سمجھنے کے لیے علوم ظاہری و باطنی کا حصول بڑا ضروری ہے۔ آپ نے اپنے درس میں۔ مومن کے عقیدہ توحید رسالت کی اہمیت پر بہت زور دیا۔ آپ کے اقوال عالم تصوف میں وہ حیثیت رکھتے ہیں جیسے چاند ستاروں میں۔ علم حقائق پر روشنی ڈالتے ہوئے آپ نے فرمایا یہ اللہ تعالےٰ کا علم ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا، اس کا کوئی شریک نہیں۔ خدا ہر چیز پر قادر ہے وہ جانتا ہے اور دیکھتا ہے یہ علم صفات کی تعریف ہے۔ خدا کے افعال کے علم کے بارے میں آپ کا فرمان ہے کہ اللہ ہی کل کائنات کا پیدا کرنے والا ہے اور اس نے ہی اپنے محبوب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم

کو علم شریعت عطا فرمایا ہے۔ علم شریعت میں کتاب اللہ، سنت رسول اللہ اور اجماع امت شامل ہیں۔ آپ اپنے مریدوں کو ہمیشہ صراط مستقیم پر چلنے کی تلقین کرتے۔ حسد، غیبت اور کینہ پروری سے آپ نے ہمیشہ باز رہنے کی ہدایت کی۔ حضرت امام بری چشمہ ہدایت و فلاح تھے۔ آپ نے مسلمان قوم کو اسلام کی تعلیم دے کر ——— امت محمدیہ کی بھلائی کے لیے محنتِ شاقہ کی اور وہ خطوط وضع کر دیئے۔ جن پر چل کر انسان کی بھلائی اور رضائے الٰہی حاصل ہوتی ہے۔

۷۔ چند ہندوؤں کا قبول اسلام: روایت ہے کہ ایک روز شاہ عبداللطیف چورپور کے جنگل میں ایک خشک اور کہنہ سال شیشم کے درخت کے نیچے بیٹھے تھے۔ کہ ہندو یاتریوں کا ایک قافلہ وہاں پہنچا۔ آپ نے یاتریوں سے دریافت کیا۔ تم لوگ اتنا ساز و سامان اٹھائے کہاں جا رہے ہو۔ ان میں سے ایک نے جواب دیا۔ پریاگ،، آپ نے پوچھا وہاں کیا کرو گے۔ جواب ملا۔ گنگا اور جمنا کے سنگم پر اشنان کر کے اپنا پاپ صاف کریں گے۔

آپ نے فرمایا گناہ نہانے سے صاف نہیں ہوتے۔ نیکوکاری اور عبادت الٰہی سے ہی گناہ صاف ہوتے ہیں۔ ہندو یاتریوں نے آپ کی باتوں کا مذاق اڑایا اور ایک ہندو پروہت بولا۔ اگر مخفی عبادت ہی سے انسان خدا کے قریب ہو سکتا ہے تو آپ کئی برسوں سے اس خشک اور پرانے شیشم کے درخت کے نیچے عبادت کر رہے ہو، مگر خدا نے آپ پر رحم نہیں فرمایا۔ ورنہ وہ اسی درخت کو ہرا بھرا کر کے آپ کے سر پر چھاؤں کا انتظام کر دیتا۔ ہندو پروہت کی اس تقریر پر آپ مسکرائے اور فرمایا۔ میرے خدا کے لیے یہ کوئی بڑی بات نہیں ہے، ہم مسلمان اس کی ذات پر توکل رکھتے ہیں۔ وہ بڑا غفور الرحیم ہے۔ اگر وہ چاہے تو اس درخت کو فوراً ہرا بھرا کر دے۔ کیونکہ وہ ہر شئے پر قادر ہے یہ کہہ کر آپ نے آیت کریمہ پڑھی اور دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے۔ مجیب الدعوات نے آپ کی دعا قبول کی اور شیشم کا خشک اور کہنہ سال درخت فوراً ہرا بھرا ہو گیا۔ اس کی شاخیں بڑھ گئیں، ہندو یاتریوں کا پورا قافلہ یہ دیکھ کر انگشت بدنداں رہ گیا۔ اور آپ کے دست مبارک

پر حلقہ بگوش اسلام ہوا۔

اس قافلے کے کچھ لوگ اپنے گھروں کو واپس جاتے ہوئے موضع باغاں سے گزرے اور چور پور کے جنگل میں ایک صاحب کرامت بزرگ کی موجودگی کا ذکر کیا جب حضرت شاہ محمود نے یہ چرچا سنا تو فوراً سمجھ گئے۔ کہ حضرت شاہ عبداللطیف گھر کے قریب ہی چھپے ہوئے ہیں۔ آپ چند آدمیوں کو لے کر چور پور پہنچے اور آپ سے لپٹ کر خوب روئے۔ آپ کی بے قراری دیکھ کر آپ نے فرمایا۔ ابا جان۔ آپ بے قرار کیوں ہیں میں یہاں بڑے مزے میں ہوں۔

شاہ محمود نے فرمایا۔ نور چشم۔ اب تم گھر واپس چلو۔ تمہاری والدہ تمہارے لیے بیقرار رہتی ہے۔ اور اس کی صحت بالکل خراب ہو چکی ہے۔ حضرت شاہ لطیف نے جواب دیا۔ ابا جان۔ اب میں گھر میں نہیں رہ سکتا۔ میں یاد سرمدی میں اتنا مدہوش ہو چکا ہوں کہ اب مجھے اپنا ہوش نہیں۔ بہر حال اماں جان کی قدم بوسی کی خاطر ضرور حاضر ہوں گا۔ شاہ محمود واپس چلے گئے اور اس کے قریباً ایک ہفتہ بعد حضرت شاہ عبداللطیف بھی موضع باغاں پہنچ گئے۔ مگر آپ نے وہاں زیادہ دیر قیام نہ کیا اور والدہ صاحبہ سے یہ کہہ کر واپس جانے کی اجازت طلب کر لی کہ میں نے جس جگہ نور پورپایا ہے میرا مکان و مقام اب وہی ہے حضرت شاہ عبداللطیف کے ان الفاظ ہی کی بنا پر چور پور کا نام نور پور ہو گیا۔ جو کہ بعد میں نور پور شاہاں کہلایا۔

۸۔ بری امام لقب کا ملنا: خدام کی آمد کے بعد آپ نور پور کے ایک بڑے غار میں چلہ کشی کے لیے داخل ہوئے۔ اور کئی سال تک باہر نہیں نکلے آخر آپ کے مرشد سخی حیات المیر جو غوث الاعظم شیخ عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ کے پوتے تھے۔ تشریف لائے اور غار کے دروازے پر کھڑے ہو کر آواز دی۔ اے لطیف۔ اب چلے سے باہر آؤ۔ آج کا دن بڑا مبارک ہے شاہ عبداللطیف رحمتہ اللہ علیہ نے غار کے اندر سے جواب دیا۔ خیر مبارک یا حضرت۔ اب آپ باہر نکلے۔ حضرت سخی حیات المیر سے بغل گیر ہوئے اور آپ کے علم سلوک پر مسرت و انبساط کا اظہار کیا اور

فرمایا۔ لطیف اب تم ظاہری و باطنی رموز و اسرار سے معمور ہو چکے ہو۔ آج سے تم امام برّ ہو۔ اسی وجہ سے حضرت شاہ لطیف کو بری امام کا لقب حاصل ہوا۔

۹۔ آپ کی دعا سے اولاد مل گئی: روایت ہے کہ ایک بوڑھی عورت نے پہلے حضرت شاہ چن چراغ کے پاس حاضر ہو کر عرض کی کہ آپ دعا فرما دیں۔ کہ رب کریم مجھے بیٹا عنایت فرمائے۔ حضرت شاہ چن چراغ نے فرمایا کہ بیٹا نہیں بیٹی ملے گی۔ وہ عورت پھر بری امام کی خدمت میں حاضر ہوئی اور ان سے بھی بیٹے کی التجا کی۔ آپ نے مراقبہ کرنے کے بعد فرمایا کہ تمہاری قسمت میں بیٹا آیا ہے۔ اس عورت نے عرض کی کہ میں تبھی حاضر ہوئی ہوں۔ کہ اگر میری قسمت میں بیٹا نہیں تو بھی آپ کی دعا سے میرا کام ہو جائے گا۔ جب اس عورت نے بہت عجز و نیاز کا اظہار کیا۔ تو حضرت بری امام نے فرمایا کہ جاؤ اللہ کریم تمہیں حسب خاطر بیٹا عنایت فرمائے گا۔ چنانچہ اللہ کریم نے اس عورت کو جب لڑکا عنایت فرمایا تو بری امام کی حاضری کی نیت سے چل پڑی۔ جب راولپنڈی پہنچی تو خیال آیا کہ شاہ چن چراغ صاحب کی بھی حاضری دینی چاہیے۔ چنانچہ شاہ چن چراغ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کی کہ خداوند کریم نے بری امام کی دعا سے مجھے بیٹا عطا کیا ہے۔ شاہ چن چراغ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا بیٹا نہیں۔ بیٹی ہے۔ جب دیکھا تو فی الحقیقت بیٹی ہی تھی۔ آخر حیران و پریشان ہو کر حضرت بری امام کی خدمت میں حاضر ہوئی اور سارا واقعہ عرض کیا۔ تو بری امام نے فرمایا۔ کہ پریشانی کی کوئی ضرورت نہیں تمہاری گود میں لڑکا ہے۔ جب دیکھا تو لڑکا ہی تھا۔ پھر واپسی پر شاہ چن چراغ کی حاضری دی اور کہا کہ بری امام کی دعا سے لڑکا ہے۔ آپ نے فرمایا لڑکا نہیں لڑکی ہے۔ جب دیکھا تو فی الواقع لڑکی تھی۔ وہ عورت بہت غم زدہ ہوئی اور پھر خیال آیا کہ بری امام کی خدمت میں حاضر ہو کر دعا کرائی جائے۔ چنانچہ دوبارہ جب بری امام کی خدمت میں حاضر ہو کر سارا ماجرا بیان کیا آپ کی دعا سے وہ لڑکی لڑکا بن گیا۔ بعد ازاں بری امام نے اس عورت کو فرمایا کہ جاتے ہوئے شاہ چن چراغ کے پاس مت جانا اور سیدھی گھر کی طرف چلے جانا۔ چنانچہ اس بڑھیا نے حسب الحکم ایسا ہی کیا اور با مراد ہو کر گھر چلی گئی

موضع لِلّاں میں اہل یقین بڑی تعداد میں موجود تھے۔ جب

۱۰۔ طویل چلہ کشی: حضرت شاہ عبداللطیف کی طبیعت موضع گنگڑ سے اکتا گئی، تو آپ موضع لِلاں بھوتریں چلے گئے۔ کچھ عرصہ یہاں قیام کیا اور اس ندی میں چلہ کشی کے لیے داخل ہو گئے جس کے کنارے موضع للاں بھوتو واقع ہے۔

روایت کی جاتی ہے کہ آپ بارہ برس تک پانی میں ذکر الٰہی میں مشغول رہے یہاں تک کہ مچھلیاں آپ کے جسم کا گوشت نوچ کر کھا گئیں، اور آپ کو اس کا احساس تک نہ ہوا۔ نقاہت انتہا کو پہنچی اور ایک دن بے ہوش ہو کر گر پڑے آپ کے مرشد حضرت سخی حیات المیر نے جو اس زمانے میں حسن ابدال میں مقیم تھے، حالت کشف میں یہ کیفیت دیکھی تو فوراً للاں بھوتو پہنچے۔ اور آپ کو چلہ سے باہر آنے کا حکم دیا مگر آپ چلنے پھرنے سے قاصر تھے۔ لہذا آپ کے ایک مرید نے آپ کو پانی سے باہر نکالا اور اپنے گھر لے گیا اس مرید کے پاس ۷ بھینسیں تھیں۔

روایت ہے کہ وہ روزانہ ایک بھینس کا دودھ دوہتا اور شاہ عبداللطیف کو پلاتا قدرت خدا دیکھے کہ وہ جس بھینس کا دودھ آپ کو پلاتا وہ بیمار ہو کر مر جاتی یہاں تک کہ ۷ بھینسیں مر گئیں، مگر اس مرید باصفا نے اپنے مرشد سے اس کا ذکر نہیں کیا۔ لیکن جب آخری بھینس بھی مر گئی۔ تو اسے تردد ہوا، کہ اب دودھ کہاں سے لاؤں جب اگلے دن شاہ عبداللطیف کو دودھ نہ ملا، تو آپ نے استفسار کیا، اس نے بھینسوں کے مرنے کا تمام ماجرا بیان کیا، آپ زیر لب مسکرائے۔ پوچھا کیا کوئی اور بھینس باقی نہیں ہے مرید نے دست بستہ عرض کی، حضور اب کوئی بھینس نہیں ہے، البتہ ایک بھینسا موجود ہے۔ آپ نے حکم دیا کہ بھینسا کو دودھ لو، قدرت خداوندی سے وہ بھینسا بھینس بن گئی۔ مرید نے حسب الحکم بھینسا کو دوہا تو اس نے دودھ دے دیا۔ مگر وہ بھی بیمار ہوا اور مر گیا، مرید پریشان ہو کر پھر خدمت میں حاضر ہوا، اور صورت حال عرض کی۔ آپ پھر مسکرائے اور اسے ہدایت فرمائی کہ جس ندی میں آپ نے چلہ کشی کی تھی، اس کے کنارے پہنچ کر ندی کی طرف پشت کر کے اپنی بھینسوں کے نام سے پکارے۔ مگر پلٹ کر نہ دیکھے۔ مرید حسب الارشاد

ندی کے کنارے پہنچا اور بھینسوں کے نام لے کر پکارنا شروع کیا۔ وہ جس بھینس کا نام لیتا وہ ندی سے نکل کر اس کے پاس آجاتی۔ اس طرح سب بھینسیں نکل آئیں۔ تو اس نے بھینسے کا نام لے کر پکارا۔ بھینسا کھیلتا ہوا نکل رہا تھا کہ مرید نے پلٹ کر دیکھ لیا جونہی اس کی نگاہ بھینسے پر پڑی وہ بھینسا پتھر بن گیا۔ یہ پتھر اب بھی اس ندی میں نصف کنارے پر اور نصف ندی میں موجود تھا۔ امتداد زمانہ اور سیلاب کی وجہ سے اب یہ پتھر کا بھینسا غائب ہو چکا ہے۔

۱۱۔ پھنے شاہ بخاری کا واقعہ: روایت ہے کہ اوچ شریف کے ایک بزرگ پھنے شاہ بخاری نے جب حضرت بری امام کی کرامتوں کی شہرت سنی تو انہوں نے کہا کہ ہماری ولایت میں ایک مشہدی کیسے داخل ہو گیا ہے ہم اس کی تمام قوتیں سلب کر لیں گے۔

اس کے بعد وہ ایک لاکھ مریدین کی فوج لے کر پنڈی کی طرف بڑھے، حضرت بری امام نے پھنے شاہ بخاری کے اس کوچ کا منظر حالت کشف میں دیکھا۔ تو آپ نے مریدوں سے فرمایا کہ پھنے شاہ بخاری ایک لاکھ مریدوں کا لشکر لے کر آ رہا ہے۔ تم ہوشیار رہو۔

جب پھنے شاہ بخاری اپنے مریدوں سمیت جہلم کے نزدیک پہنچے تو حضرت بری امام نے جہلم کی طرف انگشت شہادت اٹھائی اور پھنے شاہ بخاری کا آدھا جسم بے کار ہو گیا۔ پھنے شاہ بخاری بڑے حیران ہوئے کہ یہ کیا ماجرا ہے۔ انہوں نے فوراً حضرت شاہ مہر شاہ خراسانی سکنہ نرالا والا کی طرف رجوع کیا۔ حضرت مہر شاہ خراسانی بھی کشف کی حالت میں یہ نظارہ دیکھ رہے تھے، انہوں نے فوراً بری امام سے درخواست کی کہ پھنے شاہ بخاری کی گستاخی معاف کی جائے اور انہیں عذاب سے نجات دلائی جائے حضرت بری امام نے شاہ پھنے شاہ بخاری کو گرفت سے آزاد کر دیا اور اس کے ساتھ ہی پیغام بھیجا کہ اگر آپ کو یہاں آنا ہے تو مہمان کی حیثیت سے آؤ۔ بیان کیا جاتا ہے کہ پھنے شاہ بخاری معہ اپنے ایک لاکھ مریدین کے بری امام کے پاس آئے۔ اس پر

حضرت کے مریدین پریشان ہو گئے۔ کہ اتنے آدمیوں کو کہاں سے کھلایا پلایا جائے گا انہوں نے اپنی مشکلات حضرت بری امام کے سامنے رکھیں۔ آپ نے انہیں ایک گوندا اور تھوڑا سا آٹا لانے کا حکم دیا۔ جب لایا گیا تو آپ نے یہ آٹا اپنے ہاتھ سے گوندھ دیا اور پھر اس پر اپنا رومال ڈال دیا۔ اور فرمایا کہ اس میں سے آٹا لیتے جاؤ اور روٹیاں پکاؤ۔

چنانچہ اس آٹے سے روٹیاں پکا کر ایک لاکھ مریدین کو کھلائی گئیں۔ اور وہ ختم نہ ہوا پھر پھنے شاہ بخاری نے حضرت امام بری سے فرمایا کہ میری سواری کے شیر اور ہاتھ میں رکھنے کے سانپ کے لیے بھی خوراک کی ضرورت ہے۔ تو بری امام کے حکم سے رات کو ایک گائے شیر کے سامنے چھوڑ دی۔ اور مرغ سانپ کے سامنے تا کہ ان کی خوراک ہو جائے۔ لیکن علی الصبح جب دیکھا تو گائے اور مرغ تو موجود ہیں۔ لیکن سانپ اور شیر غائب ہیں۔ گائے نے شیر کو اور مرغ نے سانپ کو نگل لیا ہے۔ جب یہ ماجرا دیکھا تو پھنے شاہ بخاری پریشان ہوئے۔ تو حضرت بری امام نے گائے کے پاس جا کر فرمایا۔ کہ یہ ہمارے مہمان ہیں۔ ان کی امانت واپس کر دو۔ تو گائے نے شیر منہ سے نکال کر باہر پھینک دیا اور مرغ کو حکم دیا تو اس نے بھی سانپ باہر پھینک دیا اور وہ دونوں از سر نو زندہ ہو گئے۔

نور پور شاہان کی شمالی پہاڑیوں کے ساتھ ایک جگہ لوئی دندی کے نام سے مشہور ہے جہاں ایک لمبا سا پتھر پہاڑی کے ساتھ معلق ہے جس کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے۔ کہ وہ ایک دیو تھا۔ حضرت بری امام کی عبادت میں مخل ہوتا تھا۔ آپ نے اسے کئی مرتبہ منع فرمایا مگر باز نہ آیا۔ ایک روز آپ کو غصہ آیا۔ آپ مصلے سے اٹھے اور دیو کو گردن سے دبوچ کر ہوا میں اچھال دیا۔ وہ دیو اوندھے منہ گرا اور پتھر بن گیا۔ جو اب بھی موجود ہے۔

۱۲۔ آپ کے سامنے جھوٹ بولنے کا انجام: روایت ہے کہ آپ نے موضع باغ میں ایک کھیت کسی مزارعہ

کو بٹائی پر دے رکھا تھا۔ اس میں ایک مرتبہ اس نے ماش کی فصل بوئی۔ جب فصل پختہ ہوئی تو مزارعہ کی نیت میں فتور پیدا ہوگیا۔ اور وہ ساری فصل اٹھا کر اپنے گھر لے گیا اور آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہہ دیا کہ فصل میں کچھ نہیں ہوا۔ آپ خاموش رہے کچھ دنوں کے بعد آپ مزارعہ کے گھر تشریف لے گئے۔ اور فرمایا کھانا لاؤ۔ جب مزارعہ کھانا لایا۔ تو اس میں ماش بھی موجود تھے۔ آپ نے دریافت فرمایا۔

یہ اس قدر اچھے ماش کہاں سے لائے ہو۔ مزارعہ نے جواب دیا۔ وساوری ہیں آپ نے پھر پوچھا سامنے والی کوٹھری میں جو بوریاں پڑی ہیں۔ ان میں کیا بھرا ہے مزارعہ نے جواب دیا۔ بس کنکریاں بھری ہیں۔ آپ خاموش ہو گئے۔ اور کھانا کھانے کے بعد آپ واپس تشریف لے گئے مزارعہ آپ کے کشف و کرامات سے واقف تھا۔ جب آپ تشریف لے گئے۔ تو وہ کچھ گھبرایا اور اس نے بوری کو کھول کر دیکھا تو اس میں سوائے کنکروں اور پتھروں کے کچھ نہ تھا۔ اب اس نے دوسری بوری کھولی اس میں بھی کنکر اور پتھر نکلے یہاں تک کہ اس نے اناج کی کوٹھری خالی کر دی اور سب بوریوں سے کنکر اور پتھر برآمد ہوئے۔ مزارعہ جھوٹ بولنے اور آپ کو دھوکہ دینے پر سخت نادم و پریشان ہوا۔ اور فوراً آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر معافی مانگی آپ نے اُسے جھوٹ اور فریب سے ہمیشہ پرہیز کرنے کی تلقین کی اور معاف کر دیا۔ جو ماش کنکریاں اور پتھر بنے تھے۔ وہ آج تک موضع باغاں کلاں میں بری امام کے والد شاہ محمود کے مزار کے قریب پڑے ہوئے ہیں۔

۱۳۔ بہادر شاہ اول کی ملاقات: ایک روایت بیان کی جاتی ہے کہ ایک مرتبہ شہنشاہ دہلی بہادر شاہ اول آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ کی خدمت میں زر و جواہر پیش کیے۔ آپ نے فرمایا مجھے زر و جواہر کی ضرورت نہیں۔ یہ چیزیں دنیا کے کتوں کے لیے ہیں۔

بہادر شاہ اول دل میں خفا ہوا اور پھر اصرار کیا اس پر آپ نے فرمایا تو دل میں فاسد خیال رکھتا ہے۔ میں تیرے زر و جواہر کو ریت کے ذروں کے برابر بھی نہیں سمجھتا۔ بہادر شاہ

نے اپنی زندگی میں کبھی ایسی گفتگو نہیں سنی تھی۔ بزرانا شاہ بالز رکھتا وہ کچھ رنجیدہ ہو گیا۔ اس پر آپ نے فرمایا۔ اے شاہ اپنی آنکھیں بند کرو اور مراقبے میں جاؤ بہادر شاہ مراقبے میں گیا۔ تو یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ شاہ عبداللطیف کے مصلے کے نیچے بے انداز دولت اور زر و جواہر کے انبار لگے ہوئے ہیں۔ یہ دیکھ کر بادشاہ بڑا پشیمان ہوا۔ اور معافی کا خواستگار ہوا۔ اس موقع پر آپ نے فرمایا جس میں آپ نے بتایا کہ دینا کے زر و جواہر سے زیادہ قیمتی وہ جواہر ہیں جو عبادت خداوندی سے حاصل ہوتے ہیں۔ آپ نے بہادر شاہ کو تلقین فرمائی کہ وہ ارکان اسلام کو قائم رکھے اور دین کے اصولوں کو فروغ دے۔

آپ نے نصیحت فرمائی کہ ناچ رنگ سے بچے۔ شراب کو حرام سمجھے۔ جوئے اور زنا کے گناہ عظیم سمجھ کر اس سے دور رہے۔ اور اپنی رعایا کو بھی برائیوں سے بچائے۔

۱۱۔ **شہزادہ عالمگیر اور حضرت امام بری**: شاہ جہان بادشاہ کسی مہم پر ہزارہ کے دورے پر آیا ہوا تھا۔ یہاں حاسدین نے امام بری سرکار کی بڑھتی ہوئی مقبولیت کو بادشاہ کے لیے خطرہ ثابت کرنے کی کوشش کی۔ بادشاہ بھی لوگوں کی باتوں میں آگیا اور اس نے ایک فوج تیار کی جو حضرت امام بری کی خانقاہ پر جا کر ان کو اور ان کے معتقدین کو گرفتار کرنے پر متعین کی گئی۔ اس کام کے لیے بادشاہ نے شہزادہ اورنگ زیب کی ڈیوٹی لگائی۔ اورنگ زیب آپ کی درس گاہ پر فوج لے کر پہنچ گیا۔ مگر آپ نے اس کی آمد کی بالکل پروا نہ کی اور نہ ہی فوج سے گھبرائے بلکہ قرآن مجید کی درس و تدریس میں مشغول رہے۔ شہزادہ بڑا متاثر ہوا کہ یہ واقعی کوئی درویش انسان ہے جس نے نہ صرف میری آمد کی پرواہ کی بلکہ فوج سے مرعوب نہیں ہوا۔ آپ نے شہزادے کی دلی کیفیت کو فوراً بھانپ لیا۔ قرآن مجید کی ایک آیت تلاوت فرمائی جس کا ترجمہ یہ تھا۔ بے شک اللہ کے ولی کسی خوف اور حزن و ملال سے نہیں ڈرتے۔ اس آیت کے بیان کے بعد آپ دوبارہ درس و تدریس میں مشغول ہو گئے۔ شہزادہ کھڑا آپ کو

دیکھتا رہا۔ اب شہزادے نے بھی ایک آیت تلاوت کی جس میں اللہ اور رسول کی اطاعت کے علاوہ حاکم وقت کی اطاعت کا بھی حکم دیا گیا تھا۔

آپ نے جواباً فرمایا۔ "میں اللہ اور رسول کی اطاعت میں غرق ہوں امیر کی پرواہ کس طرح کروں۔" پھر آپ نے درس دیتے ہوئے فرمایا۔ "اللہ تعالےٰ کے لیے تمام تعریفیں ہیں جو لائق حمد و ثنا رہے۔ وہ ہر چیز پر قادر و قابض ہے۔ اس کا نور چہار سو ہے۔ اس کا کوئی شریک و ثانی نہیں، وہ ہر برائی اور عیب سے مبرا اور پاک ہے۔

اس کے بعد شہزادے نے آپ سے دعا کروائی۔ آپ نے اس کے حق میں تفصیلی دعا کی۔ اس کو دعا کی اہمیت کے متعلق بتایا اس ضمن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات بیان کیے کہ اللہ تعالیٰ کو دعا سے زیادہ کوئی چیز پسند نہیں۔ جو شخص اللہ سے دعا نہیں مانگتا اللہ اس پر غضب ناک ہوتا ہے۔ دعا مومن کا ہتھیار ہے اور دعا قبولیت کا یقین رکھ کر مانگنی چاہیے۔ شہزادے نے دعا کے قبول نہ ہونے کے بارے میں بھی آپ سے بات کی اس کا جواب دیتے ہوئے آپ نے فرمایا۔" اکل حلال دعا کی قبولیت کے لیے سب سے بڑی چیز ہے، حدیث شریف میں آیا ہے کہ ایک مرتبہ ایک صحابی نے حضورؐ سے عرض کی۔" آپ میرے لیے دعا فرما دیجئے میری دعائیں قبول نہیں ہوتیں۔ آپ نے اس سے فرمایا۔

" اکل حلال کا بندوبست کرو کیونکہ دعا کی استجابت رزق حلال سے ہوتی ہے لقمہ حرام سے چالیس روز تک دعا قبول نہیں ہوتی۔ دوسری بات استغفار کی ہے۔ انسان عیوب کا اعتراف اور کمزوریوں کا اقرار کرکے استغفار کرے اور آئندہ کے لیے محتاط روی سے کام لے تو بھی دعا قبول ہو جاتی ہے۔ اور اگر انسان اپنی مذموم حرکات پر بھی قائم رہے اور دعا بھی کرتا رہے تو پھر دعا قبول نہیں ہو سکتی وقت ضائع ہو سکتا ہے۔" پھر آپ نے اس کے بعد شہزادے اورنگ زیب کو خوشخبری دی کہ تم ہندوستان کے بادشاہ بنو گے مگر یاد رکھو جب تک تم رزق حلال نہیں کماؤ گے اپنی اولاد کو پاک اور اچھی روزی نہیں کھلاؤ گے۔ تمہاری دعا ہرگز قبول نہیں ہوگی۔ اورنگ زیب پر آپ کی حکیمانہ باتوں

کا بہت اثر ہوا۔ اس نے بادشاہت سے پہلے اور بادشاہت کے بعد ہمیشہ قرآن حکیم کی کتابت کر کے روزی کمائی اور رزق حلال کھایا۔ آپ نے اورنگ زیب کو یہ بھی تلقین کی کہ رعایا کے ساتھ انتہائی محبت اور شفقت کا سلوک کرنا بادشاہ کو بڑی تقویت پہنچاتا ہے اور ایسے بادشاہ سے ہی حکومت کو دوام ملتا ہے جو اپنی رعایا میں مقبول ہو۔ ایک اور روایت میں ہے کہ اورنگزیب خود کچھ خدام کے ہمراہ بطور ہدیہ و نذرانہ کچھ جواہرات ایک عصا اور ایک تسبیح لے کر حضرت بری امام کے پاس حاضر ہوا۔ اس وقت آپ طلباء کو سبق پڑھا رہے تھے۔ شہزادہ اورنگ زیب مع خدام کھڑا رہا۔ آپ نے کچھ توجہ نہ کی اور بدستور درس دیتے رہے خدام تو اُن کی یہ بے پروائی دیکھ کر سیخ پا ہو گئے۔ لیکن اورنگ زیب کا عقیدہ پختہ ہو رہا تھا۔ پھر جب آپ پڑھائی سے فارغ ہوئے تو ملاقات کا شرف بخشا اورنگ زیب نے نذرانہ پیش کیا۔ تو آپ نے فرمایا۔ آپ کی سلطنت میں کئی محتاج یتیم اور بیوگان ہیں۔ یہ جواہرات ان کو دیجئے۔ ہمارا وقت خدا کے فضل و کرم سے گزر رہا ہے اور عصا بھی واپس دے دیا۔ ساتھ ہی فرمایا کہ یہ عصائے حکومت سمجھو جب اللہ تعالٰے تمہیں حکومت دے تو عدل و انصاف سے حکومت کرنا ظلم نہ کرنا۔ تسبیح کے متعلق آپ نے فرمایا کہ دیکھو اس کے دانے رعیت کی مثال ہیں۔ اور امام بادشاہ کی مثال ہے۔ دانوں کا تعلق دونوں طرف سے امام کے ساتھ ہے اور اس نے سب کا بوجھ برداشت کیا ہوا ہے۔ بادشاہ کو بھی ایسا ہی ہونا چاہیے۔ الغرض اورنگ زیب جب یہ تمام منظر دیکھ کر واپس شاہ جہاں کے پاس پہنچا تو اس نے بادشاہ سے عرض کی کہ آپ کی تمام بادشاہی میں ان جیسا کوئی آدمی نہیں ہے جسے لوگ واجب القتل سمجھتے ہیں وہ اللہ تعالٰے کا ولی ہے اور دنیا سے بے نیاز ہے۔ تب شاہ جہاں کا غضب فرو ہوا۔ نیز روایت ہے کہ حضرت موصوف کو لنگر کے لیے جاگیر دینے کی پیشکش کی گئی تو آپ نے مسترد کر دی۔

شادی:- آپ نے ضلع ہزارہ کے ایک معزز خاندان کے سردار سید نور محمد کی صاحبزادی بی بی دامن خاتون سے شادی کی۔ اللہ نے آپ کو ایک لڑکی عطا کی جو کچھ ہی عرصہ کے بعد رضائے الٰہی سے وفات پا گئی اس سانحہ کے کچھ مدت بعد آپ کی اہلیہ بھی

اس دار فانی سے کوچ کر گئیں۔ آپ نے دوسری شادی نہ کی اور عائلی پابندیوں اور ذمہ داریوں سے آزاد ہو کر اپنا سارا وقت خدا کی راہ میں گزارنا شروع کر دیا۔ آپ نے اپنی زندگی کا ایک باب بطور سالک گزارا جب کہ دوسرا دور آپ نے مجذوب کے طور پر گزارا۔ آپ کی زندگی اتباع رسول کا ایک انمول نمونہ تھی۔ آپ نے پوٹھوہار کے خطہ میں رشد و ہدایت کے وہ چراغ روشن کیئے کہ تمام علاقے کی کایا ہی پلٹ گئی۔ آپ نے بے لوث دینی خدمت سرانجام دی۔ آپ کے دم قدم سے کفر اور ظلمتوں کے بادل چھٹ گئے۔ آپ نے لوگوں کو جہاں اخلاقی، اسلامی اور مذہبی تعلیم دی۔ وہاں تصوف اور روحانیت کے جام بھی لنڈھائے آپ ایک انقلاب آفریں ہستی تھے۔ آپ کی نادر روزگار درسگاہ نے اسلام کو بہت ترقی دی۔ آپ نے اسلام کی حقیقی خدمت کر کے خدا کی رضا حاصل کی۔

۱۶۔ **وصال:-** حضرت شاہ لطیف بری قادری رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۱۱۷ھ میں وفات پائی۔ آپ کو نور پور شاہاں میں سپرد خاک کیا گیا۔ جہاں بعد میں آپ کا مزار اقدس پختہ تعمیر کیا گیا۔ یہ مزار نور پور شاہاں اسلام آباد میں زیارت گاہ خاص و عام ہے

حضرت سیّد بلّھے شاہ قادریؒ

حضرت بلھے شاہ مشہور صوفی بزرگ تھے جنہوں نے زہد و تقویٰ کشف و کرامات اور صوفیانہ شاعری کی وجہ سے شہرت دوام پائی ہے۔

۱۔ آبائی وطن: بلھے شاہ کا آبائی وطن علاقہ بہاول پور کا ایک مشہور گاؤں اُچ گیلانیاں تھا۔ کتاب تاریخ الاصفیا، جو بلھے شاہ کے مرشد شاہ عنایت قادری شطاری لاہوری کی خاندانی تصنیف ہے۔ اس میں ان کا سلسلہ نسب چودھویں پشت میں حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی سے جا ملتا ہے۔

تاریخ اُچ میں مولانا حفیظ الرحمان بہاول پوری نے گیلانی سادات کا ذکر کرتے ہوئے بلھے شاہ کا سلسلہ نسب حضرت شیخ عبدالوہاب فرزند حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کے توسط سے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی تک پہنچایا ہے۔

میر بلھے شاہ کے اجداد میں جو بزرگ سب سے پہلے ۸۸۷ھ میں حلب سے آکر اُچ میں آباد ہوئے، وہ حضرت شیخ بندگی محمد غوث تھے۔

۲۔ والد گرامی: حضرت بلھے شاہ کے والد بزرگوار کا اسم گرامی حضرت سید سخی شاہ محمد تھا۔ آپ ایک درویش صفت ممتاز عالم دین تھے اور عبادت الٰہیہ میں مشغول رہتے تھے۔ آپ نے اسلام کی سربلندی کے لیے خاندانی روایات کو برقرار رکھا۔

۳۔ پیدائش: حضرت بلھے شاہ کی ولادت ۱۶۸۰ء بمطابق ۱۰۹۱ھ میں ہوئی۔ خوش نصیب والدین نے اپنے لخت جگر کا نام عبداللہ شاہ رکھا۔

موضع اُچ گیلانیاں میں حضرت بلھے شاہ نے بچپن کی یہ پہلی

۴ ۔ بچپن کا ایک واقعہ : چھ بہاریں گزاریں۔ اسی عمر میں آپ کے انداز طبع سے حُبِ الٰہی کے آثار ہویدا ہونے لگے تھے جو اہل بصیرت کی نگاہوں سے چھپے نہ رہے۔

ایک دن آپ اپنے ہم جولیوں کے ساتھ گاؤں سے باہر کھیل کود میں مشغول تھے اور چینا کا کھیل کھیلا جا رہا تھا۔ اس زمانہ میں چینا اور سوانک کا اناج عام پیدا ہوتا تھا اور اس کے دانے کوٹنے اور چھڑائی سے الگ کیے جاتے تھے۔ چونکہ یہ غذائی اجناس تھیں۔ اس لیے کھانے میں استعمال ہوتی تھیں۔ دیہاتی تفریح طبع کے مشاغل بھی ان کی جھلک پائی جاتی تھی اور ان کے نام لوک گیت کا روپ دھار چکے تھے۔ آج کل بھی شہری تہذیب سے نا آشنا دور دراز علاقوں میں ان روایات کا نشان ملتا ہے۔ غرض حضرت بلھے شاہ بھی ان تفریحات میں معروف تھے کہ ان کے والد محترم انہیں تلاش کرتے ہوئے ادھر آ نکلے انہوں نے دیکھا کہ معصوم بچہ ہاتھ میں تسبیح لیے یہ گیت گا رہا تھا۔

لوکاں دیاں جب مالیاں تے بابے داجپ مال
ساری عمر امالا پھیری اِک نہ کھتھا وال
چلینا نج چھڑیندا

(لوگوں کا مال کھاتے رہے اور جو کچھ اللہ نے دیا وہ بھی خود کھا لیا یعنی راہ خدا میں خرچ نہ کیا، ایسی حالت میں ساری عمر تسبیح پھیرتے رہے اور کچھ بھی حاصل نہ ہوا یعنی اللہ کی خوشنودی سے محروم رہے۔

رمز شناس باپ تو عمر گوشہ جگر کے عارفانہ طنز سے بہت متاثر ہوئے اور وجد میں آکر جھومنے لگے۔ معرفت کی یہ پہلی چنگاری تھی جس نے معصوم دل کی کائنات میں روحانیت پیدا کی۔

اُچ گیلانیاں میں حضرت سید شاہ محمد کے لیے حالات کچھ ساز گار نہ رہے اور بعض مجبوریوں کی بنا پر انہیں ترک وطن کرنا پڑا۔ چنانچہ آپ نے گھر کا اثاثہ سمیٹا۔ اہل دعیال کو

ساتھ لیا اور کسی نئے مقام کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے۔ساہی وال کی سرزمین نے خستہ حال کنبہ کا خیر مقدم کیا۔مہاجرین کو ایک گاؤں ملک وال پسندِ خاطر ہوا۔لوگ اچھے اور متواضع دکھائی دیئے۔پس وہیں بودوباش اختیار کر لی۔آہستہ آہستہ ان کے علم و فضل کا چرچا ہوا تو وہ ہر دلعزیز ہو گئے۔وہاں انہیں ہر طرح کی سہولتیں اور آسائشیں حاصل تھیں اور ان کی نیک شہرت نواحی علاقوں میں بھی پھیل گئی تھی۔

ملک وال کے نواح میں ایک گاؤں تلونڈی واقع تھا جس کے قریب ہی ایک اور گاؤں پانڈو کے بھٹی نیا نیا آباد ہوا تھا جسے ایک شخص پانڈو چودھری نے بڑی محنت و کاوش سے بسایا تھا۔جب اسے سید سخی شاہ محمد کی علمیت اور درویشی کا علم ہوا تو چودھری پانڈو فوراً ملک وال آگیا۔شاہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنا مدعا عرض کیا۔شاہ صاحب مان گئے اور اہل و عیال سمیت ملک وال کو چھوڑ کر پانڈو کے بھٹی میں آباد ہو گئے۔

پھر حضرت سید شاہ محمد نے نئی مسجد میں قرآنی تعلیمات کا سلسلہ شروع کر دیا اور فرائض امامت ادا کرنے لگے۔جس سے پانڈو کے بھٹی ایک دینی مرکز بن گیا۔

۵۔ بچپن کی کرامت: حضرت بلھے شاہ کا اس وقت لڑکپن کا عالم تھا مویشیوں کی دیکھ بھال آپ کے سپرد تھی۔آپ ہر روز انہیں گاؤں سے باہر چراگاہوں میں لے جاتے اور شام کو واپس لے آتے تھے۔

ایک دن حسب معمول حضرت بلھے شاہ نے مویشیوں کو چراگاہ میں چھوڑ دیا۔خود ایک درخت کے سایہ میں استراحت کی غرض سے لیٹ گئے اور جلد ہی گہری نیند سو گئے۔

اس اثنا میں مویشی چرتے ہوئے چراگاہ سے باہر نکل کر قریب ہی چینا کے ایک کھیت میں گھس گئے اور فصل کو اجاڑنے لگے۔کھیت کے مالک جیون خان نے دور سے جو یہ ماجرا دیکھا تو غصے سے آگ بگولا ہو گیا دوڑا دوڑا آیا۔اِدھر اُدھر دیکھا۔چرواہے کی تلاش میں اس درخت کے قریب پہنچ گیا جہاں حضرت بلھے شاہ محو خواب تھے لیکن وہ

یک دم یہ منظر دیکھ کر خوف زدہ ہو گیا کہ ایک بڑا ناگ اپنے پھن سے حضرت بلھے شاہ پر سایہ کیے ہوئے ہے اور وہ بے حس و حرکت پڑے ہیں۔

جیون خان سمجھا کہ ناگ نے اُن کا خون پی لیا ہے جس سے اُن کی موت واقع ہو گئی ہے۔ وہ پریشان حال تیزی سے گاؤں گیا اور ان کے والد سخی شاہ محمد کو بتایا کہ اُن کا بیٹا جنگل میں درخت کے نیچے مردہ پڑا ہے۔ شاہ صاحب نے کہا اسے کس نے قتل کیا تو جیون خان نے کہا کہ قاتل پاس ہی بیٹھا ہے آپ خود جا کر دیکھ لیں۔

شاہ صاحب اور گاؤں کے دوسرے لوگ جیون خان کے ساتھ جائے وقوعہ پر پہنچے اور یہ منظر دیکھا تو وہیں ٹھہر گئے مگر شاہ صاحب آگے بڑھ آئے۔ ناگ آہٹ پا کر بھاگ گیا اور حضرت بلھے شاہ بیدار ہو کر اُٹھ بیٹھے۔

شاہ صاحب پیار بھرے لہجہ میں بیٹے سے مخاطب ہوئے اور کہا "دیکھو بیٹا ہم پردیسی ہیں۔ لوگ تمہاری شکایت کر رہے ہیں کہ تم نے ہری بھری فصلوں کو اُجاڑ دیا ہے۔

بلھے شاہ بولے۔ میں نے کسی کی فصل تباہ نہیں کی۔

اب شاہ صاحب نے جیون خاں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا، وہ کہتے ہیں کہ ان کی چینا کی فصل بالکل برباد ہو گئی ہے۔ بیٹے نے جواب دیا، کون کہتا ہے، آپ چل کر دیکھ لیں۔ اس پر جیون خاں لوگوں کو کھیت کے پاس لے گیا مگر یہ دیکھ کر ان کی حیرانی کی حد نہ رہی کہ فصل پہلے سے بھی زیادہ سرسبز و شاداب کھڑی تھی اور تباہی کی کوئی علامت نظر نہ آتی تھی۔

جیون خان کو حیرت ہوئی کہ اجڑی ہوئی کھیتی پھر کیسے اصلی بلکہ بہتر حالت پر آ گئی۔ اُسے اس میں حضرت بلھے شاہ کی کرامت نظر آئی۔ اس سے پہلے وہ ناگ کا منظر دیکھ چکا تھا لہٰذا اس وقت سے وہ حضرت بلھے شاہ کا معتقد ہو گیا

بعض تذکروں کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ نے مسجد کوٹ قصور میں درسی تعلیم حاصل کی اور آپ کے معلم خواجہ حافظ غلام مرتضیٰ قصوری ایک جید عالم و فاضل تھے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ مشہور عالم کتاب ہیر کے مصنف حضرت سید وارث شاہ نے کبھی اسی عظیم استاد کے سامنے زانوئے ادب تہ کیا تھا۔ گویا حضرت بلھے شاہ اور حضرت وارث شاہ ایک ہی اُستاد کے ہونہار شاگرد تھے۔ دونوں سفینہ علم کے مسافر تھے۔ لیکن ان کی منزلیں جدا جدا تھیں۔

بہر حال حضرت بلھے شاہ علوم ظاہری سے فارغ ہوئے تو اُن کے ذوق بصیرت کو اور بھی جلا ملی۔ وہ عربی فارسی اور ہندی میں کافی دسترس رکھتے تھے۔

فاضل اُستاد نے اپنے شاگردوں کو فارغ کرنے کے بعد بھی یاد رکھا جیسا کہ ایک موقع پر وہ خود ارشاد فرماتے ہیں۔

"مجھے دو شاگرد عجیب ملے ہیں ایک بلھے شاہ جس نے علم حاصل کر کے سارنگی پکڑ لی، دوسرا وارث شاہ جو عالم بن کر ہیر رانجھا کے گیت گانے لگا۔"

حضرت بلھے شاہ نے بعد میں بھی اپنے استاد سے تعلق قائم رکھا اور جب وہ مستقل طور پر قصور میں آگئے تو کبھی کبھار ان کی خدمت میں آداب بجالاتے تھے۔

۶۔ مرشد کامل کی تلاش: درسی تعلیم حضرت بلھے شاہ کو مطمئن نہ کر سکی، آپ کی نگاہ بصیرت حقیقت کی متلاشی تھی اور آپ کسی مرشد کامل کا دامن تھامنا چاہتے تھے۔ جو توحید کی مے سے انہیں سرشار کر دیتا۔

اس زمانہ میں حضرت شاہ عنایت قادری شطاری لاہور میں مسند ولایت پر جلوہ افروز تھے۔ آپ پہلے قصور میں اشاعت اسلام میں مصروف رہے اور عوام کو نیک کاموں کی تلقین و ہدایت کرتے رہے پھر لاہور تشریف لے آئے اور بقیہ زندگی یہیں گزار دی۔

حضرت شاہ عنایت قادری کے زہد و تقدس کا شہرہ دور دور تک پھیلا ہوا تھا۔ قلبی اور روحانی سکون کے طالب آپ سے فیض پاتے تھے۔ حضرت بلھے شاہ نے اُن کے ہاتھ پر بیعت کی اور فنافی الشیخ کی منزل تک پہنچ گئے۔

۷. حضرت شاہ عنایت تک رسائی: حضرت شاہ عنایت قادری تک حضرت بلھے شاہ کی رسائی کا واقعہ بڑا عجیب و غریب ہے۔ کہا جاتا ہے کہ جب آپ مرشد کامل کی تلاش میں سرگرداں پھر رہے تھے تو ایک دن آرام کی خاطر کسی درخت کے ٹھنڈے سایہ میں لیٹ گئے۔ کچھ تھکے ماندے تھے نیند آ گئی۔ عالم خواب میں آپ کو اپنی پانچویں پشت کے بزرگ حضرت سید عبد الحکیم کی زیارت ہوئی۔ انہوں نے پیاس کی حاجت ظاہر کی۔ آپ نے دودھ کا بھرا ہوا ایک پیالہ پیش کیا۔ انہوں نے تھوڑا سا خود پیا، باقی آپ کو پلا دیا۔ جس سے آپ کا سینہ نورِ بصیرت سے بھر گیا۔ پھر آپ کے حق میں دعا فرمائی۔ نیز ہدایت کی کہ کسی مرشد کامل کی اطاعت اختیار کرو۔

آپ جب بیدار ہوئے تو گھر آ کر والد بزرگوار کی خدمت میں سارا ماجرا بیان کیا انہوں نے کہا تمہیں انہی کا دامن پکڑ لینا چاہیے تھا۔ رات کو پھر اسی بزرگ کی زیارت ہوئی۔ انہوں نے اپنا مدعا عرض کیا تو بزرگ نے حضرت شاہ عنایت قادری کی بیعت کرنے کی بشارت دی۔

اب بے چین بیٹے نے شفیق باپ سے لاہور جانے کی اجازت مانگی جو انہیں فوراً مل گئی۔ لیکن ساتھ ہی نصیحت ہوئی کہ مرشد کی بارگاہ میں ادب و احترام اور عجز و انکساری کے ساتھ رہنا۔

حضرت بلھے شاہ سفر پر روانہ ہوئے تو دل میں خیال گزرا کہ عالی نسب ہوں مرشد کو سایہ عاطفت میں جگہ دینے میں کیا عذر ہو گا۔ غرض کہ لاہور پہنچ گئے۔ اور حضرت شاہ عنایت کی بارگاہ میں حاضر ہوئے (حضرت شاہ عنایت اونچی مسجد بھاٹی دروازہ کے امام تھے) اور حرف مدعا زبان پر لائے۔

مولوی صاحب نے شاگردی کے طالب سے کہا۔ آپ تو خاندانی سید ہیں۔ میں باغبان کا بیٹا ہوں تمہیں کیا دے سکتا ہوں۔

حضرت بلھے شاہ بہت نادم ہوئے اور تن من سے اپنے تئیں ان کے سپرد کر دیا۔

شاہ عنایت آپ کے خلوص سے بے حد متاثر ہوئے۔ بیعت لی اور انہیں اپنے فیض سے نوازا۔

بیعت کے بعد مرشد نے آپ کو حکم دیا کہ وہ جا کر ریاضت کریں۔ آپ نے بسر و چشم اس ارشاد کی تعمیل کی اور دریائے چناب کے نواح میں یاد الٰہی اور وظائف میں مستغرق رہنے لگے حتیٰ کہ کھانے پینے کی سدھ بدھ نہ رہی۔ بعض دفعہ تو نوبت یہاں تک پہنچ جاتی کہ درختوں کے پتے کھا کر گزارا کرتے۔ تزکیہ نفس سے آپ کے قلب و نظر کو جلا ملی جس سے آپ عرفان کی چوٹیوں پر پہنچ گئے۔

حضرت بلھے شاہ نعتیہ کلام بڑے ذوق و احترام سے سنتے تھے۔

۸۔ **عشق رسول**: ایک دن آپ نے حضرت داتا گنج بخش کے مزار اقدس پر حاضری دی۔ وہاں تین عاشقان رسول سے ملاقات ہوئی۔ چوتھے آپ شامل ہو گئے۔ ہر ایک نے حضور سرورِ دو عالم کی شان میں اپنی اپنی زبان میں ہدیہ عقیدت پیش کیا ایک ایک قطعہ ملاحظہ ہو۔

بلغ العلیٰ بکمالہٖ	کشف الدجیٰ بجمالہٖ
حسنت جمیع خصالہٖ	صلوا علیہ و الہٖ

دوسرے نے خراج عقیدت پیش کیا۔

وصلی اللہ علی نورٍ کزو شد نورہا پیدا

زمیں از حب اور ساکن، فلک در عشق او شیدا

تیسرا عاشق رسول اس طرح نعت خواں ہوا۔

بطحا کا باشی من موہن	جا عرش پہ آ ئیو آنن میں
اب کا سے کہوں میں اے ری سکھی	جو دھوم تھی کون و مکان میں
جب وہ موہن انمول اٹھا	مکھ پر سے پردہ کھول اٹھا

لولاک لما تب بول اٹھا اس امی لقب کی شانن میں

حضرت بلھے شاہ نے بارگاہ رسالت میں نذرانہ پیش کیا۔

ہُن ہیں لکھیا سوہنا یار — جس وِچ حسن دا گرم بازار
پیارا پہن پوشاکاں آیا — آدم اپنا نام دھرایا
احد تے بن احمد آیا — نبیاں دا سر دار
ہن ہیں لکھیا سوہنا یار — جس وِچ حسن دا گرم بازار

اس محفل پاک سے حضرت بلھے شاہ گھر لوٹے تو بدن کے ہر رگ و پے میں حب رسول سما رہی تھی اور وہ دیار حبیب کی زیارت کے لیے بے چین ہو رہے تھے۔

حضرت بلھے شاہ کو ایک دفعہ حب رسول اکرم صلعم نے اتنا بے تاب کیا کہ ان کا جی چاہا، یک دم مدینہ منورہ جا کر روضہ اقدس سے جا لپٹوں۔ آخر مرشد کامل شاہ عنایت کی خدمت میں اپنا مدعا بیان کیا۔ آپ نے پوچھا کیوں جاتے ہو؟ حضرت بلھے شاہ نے جواب دیا کہ نبی کریم صلعم کا فرمان ہے۔ مَنْ زَارَ قَبْرِیْ فَکَاَنَّمَا زَارَنِیْ حَیًّا یعنی جس نے میری قبر کی زیارت کی گویا اس نے مجھے زندہ دیکھا۔ مرشد نے فرمایا۔ تین دن کے بعد جواب دیں گے۔

حضرت بلھے شاہ مرشد کی خدمت میں ٹھہر گئے۔ تیسرے روز خواب میں سرور دو عالم کی زیارت سے مشرف ہوئے۔

جب آنکھ کھل گئی۔ تو مرشد کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ وہ نماز تہجد ادا کر کے مراقبہ میں بیٹھے ہوئے تھے۔ ایک لمحہ کے بعد سر اٹھایا اور فرمایا۔ اب تمہارا مقصد حل ہو گیا حضرت بلھے شاہ نیاز مندانہ مرشد کے قدموں پر گر پڑے۔

۹۔ مرشد کی جدائی: حضرت بلھے شاہ کو اپنے مرشد شاہ عنایت قادری سے بے انتہا عقیدت تھی۔ ہر وقت ان کی خدمت میں حاضر رہتے۔ اگر کبھی کچھ عرصہ کے لیے جدائی ہوئی بھی تو عالم رویا میں زیارت ہو جاتی تھی۔

۱۰۔ چشم بینا: ایک دفعہ علاقہ پانڈو کے میں قحط پڑ گیا۔ لوگ تنگدست ہو گئے حضرت بابا بلھے شاہ نے اعلان کیا کہ وہ اپنے ڈیرے کا

فرش اونچا کرنا چاہتے ہیں جو شخص دن بھر مٹی ڈالے گا اُسے دو آنے یومیہ اُجرت ملے گی۔ چنانچہ بہت سے لوگ یہ کام کرنے لگے۔

آپ ہر روز شام کو مصلّے کے نیچے سے رقم نکال کر تقسیم کر دیتے۔ ایک رات دو آدمی آئے اور مصلے کے نیچے سے نقدی تلاش کرنے لگے۔ لیکن بسیار کوشش کے باوجود کچھ نہ ملا۔ دوسرے دن وہ حسب معمول مزدوروں کے ساتھ مٹی ڈالتے رہے۔ شام کو حضرت بُلھے شاہ نے اُن دو آدمیوں کو چار چار آنے دیئے جس پر دوسرے آدمیوں نے وجہ دریافت کی، آپ نے فرمایا۔ یہ بیچارے رات بھی مٹی کھودتے رہے ہیں اس لیے یہ دگنی مزدوری کے مستحق ہیں۔ وہ آدمی دل میں بہت پشیمان ہوئے۔

۱۱۔ **جلال:** موضع پانڈوکے ہی میں حضرت بلھے شاہ کے والدین نے سفر آخرت اختیار کیا۔ دو ہمشیرگان نے بھی یہیں داغ مفارقت دیا۔ صرف ایک بڑی ہمشیرہ خاندان کی نشانی رہ گئی۔

یہ وہ زمانہ تھا جب حضرت اورنگ زیب عالمگیر جنت کو سدھار چکے تھے اور مطیع حکومتیں حکمرانی کے خواب دیکھ رہی تھیں۔ سکھوں نے بھی اس موقع سے فائدہ اٹھایا اور پنجاب میں اپنی طاقت بڑھانے لگے۔

سکھوں کا ایک بڑا جتھہ ملتان پر حملہ کے لیے بڑھ رہا تھا۔ جب اس لشکر نے پانڈوکے کے قریب پڑاؤ ڈالا تو ایک سکھ سپاہی دو تین یوم کی رخصت لے کر اپنے قریبی گاؤں کو روانہ ہوا۔ پانڈوکے راستہ میں پڑتا تھا۔ وہ گھوڑے پر سوار گاؤں کے پاس سے گزرا تو چند نوجوانوں نے برا مانا۔ کیونکہ بالعموم سوار مسافر احتراماً آبادیوں میں سے اُتر کر گزرتے ہیں۔ انہوں نے سپاہی کو ٹوکا۔ بات تکرار تک پہنچی اور ہاتھا پائی تک نوبت آ گئی۔ سپاہی کی کچھ پٹائی بھی ہوئی۔ حضرت بلھے شاہ وہاں موجود تھے۔ اُنہوں نے بیچ بچاؤ کر کے سپاہی کو چھڑا لیا۔ اُسے گاؤں کی حد سے باہر لے گئے اور گھوڑے پر سوار کر کے وداع کر دیا۔

واپس آئے تو لوگ ان پر سخت ناراض ہوئے اور اشتعال پر اُتر آئے۔ چودھری پانڈو اور اس کے بھائی سدھار کی اولاد نے آپ پر اینٹ روڑے برسائے جس سے آپ زخمی ہو گئے۔ چودھری پانڈو نے بھی ہجوم کی حوصلہ افزائی کی مگر اس کا داماد شیخو جو حضرت بُلھے شاہ کا بڑا معتقد تھا، آڑے آیا اور مفسدوں کے ہاتھوں سے انہیں چھڑایا۔

حضرت بلھے شاہ اس واقعہ سے رنجیدہ ہوئے اور گاؤں چھوڑ کر ایک قریبی موضع دنتوہ میں رہنے لگے۔

اب پانڈو کے کے لوگ اپنی حرکت پر پشیمان ہوئے۔ چودھری پانڈو، اس کا بھائی سدھار اور داماد شیخو آپ کو منا کر واپس لانے کے لیے پہنچے۔ آپ نے انکار کیا انہوں نے زبردستی لے جانا چاہا اور بازوؤں سے پکڑ کر کھینچا اس پر آپ جلال میں آ گئے اور فرمایا۔

بُلھا جے توں غازی بنائیں لک بنھ تلوار
پہلوں رنگڑ پانڈو کے مار کے پچھوں کافر مار
اُجڑ گئے پانڈو کے نگھر گیا سدھار
وسدا رہے شیخو پورہ لگی رہے بہار

اللہ کے پیارے کے منہ سے نکلے ہوئے الفاظ قہر الٰہی بن گئے۔ سکھ سپاہی رخصت گزار کر جتھہ میں واپس پہنچا تو اس نے جتھیداروں کو آپ بیتی سنائی۔ چنانچہ سارا لشکر طیش میں آگیا اور ملتان جانے کی بجائے پانڈو کے پر آمڈ آیا۔ سپاہیوں نے گاؤں کو لوٹ لیا اور آبادی کو تہ تیغ کر دیا۔

۱۲۔ بُلھے شاہ قصور میں:

بُلھیا قصور بے دستورا او تھے جانا بنیاں ضرور
نہ کوئی پُن نہ دان ہے نہ کوئی لاگ دستور

لیکن وہاں (مرشد کے حکم سے) مجھے ضرور جانا پڑا ہے وہاں نہ کوئی نیک کام کرتا ہے نہ کوئی سخاوت کرتا ہے اور نہ ہی کوئی آئین نافذ ہے۔

آپ مرشد کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حکم ہوا کہ اب قصور میں قیام کرو۔ آخر حضرت بلھے شاہ ہمشیرہ کو ساتھ لے کر قصور آ گئے اور شہر سے باہر ایک تالاب کے کنارے ڈیرا جما دیا۔ یہ تالاب آج کل ریلوے سٹیشن کے قریب ہے آپ کے دو شاگرد حافظ جمال اور سلطان احمد مستانہ بھی ساتھ تھے۔

حضرت بلھے شاہ کے محاسن کا بھی چرچا ہونے لگا۔ آپ بیشتر وقت عبادت الٰہی میں گزارتے۔ گریہ زاری کرتے رہتے اور اکثر خاموش رہتے۔ پھر لنگر کا انتظام ہو گیا اور محفل سماع بھی گرم رہنے لگی جس سے عقیدت مندوں کا ہجوم لگا رہتا تھا۔

۱۳۔ منہ بولی ماں: آہستہ آہستہ حضرت بلھے شاہ کی شہرت قصور کے حکمران پٹھانوں کے ایوانوں تک جا پہنچی۔ محلات میں ایک ادھیڑ عمر بیوہ تھیں، وہ بڑے اہتمام کے ساتھ قیمتی تحائف لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ حضرت بلھے شاہ عالم شباب میں تھے، مردانہ جمال سے چہرہ دمک رہا تھا۔ خاتون دل ہی دل میں فریفتہ ہو گئیں۔

آپ اُن کی قلبی کیفیت کو پا گئے۔ جب وہ سامنے آئیں تو آپ نے منہ پھیر لیا وہ اس طرف ہوئیں تو آپ نے رخ دوسری طرف کر لیا۔ اس پر خاتون نے بے اعتنائی کی وجہ پوچھی اور ساتھ ہی اپنا حسب و نسب فخر کے ساتھ بیان کیا۔ آپ نے فرمایا آپ کا نذرانہ اس وقت قبول ہو گا جب آپ مجھے اپنا بیٹا سمجھیں اور میں آپ کو والدہ کہوں، خاتون کا دل صاف ہو گیا اور اس نے برملا کہا کہ میں تمہاری ماں ہوں اور تم میرے بیٹے۔

منہ بولی ماں نے بیٹے کا باہر رہنا گوارا نہ کیا۔ اندرون شہر آپ کے لیے شاندار دو پختہ مکانات تعمیر کروائے اور آپ نے وہاں رہائش اختیار کر لی مگر آپ صرف ایک حجرہ میں قیام کرتے تھے۔ باقی جگہ مریدوں کے تصرف میں تھی۔ باہر ڈیرے کے لیے بھی ایک مربعہ زمین مل گئی جہاں آپ حاضرین کو نصیحتیں فرماتے، حاجت مندوں کے لیے دعائیں مانگتے اور سماع سے محفوظ ہوتے۔

۱۴۱۔ تیرے عشق نچایا کر تھیا تھیا: حضرت بلھے شاہ کو اپنے محترم استاد مولانا حافظ غلام مرتضٰے سے بھی خاصا لگاؤ تھا۔ اور ان کی خدمت عین سعادت سمجھتے تھے۔

ایک بار حافظ صاحب کی ایک دختر نیک اختر کی تقریب عروسی تھی۔ حضرت بلھے شاہ بھی مدعو تھے۔ آپ کو مہمانوں کی خدمت پر مامور کیا گیا۔ شاگرد کی حیثیت سے آپ نے جملہ انتظامات میں نہایت خلوص اور تن دہی سے حصہ لیا۔ مہمانوں کی اتنی کثرت تھی کہ ایک لمحہ کی بھی فرصت نصیب نہ ہوئی۔

اتفاق سے اُس دن آپ کے روحانی مرشد حضرت شاہ عنایت لاہوری کے حقیقی بھتیجے اور داماد مولوی ظہور محمد صاحب خاص طور پر لاہور سے ملنے آئے۔ مولوی ظہور محمد صاحب اپنے خسر سے روحانی سلسلۂ تلمذ بھی رکھتے تھے اور اس لحاظ سے حضرت بلھے شاہ کے پیر بھائی بھی تھے۔

حضرت بلھے شاہ کو مہمان خصوصی کی اطلاع ہوئی تو آپ نے اپنے ایک درویش کو ہدایت کی کہ اُن کی خاطر مدارات میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی جائے۔ اور فرمایا کہ مہمانوں سے فارغ ہو کر میں اُن کی خدمت میں حاضر ہوں گا۔

اتفاق سے حضرت بلھے شاہ تمام رات شادی کے کام سے فرصت نہ پا سکے۔ اُدھر مولوی ظہور محمد صاحب اپنی جگہ ہمہ تن منتظر رہے۔ باہمی التفات کی بنا پر انہیں پوری توقع تھی کہ حضرت بلھے شاہ ضرور ملنے آئیں گے مگر وہ نہ آئے تو قدرتی طور پر دہ مایوس ہو گئے۔

صبح ہوئی تو مولوی ظہور محمد صاحب بلا اطلاع لاہور واپس چلے گئے اور اپنے خسر سے حضرت بلھے شاہ کی بے اعتنائی کی شکایت کی اور یہ تاثر دیا کہ انہوں نے غرور و تکبر کی وجہ سے مجھ سے ملنا کسرِ شان سمجھا۔ حضرت شاہ عنایت نے بھی اپنے چہیتے شاگرد کی غیر متوقع بے رخی کو سخت ناپسند کیا اور جلالت میں آ کر حضرت بلھے شاہ کو اپنے روحانی فیض سے محروم کر دیا۔

دلی کو دل سے راہ ہوتی ہے۔ حضرت بلھے شاہ نے فوراً محسوس کر لیا کہ اُن کا دامن مرشد کے فیض سے خالی ہو چکا ہے۔ چنانچہ آپ نے شادی کے کام دھندوں کو چھوڑا، اپنے ڈیرے پر آئے، درویشوں کو جمع کیا اور مستانہ سے خفا ہوئے، کہ مہمان کو جانے سے کیوں نہ روکا۔ انہوں نے بتایا کہ وہ نور کے تڑکے ہی کسی کو خبر دیے بغیر چلے گئے۔ حضرت بلھے شاہ نے اپنے ڈیرے کا انتظام مستانہ کے سپرد کیا اور قصور کو کچھ عرصہ کے لیے خیر باد کہہ دیا۔

بڑی دقتوں کے بعد آپ اپنے مرشد شاہ عنایت کے شطاری سلسلہ کے بزرگ شیخ محمد غوث گرالیاری کے مقبرہ پر حاضر ہوئے جو قلعہ گوالیار میں واقع ہے اور قریب ہی ہند کے نامور راگی تان سین کا مرقد بھی ہے۔ خواب میں آپ کو شیخ محمد غوث گوالیاری کی زیارت ہوئی جنھوں نے آپ کو عرفان کی دولت بخشی اور تان سین کی قبر پر بیری کے ڈھائی پتے کھانے کی ہدایت فرمائی۔

صبح آپ نے حسب فرمان تان سین کی قبر پر درخت سے پتے کھائے۔ جس سے آپ میں موسیقی کا کمال پیدا ہو گیا، اور آپ کی طبیعت کو سکون حاصل ہوا۔

گوالیار سے آپ قصور آئے اور ایک دن ٹھہر کر لاہور چلے گئے، وہاں اُن قوالوں سے ملے جو حضرت شاہ عنایت کی محفل میں عارفانہ کلام گایا کرتے تھے۔ آپ نے انہیں بتایا کہ آپ مغنیہ کے بھیس میں اپنے پیر کی بارگاہ میں رسائی حاصل کرنا چاہتے ہیں

قوالوں نے حضرت شاہ عنایت سے فرضی ہندوستانی مغنیہ کے فن موسیقی کی بہت تعریف کی اور پیش کرنے کی اجازت چاہی، حضرت شاہ عنایت بولے، ہم اس مغنیہ کو خوب جانتے ہیں اور جمعہ کے دن سماع کی اجازت دے دی۔

حضرت بلھے شاہ بہت خوش ہوئے۔ جمعہ کے روز آپ نے مغنیہ کا بھیس بدلا اور قوالوں کے ساتھ مرشد کی محفل میں جا پہنچے، مرشد کے فراق میں آپ نڈھال ہو چکے تھے قدم بوسی کی تمنا نے بے کل کر دیا تھا۔ جن مصائب کے ساتھ روٹھے پیر کو منانے کے لیے ہندوستان کا سفر کیا تھا اس سے آتشِ شوق اور بھی بھڑک اٹھی تھی۔

اس پر موسیقی کے فیض نے کلام میں سوز و درد کوٹ کوٹ کر بھر دیا اور بول کو جادو اثر بنا دیا تھا۔ پھر مرشد کو جلد از جلد منانے کا خیال بھی دل میں چٹکیاں لے رہا تھا لہٰذا آپ نے ایسے درد بھرے لہجہ میں گانا شروع کیا کہ ساری محفل تحسین و آفرین کی صداؤں سے گونج اٹھی۔ خود سازندوں نے بھی دل کی اس قدر گہرائیوں سے نکلے ہوئے بول کبھی نہیں سنے تھے۔

آپ نے محفل کا یہ رنگ دیکھا تو آپ اصل مقصد کی طرف آئے اور اپنی مشہور کافی گانا شروع کر دی۔

تیرے عشق نچایا کر تھیا تھیا
جھب وے بوہڑیں آ طبیبا
عشق ڈیرہ میرے اندر کیتا بھر کے زہر پیالہ پیتا
وچ انتظاری تیری رہیا
تیرے عشق نچایا کر تھیا تھیا
جھب وے بوہڑیں آ طبیبا نہیں تاں میں مر گییاں
تیرے عشق نچایا کر تھیا تھیا
تیرے عشق نچایا کر تھیا تھیا
بلھا شاہ عنایت آئے میرے بوہے شکر کیتا اج اوہ میرے ہوئے
میں بھل گییاں تیرے نال نہ گیی
تیرے عشق نچایا کر تھیا تھیا

جب آپ کافیاں گا چکے تو حضرت شاہ عنایت نے مغنیہ سے پوچھا، تو بلھا ہے آپ نے کہا میں بلھا نہیں بھلا ہوں یعنی بھولا بھٹکا ہوا ہوں۔

پیر نے آپ کو گلے سے لگا لیا۔ معرفت کا چھینا ہوا خزانہ واپس کر دیا اور کہا کہ اب یہ تمہاری مستقل دولت ہے۔ اسے کوئی نہیں چھینے گا۔

۱۵۔ شاعری: پیر بلھے شاہ پنجابی زبان کے عظیم المرتبت شاعر تھے، ایک طرف اُن کی ذات فیوض و برکات کا سرچشمہ تھی تو دوسری طرف اُن کی شاعری اپنے اندر اثر و تاثیر اور سوز و گداز کا ایک خزانہ لئے ہوئے تھی، انہوں نے جو کچھ کہا ہے اُس میں اپنا دل نکال کر رکھ دیا ہے، اُن کا ہر شعر روح کی گہرائیوں سے نکلتا ہے اور دل کی پہنائیوں میں اُتر جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اُن کے پاکیزہ نغموں سے پنجاب کے گاؤں، قصبے اور شہر گونج اُٹھے، ان کی شاعری کی شہرت اپنے وطن سے نکل کر دور دور پھیلی، بلھے شاہ کے کلام کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس سے تعلیم یافتہ طبقہ بھی لطف اندوز ہوتا ہے، اور ناخواندہ طبقہ بھی، ان کے اشعار میں لذت محسوس کرتا ہے۔

حضرت بلھےؒ شاہ اپنے پیر کو فنانی اللہ کا مقام دیتے ہیں۔

بلّھا شوہ دی ذات نہ کائی ۔۔۔ میں شوہ عنایت پایا ہے

(اے بلھیا اللہ کی کوئی ذات نہیں ہے اور مجھے اپنے پیر عنایت شاہ میں اللہ کا جلوہ نظر آتا ہے)۔

نہ تیرا اے نہ میرا اے ۔۔۔ جگ فانی جھگڑا جھیڑا اے
بناں مرشد راہبر کیہڑا اے ۔۔۔ پڑھ فاذکرونی اذکرکم

لب پر ہر وقت پیر کا نام جاری ہے۔

عنایت دم دم نال چتاریا ۔۔۔ سانوں آمل یار پیاریا

وحدت کے دریا میں پیر نے ناخدائی کی۔

جد میں سبق عشق دا پڑھیا ۔۔۔ دریا ویکھ وحدت دا وڑیا
گھمن گھیراں دے وچ اڑیا ۔۔۔ شاہ عنایت لایا پار

حضرت بلھےؒ شاہ کا کلام توحید باری تعالےٰ، فنافی اللہ، وحدت الوجود اور ہمہ اوست کی تفسیر ہے۔

حضرت بلھےؒ شاہ عشق الٰہی کو دشوار گزار منزل سمجھتے تھے۔ کیوں کہ

شان کبریائی بڑی بے نیاز ہے۔ وہاں بڑی سے بڑی قربانی اور نیک کمائی کا دعویٰ نہیں کیا جاسکتا۔

بھرواسا کی آشنائی دا | ڈر لگدا بے پرواہی دا
ابراہیم چِکھا وچ پائیو | سلیمان نوں بھٹھ جھکائیو
یونس مچھلی توں نگلائیو | پھر یوسف مصر وکائی دا

اللہ سے محبت کا بھروسہ نہیں، اس کی شان بے نیازی سے ڈر لگتا ہے، اس نے ابراہیم کو آگ میں ڈالا، حضرت سلیمان نے بھٹی میں ایندھن ڈالا، حضرت یونس کو مچھلی نے نگل لیا اور حضرت یوسف جیسے صاحب جمال مصر کے بازار میں فروخت ہوئے۔

توحید کا نکتہ وحدتِ خیال میں مضمر ہے۔ کثرت علوم میں نہیں۔

الف اللہ نال رتا دل میراؔ
مینوں "ب" دی خبر نہ کائی

میرا دل و یعنی وحدت سے بھرا ہے۔ مجھے "ب" یعنی دوسرے حرف کی ضرورت نہیں۔

وحدانیت اور یکتائی کا سبق صرف الف، (احد)۔ سے ہی مل سکتا ہے۔

علموں بس کریں او یار
علم نہ آوے وچ شمار
اِکّو الف تیرے درکار

۱۶۔ **وصال:** آپ کا وصال ۱۱۸۱ھ کے بعد ہوا اور آپ کو قصور میں دفن کیا گیا آپ کا مزار اقدس قصور میں مرجع خلائق ہے۔

حضرت مادھولال حسین قادری ؒ

حضرت حسین لاہوری کے آباؤ اجداد کا تعلق ہندوؤں سے تھا آپ کی والدہ ذات ڈھڈھا سے تعلق رکھتی تھیں اور والد کلس رائے ذات سے تھے یہ دونوں ہندوؤں کے ہاں ہیں آپ کے آباؤ اجداد میں سے کلس نامی فیروز شاہ کے عہد حکومت میں سب سے پہلے مشرف با اسلام ہوئے ان کی اولاد کلسرائی مشہور ہوگئی۔ کلس رائے کے ہاں جو مسلمان لڑکا پیدا ہوا اس نے اس کا نام عثمان رکھا، شیخ عثمان کپڑا بننے کا کام کرتے تھے۔ اسی لیے ڈھڈا مشہور ہو گئے۔ ڈھڈا جو لاہوں کی ایک ذات ہے۔

۱۔ **پیدائش:** شیخ عثمان کے گھر لاہور میں ایک لڑکا ۹۴۵ھ میں پیدا ہوا اس کا نام حسین رکھا۔ اور آپ واقعی جمال معرفت میں رنگے گئے۔ آپ کے والد اس زمانے میں ٹکسالی دروازے کے باہر محلہ تل بگھہ میں رہتے تھے۔

۲۔ **تعلیم و تربیت:** آپ کے والد ماجد شیخ عثمان نے آپ کو قرآن پاک کی تعلیم کے لیے شیخ ابوبکر کے درس میں بٹھایا شیخ ابوبکر ایک مسجد میں قرآن مجید پڑھایا کرتے تھے اور اپنے زمانے کے حافظ اور عالم دین تھے۔ آپ نے قرآن مجید کو حفظ کرنا شروع کیا اور ابھی چھ سپارے حفظ کیئے تھے کہ اسی زمانے میں جب آپ مکتب میں پڑھا کرتے تھے کہ ایک دن حضرت بہلول تشریف لائے۔ اس سے قبل حضرت بہلول حضرت امام علی رضا کے مزار پر تھے، اور وہاں سے لاہور تشریف لائے کیوں کہ۔ انہیں حکم ہوا تھا کہ لاہور جاکر حضرت حسین کو راہ حق پر گامزن کریں۔

۳۔ حضرت بہلول کی بیعت: مکتب میں حضرت بہلول دریائی نے آپ کے استاد حضرت حافظ ابو بکر سے پوچھا کہ اس لڑکے کا نام کیا ہے اور کیا پڑھتا ہے۔ آپ کے استاد نے جواب دیا کہ یا حضرت اس کا نام حسین ہے اور چھٹا سیپارہ حفظ کر چکا ہے، اب ساتواں شروع کر دے گا۔ بعد ازاں حضرت بہلول نے کہا کہ اس لڑکے کو کہو کہ ہمارے وضو کے لیے دریا سے پانی لائے۔ کہتے ہیں کہ حضرت حسین کا وہ مکتب انہیں کے محلہ میں تھا اور وہ محلہ بیرون دروازہ ٹکسالی لاہور متصل کنارہ دریائے راوی تھا۔ حافظ ابو بکر نے حضرت حسین کو کہا کہ جاؤ اس بزرگ کے لیے جلد دریا سے پانی لاؤ۔ حضرت حسین دریا پر گئے۔ اور کوزہ میں پانی بھر لائے حضرت شیخ بہلول نے اس پانی سے وضو فرما کر اس کے حق میں دعائے خیر کی کہ یا الہی اس کو فقیر عارف باللہ کر دے اور اپنا سچا عاشق بنا دے اس کے بعد حضرت چند روز لاہور میں رہ کر مشغول حال حضرت حسین رہے اور پھر حضرت حسین کو مرید بنا کر ان کی روحانی تربیت کرنے لگے۔ حضرت بہلول کچھ عرصہ آپ کے پاس رہے۔

۴۔ قرآن پاک کا سنانا: اس اثنا میں ماہ رمضان المبارک بھی نزدیک آیا اور حضرت بہلول نے حافظ ابو بکر سے فرمایا کہ نماز تراویح میں امام حسین ہو اور قرآن شریف سنائے۔ الغرض اوّل رمضان سے ششم حضرت حسین نے چھ سیپارے خواندہ نماز تراویح میں سنائے اور ساتویں روز حضرت نے مرشد کی خدمت میں مؤدبانہ عرض کی کہ یا مولیٰ جو قرآن مجھ کو یاد تھا میں سنا چکا ہوں۔ اب آگے کے لیے کیا حکم ہے، آپ نے فرمایا کہ تو نے اب تک پڑھا ہوا سنایا ہے کچھ عجیب نہیں دکھلایا، اب تجھے لازم ہے کہ بعد وضو نماز ادا کر اور پھر قرآن شریف پڑھتا ہوا لب دریا جا اور ہمارے لیے دریا سے پانی لے آ، لیکن جب کوزہ بھر چکے گا تو وہاں تجھے ایک شخص سبز پوش ملے گا۔ جو کچھ کہ وہ تم کو کہے، اس کو بجا لاؤ، انہوں نے ویسا ہی کیا۔

۵۔ حضرت خضر سے ملاقات: جب پانی بھر کے روانہ ہوئے تو ایک سبز پوش نورانی صورت شخص وہاں ظاہر ہوا۔

گفت کای کودک السلام علیک	ارسل اللہ الی وحیت الیک
خضر پیغمبرم مرا بشناس	تا نباشد بخاطرت وسواس
خاطر خویش جمعدار از من	بیقیں دان وشک منیار از من
حق فرستادہ ست بر تو مرا	کہ ترا علم بخوانانم
چوں توایں علم حق ز من خوانی	ہر چہ ناخواندہ ہمہ دانی
آب بے از شکرہ علم بے شکوہ	ریز در دست من ازیں کوزہ
با بریزم بکام تو آں آب	کشف گردد ز علم بر تو حجاب
ایں سخن چوں از دشنود حسین	سر بپائش نہاد زود حسین
گفت جان ودلم ازیں احسان	باد در زیر پائے تو قربان
آب ز کوزہ چہ بل از دل و جان	ریزم اکنوں اگر دہی فرمان
گفت خضرش کہ اے پسر زنہار	تو سر خود ز پائے من بردار

اور پھر فرمایا کہ میرے ہاتھ پر اس کوزہ سے پانی ڈال۔ حضرت حسین نے کوزہ سے ان کے ہاتھ پر قدرے پانی ڈالا اور انہوں نے اس میں سے قدرے پانی حضرت حسین کے منہ میں ڈالا۔

آب کز فیض دست خضر چشید	ہر چہ بودش نہاں عیاں ہمہ دید

پھر حضرت خضر نے ان کو حوالہ بخدا کر کے رخصت کیا اور فرمایا کہ اپنے شیخ کو ہمارا اسلام کہنا۔ جب حسین اپنے شیخ کے پاس آئے تو انہوں نے فرمایا کہ اس راز کو مخفی رکھنا، اس کے بعد کہا کہ اب رات کو امامت کرنا اور قرآن مجید پڑھنا۔ الغرض بتاریخ ۲۷ رمضان المبارک انہوں نے ختم قرآن کر لیا اور ناخواندہ کو بہتر از خواندہ پڑھ سنایا۔

القصہ حضرت حسین کو جناب الٰہی میں قرب کلی حاصل ہو گیا۔

۶۔ رخصت مرشد: جب حضرت بہلول حسب الحکم پیران عظام داماماں ہمام حضرت حسین کی تربیت کے لیے آئے اور ان کو کامل بنایا تو اس وقت بقول حضرت پیر محمد صاحب حقیقت الفقراء سال ۹۵۵ھ تھا۔ جب حضرت بہلول کو ان کی طرف سے کلی خاطر جمعی ہو گئی تو آپ نے حضرت حسین سے رخصت ہونا چاہا اور بوقت رخصت فرمایا کہ اے حسین یہاں لاہور میں جناب حضرت پیر مخدوم علی گنج بخش ہجویری کا مزار پر انور ہے جب ہم چلے جائیں تو ہماری مہاجرت صوری سے غم نہ کرنا ہم نے تم کو پیر علی گنج بخش ہجویری کی خدمت میں سپرد کیا ہے آپ کو لازم ہے کہ اُن کے دروازہ فیض بے اندازہ پر حاضر رہنا۔ تمہاری کشود کار بدرجہ کمال وہاں سے ہوگی، اور وہ راہ حق میں تمہارے مربی ہوں گے۔ اور تم کو جلد تر واصل اللہ کر دیں گے۔ یہ نصیحت فرما کر آپ روانہ وطن مبارک ہوئے۔

۷۔ زہد و مجاہدہ: حضرت حسین نے راہ حق میں عبادت کرنی شروع کی اور دریائے راوی کے کنارے یاد الٰہی میں مصروف ہو گئے حتیٰ کہ اسی طرح ان کے چھبیس[۲۶] سال زہد و ریاضت میں گزر گئے۔ اور اسی عرصہ کے دوران آپ نے موسموں کی بے حد سختیاں برداشت کیں۔ آپ رات کو قرآن پاک پڑھنا شروع کر دیتے اور صبح ہونے تک پورا قرآن پڑھ لیتے ختم قرآن کے بعد نماز صبح اور پھر اشراق پڑھ کر حضرت پیر علی گنج ہجویری المعروف داتا گنج بخش کے مزار اقدس پر حاضری دیتے آپ نے کبھی اس عرصہ میں نماز بے جماعت ادا نہ کی تھی، ہمیشہ نماز باجماعت ادا کیا کرتے تھے۔ اور بارہ برس تک حضرت کا یہ معمول رہا کہ آپ کے مزار پر قرآن پاک کی تلاوت میں مشغول رہے۔

رمضان المبارک میں ایک دن کا ذکر ہے کہ علی ہجویری کے مزار اقدس پر ایک نورانی پیکر نظر آیا آپ نے اس صورت نورانی دیکھ کر ان کی خدمت میں عرض کی کہ آپ کون ہیں اور آپ کا نام کیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ میرا نام علی ہجویری ہے۔ تو نے بارہ سال ہماری خدمت کی، اللہ نے تجھے ولی کامل کر دیا ہے جو تو کہے گا وہی ہو گا۔ اب تو توحید کے دریائے وحدت میں غرق ہو جائے گا۔ اس کے بعد بھی آپ آستانہ پیر ہجویر پر تلاوت قرآن کرتے

رہے ظہر کے بعد مدرسوں میں جاکر تا عصر تفاسیر قرآنی کی سماعت میں مشغول رہا کرتے اگرچہ تمام علم حضرت پیران پیر کی نوازش سے مکشوف ہوگیا تھا۔ بعد ازاں نماز عصر ادا کر کے مشغول اَوراد ہوتے اور تمام رات دریا میں کھڑے ہوکر ختم قرآن فرمایا کرتے تھے کافی عرصہ آپ نے اسی کیفیت میں گزارا۔ آخر عبودیت کو چھوڑ کر ربوبیت کے درجہ میں جا ملے اور فنافی اللہ ہوکر مستحق بقا ہوگئے۔

۸۔ حالت جذب و مستی: صاحب حقیقۃ الفقرا لکھتے ہیں۔ گشت از دید نقش چو مست حسین بے خود از جائے خویش جست حسین۔

شیخ حسین چھتیس برس کی عمر میں شیخ سعداللہ لاہوری سے تفسیر مدارک پڑھ رہے تھے کہ جب آیۃ وَمَا الحیٰوۃُ الدُّنیَا اِلَّا لَھُوٌ وَلَعِبٌ پر پہنچے تو استاد صاحب سے اسی کے معنے دریافت کیا۔ انہوں نے ظاہری معنے بیان فرمائے۔ آپ نے کہا مجھے قال مطلوب نہیں حال درکار ہے۔ یہ کہا اور سرمست حال ہوکر رقص و سرود کرنے لگے۔ اور کتاب تفسیر اٹھا کر کنوئیں میں ڈال دی۔ دوسرے طلبار نے اس پر اعتراض کیا ان کے مطالبہ پر آپ نے بزور کرامت کتاب نکال کر اُن کے حوالے کردی جو ویسی ہی خشک تھی جیتی کہ رقص و سرود کرتے ہوئے مسجد سے باہر آگئے۔

آپ کے ساتھی آپ کی یہ کرامت دیکھ کر حیران ہوئے اور اکثر لوگوں میں اس کرامت کا چرچا پھیلا اور اس روز سے آپ نے طریقہ ملامتیہ اختیار کرلیا تاکہ لوگ اُن سے نفرت کریں اور وہ بفراغت تمام یاد الٰہی میں مشغول رہیں۔

اس کے بعد آپ نے ریش مبارک منڈوا ڈالی اور جام مے بکف رکھ لیا۔

۹۔ وفات مرشد: آپ کے مرشد حضرت شیخ بہلولؒ کو چینوٹ میں معلوم ہوا کہ حسین اتباع شریعت سے آزاد ہوگیا ہے چنانچہ یہ سنتے ہی لاہور میں تشریف لائے اور حضرت حسینؒ کو دیکھ کر ان کی جانب متوجہ و مراقب ہوئے، اور کیا دیکھتے ہیں کہ حضرت حسین واصل بالحق ہیں، پھر تو ان کی تسلی ہوگئی۔ اور ان کو اسی حالت میں چھوڑ کر رخصت ہوئے۔ کچھ عرصے کے بعد آپ کے پیر و مرشد

حضرت بہلول کا وصال ہو گیا۔

لیکن حضرت حسین بدستور لاہور میں مست مے و نغمہ رہے۔ اور ان کا معمول تھا کہ مست شراب ہو کر اکثر چنگ و رباب کی صدا پر ناچتے آخر آپ ایسا کیوں کرتے تو یہ خیال آتا ہے کہ شاید وہ محض اپنے اخفائے حال کے لیے ایسا کیا کرتے تھے مگر آپ کا یہ معمول تھا کہ پچھلے پہر رات کو ہر شب ختم قرآن کیا کرتے تھے۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ شاہدرہ سے گزرے وہاں

۱۰۔ مادھو پر نگاہِ شفقت: آپ نے ایک خوبصورت لڑکا دیکھا تو اس پہ آپ مہربان ہو گئے۔ اس کا نام مادھو تھا مادھو مذہبًا ہندو برہمن تھا حتیٰ کہ آپ نے شاہدرہ میں سکونت اختیار کر لی لیکن مادھو کے ورثا فقیر کی مہربانی کو غلط سمجھے اور آپ پر شدید ناراضگی کا اظہار کرنے لگے آخر کار ایک روز مادھو کی توجہ آپ کی طرف مبذول ہو گئی اور وہ مسلمان ہو گیا۔ اور آپ کا خادم بن گیا اور ساری عمر آپ کا خادم رہا۔

حقیقت الفقرا میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ آپ دوستوں کی خواہش

۱۱۔ آرزوئے بارش: پر دریائے راوی کی سیر کو نکلے اور موضع منڈیا نوالہ میں (جو لاہور سے شرقپور کو جاتے ہوئے سڑک پر واقع ہے) پہنچے۔ وہاں موضع کے زمیندار سردار بہادر خان نے پکڑ کر ان سب دوستوں کو پابہ زنجیر کر دیا اور شیخ حسین سے عرض کیا کہ جب تک آپ کی دعا سے بارش نہ برسے گی۔ میں انہیں نہیں چھوڑوں گا۔ آپ نے دوستوں سے روغنی روٹی کھلانے کا وعدہ کیا ہوا تھا۔ لہذا بہادر خان کو فرمایا کہ نان سر غن اور شیر و شکر لا کر پیش کرو تو اللہ تعالیٰ مینہ برسا دے گا۔ چنانچہ بہادر خان نے آپ کے یاروں کو آزاد کر دیا اور مطلوبہ اشیا لا کر حاضر کر دیں۔ آپ خوش ہوئے اور آسمان کی طرف منہ کر کے کہا۔ الٰہی حسین اپنے دوستوں کے ساتھ خوش بیٹھا ہے۔ بارش کا برسنا ضروری ہے، گاؤں آباد اور دل شاد ہوں۔ چنانچہ اسی وقت بادل نمودار ہوا بارش ہونے لگی اور زمینیں سیراب ہو گئیں۔

۱۲۔ حضرت حسین اکبر بادشاہ کے دربار میں: تحقیقات چشتی میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ لوگوں نے آپ کے بارے میں اکبر بادشاہ سے کہا کہ لاہور میں ایک فقیر حسین نامی ہے کہ ڈاڑھی منڈا کر لباس ہائے سرخ پہنتا ہے اور مادھو نامی ایک لڑکے کے ساتھ صحبت رکھتا ہے اور شراب پی کر رقص کرتے ہوئے پھرتا ہے، اس کے باوجود دعوئے ولایت کرتا ہے۔ اکبر نے یہ سن کر ملک علی کوتوال شہر لاہور کو فرمان تاکیدی بھیجا کہ فرمان ہذا کے حضرت حسین کو باطوق و زنجیر قید کر کے ہمارے پاس لائے۔ وہ چند مدت آپ کی تلاش میں رہا مگر آپ اس کو نہ ملتے تھے۔ ایک دن کا ذکر ہے کہ دُلا بھٹی جو بڑا مغرور باغی راہزن تھا حسب الحکم بادشاہ گرفتار ہو کر لاہور میں آیا اور حکم شاہی تھا کہ اس کو بازار نخاس میں پھانسی دے دو۔ ملک علی کوتوال اس کو پھانسی دینے کے لیے وہاں گیا ہوا تھا اور اس وقت اس کے پاس اس کا حسین و جمیل بیٹا بیٹھا ہوا تھا۔ اتفاقاً وہاں حضرت حسین آ پہنچے اور اس حسین لڑکے کو دیکھنے لگے۔ لوگوں نے دیکھ کر کوتوال کو خبر دی کہ حضرت حسین وہ کھڑے ہیں۔ اس نے اسی وقت آپ کو گرفتار کیا۔ آپ نے کہا تو مجھ کو کیوں گرفتار کرتا ہے، اس نے کہا کہ مے نوشی و غیر شرعی حرکات کے باوجود باعث پوچھتا ہے بعد ازاں بحکم ملک علی آپ کے پاؤں میں زنجیر ڈالی گئی۔ قدرت الٰہی سے وہ زنجیر اسی وقت ٹوٹ گئی پھر پہنائی پھر ٹوٹ گئی۔ وہ حیران ہوا، حضرت نے اس سے کہا کہ مجھ کو چھوڑ دے۔ اس نے کہا کہ تو جادوگر ہے میں تجھے اب ایسی میخ ماروں گا کہ جانبر نہ ہوگا۔ اس اثنا میں فرمان اکبر اس کے نام پہنچا کہ دُلا بھٹی کو جلد تر پھانسی دو۔ اور دار پر کھینچے جانے کے وقت وہ جو گفتگو کرے ہم کو اس کی رپورٹ کرو۔ اس نے اسی وقت اس کو دار پر چڑھایا اور دلا بھٹی نے بوقت دار اکبر کو ہزارہا گالیاں دیں پھانسی دینے کے بعد ملک علی کوتوال نے اکبر کے حضور میں بدیں مضمون عرضی لکھی کہ بوقت دار دُلا بھٹی نے آپ کو فلاں فلاں گالیاں دی ہیں اور حضرت حسین کا بھی تمام حال لکھا کہ اس طرح اس کے پاؤں سے اتنی دفعہ زنجیر ٹوٹ گئی تھی۔ جب وہ عرضی اکبر نے سنی تو کہنے لگا کہ اس پاجی ملک علی نے کچھ خیال ادب نہ کیا اور تفصیل وار گالیاں درج عریضہ کیں۔ الغرض اسی

وقت حکم دیا کہ ملک علی کے سفرہ میں میخ ٹھونکیں اور اس وقت سے اس کو ماریں۔ الغرض وہ اسی طرح سے مارا گیا اور حضرت حسین کی یہ کرامت تمام شہر میں مشہور ہوئی اور اکبر تک خبر پہنچی، وہ سن کر حیران ہوا۔

۱۳۔ دربار شاہی میں کرامت: حقیقت الفقرا میں لکھا ہے کہ اکبر نے شیخ حسین کو طلب کیا اور آپ جام و صراحی لے کر پہنچے۔ بادشاہ نے کہا کہ سلسلہ قادری کے پیر ہو کر یہ مے نوشی! آپ نے اسی صراحی سے ایک پیالہ بھر کر بادشاہ کو پلایا۔ جو سرد پانی سے پُر تھا۔ دوسرا پیالہ جو پیش کیا۔ اس میں شربت تھا۔ اور تیسرے میں دودھ۔ اکبر یہ دیکھ کر متعجب ہوا اور حکم دیا کہ اپنی شراب کی صراحی انہیں دیں اور پھر دیکھیں کہ اس سے شراب کے سوا کچھ اور نکلتا ہے یا نہیں۔ چنانچہ اس سے آپ نے پانی، شربت اور دودھ نکال کر بادشاہ کے پیش کیا پھر بادشاہ نے امتحان کی غرض سے شیخ حسین کو زندان میں بھجوا دیا کہ اگر یہ فقیر صاحب کرامت ہے تو جیل میں قید نہیں رہ سکتا چنانچہ جب بادشاہ زنان خانہ میں گیا تو آپ کو بادشاہ بیگم کے پاس کھڑا ہوا دیکھا پھر قید خانہ میں جا کر دیکھا تو آپ وہیں موجود تھے، یہ دیکھ کر وہ اپنے فعل سے تائب ہوا اور شیخ کو با اعزاز رخصت کیا۔ (بزرگان لاہور)

۱۴۔ امراء کی عقیدت مندی: شہنشاہ جہانگیر اور مغلیہ خاندان کے کئی افراد آپ کے معتقد تھے، اور شاہ دانیال اور شاہ مراد ان کے ولی غلام تھے اور امراء خواجہ دولت خان اور خان خاناں اور مفتی اور میر عدل اور ابو الفضل ان کے دلی معتقد ہوئے اور شیخ عبد الرحمن کے بیٹے نے ان کی مہربانی سے افضل خان کا خطاب پایا، اور جعفر خان و بہادر خان و صادق خان و شہباز خان اور اکثر امراء ان کے مطیع فرمان اور امیدوار فرمائش تھے۔ مگر آپ کسی کی طرف کوئی التجا نہ کیا کرتے تھے بس ہر دم اللہ پر بھروسہ تھا۔

۱۵۔ کرامت تسخیر ٹھٹھہ: جب بادشاہ نے عبد الرحیم خان خاناں کو ملک ٹھٹھہ کی تسخیر پر مامور کیا تو وہ شیخ حسین کی خدمت میں

استمداد کے لیے حاضر ہوا۔ آپ نے فرمایا میں نے پانچ سو روپیہ کے عوض یہ ملک تیرے ہاتھ فروخت کر دیا۔ اب کسی اور سے مدد نہ مانگنا۔ چنانچہ وہ آپ سے رخصت ہو کر ملتان آیا اور شیخ کبیر بالا پیر سجادہ نشین مزار شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی کی خدمت میں حاضر ہوا اور ایک روپیہ بطور نذر کیا لیکن شیخ موصوف نے اسے قبول نہ کیا اور فرمایا کہ ملک ٹھٹھہ تجھے شیخ حسین لاہوری کی دعا سے عطا ہو چکا ہے۔ مجھے نذر لینے کی حاجت نہیں۔

۱۶۔ بیک وقت لاہور اور مدینے میں:

ایک دفعہ ایک شخص حاجی یعقوب نامی مدنی تھا، وہ ہمیشہ حضرت حسین کو مدینہ منورہ میں روضۂ مطہرہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم پر روز و شب متلبق دیکھا کرتا تھا اور اکثر حجوں میں وہاں سے یکجا ہو کر بیت اللہ شریف کو جایا کرتے تھے اس باعث سے وہ آپ کا بخوبی شناسا تھا۔ اتفاقاً وہ سیر کرتا ہوا لاہور میں آپہنچا۔ ایک دن اُس نے یہاں حضرت حسین کو اس حال میں دیکھا کہ شراب کی بوتل ہاتھ میں ہے اور ناچتے ہوئے پھر رہے ہیں وہ یہ دیکھ کر حیران ہوا کہ آیا یہ کیا معاملہ ہے، یہ شخص تو مدینہ میں بڑا زاہد و متشرع تھا۔ یہاں لاہور میں اس کی کیا حالت ہے۔ لاچار ہو کر لوگوں سے پوچھا کہ یہ شخص جو شراب پینے والا معلوم ہوتا ہے کون ہے۔ لوگوں نے کہا کہ چپ رہو ایسی بات زبان پہ نہ لانا، یہ حضرت حسین ہے جو ایک اللہ کا ولی ہے۔ حاجی صاحب نہ رہ سکے اور حضرت کے پاس جا کر کہنے لگے کہ اے مرد خدا تم لاہور میں کب سے آرہے ہو، میں نے تم کو مدینہ منورہ میں چھوڑا تھا۔ اور میں ہمیشہ آپ کو وہاں دیکھا کرتا تھا اور ہمیشہ مکہ مدینہ میں میں اور آپ اکٹھے پھرا کرتے تھے۔ سچ بات فرمائیے کہ یہ کیا معاملہ ہے۔ حضرت نے کہا کہ آنکھ بند کر اور دیکھ کہ یہ کیا معاملہ ہے۔ جب اس نے آنکھ بند کی تو حضرت کو بلباس عارفانہ دیکھا اور نیز دیکھا کہ حضرت اسی طرح بر روضۂ مطہرہ نبویہ معتکف ہیں۔ جب وہ حاجی حضرت کی یہ کرامت دیکھ چکا تو آپ نے فرمایا کہ اے شخص اب یہاں سے چلا جا اور میرا راز کسی سے فاش نہ کرنا، میں تو ہمیشہ لاہور میں رہتا ہوں کبھی مکہ و مدینہ میں نہیں گیا۔ مگر اس نے نہ مانا اور با آواز بلند کہا کہ اے ساکنان لاہور یہ ولی کامل ہے، میں اس کو طواف کعبہ میں چھوڑ کر روانہ ہوا ہوں

اور مدینہ شریف میں یہ میرا بڑا دوست تھا۔ جب حضرت نے دیکھا کہ اس نے ان کا راز فاش کر دیا ہے تو آپ اس کی آنکھوں سے گم ہو گئے۔ بعد ازاں اس نے ہر چند تلاش کی مگر نہ پایا۔ جب وہ تلاش سے مایوس ہوا تو اس نے ارادہ کیا کہ اب مکہ میں جا کر دیکھوں شاید آپ بدستور وہاں ہی موجود ہوں۔ جب وہاں گیا تو بدستور آپ کو طواف کعبہ میں سر بسجود پایا۔ وہاں جاتے ہی حضرت کے قدموں پر گر پڑا اور خادم ہوا۔ پھر اس کی خبر نہیں کہاں گیا اور کیا ہوا۔

۱۷۔ کیمیا گری اور فقر: نیز کہتے ہیں کہ حضرت کے وقت میں ایک شخص کیمیا گر تھا۔ وہ ایک تولہ اکسیر بنا کر آپ کے پاس لے گیا۔ آپ نے اس کو دیکھ کر فرمایا کہ اے بیوقوف تو نے ناحق اتنی محنت اٹھائی یعنی پہلے سیماب لایا اور جنگل میں بوٹیوں کی تلاش میں پھرا اوپلوں کا دھواں کھایا اور پھر بہزار محنت اکسیر بنائی وہ تو بڑے فخر سے آپ کے پاس گیا تھا لیکن یہ سن کر نادم ہوا۔ بعد ازاں آپ نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اٹھایا اور گوشہ محفل میں لے جا کر اس کے روبرو بول کیا۔ قدرت الٰہی سے جہاں آپ کا بول گرا وہ جگہ تمام طلا ہو گئی۔ وہ دیکھ کر نادم و خادم ہوا۔

۱۸۔ داراشکوہ کی روایت: حضرت داراشکوہ کتاب شطحیات میں تحریر فرماتے ہیں کہ لوگوں نے حضرت حسین سے پوچھا کہ آپ کون ہیں تو حضرت نے فرمایا کہ میں نہ مقیم ہوں نہ مسافر، نہ مسلمان نہ کافر، آلان کما کان، یہ حضرت استاد اہل بیت اور ہمیشہ ریش و بروت تراشیدہ رکھتے اور آپ تمام مسکرات تناول فرمایا کرتے تھے اور ہمیشہ باساز و نواز قوالان رنگین ادا شہر لاہور میں پھرا کرتے تھے۔ کہتے ہیں کہ حضرت حسین کے وقت میں لاہور میں مخدوم الملک قاضی القضات تھا۔ اس نے ارادہ کیا کہ حضرت کو تعزیر کرے۔ ایک دن جناب حسین نے اس کے گھوڑے کو پکڑ کر کھڑا کر لیا اور فرمایا کہ قاضی صاحب ارکان اسلام کتنے ہیں۔ اس نے کہا کہ پانچ یعنی توحید، حج، زکوٰۃ، نماز، روزہ آپ نے فرمایا کہ توحید خدا تعالیٰ عز اسمہ جو ہے اس میں تو اور ہم دونوں شریک ہیں بلکہ خدا کی وحدانیت پر تمام مخلوق قائل ہے، اور دوسرے حج و زکوٰۃ، سوان دونوں

کو تم نے ترک کیا اور بعینہ جو دو یعنی روزہ نماز تھے اُن کو میں نے ترک کیا۔ پس اس کا کیا باعث ہے کہ دو ارکان اسلام کے ترک میں حسین لائق تعزیر ہوا اور آپ محفوظ رہیں۔ یہ سن کر حضرت قاضی خاموش ہوئے اور ان کے دل پر کچھ ایسی تاثیر ہوئی کہ من بعد کبھی حضرت کو تکلیف نہ پہنچائی۔

۱۹۔ پنجابی اشعار: آپ پنجابی کے شاعر بھی تھے اور آپ کی پنجابی کافیاں مشہور ہیں۔ ڈاکٹر موہن سنگھ دیوانہ نے آپ کے کلام کو مرتب کیا اور کافیاں مادھو لال حسین کے نام سے شائع کیا آپ کے اشعار میں عشق حقیقی جھلکتا ہے اور آپ کے اشعار محبت سے بھرے ہوئے ہیں ملاحظہ فرمایئے۔

من اٹکیا بے پروا نال اوہ دین دنی دے شاہ نال

قاضی ملاں متاں دیں دے کھرے سیانے راہ دسیندے

۲۰۔ داڑھی لمبی ہو گئی: نیز دارا شکوہ لکھتے ہیں کہ ایک دفعہ اکبر بادشاہ نے اپنے وزیر کو لاہور میں آپ کے پاس بھیجا اور حکم دیا کہ حضرت حسین غیر شرع ریش معترض رکھتے ہیں، اس پر اُن کو تعزیر کر، جب وہ وزیر حضرت کے روبرو آیا تو آپ نے معترض ریش مبارک کو ہاتھ میں پکڑ کر اسی وقت دراز کر دکھایا اور جو جو چیزیں وہاں از قسم شراب وغیرہ مسکرات موجود تھیں وہ سب دودھ بن گئیں، یہ دیکھ کر وزیر جو تعزیر کے لیے آیا تھا حضرت کا مرید با اخلاص بن گیا۔

۲۱۔ قبر کے بارے میں پیشن گوئی: نقل ہے کہ ایک دن حضرت متصل شاہدرہ تشریف لے گئے اور وہاں ایک جگہ معتقد دیکھ کر فرمانے لگے کہ یہاں ایک چاہ کندہ کرو اور سبزہ لگاؤ کہ یہاں ہماری قبر ہو گی اور جب ہم یہاں دفن ہو جائیں گے تو تیرہ سال کی مدت کے بعد یہاں سیلاب آئے گا اور ہمارے دوست قبر سے ہماری لاش نکالیں گے اور پھر بابو پورہ میں لے جا کر دفن کریں گے، اور میری وفات کے ایک برس بعد مادھو سفر کو جائے گا اور پھر بارہ برس کے بعد لوٹ کر آئے گا اور میری سنت پر قائم ہو گا اور میرے بعد میرا سجادہ نشین مادھو ہے اور بقدر

پینتس برس میری قبر پر سجادہ نشین رہے گا، بعدازاں واصل بحق ہوگا، اس کی بھی قبر میری قبر کے برابر کرنا، الغرض جو کچھ آپ نے فرمایا تھا وفات کے بعد وہی ظہور میں آیا۔

۲۲۔ تعدادِ خلفاء: کتاب حقیقۃ الفقرا کے مولف رقم طراز ہیں کہ شیخ حسین کے مرید نو ہزار کے قریب تھے جو ان کے وسیلے سے دونوں جہاں کی نعمتوں سے سرفراز ہوئے اور بعضوں نے تعداد سوا لاکھ لکھی ہے مگر مشہور سولہ خلیفے ہیں۔ ان میں سے چار کا خطاب غریب ہے۔

چار کا دیوان، چار کا خاکی اور چار کا بلاول۔ ان کی تفصیل یہ ہے۔

(۱) پہلا شاہ غریب۔ موضع رتی ٹھٹھہ میں وزیر آباد سے تین کوس کے فاصلہ پر

(۲) دوسرا شاہ غریب۔ موضع لنگوٹی والی تحصیل وزیر آباد میں۔

(۳) تیسرا شاہ غریب۔ بمقام اچیلا پور اقلیم دکن میں۔

(۴) چوتھا شاہ غریب۔ ہزاروی آپ کے مزار کے متصل ہے۔

چار دیوان: چار دیوانوں میں سے پہلا دیوان مادھو۔ دوسرا دیوان گورکھ لاہور میں آپ کے مزار کی چوکھنڈی میں۔ تیسرا دیوان بخشی بمقام بیجاپور، چوتھا اللہ دیوان لاہور میں مقبور۔

دیوان مادھو آپ کا محبوب۔ مطلوب اور معشوق تھا۔

چار خاکی: خلفائے خاکی میں پہلا مولا بخش خاکی، دوم خاکی شاہ لاہور میں آپ کے مزار کے جوار میں، سوم خاکی شاہ وزیر آباد میں۔ چہارم حیدر بخشی خاکی اقلیم دکن میں آرام فرما ہے۔

چار بلاول: اور چار بلاولوں میں۔ اول شاہ رنگ بلاول۔ دوسرا بدھو بلاول۔ سوم شاہ بلاول۔ یہ تینوں بلاول شیخ حسین کے مزار کے جوار میں آسودہ ہیں چوتھے شاہ بلاول کی قبر دکن میں ہے۔

۲۳۔ وفات: آپ کا وصال بروز جمعہ جمادی الثانی ۱۰۰۸ھ بمطابق ۱۵۹۹ء ریں ہوا، اس وقت آپ کی عمر ۶۳ سال تھی۔ اور آپ کو حسب وصیت اس جگہ دفن کیا گیا جہاں آپ نے کہا تھا یہ جگہ شاہدرہ کے شرق میں تھی چونکہ آپ براہ پیشین گوئی فرمایا ہوا تھا کہ دریائے راوی ۱۲ سال کے بعد ہماری قبر کو گرا دے گا اس خیال سے کسی نے وہاں قبر پختہ و روضہ نہ بنوایا۔ جب وہاں سے ان کے حسب وصیت حضرت کا جنازہ بابوپورہ (موجودہ نام باغبانپورہ) میں لے کر آئے تو یہ معاملہ پیش ہوا کہ اس وقت یہاں بمقام مدفن جوگیاں گورکھ ناتھ کا مکان تھا اور وہاں ایک جوگی مسلمی پیر گورکھ ناتھ مع چیلوں کے رہا کرتا تھا مگر کچھ عمارت موجود نہ تھی۔ جب جنازہ فیض انداز آیا تو وہ جوگی دفن سے مانع ہوا اور بولا کہ مکان ہنود ہے۔ یہاں مسلمان کی قبر ہونی کمال ہے، اس وقت حضرت کی لاش سے آواز آئی کہ اے جوگی فلاں جگہ کو جہاں اب حضرت کی قبر ہے کھود اگر وہاں سے تسبیح اور مصلا اور قرآن شریف اور دستار سرخ نکلے تو مکان ہمارا اور نہ تیرا، غرض جب اس جگہ کو کھودا تو وہ اسباب بجنسہٖ وہاں سے نکلا۔ جب وہ نادم ہوا تو اس نے عرض کی کہ اب میں کہاں جاؤں۔ ارشاد ہوا کہ بمقام ٹلہ گورو گورکھ ناتھ جا کر رہ۔ وہ تو اُدھر روانہ ہوا اور حضرت کی یہ کرامت دیکھ کر اُس کا ایک لائق مند چیلہ حضرت کا خادم ہو کر مشرف بہ اسلام ہوا جس کا نام خاکی دیوان رکھا گیا۔ اور اُس کی قبر حضرت کی چار دیواری میں موجود ہے، اور حضرت وہاں ہی یعنی اسی گندیدہ جگہ میں دفن ہوئے۔ اور اس خاکی دیوان کو حضرت کی طرف سے حکم ہوا کہ یہ دستار سرخ ہمارے محبوب مادھو کی امانت ہے، جب وہ یہاں آئیں تو ہماری یہ امانت ان کو دے دینا۔ اس کے بعد جب حضرت مادھو آئے تو اُس نے وہ امانت ان کے سپرد کر دی۔ اور آپ زندہ زمین میں سما گیا۔ چنانچہ اب تک مثل مشہور ہے کہ مادھو آیا اور خاکی سمایا اس وقت حضرت کی قبر خام تھی۔ بعد ازاں پختہ بنایا گیا۔

۲۴۔ سوانح حیات کی کتب: آپ کی زندگی کے بارے میں دو کتب لکھی گئیں ایک کا نام کتاب بہاریہ ہے اور دوسری کا نام حقیقت الفقراء تھا۔ اس مضمون کی زیادہ تفصیلات تحقیقات چشتی سے لی گئی ہیں لیکن اس کے علاوہ مندرجہ ذیل کتب سے بھی استفادہ کیا گیا ہے۔

۱۔ تذکرہ اولیائے ہندوپاک۔ ۲۔ تحقیقات چشتی۔ ۳۔ اولیائے لاہور۔
۴۔ خزنیتہ الاصفیاء۔ ۵۔ بزرگان لاہور۔ ۶۔ خم خانہ تصوف۔

حضرت شیخ خضر سیوستانی قادریؒ

حضرت شیخ خضر سیوستانی سندھ کے عظیم المرتبت صوفیاء سے تھے، سندھ میں سلسلہ قادریہ کے فیوض و برکات پھیلانے میں آپ نے بڑا اہم کردار ادا کیا ہے۔ حضرت میاں میر لاہوری انہیں کے مرید و خلیفہ تھے۔ جنہوں نے نہ صرف سندھ میں بلکہ پنجاب میں بھی سلسلہ قادریہ کی تعلیمات کو پھیلایا۔ حضرت شیخ خضر سیوستان کے رہنے والے تھے۔

حضرت خضر سیوستانی قطب اولیاء عارف کامل متوکلوں کے امام اور اہل سعادت کے تاج تھے۔ توکل کی انتہا یہ تھی کہ انہوں نے اپنی ساری زندگی میں کچھ بھی اپنے پاس نہ رکھا، وہ ابتداً اپنے وقت کا بڑا حصہ ایک قبرستان میں گزارتے تھے، پھر وہ سیوستان کے متصل ایک پہاڑ میں مقیم ہو گئے، جہاں اُن کا سارا وقت عبادتوں، مجاہدوں اور یاد الٰہی میں گزرا، اس پہاڑ میں انہوں نے ایک تنور بھی بنوایا تھا، جس میں روٹی پکنے کی نوبت کبھی نہیں آئی۔ گرمی و سردی میں ہمیشہ اُن کا لباس ایک تہبند تھا، سردی میں ہمیشہ اس تنور میں بیٹھ کر یاد الٰہی کرتے، مشہور ہے کہ جس پتھر پر وہ بیٹھتے تھے وہ گرمیوں میں کبھی گرم نہیں ہوا۔ پہاڑ میں سکونت اختیار کرنے کے بعد وہ شہر سیوستان میں بہت کم آتے تھے۔ تعلقات دنیوی سے یہاں تک اجتناب کرتے تھے کہ سوائے خدا کے ان کا کوئی دوست نہ تھا، درختوں کے پتے کھا کر زندگی بسر کرتے۔

دارا شکوہ نے سفینۃ اولیاء میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ سیوستان کا حاکم اس پہاڑ پر آپ کی زیارت کے لیے آیا۔ شدید گرمی کا موسم تھا۔ اور آپ پتھر پر بیٹھے ہوئے عبادت و مراقبہ میں مصروف تھے، وہ اس خیال سے کہ آپ کو راحت پہنچے۔ اس طور پر کھڑا ہوا کہ اُس کا سایہ آپ پر پڑے، جب آپ مراقبہ سے فارغ ہوئے تو آپ نے اس سے

پوچھا کہ تم کون ہو؟ کیوں اس ویرانے میں آئے ہو، اور تمہارا کیا مقصد ہے، اس نے جواب دیا کہ اس وقت حاضری سے میرا مقصد یہ تھا کہ آپ کی زیارت کی خوش نصیبی حاصل کروں، اور آپ سے عرض کروں کہ اگر آپ کوئی خدمت میرے لائق فرمائیں تو اس کی بجا آوری میری انتہائی سعادت ہوگی، آپ نے فرمایا کہ میرا کوئی کام بھی ایسا نہیں جو تم پورا کر سکو، حاکم نے نہایت ہی ادب سے دوبارہ عرض کیا کہ اگر کوئی خدمت مجھ سے متعلق فرمائی جائے تو میرے لیے باعث فخر ہوگی، آپ نے فرمایا اچھا جو میں کہتا ہوں تم اسے منظور کرو گے، اس نے عرض کیا ضرور، آپ نے فرمایا تو یہ اپنا سایہ جو تم نے مجھ پر ڈال رکھا ہے اسے ہٹا لو، اس لیے کہ جو لوگ اللہ کے سائے میں زندگی گزارتے ہیں، انہیں اس سائے کی ضرورت نہیں، دوسری بات جو میں تم سے کہنی چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ تم جہاں سے آئے ہو واپس چلے جاؤ۔ حاکم یہ سن کر فوراً ہی وہاں سے ہٹ کر دور کھڑا ہو گیا۔ پھر اس نے عرض کیا کہ میں حضور کے ارشاد کی تعمیل کرتا ہوں اور واپس جاتا ہوں، لیکن میری تمنا یہ ہے کہ آپ اپنے خاص وقت میں جب آپ عبادت الٰہی میں مصروف ہوں میرے لیے دعائے خیر فرمائیں، آپ نے فرمایا خدائے تعالیٰ مجھے اس وقت کے لیے زندہ نہ رکھے کہ جب کہ اللہ کی ذات کے سوا میرے دل میں کوئی دوسرا خیال آئے، اور میں اس وقت میں تمہیں یاد کروں۔ یہ سن کر حاکم شرمندہ ہوا اور واپس چلا گیا۔

حضرت میاں میر نے شیخ خضر سے اپنی ملاقات کا اس طرح ذکر کیا ہے کہ جب میں والدہ سے رخصت ہو کر غلبہ شوق میں گھر سے نکلا تو جنگل کا رخ کیا بے اختیار چلا جا رہا تھا، یہاں تک کہ کوہ سیوستان جا پہنچا وہاں دیکھا کہ ایک طرف تنور ہے جو اوپر سے ڈھکا ہوا ہے، تنور کھولا تو اس میں ایک بڑا سا پتھر نظر آیا تنور گرم تھا مجھے اندازہ ہوا کہ کسی بزرگ نے اپنے لیے یہ جگہ بنا رکھی ہے تاکہ سردی سے بچا جا سکے تنور دیکھ کر مجھے اس بزرگ سے ملنے کی خواہش ہوئی اور فیصلہ کر لیا کہ جب تک انہیں دیکھ نہ لوں واپس نہ جاؤں گا۔ تین دن وہاں بھوکے پیاسے اور حیرانی کے عالم میں گزر رہے ہوا بڑی سرد تھی جی چاہتا تھا کہ تنور میں بیٹھ جاؤں لیکن یہ بھی اپنے آپ سے کہتا کہ یہ کسی بزرگ کی جگہ ہے اس لیے یہاں

بیٹھنا خلاف ادب ہوگا تین دن رات کے بعد حضرت شیخ کا وہاں آنا ہوا میں نے آگے بڑھ کر سلام کیا آپ نے فرمایا وعلیکم السلام یا میر محمد ان کی زبان سے اپنا نام سنا تو ان کے بارے میں میرا اعتقاد اور زیادہ پختہ ہو گیا۔ انہوں نے فرمایا کہ کب آئے میں نے عرض کی تین دن رات سے آپ کی تشریف آوری کا منتظر ہوں۔ فرمایا میں تو یہاں سے آج ہی گیا تھا لیکن تمہیں کہیں نہیں دیکھا حضرت میاں میر نے کہا حضور میں نے سچ کہا ہے اس پر انہوں نے فرمایا ایسا ہی ہوگا یہ بات جو انہوں نے کہی محویت کی وجہ سے کہہ دی۔ اس کے بعد انہوں نے حضرت میاں میر کو اپنا مرید بنایا اور ذکر الٰہی میں مشغول کر دیا۔ حضرت شیخ خضر ترک و تجرید میں یکتا تھے ان کا وصال ۹۹۴ھ میں ہوا۔

حضرت میاں میر قادریؒ

۱۔ اسم مبارک: آپ کا اسم مبارک میر محمدؒ اور لقب حضرت میاں میر ہے آپ کو شاہ میر بھی کہتے ہیں اور جیو کلمہ تعظیم ہے۔ حضرت کو چونکہ سب اپنا صاحب سمجھتے تھے اور ان کی تعظیم کو لازم قرار دیتے تھے اس لیے آپ کو میاں جیو کہتے تھے۔

۲۔ والد اور والدہ: آپ کے والد کا نام سائیں دنا بن قاضی قلندر فاروقی تھا آپ کا سلسلہ نسب ۲۸ واسطوں سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہنچتا ہے۔ آپ کے والد بھی صاحب کرامت بزرگ تھے۔ جب حضرت میاں جیو سات سال کے ہوئے تو ان کے بزرگوار رحلت فرما گئے۔ حضرت کی والدہ ماجدہ کا اسم مبارک بی بی فاطمہ تھا۔ آپ قاضی قادن کی دختر نیک اختر تھیں جن کا شمار زمانے کے علماء و فضلا میں ہوتا تھا۔ انہوں نے ترک و تجرید اختیار کر کے گوشہ نشینی اختیار کی، اور ریاضت و مجاہدہ کے بعد ولایت کے مرتبے پر پہنچے حضرت کی والدہ ماجدہ نے طریقہ شغل اپنے والد بزرگوار سے سیکھا تھا وہ اپنے وقت کی رابعہ تھیں۔

۳۔ ولادت باسعادت: حضرت میاں جیو کی ولادت باسعادت سندھ کے شہر سیوستان میں ۹۵۷ھ بمطابق ۱۵۵۰ء میں ہوئی یہ شہر ٹھٹھہ اور بھکر کے مابین واقع ہے۔ جو آپ کے آباؤ اجداد کا وطن ہے۔

۴۔ حضرت کے بہن بھائی: میاں جیو کے چار بھائی اور دو بہنیں تھیں۔ بھائیوں کے نام: قاضی بولن۔ قاضی عثمان، قاضی طاہر اور قاضی محمد تھے۔ آپ کے سب بھائیوں نے حضرت میاں جیو کے ہاتھ پر بیعت

کی، ان میں سے قاضی محمد، تصوف اور ولایت میں مرتبہ کمال کو پہنچے لیکن وہ حضرت میاں جیو کی زندگی میں فوت ہو گئے۔ آپ کی ہمشیرہ کا نام بی بی جمال تھا۔ آپ اور آپ کے بھائی لطف اللہ، جو پیدائش کے چند ہی روز بعد فوت ہو گئے تو ام پیدا ہوئے تھے۔

۵۔ تعلیم و تربیت: آپ کے والد ماجد چونکہ بچپن ہی میں جب کہ آپ کی عمر صرف سات سال کی تھی وصال پا گئے اس لیے آپ کی تعلیم و تربیت کی تمام تر ذمہ داری آپ کی والدہ ماجدہ پر آگئی آپ کی والدہ محترمہ نے مختلف اساتذہ کے ذریعہ سے آپ کو دینی تعلیم دلوائی۔ پھر آپ کی والدہ نے آپ کو سلسلہ قادریہ میں سلوک کی تعلیم دینا شروع کی اور تھوڑے سے ہی عرصہ میں آپ میں تلاش حق کا جذبہ پیدا ہو گیا۔ اور آپ پر علم باطن پر منکشف ہونے لگا۔

۶۔ شیخ خضر سیوستانی سے بیعت: ابتدائی علوم کے حصول کے بعد آپ والدہ سے رخصت حاصل کر کے سیاحت اور ریاضت و مجاہدہ کی غرض سے نکلے، پہلے آپ سیوستان کے پہاڑ میں قطب اولیا اور عارف کامل حضرت شیخ خضر قدس اللہ تعالیٰ سرہ جو سلسلہ قادریہ میں یگانہ آفاق اور ترک و تجرید میں یکتا تھے، کی خدمت میں حاضر ہوئے، حضرت میاں جیو انھیں "غوث وقت" کہا کرتے تھے۔ حضرت شیخ خضر کا طریقہ تھا کہ مال دنیا کی ہر چیز خواہ زکوٰۃ ہو، جس میں علائق کا شائبہ بھی ہو۔ قبول نہ کرتے، موسم سرما لوگوں سے الگ اور پوشیدہ رہ کر کوہستان میں بسر کرتے تھے۔ جنگلی پھل ان کی خوراک تھی۔ لباس ایسا ہوتا تھا جو آپ کے جسم کو زانو سے ناف تک ڈھانپتا تھا۔ سردیوں کے موسم کے لیے انہوں نے تنور بنا رکھا تھا۔ جنگل سے لکڑیاں کاٹ کر لاتے اور انہیں جلا کر تنور گرم کر لیتے۔ راتیں تنور ہی میں بسر کرتے۔ شہر کا رخ نہیں کرتے تھے۔ ہاں مگر سال میں ایک دو بار اور وہ بھی گھومنے پھرنے کے

لیے شہر میں آتے مگر اللہ کے سوائے کسی سے آشنائی نہ رکھتے تھے۔

۷۔ پیر و مرشد سے رخصت: کچھ عرصہ پیر و مرشد کی خدمت میں گزرانے کے بعد آپ کے پیر نے آپ کو خرقہ خلافت عطا فرمایا اور رخصت فرمایا اور ہدایت فرمائی کہ اب انہیں اجازت ہے کہ جہاں جی چاہے رہیں اور جہاں دل چاہے جائیں۔ تب آپ نے وہاں سے لاہور کا رُخ کیا۔

۸۔ ورودِ لاہور: لاہور تشریف لاتے وقت آپ کی عمر پچیس برس کے لگ بھگ تھی۔ دوران سفر جس منزل پر پہنچنے اور جس گھر میں آتے، پھر وہاں سے چل پڑتے، لاہور پہنچ کر مساجد میں وقت گزارنے لگے۔

۹۔ تحصیل علم: کچھ عرصہ مولانا سعد اللہ کے حلقہ درس میں شامل ہوئے جو اکبر اعظم کے زمانے کے مشہور علماء و فضلا میں سے تھے اور ظاہری و باطنی علم سے آراستہ تھے، تھوڑے ہی عرصے میں حضرت میاں جیو رحمۃ اللہ علیہ علوم معقول و منقول میں درجہ کمال کو پہنچے۔ اور آپ کو دوسرے ہمدرسوں میں امتیاز حاصل ہوا۔

حضرت میاں جیو نے اخوند مولانا سعد اللہ کے شاگرد مولانا نعمت اللہ سے بھی تحصیل علم کی جو ظاہری و باطنی فضائل سے آراستہ تھے۔ نعمت اللہ کہا کرتے تھے کہ حضرت میاں میر میرے درس میں رہے۔ کئی سال میں نے انہیں پڑھایا اور ان کی رہنمائی کی۔ انہوں نے میرے تمام علوم حاصل کیے۔

۱۰۔ ریاضت و عبادت: لاہور میں قیام کے دوران آپ نے بے حد ریاضت و عبادت کی دن کے وقت آپ کا معمول تھا کہ ہمیشہ علی الصبح کسی باغ یا جنگل میں تشریف لے جاتے اور سارا دن وہاں مشغول عبادت رہتے بعض اوقات مریدین اور معتقدین بھی آپ کے ساتھ ہوتے تو وہ بھی الگ الگ

مقامات پر بیٹھ کر یادِ الٰہی میں محو ہو جاتے اور جب نماز کا وقت آتا تو سب اکٹھے ہو کر نماز با جماعت ادا کر لیتے عام لوگوں سے تعلقات اور ان کی صحبت سے ہمیشہ متنفر رہتے، رات کو حجرے کا دروازہ بند کر کے بیدار رہتے، اور تنہا قبلے کی طرف منہ کیے بیٹھے رہتے اور ساری رات عبادت میں مشغول رہتے آپ نے حبس نفس یہاں تک حاصل کیا تھا کہ دو چار دم میں رات گزار دیتے۔

۱۱۔ سرہند میں تشریف آوری: لاہور کچھ عرصہ ریاضت و عبادت میں گزارنے کے بعد آپ سرہند میں تشریف لے گئے اور وہاں یادِ الٰہی میں مصروف رہنے لگے لیکن وہاں آپ بیمار ہو گئے اس بیماری کے دوران آپ کے پاس کوئی تیمار داری کرنے والا نہ تھا مگر حاجی نعمت اللہ کو جب آپ کی بیماری کا علم ہوا تو فوراً آپ کی خدمت پر مامور ہو گئے یہاں تک کہ پیشاب پاخانہ بھی اپنے ہاتھ سے اٹھاتے تھے، جب آپ صحت یاب ہوئے تو آپ نے اُن سے خوش ہو کر فرمایا کہ ہمارے پاس دنیاوی مال و متاع نہیں جو ہم تم کو دیں، لیکن اگر تم چاہو تو ہم تمہیں روحانی نعمتوں سے مالا مال کر سکتے ہیں، حاجی نعمت اللہ سرہندی نے کہا کہ اس سے بڑھ کر اور کون سی نعمت ہو سکتی ہے، چنانچہ آپ نے اُن کو ایک ہی ہفتے میں سلوک کے درجہ کمال پر پہنچا دیا، حاجی نعمت اللہ پہلے طالب تھے جو آپ کی روحانی تعلیمات سے مستفیض ہوئے۔

۱۲۔ لاہور میں دوبارہ آمد: آپ نے سرہند میں ایک سال گزارا اس کے بعد آپ دوبارہ لاہور میں تشریف لے آئے اور یہاں مستقل قیام کر لیا اور آخری دم تک یہیں رہے آپ باغبانوں کے محلے میں رہتے تھے آپ نے لاہور میں رشد و ہدایت کا سلسلہ جاری کیا اور ساری عمر مخلوق خدا کی خدمت اور ہدایت میں گزار دی۔ بے شمار لوگ آپ سے فیض یاب ہوئے۔ آپ کی خدمت اقدس میں جو بھی آتا روحانی نعمتوں سے مالا مال ہو جاتا ہے۔

۱۳۔ اصلاح و تربیت:

حضرت میاں میر بہت کم لوگوں کو بیعت کرتے تھے لیکن جو حضرات بھی آپ کی زیر تربیت آئے آپ نے ان کو روحانیت کے اعلیٰ مقام پر پہنچایا۔ جب کوئی شخص آپ کی خدمت میں آتا تو اُس سے پوچھتے کہ کس لیے آئے ہو اور کیا کام ہے اگر وہ کہتا کہ آپ کی ملاقات کے لیے آیا ہوں تو اس سے نہایت مہربانی سے پیش آتے اور فرماتے آؤ بیٹھو، پھر کچھ دیر کے بعد اُس کے لیے ہاتھ اٹھا کر دعا فرماتے اور اُسے رخصت کر دیتے، اگر وہ کہتا کہ میں طلب حق کے لیے آیا ہوں، فرماتے جاؤ اپنا کام کرو، بابا! حق کی طلب آسان کام نہیں بہت مشکل ہے۔ جب تک کہ تم اس کی طلب میں یگانہ نہ ہو جاؤ گے اُسے نہیں پا سکو گے، اور چونکہ دل ایک ہے، اور ایک چیز میں صرف ایک ہی چیز سما سکتی ہے اس لیے مجرد ہونا چاہیے۔

آپ کا طریقہ کار تھا کہ آپ کے مریدوں کی تعلیم و تربیت پر خصوصی توجہ فرماتے تھے۔ مریدوں سے ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ سالک کے لیے سلوک میں پہلا مرتبہ شریعت ہے، طالب کے لیے ضروری ہے کہ اس کے حفظ مراتب کی کوشش کرے، جب وہ شریعت کے حقوق مکمل طور پر ادا کرنے لگے گا تو شریعت کے ادائے حقوق کی برکت سے اس کے دل میں طریقت کی خواہش خود بخود پیدا ہو گی۔ اور جب طریقت کے حقوق کو بھی اچھی طرح ادا کرے گا تو اللہ تعالیٰ بشریت کا حجاب اُس کے دل کی آنکھوں سے دور کر دے گا، اور حقیقت کا مفہوم اس پر منکشف ہو جائے گا جو روح کے متعلق ہے اور طریقت، باطن کی طہارت اور مرتبہ حقیقت کا ادراک ہے، اور حقیقت کا مفہوم وجود کو فانی بنانا اور دل کو ماسویٰ اللہ سے خالی کرنا ہے جو درجہ قرب تک واصل ہوتی ہے انسان، نفس، دل اور روح کا مجموعہ ہے، ان میں سے ہر ایک کی اصلاح مقصود ہے نفس کی اصلاح شریعت سے، دل کی طریقت سے اور روح کی حقیقت سے ہوتی ہے۔

۱۴۔ سیرت و کردار: حضرت میاں میر بے حد متبع سنت تھے عبادت میں آپ فرائض، سنن موکدہ، تہجد اور اُن نمازوں کا پابندی سے خیال رکھتے تھے جو سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ادا فرمائی ہیں۔ اسی طرح روزوں میں بھی پابندی فرمایا کرتے تھے۔

زمانے بھر کے سلاطین، اُمرا، خواص اور عوام آپ سے عقیدت رکھتے تھے۔ لوگ ہمیشہ نذر و نیاز لے کر حضرت کی بابرکت خدمت میں چلے آتے تھے۔ سلاطین اور اُمرا کی کوئی نذر قبول نہ فرماتے۔ اگر ان میں سے کوئی نقدی لاتا تو فرماتے۔ "مجھے فقیر سمجھا ہے کہ یہ نقدی لائے ہو۔ میں فقیر اور مستحق نہیں، غنی ہوں، جس کا خدا ہو، وہ فقیر نہیں۔ یہ لے جاؤ اور کسی مستحق کو دے دو۔"

دنیا کو جس قدر حضرت میاں جیو رحمۃ اللہ علیہ حقیر سمجھتے تھے اتنا حقیر اور کوئی نہیں سمجھتا آپ کا طریقہ یہ تھا کہ عام لوگوں کے لیے ان کا دروازہ بند تھا اور دنیا داروں سے پرہیز کرتے تھے۔ جوانی کے ایام میں تمام دن باغوں اور جنگلوں میں گزارتے نماز مغرب کے بعد جب حجرے میں تشریف لاتے آپ کا لباس فقرا اور درویشوں کا سا نہ تھا۔ خرقہ مرقع نہیں پہنتے تھے۔ کم قیمت کی سفید دستار سر پر اور خرقہ کے بجائے کھدر کا کرتا زیب تن ہوتا تھا۔ جب یہ قدرے میلا ہو جاتا تو دریا کے کنارے جا کر دست مبارک سے دھو لیتے۔ آپ اپنے اصحاب کو کپڑوں کو پاک صاف رکھنے کی بہت تاکید فرماتے تھے۔ خادموں اور طالبوں کا لباس بھی آپ کی طرح کرتا اور دستار تھا۔

۱۵۔ سماع سے شغف: حضرت میاں جیو رحمۃ اللہ علیہ سماع بھی فرماتے تھے ہندی راگ کو خوب سمجھتے تھے اور اسے بہت پسند کرتے تھے۔ قوال آتے اور ان سے سماع فرماتے لیکن ایسا نہیں کہ قوال ہمیشہ ان کے پاس رہیں یا انہیں خود طلب فرمائیں۔ شریعت کی پیروی اور اپنے آپ پر منضبط ہونے کی وجہ سے وجد و رقص ہرگز نہیں کرتے تھے۔ سماع فرما کر جب کبھی

خوش ہوتے تو خوشی ان کے روئے مبارک اور چہرہ پُرنور سے ظاہر ہوتی، ریش مبارک کے بال ایک ایک کر کے کھڑے ہو جاتے اور چہرہ تمتما اٹھتا لیکن تمکین و وقار کا یہ عالم تھا کہ نہ کوئی حرکت صادر ہوتی نہ ہاتھ اٹھاتے۔

۱۶۔ کرامات: اللہ کا ولی جب روحانیت میں کامل ہو جاتا تو لوگوں میں اظہار بزرگی کے لیے کرامت سرزد ہوتی ہے اولیا کاملین ہمیشہ انہیں پوشیدہ رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ایسے ہی حضرت میاں میر کرامت کو پوشیدہ رکھنے کے قائل تھے لیکن اس کے باوجود آپ سے بے شمار کرامات سرزد ہوئیں۔ ان میں سے چند ایک کرامات درج ذیل ہیں۔

ا۔ سانپ کی عقیدت مندی: دارا شکوہ نے سکینۃ الاولیا میں لکھا ہے کہ میں نے شیخ عبدالواحد بنیانی کو جو حضرت کے مرید تھے اور ایک سال انہوں نے حضرت کی باسعادت خدمت میں گزارا تھا، کہا کہ آپ اتنی مدت خدمت میں رہے ہیں، ہمیں حضرت کی کچھ کراتیں بتائیے۔ وہ بولے۔ "آپ کی کرامتیں حد سے زیادہ ہیں۔ بس یہ سمجھیے کہ جیسا آپ فرماتے تھے، ویسا ہو جاتا تھا بہرحال ان میں ایک یہ ہے کہ ایک دن حضرت میاں جیو[۲] مزار کامران کے باغ کے سامنے دریا کے کنارے لیٹے ہوئے تھے۔ ان کے پاؤں میں تکلیف تھی۔ میں پاؤں دبا رہا تھا۔ اچانک کیا دیکھتا ہوں کہ ایک بہت بڑا سانپ چلا آرہا ہے۔ آپ نے فرمایا: "اسے آنے دو" جونہی وہ قریب آیا، حضرت اٹھ کر بیٹھ گئے، سانپ آپ کے حضور میں بلند ہو کر بیٹھ گیا اور کچھ کہا، جسے میں نہ سمجھ سکا۔ حضرت میاں جیو رحمتہ اللہ علیہ نے جواب میں فرمایا: "خوب! ایسا ہی سہی"۔ سانپ اٹھا، تین مرتبہ حضرت کے گرد پھرا اور چلا گیا۔ میں نے حضرت سے دریافت کیا کہ سانپ نے کیا کہا تھا؟ آپ نے فرمایا: "سانپ نے یہ کہا تھا کہ میں نے تہیہ کیا تھا جب آپ کو دیکھوں گا تو آپ کے گرد طواف کروں گا"۔ جواب میں میں نے کہا۔ "بہتر ایسا ہی سہی۔"

۲۔ فاختہ زندہ ہو گئی: شیخ عبد الواحد نے کہا کہ ایک دن حضرت میاں جیو رحمۃ اللہ علیہ زین خان کے باغ میں مشغول ذکر تھے۔ میں ان کی خدمت میں حاضر تھا۔ ایک فاختہ درخت کی شاخ پر بیٹھی چہک رہی تھی، حضرت نے فرمایا: "سنو! کس خوش بیانی سے خالق کے نام کا ورد کر رہی ہے۔" اس کی آواز آپ سے بہت محظوظ تھے۔ دفعتہً ایک شخص آیا اس کے ہاتھ میں غلیل تھی، فاختہ کا شکار کرنے کے لیے اس نے غُلّہ پھینکا، جو فاختہ کے جا لگا۔ وہ درخت کے نیچے آگری اور سر گئی۔ اس شخص کو مہلت ہی نہ دی کہ اسے ذبح کرتا۔ فاختہ وہیں چھوڑ کر وہاں سے روانہ ہوا۔ حضرت میاں جیو رحمۃ اللہ علیہ بہت آزردہ ہوئے اور فرمایا "جا اور فاختہ کو اُٹھا لا۔" میں فاختہ کو آپ کی خدمت میں لے گیا۔ آپ نے اپنا دست مبارک اس پر پھیرا تو وہ فوراً ہاتھ سے نکل کر اُڑ گئی اور اسی شاخ پر جا بیٹھی اور اسی طرح ذکر باری تعالیٰ میں مصروف ہو گئی۔ اتنے میں وہ شکاری واپس آیا اور پھر اسی فاختہ کے شکار کرنے کا ارادہ کیا۔ حضرت نے مجھے فرمایا کہ جا اور اسے منع کر میں نے ہر چند اسے منع کیا لیکن وہ نہ مانا، بلکہ میرے ساتھ سختی سے پیش آیا۔ اُس نے فاختہ کا نشانہ کرنے کے لیے غُلّہ پھینکنا چاہا۔ غلہ فاختہ پر لگنے کے بجائے پوری شدت کے ساتھ اس کی انگلی پر لگا جس سے وہ بیتاب ہوا اور چکرا کر گر پڑا۔

حضرت نے فرمایا: "جا اور اس سے کہہ کہ فقیر کی بات تو نے نہ مانی اور اپنا حشر دیکھ لیا۔ وہی ہوا جو ہونا تھا۔" اب اگر فاختہ کو پھر نہ مارے تو تمہاری انگلی کا درد جاتا رہے گا۔" میں نے جا کر اسے یہ کہا۔ وہ بولا، میں وعدہ کرتا ہوں کہ آئندہ کسی جانور کو نہیں ماروں گا۔ فوراً ہی اس کا درد جاتا رہا اور وہاں سے رخصت ہوا۔

۳۔ رزق غیبی کا واقعہ: میاں حاجی محمد بنیانی نے یہ کرامت بیان کی کہ میں نے حضرت میاں جیو رحمۃ اللہ علیہ کی زبان مبارک سے سنا کہ چار فقیر مل کر سیوستان کے پہاڑوں میں سفر کر رہے تھے۔ کچھ ایسا اتفاق پیش آیا کہ تین دن انہیں کھانے پینے کو کچھ میسر نہ آ سکا۔ اسی سوچ میں تھے کہ

کوشش کریں کہ کھانے کو کچھ مل سکے۔ ان میں سے ایک نے کہا، میں آگے چل کر کوئی چیز مہیا کرتا ہوں، تم آہستہ آہستہ چلے آؤ۔ وہ فقیر تھوڑی دور گیا تھا کہ اس کے ساتھیوں نے راستے میں پھلوں سے لدا ہوا ایک درخت دیکھا، اس کی شاخیں پھل کے بوجھ سے جھک کر زمین تک آ رہی تھیں۔ درخت کے نیچے ٹھنڈے پانی کا چشمہ بہہ رہا تھا۔ فقیر درخت کے نیچے آیا۔ حسب خواہش پھل کھایا، پانی پیا اور کہنے لگے کہ اس جیسا پھل دنیا میں اور کوئی نہیں شاید یہ بہشت کا میوہ ہے۔ انہوں نے ساتھی کا حصہ لے لیا اور چل پڑے۔ تھوڑی ہی دور گئے تھے کہ وہ ساتھی اُن سے آملا جو خوراک کا بندوبست کرنے کے لیے گیا تھا۔ وہ بولے افسوس تم موجود نہ تھے۔ ہمیں میوے سے بھرا ہوا درخت اور بہتا پانی میسر آیا۔ تمہارا حصہ ہم ساتھ لے آئے ہیں لو اور کھاؤ۔ اس نے جواب دیا مجھے اس کی ضرورت نہیں۔ یہ سن کر حضرت میاں جیو رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: "او بابا! وہ درخت، وہ میوہ، وہ چشمہ وہی فقیر تو تھا، جو خوراک کی تلاش میں نکلا تھا"۔ حاجی محمد کہتے ہیں کہ وہ فقیر دراصل حضرت میاں جیو رحمۃ اللہ علیہ تھے۔

۴۔ روحانی تصرف کا واقعہ: میر محمد خانی، حاجی علی کوسوی کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ مرد عزیز، صاحب زہد و تقویٰ تھا۔ حضرت میاں جیو رحمۃ اللہ علیہ سے اسے سچی ارادت اور پر خلوص عقیدت تھی۔ اکثر ان کی خدمت میں حاضر ہوتا اور ان سے مستفید ہوتا۔ ہر پانچ سال میں ایک مرتبہ لاہور سے اپنے وطن واپس جاتا۔ اس عرصے میں وہ تجارت بھی کرتا تھا۔ ایک مرتبہ اپنے وطن سے لاہور واپس آیا۔ میر محمد مذکور کے والد کے گھر ٹھہرا اور بیان کیا کہ میں نے اس سفر میں حضرت میاں جیو رحمۃ اللہ علیہ کی ایک عجیب کیفیت دیکھی ہے۔ ایک دن اصفہان اور یزد کے مابین ہمارا قافلہ دریا کے کنارے اترا ہوا تھا، میں اپنے چند رفیقوں کے ساتھ کھانا پکانے میں مشغول تھا۔ اچانک دور سے ایک شخص لباس فاخرہ پہنے نظر آیا، اسے دیکھنے سے مجھے

بہت فرحت اور راحت محسوس ہوئی۔ یہاں تک کہ وہ بزرگ میرے قریب آگیا۔ غور سے دیکھا تو یہ حضرت میاں جیو رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ جو مجھے بلا رہے تھے۔ میں بڑے شوق سے دوڑتا ہوا خدمت میں حاضر ہوا۔ اور ان کے پائے مبارک پر سر رکھ دیا۔ حضرت مجھ سے بغل گیر ہوئے اور فرمایا" آپ کا کارواں نشیبی جگہ پر ٹھہرا ہوا ہے، بہت بڑا طوفان آنے والا ہے۔ جلدی کرو اپنے سازوسامان اور خیمے کو کہیں اونچی جگہ منتقل کرو، اور اہل قافلہ کو بھی مطلع کر دو۔ اس اثنا میں میں نے چاہا کہ حضرت سے دریافت کروں کہ اس سرزمین میں تشریف آوری کیوں کر ہوئی؟ نیز کھانا کھانے کے لیے بھی التماس کروں کہ اچانک ناگوار سی آوازیں سنائی دیں۔ حضرت کی طرف متوجہ ہوا تو انہیں کہیں نہ پایا۔ وہ نظروں سے غائب ہو چکے تھے۔ اس واقعے سے میرے دل پر بہت خوف طاری ہوا اور وہاں سے لوٹ کر اپنا خیمہ اور سازوسامان اونچی جگہ پر لے گیا اور اہل قافلہ کو بھی اوپر آنے کو کہا۔ لوگوں نے کہا، اس قسم کی تیز دھوپ میں خیمے کہاں اکھاڑیں اور کیا تکلیف اٹھائیں۔ بعض لوگوں نے میری بات پر اعتماد کرکے اس پر عمل کیا اور اونچی جگہ پہنچ گئے۔ تھوڑا ہی وقت گزرا تھا کہ شدید طوفان آیا اور جن لوگوں نے میری بات سنی ان سنی کر دی اور وہیں نشیب میں رہ گئے، وہ مع و اسباب طوفان کی نذر ہو گئے۔

شعر

انکار مکن، کہ ان کا شوم است   ہر کہ انکار کند ازین کار محروم است

(انکار نہ کر، انکار بری بات ہے، جو انکار کرتا ہے، وہ اس کام سے محروم رہ جاتا ہے)۔

راوی کا کہنا کہ جن لوگوں نے میری بات کا یقین کر لیا اور بلند مقام پر آگئے وہ بچ گئے لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ اس وقت حضرت میاں جیو رحمۃ اللہ علیہ لاہور میں تشریف فرما تھے۔

۵۔ گونگے کی زبان کھل گئی: ایک مرتبہ ایک شخص حضرت میاں جیو رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں آیا اور عرض کی کہ میرا بیٹا نزع کی حالت میں ہے۔ یہ امید لے کر آیا ہوں کہ آپ توجہ فرمائیں گے۔ حضرت نے جب اس کی گھبراہٹ اور پریشانی دیکھی تو ان پر استغراق کی کیفیت طاری ہوئی۔ تھوڑی دیر بعد اس کیفیت میں کچھ کمی واقع ہوئی تو آپ نے پانی کا پیالہ طلب کیا۔ اس پر دعا پڑھی اور اس شخص کو دیا کہ اسے لے جائیے اور اپنے بیٹے کو پلا دے۔ جب وہ پانی اسے پلایا تو اسے شفا ہو گئی۔ پھر وہی شخص اپنے بیٹے کے ہمراہ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ یہ سات سال کا ہو گیا ہے لیکن گونگا ہے۔ بول نہیں سکتا۔ حضرت میاں جیو رحمۃ اللہ علیہ نے اس لڑکے کو فرمایا، کہو!۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ "، آپ کا یہ فرمانا تھا کہ لڑکے کی زبان کھل گئی اور اس کا گونگا پن جاتا رہا اور پھر یہ بھی ہوا کہ تھوڑی ہی مدت میں اس نے قرآن شریف حفظ کر لیا۔ حضرت نے اس پر یہ عنایت بھی کی کہ وضو کرتے ہوئے جس رومال سے ہاتھ اور منہ پونچھتے تھے، وہ اسی کو دے دیا اور فرمایا: "جس وقت کوئی بیماری تمہارے بیٹے کو لاحق ہو یہ رومال اس کے سر پر لپیٹ دینا، خدا شفا دے گا۔ اس شخص نے اس عطیہ کو عطیہ مقدس سمجھا اور رومال کو سر آنکھوں پر لگا کر لے لیا۔ کہتے ہیں یہ رومال آج تک اس کے پاس ہے، جب کبھی اس کو یا اس کے بیٹے کو کسی قسم کی بیماری یا تکلیف ہوتی ہے تو وہ اسی طرح کرتا ہے، جیسے حضرت نے ہدایت فرمائی تھی۔ چنانچہ اسی دن اسے شفا ہو جاتی ہے۔

۱۷۔ شاہان مغلیہ کی عقیدت مندی: آپ کی ولایت کا شہرہ جب دور و نزدیک ہوا تو بادشاہان وقت بھی آپ کے عقیدت مند ہوئے مغل بادشاہ جہانگیر شاہجہان آپ کے بے حد عقیدت مند تھے دارا شکوہ تو آپ سے والہانہ عقیدت رکھتا تھا۔ اور اسی عقیدت مندی کا نتیجہ ہے کہ اس نے آپ کے حالات کے بارے میں ایک کتاب سکینۃ الاولیاء لکھی۔ اس کے برعکس آپ کی عادت

تھی کہ آپ نے کسی بادشاہ سے کبھی سوال نہ کیا بلکہ نذرانہ قبول کرنے سے بھی ہر ممکن گریز کیا۔

۱۔ جہانگیر کی عقیدت مندی: ایک مرتبہ جہانگیر نے آپ کو بلایا آپ چلے گئے جہانگیر نے تزک جہانگیری میں اپنی ملاقات کو اس طرح بیان کیا ہے کہ "جب مجھے علم ہوا کہ لاہور میں ایک درویش میاں میر نامی سندھ کے رہنے والے نہایت فاضل، بابرکت اور صاحب حال بزرگ ہیں، اور توکل اور گوشہ عزلت کو اپنا شعار بنائے ہوئے ہیں، فقر کی دولت کی بدولت غنی اور دنیا سے مستغنی ہیں، ان اوصاف کی بنا پر میرا دل ان کی ملاقات کے لیے بے چین ہوا، اور اُن کی زیارت کے لیے میں نے اپنے دل میں غیر معمولی رغبت پائی، لیکن میرے لیے لاہور جانا مشکل تھا، میں نے ایک خط کے ذریعہ ان کی خدمت میں اشتیاق ملاقات ظاہر کیا، حضرت باوجود ضعف پیری کے زحمت فرما کر تشریف لائے اور ایک طویل عرصے تک خلوت میں آپ کے ساتھ بیٹھا، اور آپ کی صحبت سے مستفید ہوا، بلاشبہ آپ کی ذات غیر معمولی شرف کی حامل ہے، اور اس زمانے میں آپ کا وجود مغتنمات میں ہے، ان ملاقاتوں میں مجھے آپ سے بہت سے معارف و حقائق سننے کا اتفاق ہوا، میں نے ہر چند چاہا کہ آپ کی خدمت میں نذر پیش کروں لیکن آپ کے پایۂ عالی کو دیکھتے ہوئے مجھے اپنی اس تمنا کے اظہار کی جرات نہ ہوئی، آخر میں نے ایک سفید ہرن کی کھال جانماز کے طور پر آپ کی خدمت میں پیش کی۔

۲۔ شاہجہاں کی عقیدت: شاہجہاں بھی آپ سے بے حد عقیدت رکھتا تھا وہ بحیثیت ایک مخلص معتقد کے دو مرتبہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ایک دفعہ جب شاہجہاں میاں میر کے حجرے میں داخل ہوئے تو ان کے ہمراہ چار آدمی تھے۔ پہلی بات جو آپ نے شاہجہاں سے فرمائی وہ یہ تھی کہ عادل بادشاہ کو اپنی رعیت اور سلطنت کی خبر گیری کرنی چاہیے اور اپنی تمام توتیں اپنی مملکت کے آباد کرنے میں صرف کرنی چاہیں، کیونکہ اگر رعیت آسودہ حال اور ملک آباد

ہے تو فوج مطمئن اور خزانہ معمور ہوگا۔

شاہ جہاں آپ کے ارشادات اور شخصیت سے اس قدر متاثر ہوئے کہ ہمیشہ کہا کرتے تھے کہ ترک و تجرید میں میں نے میاں میر جیسا کوئی درویش نہیں دیکھا۔

۳۔ دارا شکوہ کی عقیدت: دارا شکوہ بھی میاں میر کا عاشق تھا، اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ آپ نے بھی اس کی روحانی تربیت اور ذوق شوق کو آب و رنگ بخشا تھا۔

دارا شکوہ کی روایت ہے کہ جب میری عمر بیس سال کی تھی، میں ایسا سخت بیمار ہوا کہ طبیبوں نے جواب دیا، میرے والد مجھے لے کر میاں میر کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور کمال عقیدت و نیازمندی سے عرض کیا کہ یہ میرا لڑکا بیمار ہے، اور طبیب اس کے علاج سے عاجز آچکے ہیں، آپ اس کے لیے دعا فرمایئے آپ نے میرا ہاتھ پکڑ کر وہ پیالہ جس سے خود پانی پیا کرتے تھے پانی سے بھر کر اور اس پر دم کر کے مجھے دیا، میں اس کے پینے سے ایک ہفتے بعد بالکل اچھا ہو گیا۔

یہ واقعہ پہلا نقش تھا جو میاں میر کی محبت و عقیدت کا دارا شکوہ کے قلب میں قائم ہوا۔ اس کے بعد اُس کی عقیدت میاں میر سے بڑھتی ہی گئی۔

۱۸۔ خلفاء: حضرت میاں میر کے خلفاء بہت سے تھے لیکن جن کو شہرت حاصل ہوئی۔ ان کے نام یہ ہیں۔

۱۔ حاجی نعمت اللہ سرہندی۔ ۲۔ حضرت ملا بدخشی۔ ۳۔ میاں نتھا۔ ۴۔ ملا حامد گجر۔ ۵۔ ملا روحی۔ ۶۔ ملا خواجہ کلاں۔ ۷۔ حاجی صالح کشمیری ۸۔ ملا عبد الغفور۔

۱۹۔ وصال: حضرت میاں جیو رحمۃ اللہ علیہ کو لاہور میں ساٹھ سال گزارنے کے بعد اسہال کی بیماری، جس کے بارے میں حدیث صحیح اَلْمَبْطُوْنُ شَهِيْدٌ وارد ہے۔ آپ کو لاحق ہو گئی۔ اور پانچ دن تک جاری رہی۔ آخر ۱۰۴۵ھ بتاریخ ۷ ماہ ربیع الاوّل کو بروز سہ شنبہ پہر دن گزارا تھا کہ محلہ خانی پورہ کے اس حجرے میں، جہاں آپ کا قیام تھا، آپ کی روح پاک ناسوتی وجود کے قفس عنصری سے آزاد ہو گئی اور عالم لاہوت میں، جو اس کا وطن تھا، پہنچی گویا قطرہ سمندر سے جا ملا۔ وصال کے وقت آپ کی عمر اٹھاسی سال تھی۔

۲۰۔ تدفین: وفات سے ایک روز پہلے نواب وزیر خان حاکم صوبہ پنجاب آپ کی عیادت کے لیے آیا اور بڑی مشکل سے حضرت کے حجرے میں جگہ ملی لیکن دوسرے روز حضرت کا انتقال ہو گیا تمام رؤسا اور علمائے نے آپ کے جنازے میں شرکت کی، آپ کی وصیت تھی کہ جہاں ہمارے دوست میاں نتھا دفن ہیں وہاں ہمیں دفن کرنا چنانچہ آپ کو اس مقام پر دفن کیا گیا جہاں آپ کا مزار اقدس ہے۔

۲۱۔ مزار مبارک: آپ کا مزار علاقہ حضرت میاں میر میں ہے آپ کے مزار پر ایک خوبصورت گنبد ہے مغرب کی جانب مسجد ہے احاطہ مزار کافی کھلا ہے اور احاطہ کے ارد گرد چار دیواری ہے۔ آپ کے مزار اقدس کو دارا شکوہ نے بنوانا شروع کیا تھا کہ وہ اپنے اس دار فانی سے کوچ کر گیا کچھ عرصہ تک مزار کی عمارت نامکمل رہی، لیکن بعد میں عالمگیر ایک مرتبہ آپ کے مزار پر حاضر ہوا اور اس نے عمارت کو مکمل کروا دیا۔ آپ کے گنبد کے دروازے پر یہ قطعہ تاریخ وفات لکھا ہوا ہے۔

سفر جانب شہر جاوید کرد — خرد بہر سال وفاتش نوشت
چو زیں لخت آباد و دلگیر شد — بفردوس والا میاں میر شد

۱۰۴۵ھ

حضرت نوشہ گنج قادریؒ

حضرت نوشہ گنج قادری پنجاب میں سلسلہ قادریہ کے آفتاب ہیں ۔ آپ علوم ظاہری و باطنی کے جامع تھے ۔ طریقت قادریہ کی شاخ نوشاہیہ کے بانی تھے ۔ آپ ذات بابرکات اور آپ کے تربیت یافتگان کے سبب سلسلہ قادریہ کو پنجاب میں استحکام اور عروج حاصل ہوا کیوں کہ آپ کاشف اسرار معرفت تھے ۔

آپ کا اصل نام حاجی محمد تھا لیکن نوشہ گنج کے نام سے مشہور ہوئے ۔ آپ کے والد سید علاء الدین حسین غازی تھے ۔

۱۔ پیدائش : آپ کی ولادت باسعادت شب دوشنبہ بتاریخ یکم رمضان المبارک ۹۵۹ھ نوسو انسٹھ ہجری مطابق ۱۵۵۲ء ایک ہزار پانچ سو باون عیسوی میں بعہد اسلام شاہ ولد شیر شاہ سوری بمقام گھوگانوالی ۔ تحصیل پھالیہ ضلع گجرات ہوئی ۔

۲۔ تربیت : آپ کے والد بزرگوار تو اکثر سفر حج میں رہتے تھے ، انہوں نے سات حج پاپیادہ کئے ہیں ، اس لیے زیادہ تر آپ کی تربیت اپنی والدہ ماجدہ اور چچا صاحب شاہ رحیم الدین علوی رح کی آغوش میں ہوئی ۔

پاک نہاد مرد و عورتیں جو باطہارت ہوں آپ کو اٹھاتی اور بہلاتی تھیں ، اگر کوئی ناپاک جسم والی عورت آپ کو ہاتھ لگانا چاہتی تو گریہ زاری اٹھاتی ۔

۳۔ دور جوانی : جوانی کے زمانے میں آپ میں قدر طاقت ظاہر ہوئی کہ بیس۲۰ تیس۳۰ سالہ نوجوان کو مقابلہ کی جرأت نہ ہو سکتی تھی ۔ آپ کو تیر اندازی کا شوق پیدا ہوا ۔ چنانچہ اس فن میں ایسا کمال حاصل کیا کہ کبھی آپ کا نشانہ خطا نہ جاتا تھا ۔

۴۔ ذکرِ الٰہی کا جذبہ: عالمِ شباب میں آپ یادِ الٰہی کی ایسی رغبت پیدا ہوئی کہ آپ گھر سے تنہا نکل کر جنگل میں چلے گئے اور ایسے ویرانہ میں مقام کیا جہاں پانچ پانچ کوس تک گرد و نواح میں آبادی کا نشان نہ تھا۔ دن کو روزہ رکھتے، اور رات کو قیام کرتے، وجہ قوت عناب صحرائی جن کو جھڑ بیر (پہنجو) کہتے ہیں، یا درختوں کے پتے یا سبز گھاس تھی، جس سے روزہ افطار کرتے، اور دن رات کسی درخت کے سایہ میں یادِ الٰہی میں مصروف رہتے، کچھ عرصہ کے بعد کسی زمیندار کو حضور کا پتہ چلا تو وہ ایک پیالہ دودھ روزانہ آپ کی خدمت میں لے جاتا، اور آپ اس سے روزہ افطار کر لیتے۔

۵۔ سنتِ نکاح: جب جنگل میں آپ کا پتہ چل گیا تو آپ کی والدہ ماجدہ، اپنے قبیلہ کے بعض لوگوں کو ساتھ لے کر جنگل میں گئیں، اور آپ کو گھر واپس لائیں، اور خیال کیا کہ اگر ان کا نکاح کیا جائے تو شائد اپنے گھر میں دل جمعی سے بیٹھ جائیں، اس لیے موضع نوشہرہ تارڑاں میں جو دریائے چناب کے شمالی کنارہ پر ایک مشہور گاؤں تھا، اپنی قوم کے ایک محترم بزرگ حضرت شیخ فتح محمد کی صاحبزادی سے آپ کا نکاح کر دیا گیا۔

۶۔ سکونت نوشہرہ: آپ نے جب نوشہرہ تارڑاں کو دیکھا کہ دریا کے کنارہ پر ہے اور یادِ الٰہی کے لیے اچھی جگہ ہے، اور اس جگہ کے باشندے بھی نیک ہیں، اور یہاں عبادت کا بھی اچھا موقع ملے گا، تو آپ نے گھگانوالی سے ترک کر کے یہاں اپنے سسرال کے گھر قیام کیا، والدین کبھی کبھی یہاں آ کر آپ کو مل جایا کرتے۔

۷۔ حصولِ علم: آپ کو علم کا شوق جوانی میں پیدا ہوا، چند سبق تو اپنے والد بزرگوار سے پڑھے، اور پھر حضرت شاہ علاء الدین رح آپ کو موضع جاگو تارڑ میں حضرت مولوی حافظ قائم الدین اور بقول صاحب تحقیقاتِ چشتی حافظ بڈھا صاحب قاری کے پاس لے گئے، جو قرأت سبعہ کے ماہر تھے، اور کمالیتِ باطنی بھی اس قدر تھی کہ جب وہ سوتے تو صدائے اسم ذات ان کے قلب سے ظاہر ہوتی تھی، اُن کا درس

عام تھا۔ آپ وہیں داخل ہوئے۔

اگرچہ آپ سبق میں بہت کوشش کرتے لیکن قرأت کے قواعد و مخارج اچھی طرح ادا نہ ہوتے تھے۔ اتفاقاً ایک شب آپ نے خواب میں دیکھا کہ دو فرشتے آئے اور فرمایا کہ میاں حاجی محمد! ہم فرشتے ہیں، اور خدا کے امر سے تجھے تعلیم قرآن دینے آئے ہیں۔ اپنا منہ کھولو، آپ نے منہ کھولا تو فرشتہ نے منہ میں انگلی رکھی، اور فرمایا کہ فلاں حرف کا یہ مخرج ہے، سارے حروف کے مخارج انگلیاں رکھ کر بتائے، صبح کو بیدار ہوئے تو قرأت ازبر تھی، استاد سے سبق لینے لگے تو اس طرح الفاظ ادا ہوتے تھے، کہ حافظ صاحب سے بھی ایسے ادا نہ ہو سکتے تھے۔

قرآن مجید حفظ ہو گیا، اصول و فروع میں پوری دسترس ہو گئی، علوم منقول و معقول کی تکمیل کی آخر، حافظ صاحب نے سند علمیہ دے کر آپ کو رخصت کیا، اور آپ کے کمالات روحانی کے اس قدر گرویدہ ہوئے کہ بطور شکریہ فرمایا کہ الحمد للہ آپ جیسا کامل انسان ہماری شاگردی میں رہا، امید ہے کہ قیامت کے دن آپ کی طفیل ہماری بھی نجات ہو جائے گی اور ہم کو فراموش نہ کر دینا، چنانچہ آپ فضائل علمیہ سے معمور ہو کر واپس نوشہرہ میں تشریف لائے۔

۸۔ سیر لاہور: کچھ عرصہ بعد آپ کو سیر کا شوق پیدا ہوا تو چند مخلص ہمراہیوں کے ساتھ سفر کرتے ہوئے لاہور وارد ہوئے، اور زیارات مزارات بزرگان سے مشرف ہوئے، خصوصاً حضرت مخدوم علی ہجویری المعروف داتا گنج بخش لاہوری کے مزار شریف سے بہت کچھ استفاضہ کیا، نیز مشائخ زندگان کی صحبت سے بھی مستفیض ہوئے۔

خصوصاً حضرت شیخ عبدالوہاب متقی قادری شاذلی رح جو قطب مکہ تھے، اور ان دنوں لاہور میں شیخ فرید بخاری رح کی مسجد میں تشریف فرما تھے، ان سے بھی استفادہ کیا۔

۹۔ واقعہ بیعت: اگرچہ عبادت و ریاضت میں آپ ہر دم مشغول رہتے تھے، لیکن علم معرفت جو اسرار و حقائق صدریہ سے ہے سوائے وسیلہ شیخ کامل کے حاصل ہونا غیر ممکن ہے، اسی لیے لاہور سے واپس آتے ہی آپ کا ارادہ ہوا کہ کسی بزرگ صاحبِ نسبت کی ملازمت اختیار کریں، تلاشِ فقراء میں چل پڑے، اتفاقاً کسی آدمی سے حضرت ملا کریم الدین جو کالوی کی تعریف سنی جو کہ حضرت سخی شاہ سلیمان نوری کے خلفائے بزرگ میں سے تھے، اُن کی ملاقات کی، اور حضرت سخی بادشاہ رہ کے اوصاف وہاں سے سن کر دل میں عشق موجزن ہوا، اور برفاقت مُلّا صاحب رح بہلوال شریف پہنچ کر حضرت شیخ کے شرف دیدار سے مشرف ہوئے۔ مُلّا صاحب نے آگے ہو کر آپ کی ساری حقیقت بیان کی، حضرت سخی بادشاہ رح نے فرمایا۔ مولوی صاحب! ہم اس جوان کے حال سے خوب واقف ہیں، اس نے ہم کو بہت انتظار کروائی ہے، اور خوشی سے اُن کا چہرہ گُلِ گلاب کی طرح شگفتہ ہوا۔ پہلی ہی نظر سے آپ کی حالت دگرگون ہو گئی، لیکن چونکہ استعداد عالی رکھتے تھے۔ اس لیے حتے الوسع اپنے آپ کو سنبھالا اور بحال رہے۔

۱۰۔ سپرد امانت: حضرت سخی پیر رح نے فرمایا میاں حاجی محمد! سامنے آؤ، آپ سامنے آئے اور قدمبوسی کی، حضرت شیخ نے آپ کا ہاتھ پکڑ کر بطریق مسنون بیعت کیا، اور کمال مہربانی سے گلے لگا کر معانقہ کیا۔ اور زبان مبارک سے فرمایا۔ الحمد للہ۔ کہ حقدار کو حق پہنچ گیا۔ اور امانت اپنے اہل کو موصول ہوئی۔

۱۱۔ دور جذب: قاضی رضی الدین کنجاہی رح سے منقول ہے کہ آپ حضرت سخی بادشاہ رح کی ایک ہی نظر فیض اثر سے مجذوب ہو گئے، حالت سکر نے ایسا غلبہ کیا کہ دنیا اور ما فیہا کی کچھ ہوش نہ رہی۔ ایسی بے خودی طاری ہوئی کہ تین ماہ تک ایک ہی پہلو میں پڑے رہے، کھانے، پینے، بولنے کی کچھ خبر نہ تھی، اس کے بعد پیر روشن ضمیر نے آپ پر نظر رحمت ڈالی تو آپ ہوش میں آ گئے، اور سکر

صحو سے مبدل ہوگیا، اور آپ فضائلِ باطنی سے معمور ہو کر واپس نوشہرہ تشریف لائے۔

مرزا احمد بیگ لاہوری رح لکھتے ہیں کہ اسی عرصہ تین ماہ میں آپ کو تمام مراتب فنا و بقا اور مقامات سلوک طے ہو گئے۔ اور یہ محض جذبہ ربانی اور توجہ شیخ کامل کا نتیجہ تھا۔ آخر آپ جذب سے نکل کر سالکانہ زندگی میں آ گئے

۱۲، سیر و سیاحت: آپ نے بحکم سِیۡرُوۡا فِی الۡاَرۡضِ کچھ عرصہ سیر و سیاحت میں بھی گزارا۔ ہندوستان، سندھ، افریقہ، عرب و عجم کی سیر کے واقعات تذکروں میں پائے جاتے ہیں۔ مصر کی ایک مسجد میں حضرت خضر علیہ السلام آپؒ کی ملاقات کے واسطے آئے۔ کوہ علقا میں ایک درویش سے ملاقات ہوئی۔

۱۳، خلافت: کتاب سرِ مکتوم میں ہے کہ حضرت شاہ سلیمان قادری نے جب آپؒ کو خلافت سے مشرف کیا، تو آپؒ کو مجلس محمدی میں حاضر کیا۔ اس وقت حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی مجلس اعلیٰ منعقد تھی۔ چہار یار ظاہری۔ اور چہار یار باطنی موجود تھے۔ انہوں نے حضور نبوی میں عرض کیا کہ یہ میرا بچہ ہے اس کو قبول فرمادیں اور اپنی نعمتوں سے بہرہ ور فرمادیں، تو اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بمعہ صحابہ کرام کے آپ کو اپنے فیوض و برکات سے نوازا۔ اس لیے آپ کمالاتِ فیضان نبوت و ولایت سے مشرف ہوئے۔

۱۴، مسند ارشاد پر جلوہ افروزی: آپ نے حسب الحکم اپنے مرشد ارشد کے نوشہرہ تارڑاں میں جو بعد میں ساہن پال شریف کے نام سے موسوم ہوا سکونت اختیار کی تھی، اور اسی گاؤں کو دار الارشاد ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ دور دراز علاقوں سے مخلوق خدا آ کر فیض یاب ہونے لگی۔ پنجاب، سندھ ہندوستان، کشمیر، قندھار اور افغانستان وغیرہ ممالک کے ہزاروں لوگ آپ کی خدمت سے مستفیض ہوئے اور غوثیت و قطبیت کے مناصب جلیلہ پر فائز ہو کر واپس گئے

۱۵۔ تبلیغ اسلام: آپ نے اپنی زندگی محض خدا کے لیے وقف کی ہوئی تھی، دین حقہ کی تبلیغ آپ کا نصب العین تھا۔ وہ زمانہ یعنی اکبری دورِ حکومت، الحاد کا سرچشمہ تھا اُس زمانہ میں آپ کے تبلیغی کارناموں کا یہ اثر ہوا کہ ہزاروں اتباعِ سنت پر عمل پیرا ہو گئے۔ بے شمار لوگ جو برائیوں میں مبتلا تھے آپ کی توجہ سے گناہوں سے تائب ہو کر مرتبہ ولایت تک پہنچے۔ آپ کی نگاہ میں ایسی تاثیر کہ جس شخص پر نظر کرتے، اُس کا قلب ذاکر ہو جاتا۔ ہزاروں کفار مسلمان ہوئے، بلکہ فرانسیسی مستشرق گارساں دتاسی نے اپنے خطبات میں، اور پروفیسر آرنلڈ نے پریچنگ آف اسلام میں اعتراف کیا ہے کہ آپ کی تبلیغ سے دو لاکھ ہندو حلقہ اسلام میں داخل ہوئے۔ آپ کا اردو اور پنجابی کلام پڑھنے سے ثابت ہوتا ہے کہ اس قدر نومسلموں کی تعداد میں کچھ مبالغہ نہیں۔ آپ نے ہندوؤں کے بنیادی مسائل اواگون وغیرہ کی عقلی طور پر خوب تردید کی ہے۔ اور انہیں کی زبان میں اُن کو سمجھانے کی کوشش ہے، اور اسلام کی حقانیت اُن پر ثابت کر دی ہے آپ نے اپنے خلیفوں کی ایک جماعت دین کی تبلیغ کے لیے مختلف ممالک میں بھی بھیجی تھی۔

۱۶۔ روحانی فیض کے واقعات: آپ سے بے شمار لوگوں کو روحانی فیض حاصل ہوا اور روحانی تصرفات کے چند واقعات حسب ذیل ہیں۔

۱۔ توجہ کا اثر: آپ کے فرزند اکبر صاحبزادہ حضرت حافظ محمد برخوردار صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ آپ کا ایک مرید جھنڈا نام مزارعہ تھا جو چوہدری ساہنپال کی زمین پٹہ پر لے کر کاشت کیا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ اُس کا فصل بہت اچھا تھا اُس کا خیال تھا کہ پٹہ ادا کر کے جو کچھ منافع حاصل ہو گا اُس سے اپنی لڑکی کی شادی کروں گا، کسی نے جا کر حاکم پرگنہ کے آگے چغلی کھائی کہ موضع ساہنپال میں فصل بہت اچھے ہیں، اُن کو معاملہ زیادہ لگانا چاہیے، حاکم پرگنہ چوہدری ساہنپال کے مخالف تھا، اُس نے مولراج تالونگو کو مامور کیا، کہ تم جا کر وہاں سارے رقبہ کی پیمائش کر کے اُن پر معاملہ لگاؤ۔

مولراج کی بھی چوہدری کے ساتھ عداوت تھی، وہ بڑی خوشی سے اس خدمت کو انجام دینے آیا۔ اتفاقاً سب سے پہلے جھنڈا کا کھیت سامنے آیا۔ اُس کی پیمائش ہونے لگی۔ جھنڈا نہایت مغموم ہو کر حضور کی خدمت میں آیا۔ اور حقیقت حال عرض کی، آپ نے فرمایا کہ تیری زمین پیمائش میں کس قدر ثابت ہو تو تم راضی ہو۔ اس نے عرض کیا کہ اگر بتیس[۳۲] بیگھہ بن جاوے تو میرا کام مرضی کے مطابق ہو جائے گا۔ اور زمین تیس[۳۰] بیگھہ سے بھی زیادہ تھی، آپ نے فرمایا جس طرح تیری مرضی ہے اسی طرح ہو جائے گا، اور اگر پیمائش میں تکرار کریں گے تو اس سے بھی کم ہو جائے گی، جھنڈا کی تسلی ہو گئی۔ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ جو کچھ آپ کی زبان مبارک سے نکلے اس سے تفاوت نہیں ہو سکتی۔ آکر اپنے کھیت کے پاس کھڑا ہو گیا، ملازموں پٹواریوں نے جریب سے پیمائش کی، امرِ الٰہی سے وہ زمین بتیس[۳۲] بیگھہ بنی۔ قانونگو نے پٹواریوں کو ڈانٹا کہ تم نے کچھ رشوت لے لی ہے، اور زمین کی پیمائش میں بددیانتی کر رہے ہو، پھر پیمائش کرو، چنانچہ دوبارہ پیمائش کرنے پر انیس[۱۹] بیگھہ ہوئی۔ قانونگو نے بہت پیچ وتاب کھایا، اور خود گھوڑے سے اتر کر ایک طرف سے خود جریب پکڑی، اور دوسری طرف سے کسی اعتبار والے آدمی کو پکڑا لی۔ پیمائش کرنے پر زمین اٹھارہ[۱۸] بیگھہ بنی۔ قانونگو نہایت متحیر ہوا کہ اس میں کیا اسرار ہے؟ جھنڈا کو پوچھنے لگا کہ تمہارا کھیت بہت وسیع ہے پیمائش میں کم آتا ہے کیا باعث ہے؟ اس نے کہا یہ سب کچھ میرے پیر حضرت نوشہ صاحب کی ذات اقدس کا تصرف ہے، چنانچہ مولراج جھنڈا مذکور کے ہمراہ آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر قدمبوس ہوا، اور اپنی تقصیر کی معافی لی اور عرض کی کہ جس قدر آپ ارشاد فرماویں تمام گاؤں کا اتنا معاملہ مقرر کیا جائے۔ آپ نے چوہدری ساہنپال رح کو بلا کر اس کی مرضی کے مطابق معاملہ مشخص کروا دیا۔ اس کے بعد مولراج بھی آپ کے معتقدوں سے ہو گیا۔

۲۔ قبولیت دعا کا واقعہ: منقول ہے کہ ایک مرتبہ آپ اپنے شیخ عالی جاہ حضرت سخی بادشاہ کے ہمراہ بارگرندلاں کا سیر فرماتے

ہوئے موضع ویہ وال میں پہنچے، وہاں کا نمبر داران کی خدمت میں آیا، اور عرض کیا کہ یا حضرت میرا ایک ہی فرزند ہے، اور عرصہ سے بیمار ہے، چالیس روز گذر چکے ہیں کہ اس نے منہ میں بھی کوئی چیز نہیں ڈالی، صرف چمچہ سے پانی اس کے منہ میں ڈالتے ہیں اکثر بیہوش رہتا ہے پانچ چھ گھڑی کے بعد آنکھ کھولتا ہے، صرف رمق باقی ہے، زندگی کی کچھ امید نہیں۔ اگر حضور کچھ دعا فرماویں تو شاید قبول ہو جائے۔ حضرت سخی بادشاہؒ نے فرمایا وہ لڑکا تندرست ہو جائے گا، ہمارے درویش کو لے جاؤ، یہ علاج کرے گا، اور آپ کی طرف دیکھ کر فرمایا میاں حاجی محمد! جاؤ، بزرگ کام بزرگوں سے ہی ہوتے ہیں آپ تسلیمات بجا لاکر ان کے گھر چلے گئے، اور بیمار کی چارپائی کے قریب بیٹھ گئے اور پوچھا کہ کلام بھی کر سکتا ہے یا نہیں؟ اس کی والدہ نے کہا یا حضرت اس پر بوجہ کمزوری آنکھ کھولنا بھی مشکل ہے کلام کیسی؟ آپ نے فرمایا اس کو بلاؤ تو سہی، والدہ نے بلایا کہ بیٹا! شاہ حاجی محمدؒ آئے ہیں، آنکھیں کھول کر ان کے چہرہ مبارک کو دیکھو، بیمار نے آنکھیں کھولیں، اور بمجرد دیدار پر انوار کے اس کی رگوں میں کچھ طاقت پیدا ہو گئی۔ آپ نے فرمایا کچھ کھاؤ گے؟ اس نے عرض کی اگر کھچڑی ہو تو شاید کھا سکوں، اس کے کہنے پر فی الفور کھچڑی تیار کرائی گئی، پھر آپ نے فرمایا اس کو اٹھا کر بٹھاؤ۔ چنانچہ اس نے بیٹھ کر چند لقمے کھائے، پھر آپ نے فرمایا بھائی تمہارے گاؤں میں حضرت سخی بادشاہ آئے ہوئے ہیں ان کی زیارت کے واسطے چلو، اس نے کہا اگر کوئی پکڑ کر لے چلے تو شاید جا سکوں، آپ نے اس کے والد کو فرمایا کہ اس کو بغلوں سے پکڑ کر اٹھاؤ اور آہستہ آہستہ اپنے سہارے چلا کرے چلو، جب اسی طریق سے حویلی سے باہر نکلے تو آپ نے فرمایا کہ اب اس کو چھوڑ دو خود بخود چلے گا۔ والد نے چھوڑ دیا، چنانچہ وہ بغیر کسی سہارے کے حضرت سخی بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا، حضرت صاحب کمال خوش ہوئے، اور آپ کی طرف نظر کرکے فرمایا آؤ بابا آ گئے ہو، واقعی مرد اسی طرح کرتے ہیں، تم میرے پہلوان ہو۔ اسی روز سے حضور کو پہلوان سخی کا خطاب ملا۔ اور وہ شخص بالکل تندرست ہو گیا۔

۳۔ آپ کی دعا سے بینائی کا حاصل ہونا: حضرت شیخ نور محمد سیالکوٹیؒ سے منقول ہے کہ ایک روز حضور جنگل کی طرف سیر کو نکلے، میں بھی ہمراہ تھا، راستہ میں بارش شروع ہو گئی، ہم ایک موضع میں ٹھہر گئے۔ میں آپ کے پاؤں دبانے لگا آپ استراحت فرما گئے۔ مجھے پیاس لگی میں ایک کنوئیں پر پانی پینے چلا گیا۔ وہاں ایک مرد و عورت شتر سوار بھی پانی پینے کے لیے اترے، میں نے اُن سے پوچھا کہاں سے آئے ہو اور کہاں جاؤ گے؟ کہنے لگے کہ ہم خوشاب سے آئے ہیں، اور چک ساہنپال میں حضرت نوشہ صاحب کی خدمت میں جا رہے ہیں، میں نے خیال کیا کہ یہ مکان شریف پر جا کر پریشان ہوں گے۔ اس واسطے ان کو بتا دیا کہ حضور اسی جگہ استراحت فرما رہے ہیں، وہ نہایت خوش ہوئے، اور وہیں ٹھہر گئے، جب حضور بیدار ہوئے تو وہ مرد دست بستہ سامنے کھڑا ہو گیا، آپ نے پوچھا یہ کون ہے؟ میں نے عرض کیا کہ قوم بلوچ سے معلوم ہوتا ہے، پھر آپ نے پوچھا کہ کیا مطلب رکھتا ہے؟ اس نے عرض کیا یا حضرت! یہ میری عورت ہے، اور میری اس کے ساتھ کمال محبت ہے۔ اور میرے گھر کی آبادی اسی سے ہے، یہ دونو آنکھوں سے نابینی ہو گئی ہے، ہر چند فقیروں اور طبیبوں کے پاس لے گیا ہوں مگر کچھ فائدہ نہیں ہوا، اب حضور کا نام مبارک سن کر یہاں حاضر ہوا ہوں، آپ نے فرمایا عورت کہاں ہے اس نے کہا یہاں گوشہ میں بیٹھی ہوئی ہے، آپ نے فرمایا اس کو لا کر ہمارے روبرو بٹھا دو، وہ بلوچ عورت کا ہاتھ پکڑ کر سامنے لے آیا، آپ ہمارے ساتھ گفتگو میں مشغول ہوئے، اور اس عورت کو فرمایا کہ ہماری طرف دیکھتی رہو۔ جب اس نے دیکھا تو آپ نے پوچھا کہ کچھ دکھائی دیتا ہے، اس نے عرض کیا کہ قدرے نظر آتا ہے، پھر ایک ساعت کے بعد پوچھا کہ اب کیا حال ہے اس نے کہا کہ اب حضور کی صورت اچھی طرح نظر آتی ہے، پھر ذرا دیر کے بعد پوچھا تو کہنے لگا کہ اب پہلے کی طرح بالکل تندرست ہوں، اور میری آنکھیں روشن ہو گئی ہیں، چنانچہ وہ بالکل تندرست ہو گئی، اور وہ رخصت ہوئے۔

۴۔ خیر و برکت کی دُعا: حضرت مولانا حافظ معموری صاحب سے روایت ہے کہ ایک روز میاں جیون حجام نے عرض کیا کہ یا حضرت! مدت ہوئی ہے کہ آپ موضع باہو کی ہمارے غریب خانہ میں رونق افروز نہیں ہوئے۔ آپ اس کی التماس قبول فرما کر وہاں تشریف لے گئے، میں بھی ہمراہ تھا، رات کو میاں جیون رح کے کارندوں نے عرض کیا کہ یا حضرت! ہماری زراعت میں چوہے بہت ہیں، کھیتی کا نقصان کرتے ہیں۔ آپ سن کر خاموش ہو گئے، چند ساعت گذری تھیں کہ ایک قطعہ ابر ظاہر ہوا جو اُن کھیتوں پر خوب برسا، اور کچھ گاؤں پر بھی قطرات پڑے، صبح کارندے گئے تو دیکھا تمام قطعہ زمین پانی سے لبریز ہے، اور چوہے مرے پڑے ہیں، وہ خوش ہو کر آپ کی خدمت میں آئے، اور عرض کیا کہ حضور! اللہ تعالےٰ کے حکم اور آپ کی توجہ سے مینہ خوب برسا ہے، اور آپ کی دعا سے خوب فصل ہوئی۔

۵۔ زورِ ولایت: منقول ہے کہ ایک مرتبہ آپ لاہور تشریف لے گئے تھے، ان دنوں وہاں ایک شاہی پہلوان شبیر علی نام مغلزادہ بیجاپوری آیا ہوا تھا جو پہلوان پائے تخت کا خطاب رکھتا تھا۔ اس نے افغانستان کے ایک پہلوان جنگی زور کو کشتی میں شکست دی تھی۔ اس لیے اس کا شہرہ عام ہو گیا تھا، آپ کو شوق تھا کہ اُس کو دیکھیں، آپ ہمراہیوں سمیت اُس کے اکھاڑہ میں تشریف لے گئے دیکھا کہ وہ اپنے شاگردوں کے ساتھ ورزش کر رہا تھا، آپ چونکہ بلند قامت جسیم اور طاقتور تھے، پائے تخت نے آپ کو دیکھ کر سمجھا کہ یہ کوئی پہلوان ہے، کہنے لگا اے جوان! اگر خواہش ہے تو میرے کسی شاگرد سے کشتی کرو۔ آپ نے فرمایا میں تو استاد سے کشتی لڑوں گا، چنانچہ آپ کپڑوں کے ساتھ ہی آگے بڑھے، پہلوان نے آپ کے ہاتھ میں ہاتھ دیا، آپ نے ایسا دبایا کہ اس کے ہاتھ سے خون کے قطرے گرنے لگے، اس نے سمجھ لیا کہ یہ بندے کی طاقت نہیں۔ یہ زورِ ولایت ہے اور آپ کے قدمبوس ہوا۔

۱۷۔ معمولات

آپ کے معمولات حسب ذیل ہیں

۱۔ عبادت وریاضت: آپ ہمیشہ سفر ہو یا حضر، موسم گرما ہو یا سرما، بعد نصف شب بیدار ہوتے، اور وضو کر کے دوگانہ تہجد بکمال خشوع وخضوع ادا فرماتے اور اس کے بعد ذکر وفکر ومراقبہ میں مشغول ہوتے، سوا پہر دن چڑھے تک اذکار واشغال میں مشغول رہتے، نماز پنجگانہ باجماعت ادا فرماتے نوافل اشراق، ضحٰے۔ اوابین، ضروری پڑھتے، چہار رکعت سنت قبل از عصر کبھی ترک نہ فرماتے، رخصت کو چھوڑ کر عزیمت پر عمل فرماتے۔

۲۔ اذکار: آپ ذکر جہر فرمایا کرتے تھے، لا کو باند کھینچ کر ۲ الّا ۲۶ اللہ کی ضرب دل پر لگاتے، ذکر نفی اثبات بالترتیب ایک ہزار یا تین ہزار مرتبہ کرتے، حبس نفس، ذکر ارّہ، ذکر سہ پایہ۔ شغل محمود، شغل نصیرا، اکثر آپ کا معمول تھا، اور سلطان الاذکار جاری تھا، پاس انفاس دائمی تھا۔

۳۔ اوراد: آپ لسانی وظائف میں سے تلاوت قرآن مجید بملاخطہ معانی بلا ناغہ اور کلمہ طیبہ، دور د شریف ہزارہ، درود شریف خضری، اسم اعظم، قصیدہ خمریہ محبوبیہ، کا ورد رکھتے تھے، یاد الہی خلوت میں کیا کرتے تاکہ پریشانی خاطر کا موجب نہ ہو، ایسے موقعہ پر سوائے خواص کے کسی کو حاضر ہونے کی اجازت نہ ہوتی تھی۔

۴۔ متابعت نبوی: آپ ہر قول وفعل وحال میں سنت نبوی کی پابندی کو ملحوظ خاطر رکھتے۔ متابعت محمدی کو اپنا فرض اوّلین سمجھتے، ہر کام میں شریعت کا پاس رکھتے، بجذیکہ اپنے مریدوں کو مرید نہ کہتے، بلکہ یار کہتے، جو لفظ صحابی یا صاحب کا ترجمہ ہے، اپنے یاروں کو پابندی شرع کی خاص تاکید فرماتے۔

۵۔ تدریس: آپ نے جب نوشہرہ تارڑاں میں اقامت فرمائی تو وہاں ایک مدرسہ کی بنیاد ڈالی اور اس میں سلسلہ تدریس جاری کیا، کئی بزرگان ملت نے آپ سے تعلیم پائی، اوائل میں آپ کی شہرت بوجہ علم ودرس کے ہی ہوئی تھی، گردونواح کے لوگ آ آکر آپ سے علم حاصل کرتے تھے۔

۱۸۔ اخلاق وعادات: آپ کریم الاخلاق عمیم الاشفاق تھے، خلق محمدی کا مجسم نمونہ تھے، غریبوں مسکینوں کے ساتھ محبت رکھتے اور سلام میں سبقت کرتے، اغنیاء ومتمولین وامراء سے احتراز رکھتے اور ان کے ساتھ سلام میں سبقت نہ کرتے، سائلین کو کبھی خالی نہ پھیرتے، اگر کوئی چیز وقت پر موجود نہ ہوتی تو آپ دکان سے دلوا دیتے اور بعد میں خود وہ قرضہ ادا کر دیتے، مسافروں کی خدمت کا خاص خیال رکھتے، کسب حلال کرنے میں کوئی عار نہ سمجھتے۔ کبھی زراعت کرتے، کبھی گھوڑوں کی تجارت کرتے، اپنے گھر کا کام کاج اپنے ہاتھوں سے کرتے گھوڑی کے لیے خود گھاس کھود کر لے آتے، اور اپنی بھینسوں کو خود بیلہ میں لے جاکر چراتے، وہ چرنے میں لگ جاتیں، تو آپ یاد الٰہی میں مشغول ہو جاتے۔

(مشتبہ طعام سے پرہیز فرماتے، انصاف پسند اور عدل دوست تھے، ہر کسی پر احسان کرتے، لنگر جاری رکھا تھا۔ دو نوز وقت روٹی آئیندگاں وزئراں کو ملتی تھی، روٹی میں کسی شخص کی خوشامد یا کمی بیشی نہیں ہوتی تھی۔ جو کچھ ماحضر ہوتا تھا امیر وغریب کو یکساں ملتا تھا۔ (جب کوئی مہمان آتا تو آپ نہایت خوش ہوتے، اور فراخ دلی سے اس کی خدمت کرتے، مہمانوں کے ہاتھ خود دھلاتے۔ ان کے آگے روٹی خود رکھتے، ہر ایک شخص کو لطف وکرم سے پیش آتے)۔

کلام آہستہ اور پر مغز فرماتے، آپ کا ہر فعل صانع حقیقی کی خوشنودی کے لیے ہوتا تھا، خود پسندی سے آپ کو نفرت تھی، ہر کسی سے للّٰہی محبت کرتے، خود غرضی و مطلب پرستی کو بالکل دخل نہ دیتے، محتاجوں، بیکسوں، بے یاروں، یتیموں، بیواؤں کی دستگیری فرماتے، اور ان کی دلجوئی میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھتے)، ہر دم ذات الٰہی

سے خائف رہتے۔ خوف ورجا میں بلند مقام رکھتے، آپ کی سادہ مزاجی، حلیم الطبعی خوش خلقی، دیانت داری، راست گفتاری، شیریں کلامی ضرب المثل ہو گئی تھی، آپ کی عالی حوصلگی، اولو العزمی، فیاضی کا عام چرچا تھا۔ طریقہ اسلام کے سچے اور پختہ طور پر پابند تھے، دیکھنے والے آپ کو نقش قدم پر چلنا سعادت سمجھتے، اور آپ کے عملی نمونہ سے اسلام کے مداح ہو جاتے۔

۱۹۔ سماع و وجد: آپ کی محفل فیض منزل میں اکثر سماع ہوتا تھا۔ میاں ہندال قوال خاص تھا جو اپنے موزون آواز سے اشعار توحید گا کر آپ کو محظوظ فرماتا تھا۔ آپ کا سماع ضرورت وقت کے مطابق کبھی بغیر مزامیر کے اور کبھی سارنگی و طبلہ کے ساتھ ہوتا تھا، آپ کی مجلس میں اکثر لوگوں کو وجد بھی ہوتا تھا۔

۲۰۔ لباس: آپ کا لباس سادہ درویشانہ ہوتا تھا، کھدر دیسی کے (اچونسے پہینے) کپڑے زیب تن ہوتے تھے۔ اکثر بھورا یعنی سیاہ کمل بھی اوڑھتے جس میں سرخ دھاری ہوتی تھی، کبھی بجائے بھورا کے کھیس اور سلارہ اور چادر کا استعمال بھی کرتے، کمر میں تہبند، کبھی لنگی چار خانیہ باریک دھاری دار ہوتی تھی سر پر ٹوپی طاقیہ جس کو عرف میں کانوں پر ٹوپی کہتے ہیں۔ اور کبھی دستار بھی رکھتے تھے۔

۲۱۔ اولاد: آپ کے دو صاحبزادے اور ایک صاحبزادی تھیں، تینوں حضرت رد ئیل سے تھے جو نہایت پاک باز نیک نہاد تھیں، اور آبا و اجداد سے فضیلت علم سے مشرف تھیں، والد بزرگوار کا نام حضرت حافظ بہاو الدین ہیلانی تھا، ابن حاجی عزیز اللہ بن شیخ فرید الدین نومسلم (سابقہ نام روپ چند) بن فرن بن جیون بن چنگا بن کالا بن سٹھو بن منہاس (مورث قوم منہاس راجپوت)، ان کے بطن سے اولاد ہوئی رد ئیل خاتون کے علاوہ آپ نے دو اور عورتوں سے بھی شادی کی لیکن ان سے اولاد نہ ہوئی۔

۱۔ حضرت مولانا سید حافظ محمد برخوردار بحر العشق جو آپ کے بعد سجادہ نشین ہوئے

اور انتیس سال تک مسند خلافت وارشاد پر رہ کر بے شمار مخلوق کو فیض یاب کیا ۱۰۹۲ھ میں انتقال کیا۔ آج تک منصب سجادگی ان کی اولاد میں چلا آتا ہے۔

۲۔ حضرت مولانا سید محمد ہاشم دریادل کامل ولی اللہ تھے ۱۰۹۲ھ میں وفات پائی

۲۱۔ خلفاء: آپ کے چار اکابر خلفاء کے اسماء گرامی مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ حضرت سید خواجہ محمد فضیل وحی متوفی ۱۱۱۱ھ مدفون کابل

۲۔ حضرت شیخ عبدالرحمن پاک متوفی ۱۱۱۵ھ مدفون بھڑی شاہ رحمان۔ گوجرانوالہ۔

۳۔ حضرت سید صالح محمد متوفی ۱۱۱۸ھ مدفون چک سادہ۔ گجرات۔

۴۔ حضرت شیخ پیر محمد سچیار متوفی ۱۱۲۰ھ مدفون نوشہرہ شریف۔ گجرات۔

۲۲۔ وفات: حضرت نوشہ گنج بخش کی وفات بعمر ایک سو پانچ سال ۸ ربیع الاول ۱۰۶۴ھ میں بعہد شاہ جہاں ہوئی۔ روضہ مبارک رنمل شریف ضلع گجرات میں ہے۔ عرس مبارک ہر سال ماہ ہاڑ کی دوسری جمعرات کو ہوتا ہے۔

حضرت سائیں کرم الٰہی قادری گجراتی

حضرت سائیں کرم الٰہی قادری عرف کانواں والی سرکار کا شمار گجرات کے مشہور فقراء میں ہوتا ہے۔ آپ کی کیفیت مجذوبانہ تھی۔ مگر آپ نے فقر میں بہت شہرت پائی ہے۔

۱۔ خاندان: آپ کا تعلق ارائیں خاندان سے تھا۔ ارائیں ایک قدیم زراعت پیشہ قوم ہے آپ کے والد ماجد کا نام غلام محمد تھا جو مہر کے لقب سے مشہور تھے۔ جو بڑے سیدھے سادھے مسلمان تھے لوگوں میں شرافت اور سادگی کی وجہ سے مشہور تھے۔ لوگ آپ کو احترام کی نگاہ سے دیکھتے حضرت کرم الٰہی کی والدہ کا نام بھولاں بی بی تھا جو اپنے خاوند کی بڑی تابع دار اور خدمت گزار تھیں۔

۲۔ پیدائش: حضرت کرم الٰہی کی پیدائش ۱۳ اپریل ۱۸۳۸ میں گجرات کے محلہ کانیا والی میں ہوئی۔ یہ محلہ گجرات کی قدیم آبادی سے ہے۔ آپ کی پیدائش پر آپ کے والدین کو بے حد خوشی ہوئی اور اسی خوشی کا اظہار انہوں نے شرینی بانٹ کر کیا۔

۳۔ بچپن: آپ بچپن ہی سے عام بچوں سے قدرے مختلف خصائل رکھتے تھے آپ کی طبیعت میں سنجیدگی اور متانت بہت زیادہ تھی۔ آپ بچپن میں کھیل کود اور شرارتوں کی طرف بالکل مائل نہ تھے۔

جب آپ کی عمر بارہ برس ہوئی تو آپ کے والد ماجد مہر غلام محمد نے آپ کو قرآن پاک ناظرہ پڑھنے کے لیے سائیں نتھو کا شاگرد بنا دیا سائیں نتھو اس وقت چشتی دربار میں بچوں کو قرآن پاک کی تعلیم دیا کرتے تھے۔ چشتی بادشاہ کا دربار گجرات میں شیشاں والے دروازے کے قریب ہے۔ آپ تعلیم حاصل کرنے میں نمایاں کامیابی

حاصل نہ سکے۔

۴۔ والد ماجد کی وفات: لڑکپن سے نکل کر جب آپ نے عالم شباب میں قدم رکھا تو آپ کی طبیعت میں دنیاداری کی طرف رجحان بہت ہی کم تھا بلکہ آپ کی طبیعت میں اضطراب تھا اور یوں محسوس ہوتا تھا کہ آپ کی روح حق کی متلاشی ہے۔ عین عالم شباب میں آپ کے والد ماجد اس فانی دنیا سے اللہ کو پیارے ہو گئے۔ اور آپ باپ کی شفقت سے محروم ہو گئے والد کے انتقال کے بعد آپ اپنی زمینوں کی طرف متوجہ ہوئے۔ اور اپنی آبائی زمینوں پہ کاشت کاری کا کام شروع کر دیا۔ اگرچہ یہ کام آپ کی طبیعت کے موافق نہ تھا لیکن والدہ محترمہ کی خوشنودی اور خدمت کے پیش نظر آپ نے کاشت کاری کے پیشہ کو اپنا لیا آپ کے بڑے بھائی بھی یہی کام کیا کرتے تھے۔ ان کا کہنا ہے کہ ہم شام کو مال مویشی لے کر شہر چلے آتے ہیں لیکن کرم الٰہی رات بھر ڈیرے پر رہتے اور وظیفہ پڑھتے رہتے۔

۵۔ فقراء کی صحبت: جوانی کے عالم ہی میں آپ کی طبیعت درویشوں اور فقراء کی طرف مائل ہو گئی ان کی صحبت سے آپ کے افکار پہ فقیری کا غلبہ ہوا تو آپ کو اس امر کی ضرورت پیش ہوئی کہ کیوں نہ کسی اللہ کے نیک بندے کے ہاتھ پہ بیعت کی جائے، چنانچہ آپ ایک سید صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس سے مرید بننے کی خواہش ظاہر کی انہوں نے فرمایا کہ میں آپ کی مریدی کا بوجھ نہیں اٹھا سکتا کیونکہ آپ کی بلند پروازی کو سہارا دینے کے لیے ایک بلند نگاہ مرد کامل کی ضرورت ہے۔ لیکن انہوں نے ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ انشاء اللہ مرشد کامل جلد ہی مل جائے گا۔

۶۔ بیعت: اس زمانے میں حضرت پیر امام شاہ اللہ کے برگزیدہ ولی کامل تھے۔ جو چنڈالہ میں قیام پذیر تھے۔ چنڈالہ گجرات سے تقریباً ۶ کوس ہے گجرات کے لوگوں میں آپ کی روحانیت کا بہت چرچا تھا۔ دور دور سے لوگ مشکل کشائی کے لیے اللہ کے حضور ان سے دعا کروانے کی غرض سے حاضر ہوا کرتے تھے۔

ایک روز آپ کی والدہ ماجدہ نے کرم الٰہی کو کہا کہ بیٹا تم چنڈالا میں حضرت امام شاہ

صاحب کے پاس جاؤ اور جاکر ان سے دعا کرواؤ لہذا آپ پیر امام شاہ کی خدمت میں گئے انہوں نے آپ کی باطنی طلب صادق کو دیکھ کر فرمایا کہ اے نوجوان تم "کرماں والے" ہو۔ آپ نے پتاشے حضرت کی خدمت میں پیش کئے۔ حضرت امام شاہ ان میں سے ایک پتاشا لے کر کھانے لگے تھوڑا سا کھانے کے بعد بقیہ اپنے ہاتھ سے کرم الٰہی کے منہ میں ڈال دیا اور فرمایا کہ آج سے تم ہمارے ہو گئے۔ یعنی اسی طرح آپ حضرت امام شاہ کی مریدی میں داخل ہو گئے۔

۷۔ سلسلہ طریقت: آپ کا تعلق سلسلہ قادریہ سے تھا۔ شجرہ طریقت مندرجہ ذیل ہے۔

۱۔ سرورِ کائنات حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم
۲۔ حضرت علی رضؓ
۳۔ حضرت امام حسین رضؓ
۴۔ حضرت زین العابدین رضؓ
۵۔ حضرت امام باقر رضؓ
٦۔ حضرت امام جعفر صادق رضؓ
۷۔ حضرت امام موسیٰ کاظم رحؒ
۸۔ حضرت امام علی رضا رحؒ
۹۔ حضرت معروف کرخی رحؒ
۱۰۔ حضرت سری سقطی رحؒ
۱۱۔ حضرت جنید بغدادی رحؒ
۱۲۔ حضرت ابوبکر شبلی رحؒ
۱۳۔ حضرت خواجہ عبد العزیز رحؒ
۱۴۔ حضرت عبد الواحد رحؒ
۱۵۔ حضرت خواجہ الفرح مظفر طرطوسیؒ
۱٦۔ حضرت ابوالحسن ہنکاریؒ
۱۷۔ حضرت ابوسعید رحؒ
۱۸۔ حضرت سید عبد القادر جیلانی رحؒ
۱۹۔ حضرت سید عبد الرزاق رحؒ
۲۰۔ حضرت سید شمس الدین صالح محمد رحؒ
۲۱۔ حضرت شیخ شہاب الدین رحؒ
۲۲۔ حضرت شیخ شرف الدین رحؒ
۲۳۔ حضرت شیخ علاؤ الدین رحؒ
۲۴۔ حضرت بدر دین چین رحؒ
۲۵۔ حضرت شیخ شہاب الدین ثانی رحؒ
۲٦۔ حضرت عبد الباسط رحؒ
۲۷۔ حضرت شیخ محمد قاسم رحؒ
۲۸۔ حضرت شیخ شہاب الدین رحؒ
۲۹۔ حضرت شیخ شمس الدین رحؒ
۳۰۔ حضرت شیخ عبد اللہ رحؒ

۳۱ - حضرت سید جلال الدین رحؒ
۳۲ - حضرت شرف الدین بغدادی رحؒ
۳۳ - حضرت عبد العزیز رحؒ
۳۴ - حضرت شیخ ابراہیم رحؒ
۳۵ - حضرت سید علی رحؒ
۳۶ - حضرت سید یٰسین بغدادی رحؒ
۳۷ - حضرت عبد القادر گیلانی پیر کوٹری
۳۸ - حضرت سید ابراہیم رحؒ
۳۹ - حضرت حسین شاہ رحؒ
۴۰ - حضرت امام شاہ رحؒ
۴۱ - حضرت سائیں کرم الٰہی

۸ - خدمت مرشد: حضرت کرم الٰہی اس زمانے میں گجرات میں رہتے تھے۔ دن کے وقت آپ اپنا کھیتی باڑی کا کام کرتے یا دوسرے ضروری کام کرتے اور پچھلے پہر چنڈالا کی طرف چل دیتے ۶ کوس کا پیدل سفر کر کے مرشد پاک کی خدمت میں حاضر ہوتے رات بھر خدمت میں حاضر رہتے اور ان کی ہدایت کے مطابق نفی اثبات کا ذکر کرتے رہتے اور مرشد کے حکم کو بجا لاتے۔

رات بسر کرنے کے بعد رات کے پچھلے پہر اللہ کو یاد کرتے ہوئے واپس اپنے شہر کی راہ لیتے اور اپنے کنوئیں پر حاضر ہو جاتے اور پھر اپنا کام کاج شروع کر دیتے۔ والدہ محترمہ کی خدمت میں کبھی اپنے گھر آتے اور کبھی کنوئیں ہی پہ دنیاوی امور سرانجام دینے کے بعد پھر پچھلے پہر مرشد کی خدمت میں چلے جاتے۔

اس طرح آپ نے بارہ سال کا عرصہ گزارا بے پناہ تکالیف برداشت کیں۔ کیوں کہ روزانہ ۶ کوس جانا اور پھر واپس آنا ایک عام انسان کے بس کا روگ نہیں۔ لیکن آپ نے یہ عرصہ بخوبی گزار دیا نہ کبھی گرمی اور سردی کی پروا کی گویا زندگی کا بیشتر حصہ آپ نے سفر اور موسموں کی تکالیف برداشت کرتے ہوئے گزار دیا۔

۹ - سیر و سیاحت: حضرت کرم الٰہی کو آپ کے پیر و مرشد حضرت امام شاہ نے حکم دیا کہ سیر و سیاحت کرو اور بتایا کہ فلاں فقیر کے پاس جاؤ۔ چنانچہ اکتساب فیض کی غرض سے آپ نے ہندوستان کا سفر اختیار کیا حضرت کرم الٰہی نے حضرت داتا صاحب کے مزار پر تین دن مسلسل حاضری دی۔

لاہور میں قیام کے بعد آپ سفر کرتے ہوئے امرتسر پہنچ گئے۔ امرتسر سے آپ گرداسپور پٹھانکوٹ اور کٹھوعہ کے راستے کشمیر جا پہنچے سری نگر میں حضرت خاکی بادشاہ کے دربار میں حاضر ہوئے۔ وہاں ایک درویش کامل ملا اور اس نے کہا کہ اچھا ہوا کہ آپ تشریف لے آئے۔ میں دو دن سے آپ کا انتظار کر رہا تھا جو کچھ دینا تھا دیا۔ اور واپس وطن گجرات کا حکم دیا اس درویش نے آپ کے لیے ایک سواری کا بھی بندوبست کر دیا۔ چنانچہ آپ نہایت ہی دشوار گزار راستے کو عبور کرتے ہوئے بھمبر کے راستے گجرات واپس آ گئے۔ مرشد پاک نے اپنی باطنی نگاہ سے دیکھا کہ کرم الٰہی معرفت کی منزل طے کر چکا ہے۔ اور اس پر اسرار کائنات منکشف ہو چکے ہیں اور وقت آ پہنچا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق کو روحانی فیوض و برکات سے فیض پہنچائے۔ چنانچہ آپ کے مرشد نے آپ کو خرقہ خلافت سے سرفراز کیا۔

۱۰۔ **جھنگی میں قیام :** عمر کا کثیر حصہ ریاضت و عبادت محنت و مشقت اور مجاہدے میں گزارنے کے بعد آپ کے مرشد نے آپ کو قیام کا حکم دیا آپ نے حسب حکم اپنی زمینوں پہ آ کر کنوئیں کے قریب ڈیرہ لگا لیا۔ اس وقت آپ کی عمر چالیس سال سے زیادہ تھی۔

جہاں آپ نے قیام کیا یہ آپ کے آباؤ اجداد کا زمینداری کا ڈیرہ تھا۔

حضرت سائیں سرکار پہ جھنگی میں قیام کے بعد آہستہ آہستہ جذب طاری ہوا اگرچہ مستی کی لہر تو اوائل عمر ہی سے ان کی طبیعت میں تھی۔ لیکن آخری عمر جذب ہی کی کیفیت میں گزری۔

اکثر اوقات ایسا بھی دیکھنے میں آتا کہ آپ حالت جذب میں ایسی بات کہہ جاتے جسے دنیادار نہ سمجھ پاتے۔ ایک دفعہ آپ بیٹھے بیٹھے یک دم اُٹھ کھڑے ہوئے۔ اور پہلوانوں کی طرح بیٹھکیں نکالنے لگے اور ساتھ کہنے لگے کہ میں ہجویری ہوں، میں غوث بھی ہوں۔ میں معین الدین بھی ہوں میں امام شاہ بھی ہوں۔ اور میں اللہ کا نور بھی ہوں حتیٰ کہ خدا جانے کیا کیا کہہ گئے لیکن تھوڑے عرصہ بعد جب وہ شدت کی لہر ختم ہوئی

تو اپنی اصلی حالت میں آکر پھر خاموشی سے بیٹھ گئے۔ اصل میں ان تمام باتوں سے مراد یہ تھی کہ میں بھی ایک اللہ کا فقیر ہوں جس طرح وہ تھے۔

۱۱۔ معمول: آپ کا معمول تھا کہ سارا دن ایک جگہ پر بیٹھے رہتے اور آپ سے فاصلے پر آنے والے لوگ بیٹھتے جلالت کی وجہ سے قریب نہ ہوتے کیوں کہ لوگ آپ سے ڈرتے تھے کہ کہیں ایسے الفاظ نہ کہہ دیں جس سے ہمیں نقصان پہنچے۔ آپ کے ہاتھ میں سرکنڈے کے کانے ہوتے اور ان پر ذکر فکر کرتے۔

۱۲۔ پرندوں سے پیار: اللہ کی یہ حکمت ہے کہ اللہ کا ولی جس چیز سے لگاؤ رکھتا ہو تو وہ چیز اس کے ماتحت ہو جاتی ہے۔ آخری عمر میں پرندوں سے آپ کو خاصا پیار تھا۔ اور خاص کر کوؤں سے ایسا پیار ہوا کہ ان ہی کی نسبت سے آپ "کانواں والی سرکار" مشہور ہو گئے۔ کوئے ہر وقت آپ کے اردگرد بیٹھے رہتے بعض اوقات آپ کے بازو سر اور حقے پر بھی بیٹھ جاتے حالاں کہ کوّا اتنا ہوشیار پرندہ ہے کہ انسان کے سائے سے بھی گھبرا کر یک دم بیٹھا ہوا اڑ جاتا ہے لیکن سرکار سے جانور اتنے مانوس تھے کہ آپ کے پاس سے اڑنے کا نام ہی نہ لیا کرتے تھے۔ لیکن جب کوئی دوسرا آدمی آپ کے قریب آتا تو خوف سے اڑ کر اِدھر اُدھر ہو جاتے۔

آپ کو بھی کوؤں سے اتنا پیار تھا کہ جو نذر و نیاز آتی تو آپ سارے کی ساری چیز کوؤں کے آگے ڈال دیتے اور جانور سیر ہو کر کھاتے اور کبھی جی میں آتا تو پاس بیٹھنے والوں کو بھی تھوڑا بہت دے دیتے۔

۱۳۔ خوراک: آپ کی خوراک بہت ہی معمولی تھی۔ جو میسر آتا کھا لیا کرتے تھے آپ کے پاس لوگ اللہ کی نعمتیں یعنی فروٹ۔ پلاؤ، زردہ، مٹھائیاں جتنے کہ کئی قسم کا کھانا لے کر آیا کرتے تھے لیکن کبھی جی میں آتا تو تھوڑا لے لیتے زیادہ تر یادِ الٰہی میں مگن رہتے۔

۱۴۔ لباس: حضرت سائیں سرکار کا لباس بہت ہی سادہ تھا۔ عالم جذب سے قبل آپ چونسی کا کرتا اور تہبند اور سر پہ عمامہ باندھا کرتے تھے سردیوں میں کھیس وغیرہ بھی استعمال کرتے عالم جذب کے بعد آپ صرف لنگوٹ باندھتے تھے۔ خواہ گرمی یا سردی ہو آپ دن کے وقت اسی لنگوٹ میں رہتے تھے سردیوں میں رات کے وقت گرم کمبل بھی اوڑھ لیا کرتے تھے۔

۱۵۔ شبیہ مبارک: آپ کی شبیہ مبارک کے کیلنڈر گھر گھر لٹکے ہوئے نظر آتے ہیں یہ شبیہ ملکہ برطانیہ کی آرٹ گیلری میں بھی موجود ہے۔ شبیہ مبارک میں آپ درمیان میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ ارد گرد کھڑے ہیں۔ پیر بخش نامی مرید آٹا گوندھ رہا ہے۔ آپ کی طرح لنگوٹ والا سائیں پھیلا ہے۔ علاوہ ازیں باقر شاہ مدینے والے اور ایک عائشہ نامی عورت بھی موجود ہے۔ ان کے علاوہ اور بھی آدمی ہیں۔

۱۶۔ حلیہ مبارک: حاجی انور اختر صاحب بیان کرتے ہیں کہ آپ کا جسم آخری عمر میں دبلا پتلا تھا۔ قد لمبا لیکن زیادہ لمبا بھی نہ تھا۔ رنگ گندمی چہرہ مبارک کشادہ داڑھی سفید تھی سر کے بال بھی سفید تھے۔ ناک ترچھی تھی۔ آپ چونکہ ننگے رہتے تھے۔ اس لیے بیان کیا جاتا ہے کہ آپ کے جسم پر بال زیادہ نہ تھے۔

۱۷۔ کرامات: آپ کی کرامات بے شمار ہیں چند ایک مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ کنویں کا پانی دودھ بن گیا: ایک روز آپ حسب معمول لنگوٹ باندھے ذکر الٰہی میں مشغول بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ کے پاس ہی ایک پانی والا گھڑا پڑا ہوا تھا۔ جو عموماً آپ کے قریب ہی پڑا رہتا تھا اور یہ پانی کے استعمال کے لیے رکھا ہوتا تھا۔ اس گھڑے سے آپ پانی پیا کرتے تھے آپ کے خدام بھی اس گھڑے سے پانی لے لیا کرتے تھے۔ لیکن آپ منع نہ فرمایا کرتے تھے۔ ایک روز ایک سالک درویش آیا اور یکایک گھڑے کو پکڑ کر پانی پینے لگا۔ آپ نے خلاف معمول اسے گھڑے سے پانی پینے سے منع فرمایا۔ اور کہا کہ کنویں سے جا کر پانی پی وہ شخص کہنے لگا

سائیں جی! پانی پینے دیں کنویں پہ آپ نے کوئی دودھ رکھا ہے کہ مجھے کہتے ہیں۔ کہ وہاں سے جاکر پیئو۔ آپ جلال میں آگئے اور کہنے لگے۔ جاؤ کنویں سے دودھ ہی پیئو۔ وہ شخص کنویں پہ گیا اور کنویں سے پانی نکالا تو وہ دودھ بنا ہوا تھا۔ اور سارا کنواں دودھ بن گیا تھا۔ اس نے سیر ہو کر پیا درویش نے جب دیکھا تو وہ خوشی سے اچھل پڑا۔ اور کہنے لگا۔ واہ بابا واہ تیری زبان توسیف ہے منہ سے دودھ کا لفظ نکالا اور کنواں دودھ بن گیا۔

آپ کی اس کرامت کا یکدم گرد و نواح میں چرچا ہو گیا۔ گجرات شہر کے لوگ ٹولیوں کی صورت میں آپ کے ڈیرے پر آنے لگے تھوڑی دیر میں لوگوں کا دودھ کو دیکھنے کے لیئے تانتا بندھ گیا۔ جن لوگوں نے وہ دودھ پیا ان لوگوں کا بیان ہے۔ کہ دودھ انتہائی خالص اور تازہ معلوم ہوتا تھا۔ اس وقت کے ڈپٹی کمشنر اور ہیلتھ آفیسر بھی خود اس کنویں پر تشریف لائے۔ اور جب انہوں نے دودھ کا معائنہ کیا اور اسے درست پایا۔

کنویں میں پورے ۲۴ گھنٹے دودھ رہا اور پھر لسی بن گئی اور پھر کچھ عرصہ بعد کنویں کا دودھ اپنے اصل پانی میں تبدیل ہو گیا۔

۲۔ رزق غیبی: ایک دفعہ کا ذکر ہے۔ کہ سائیں سرکار پولیس گراونڈ میں بیٹھے ہوئے تھے تین نوجوان جو سائیں صاحب کے واقف کار تھے۔ تھوڑے سے فاصلے پہ کھڑے تھے شام کے بعد کا وقت تھا۔ ان میں رحیم بخش بھی تھا ان تینوں نوجوانوں نے مشورہ کیا کہ سرکار سائیں صاحب سے کہتے ہیں کہ ہمیں اس وقت گوشت روٹی کھلاؤ یہ مشورہ کر کے آپ کے پاس اس جگہ پر چلے گئے جہاں آپ تشریف فرما تھے آپ کے پاس اس وقت کھانے کو کچھ بھی نہ تھا۔ انہوں نے جاکر کہا کہ سائیں صاحب ہمیں گوشت روٹی کھلاؤ۔ سائیں صاحب نے توجہ نہ دی آخر وہ بار بار اسرار کرنے لگے کہ ہم نے تو کھا کر ہی جانا ہے۔ سائیں صاحب نے دیکھا کہ یہ تو بضد ہو گئے ہیں۔ تو وہ وہاں سے اٹھے اور منہ دوسری طرف کیا اور چند قدم آگے بڑھے تو یک دم ایک سفید ریش نامعلوم آدمی

ظاہر ہوا۔ اور اس نے حضرت کو گوشت کی ایک پلیٹ اور چار روٹیاں دے دیں اور وہ سفید پوش فوراً غائب ہو گیا۔

سائیں صاحب نے ان کو بلایا اور کہا یہ لو جو مانگتے تھے۔ چنانچہ وہ تینوں اور بر چوتھے سائیں صاحب بذات خود نیچے بیٹھ گئے اور ایک ایک روٹی ان کو دے دی اور سب کھانے لگے کریم بخش فوراً اپنی روٹی کھا کر سرکار سے کہنے لگا۔ مجھے اور دو سرکار نے اپنی اس روٹی سے جو خود کھا رہے تھے چوتھائی حصہ روٹی اور دے دی۔ آخر کار وہ تینوں کھانا کھانے کے بعد اپنی مراد پا کر واپس لوٹے اور سائیں صاحب یاد الٰہی میں مستغرق ہو گئے۔

۳۔ موت کی خبر: چوہدری لال خان سائیں صاحب کے عقیدت مندوں سے جو موضع گیگیاں کے نمبر دار تھے۔ وہ اپنے بچپن کا واقعہ بیان کرتے ہیں۔ کہ وہ جب سکول پڑھا کرتے تھے۔ اور سائیں صاحب کے ڈیرے سے گزر کر زمیندار اسکول جو بارہ دری کے قریب واقع ہے جایا کرتے تھے اور واپسی پر بھی سائیں صاحب کے ڈیرے سے گزرتے اور سائیں صاحب کو اکثر سلام کرتے رہتے تھے ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ لال خان کو جب سکول سے چھٹی ہوئی اور آپ کے ساتھ بہت سے لڑکے تھے ان میں محمد شاہ سکنہ جمال پور بھی تھا۔ بچے سائیں صاحب کے پاس آئے اور معمول کے خلاف اس روز بچے آپ کے ارد گرد ایک دائرے کی شکل میں بیٹھ گئے۔ سائیں صاحب نے محمد شاہ کو فرمایا۔ کہ تمہارے لیے اگلے جہاں میں پختہ مکان بن گیا یہ ایک کنایہ تھا۔ جس سے یہ مراد تھی۔ کہ اب تم اللہ کو پیارے ہونے والے ہو۔ کیوں کہ سائیں صاحب کے بارے میں اکثر مشہور تھا۔ کہ وہ بات رمز اور کنایہ میں کیا کرتے تھے۔ لیکن اس کا اشارہ اور مفہوم کچھ اور ہوتا تھا۔ لال خان بیان کرتے ہیں کہ تین روز کے بعد سائیں صاحب کے منہ سے نکلے ہوئے الفاظ پورے ہوئے۔ اور تین دن کے بعد وہ لڑکا مر گیا۔

۴۔ مرید کو سانپ سے بچانا: چراغ شاہ جو آپ کا بہت ہی قریبی مرید تھا اور رات کے پچھلے پہر اٹھ کر کھیتوں سے ہوتا ہوا

آپ کے ڈیرہ پر حاضر ہوا کرتا تھا۔ جہاں عبادت کیا کرتا تھا اس زمانے میں آپ کی جھنگی کے اردگرد کھیت ہی کھیت تھے۔ ایک رات وہ اپنے معمول سے قبل ہی اٹھ کر آپ کے ڈیرہ کی طرف چل دیا۔ جب آبادی سے گزر کر کھیتوں میں پہنچا اور راستے میں ایک پیپل کا درخت بھی پڑتا تھا۔ اس کے قریب پہنچا تو آپ کی آواز سنائی دی بچ جاؤ۔ وہ حیرانی میں پڑ گیا کہ یہ آواز کہاں سے آئی ہے۔ اس نے ادھر ادھر دیکھا تو قریب کوئی نہ تھا۔ اور اسے یوں معلوم ہوتا تھا۔ کہ جیسے حضرت سائیں سرکار آپ کو کہتے ہیں کہ بچ جاؤ آخر پھر وہ اسی راستے پہ آگے چل دیا قدم آگے ہی بڑھا تھا۔ کہ اسے پھر حضرت کی آواز آئی کہ بچ جاؤ۔ وہ بیان کرتا ہے کہ میں مزید حیران ہوا اور مجھ پہ خوف طاری ہوا کہ اے اللہ یہ کیا ماجرا ہے۔ کچھ دیر کے بعد پھر کچھ قدم آگے بڑھا تو تیسری مرتبہ آواز آئی کہ بچ جاؤ۔ میں آواز سننے کے بعد آگے چل دیا۔ دیکھتا کیا ہوں کہ ایک بہت بڑا کالا ناگ راستے میں پھن لہرائے بیٹھا تھا۔ اسے دیکھتے ہی مجھ پہ خوف اور دہشت طاری ہو گئی۔ کہ اب کیسے بچوں اور کہاں بھاگ کر جاؤں چنانچہ میں نے وہ راستہ چھوڑ کر کھیتوں میں سے بھاگنا شروع کر دیا وہ شخص بیان کرتا ہے کہ خدا جانے میرے بھاگنے میں اتنی تیزی کہاں سے آگئی اور میری رفتار اتنی تیز ہو گئی، جو بیان سے باہر ہے۔ اور سانپ پیچھا کر رہا تھا۔ لیکن تیز بھاگنے کی وجہ سے وہ شخص چند لمحوں میں سانپ کی گرفت سے بچ گیا اور حضرت کے ڈیرے پہ پہنچ گیا۔ سرکار نے فرمایا کہ تم نے دو جانداروں کو بڑی تکلیف دی ہے ایک سانپ کو اور دوسری مجھے کہ تم اپنے وقت پہ آیا کرو اللہ بہتر جانتا ہے۔

اسے بچانے کے لیے فقیر کو کشف کرامات کے سلسلے میں اللہ سے خاص مدد طلب کرنا پڑی۔

۱۸۔ وصال: آپ کی عمر ۹۰ سال سے زیادہ ہو چکی تھی۔ بڑھاپے سے جسم مبارک کمزور ہو چکا تھا۔ اور جب اللہ کا وعدہ قریب آگیا تو آپ کو پیچش کا مرض لاحق ہوا۔ ابتداء میں مرض ہلکا رہا لیکن جلد ہی مرض نے شدت اختیار کر لی۔ آپ ایک چھوٹی سی صف پہ اپنے کمرے میں زمین پہ لیٹے رہے۔ آپ نے اس وقت اپنے پاس کسی کو نہ آنے دیا۔ بلکہ ایک دو خاص

رشتہ دار اور خادم تھے جو آپ کے کمرہ میں داخل ہو سکتے تھے آخر کار مرض نے زیادہ شدت اختیار کر لی۔ آخر بروز اتوار شام ۵ بجے آپ کی روح مبارک قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔

انا للہ و انا الیہ راجعون

آپ کی وفات بروز اتوار بتاریخ ۲۳ صفر ۱۳۴۹ھ بمطابق ۲۰ جولائی ۱۹۳۰ء موافق ۵ ساون ۱۹۸۷ بکرمی کو ہوئی۔ منگل کے روز یعنی ۱۲ پہر کے بعد آپ کو دفن کیا گیا۔

۱۹۔ روضہ مبارک: آپ کا مزار اقدس گجرات میں مرجع خلائق ہے۔ آپ کی قبر مبارک پر ایک خوب صورت گنبد بنا ہوا ہے۔

حضرت شیخ عیسیٰ جنداللہ قادریؒ

آپ کا اصل نام عیسیٰ، لقب مسیح الاولیاء اور جنداللہ تھا، آپ کے والد کا اسم گرامی قاسم تھا۔

۱۔ خاندان: آپ کے آبا و اجداد پات کے رہنے والے تھے جو سیون میں ایک قصبہ ہے، یہ قصبہ عیسیٰ جنداللہ کے آبا و اجداد نے آباد کیا تھا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ۹۵۰ھ میں جب ہمایوں کے سندھ میں آنے کی وجہ سے شورش و بدامنی پھیلی تو سندھ کے بہت سے علماء اور صوفیا کے گھرانے ترک وطن کر کے مختلف ممالک میں آباد ہوئے انہیں ہجرت کرنے والوں میں شیخ عیسیٰ جنداللہ کے والد ماجد شیخ قاسم بن شیخ یوسف بھی تھے، شیخ قاسم اپنے خاندان کے ساتھ ہجرت کر کے پہلے احمد آباد تشریف لائے۔ جہاں انہوں نے محمد غوث گوالیاری سے بیعت ہو کر چودہ خانوادوں میں خلافت حاصل کی، پھر آپ اپنے مرشد کی اجازت سے اپنے خاندان کے ساتھ برار تشریف لائے، اس زمانے میں برار کا حاکم تفال خان تھا جو ان بزرگوں کے ساتھ نہایت احترام و عزت سے پیش آیا، اور یہ بھی اس کے خلوص و قدر افزائیوں کو دیکھ کر ایلچ پور میں مقیم ہو گئے۔ وہاں تقریباً ۳۲ سال تک مقیم رہ کر علم و عرفان کی دولت لٹاتے رہے۔

۲۔ پیدائش: مسیح الاولیاء شیخ عیسیٰ کی ولادت ۵ ذالحجہ ۹۶۲ھ بروز اتوار کو ایلچ پور میں ہی ہوئی۔ اس روز آپ کے والد ماجد شیخ قاسم گھر پر موجود نہ تھے، آپ کے چچا شیخ طاہر محمد محدث نے آپ کا نام عیسیٰ رکھا۔

۳۔ شجرہ نسب: حضرت مسیح الاولیاء نے اپنا سلسلہ نسب اپنی تصنیف عین المعانی میں اس طرح لکھا ہے۔ عیسیٰ بن قاسم بن رکن الدین بن معروف

بن شہاب الدین المعروف الشہابی الجندی السندی الہندی۔

۴۔ تحصیل علم: نو سال کی عمر میں آپ نے قرآن مجید حفظ کر لیا، پھر دینی علوم حاصل کرنے کی طرف توجہ فرمائی اور اپنے چچا شیخ طاہر محدث سے فقہ، حدیث، تجوید، اور دوسرے فنون کی تعلیم حاصل کی۔

۵۔ نقل مکانی: ۹۸۱؁ھ میں آپ کے والد شیخ قاسم واصل الی اللہ ہوئے۔ آپ والد کی وفات کے ایک سال بعد ۹۸۲؁ھ میں تغال خان کی وفات کی وجہ سے برار کا نظم و نسق درہم و برہم ہو گیا، محمد شاہ فاروقی حاکم برہانپور کی قدر افزائیاں اور اس کا بے حد اصرار حضرت شیخ طاہر محدث اور ان کے متعلقین کو کھینچ کر برہانپور لایا، شیخ عیسیٰ بھی آپ کے ساتھ برہانپور آ گئے۔

شیخ طاہر محمد محدث اور شیخ عیسیٰ کے برہان پور میں قیام کے بعد سندھ کے وہ خانوادے جو ہجرت کر کے ہندوستان کے مختلف شہروں میں پھیلے ہوئے تھے، برہانپور میں آ کر آباد ہونے لگے، اور برہان پور اہل سندھ کا مرکز بنا، یہاں تک کہ آپ کے مکان متصل سندھیوں کی آبادی نے ایک مستقل محلہ کی صورت اختیار کی، اور یہ محلہ سندھی پورہ کہلانے لگا جو آج بھی اس نام سے موسوم ہے۔

۶۔ سفر: شیخ عیسیٰ اگرچہ دینی تعلیم اپنے چچا سے حاصل کر چکے تھے، لیکن ذوق علمی کا قافلہ رواں دواں تھا، آپ بایں علم و فضل شیخ یوسف کے درس میں شریک ہوئے اور وہاں سے اکتساب کرنے کے بعد، آپ مزید حصول علم کے لیے آگرہ کی جانب روانہ ہوئے، آگرے میں آپ کی ملاقات حضرت قاضی جلال الدین ملتانی سے ہوئی جو اپنے وقت کے جلیل القدر عالم اور بزرگ تھے،

۷۔ چچا کا خط: ابھی آپ آگرے ہی میں مقیم تھے کہ آپ کو اپنے چچا شیخ طاہر کا خط ملا جس میں تحریر تھا کہ حکیم عثمان بوبکانی جو اپنے علم و فضل کی وجہ سے یگانہ روزگار ہیں برہان پور پر آئے ہوئے ہیں، شاید اس سرچشمہ علوم سے تم زیادہ سکون حاصل کر سکو، یہ خط ملتے ہی آپ برہان پور واپس چلے آئے اور حکیم بوبکانی کے درس میں

شریک ہو گئے۔ لیکن اب معرفت و عرفان کے حصول کی ایک نئی لگن قلب میں پیدا ہو چکی تھی۔ اور آپ مرشدِ طریقت کی تلاش میں تھے۔

۸۔ بیعت: اتفاقاً ایک روز آپ چوک بازار میں ایک دکان پر تشریف فرما تھے، کہ ادھر سے حضرت شیخ لشکر محمد عارف اور اُن کے ماموں گذرے، شیخ عیسیٰ کو دکان پر بیٹھا ہوا دیکھ کر شیخ لشکر محمد عارف نے لوگوں سے پوچھا کہ یہ کون ہیں؟ لوگوں نے بتایا کہ یہ شیخ طاہر محدث کے بھتیجے ہیں، اور ان کا نام شیخ عیسیٰ ہے، شیخ لشکر محمد عارف نے شیخ عیسیٰ سے مخاطب ہو کر فرمایا، میاں تم تو ہمارے ہو، ہمارے پاس کیوں نہیں آتے یہ فرما کر آپ روانہ ہو گئے۔

اس ارشاد کے چند دن بعد آپ شیخ لشکر محمد عارف کی خدمت میں پہنچے، اور ایک ہی ملاقات میں آپ نے محسوس کیا کہ جس رہبر طریقت کی آپ کو تلاش تھی، وہ آپ ہی ہیں، دو ایک ملاقاتوں کے بعد آپ شیخ لشکر محمد عارف کے دست حق پرست پر بیعت ہوئے، اور مختلف ریاضتوں اور مجاہدوں کے بعد اپنے شیخ سے خرقہ خلافت حاصل کیا۔

۹۔ ریاضت و چلہ کشی: ریاضتوں اور مجاہدوں کی یہ کیفیت تھی کہ آپ کے ایک گرامی قدر خلیفہ شیخ برہان الدین راز الٰہی کا بیان ہے کہ حضرت لشکر محمد عارف کے ارشاد پر میرے شیخ حضرت عیسیٰ جند اللہ نے دریائے تاپتی کے کنارے ایک چلہ کھینچا چالیس روز تک یہ کیفیت تھی کہ اگر غیب سے کھانے کا کوئی سامان ہو جاتا تو اس سے ورنہ نیم کے پتوں سے افطار کرتے اور فرمایا کرتے تھے کہ نیم کے پتے اس وقت کڑوے نہیں بلکہ میٹھے معلوم ہوتے تھے۔

۱۰۔ اطاعت شیخ: ایک دفعہ حضرت شیخ لشکر محمد عارف کے مکان کی تعمیر کا کام شروع ہو رہا تھا، زمین کو ہموار کرنے کے لیے آپ کے بعض مرید مٹی کی ٹوکریاں بھر بھر گڑھے میں ڈال رہے تھے اس وقت شیخ عیسیٰ بھی تشریف لائے اور کام میں شریک ہوئے، کثرت، ریاضت و مجاہدے نے اس قدر کمزور کر دیا تھا کہ آپ

ڈکری اٹھا کر لا رہے تھے کہ راستے میں گر پڑے، حضرت لشکر محمد عارف نے آپ کو دوڑ کر اٹھایا، اور نہایت شفقت سے فرمایا کہ میاں تم جواہر خمسہ پڑھو، دوسرے ریاضتیں اور مجاہدے کرو، تمہارا کام یہ نہیں ہے. پھر آہستہ سے کان میں فرمایا.

آفریں باد کار طالبان حق چنیں است

۱۱۔ توکل و استغنا: توکل و استغنا کا یہ عالم تھا کہ اس زمانے میں جب کہ آپ آگرے تشریف لے گئے، راستہ میں آپ کا قیام ادجین میں شیخ عبدالکریم ابن شیخ عیسیٰ کی خانقاہ میں ہوا اتفاق سے اس وقت مالوہ کا حاکم بھی اپنے مصاجین کے ساتھ ادجین ہی میں ٹھہرا ہوا تھا، ادجین کے شیوخ نے چاہا کہ آپ کی ملاقات حاکم مالوہ سے کرائیں، تا کہ آپ کو کچھ دنیاوی فائدہ پہنچے، لیکن آپ نے اسے پسند نہ فرمایا اور اجین سے روانہ ہو گئے.

۱۲۔ بیعت لینے کا طریقہ: آپ کے پاس جب کوئی مرید ہونے کے لیے آتا اور آپ اس میں صلاحیت پاتے تو بیعت کر لیتے ورنہ انکار فرما دیتے، یا اس سے فرما دیتے کہ تمہارے لیے مناسب یہ ہے کہ فلاں صاحب سے بیعت کرو. جس کو مرید کرتے اس کے دونوں ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں لے کر یہ پڑھواتے.

الحمد للّٰہ الذی لا الٰہ الا ھو الحی القیوم واتوب الیہ استغفر اللّٰہ ربی من کل ذنبٍ اذنبتہٗ عمداً او خطاءً سرًّا او علانیۃً واتوب الیہ من الذنب الذی اعلم ومن الذنب الذی لا اعلم وانت علام الغیوب، ان الذین یبایعون اللّٰہ انما یبایعونک تحت الشجرۃ ید اللّٰہ فوق ایدیھم۔

پھر اس کے بعد طالب سلوک سے ارشاد فرماتے کہ خدائے تعالےٰ نے جن چیزوں کو حرام کیا ہے، ان کو حرام جانو، روزانہ پانچ وقت کی نماز وقت پر ادا کرو، رمضان کے روزے رکھو، اگر تمہارے پاس نصاب شرعی کے مطابق مال ہے تو اس کی زکوۃ ادا کرو، اور اگر اللہ نے

تمہیں استطاعت دی ہے توجہ کرو پھر مرید کے ہاتھ چھوڑ دیتے، اور ارشاد فرماتے کہ دو رکعت نماز شکرانہ ادا کرو۔

اگر کسی عورت کو مرید فرماتے تو درمیان میں پردہ ڈال دیا جاتا، اور پردے کے اندر سے دوپٹہ .... مرید ہونے والی خاتون کے ہاتھ میں اس طرح دیا جاتا کہ اس کا ایک سرا آپ کے ہاتھ میں ہوتا، اور اس کو بھی آپ مندرجہ بالا دعا و استغفار پڑھوا کر دو رکعت نماز شکرانہ پڑھنے کا حکم دیتے۔

عورتوں کو مرید کرنے کے بعد ایک دامنی بھی عطا فرماتے، یہ چار گز لمبا ایک کپڑا ہوتا تھا جس پر آپ کے بڑے صاحبزادے بابا عبدالستار یہ عبارت تحریر کرتے تھے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم۔ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوۡلُ اللّٰہِ
قل یا عبادی الذین اسرفوا علٰی انفسھم لاتقنطوا من رحمۃ
اللّٰہِ اِنَّ اللّٰہ یغفر الذنوب جمیعًا انہ ھو الغفور الرحیم۔ فلانۃ
بنتِ فلانۃِ راحق سبحانہ وتعالٰی بحرمت کلمۃ طیب وآیۃ مسطورہ
والنّبی وآلہٖ واصحابہ بیامرزد۔

۱۲۔ مریدوں کی تعلیم: مریدوں کی تعلیم و تربیت میں ہمیشہ شفقت کو پیش نظر رکھتے اور حالات کے لحاظ سے نصائح کو تمثیلات کے رنگ میں اس طرح پیش فرماتے کہ وہ سننے والے کے آئینۂ قلب پر منقش ہو جاتی تھیں۔ ابتدائے سلوک میں مرید کو فنافی الشیخ کی تعلیم فرماتے تھے۔

اپنے مرید خاص شیخ برہان الدین راز الٰہی کی تاکید فرمائی تھی کہ اپنے مرشد کا تصور اس طرح غالب رکھو کہ جب کسی سے ملاقات کا اتفاق ہو تو خواہ وہ مشایخانہ وضع میں ہو۔ یا قلندروں کے لباس میں، تمہیں سمجھنا چاہیے کہ میرا پیر بیٹھا ہے۔

ارشاد فرمایا کہ مرشد کا وجود بھی مرید اور خدا کے درمیان ایک واسطہ ہے۔ اگر مرشد کا وجود درمیان میں نہ ہو تو جمال الٰہی کی تجلی مرید کو نظر نہیں آسکتی۔

۱۴۔ سماع: سماع سے آپ کو رغبت تھی، لیکن منکرین سماع کو بھی آپ بُرا نہیں سمجھتے تھے۔ آپ کی مجلسوں میں سماع کے آداب کو بڑی اہمیت دی جاتی تھی۔

ایک دفعہ آپ کی خانقاہ میں مجلس سماع منعقد ہو رہی تھی، سرتاض صوفیا کا اجتماع تھا۔ اتفاقاً ملا مجیب علی سندھی بھی ادھر آنکلے اور محفل سماع میں شریک ہو گئے، لیکن انہوں نے آداب سماع کا خیال نہیں رکھا اور اپنے قریب بیٹھے ہوئے ساتھی سے باتیں کرنے لگے۔ اُن کا یہ طرز آداب سماع کے خلاف تھا اور سامعین کے لیے ناگوار تھا۔ آپ نے اسے محسوس فرما کر ملا مجیب علی سے مخاطب ہو کر نہایت شفقت سے فرمایا۔ السماع کالصلوٰۃ:

۱۵۔ درس و تدریس: درس و تدریس آپ کا خاص مشغلہ تھا۔ آپ کے درس میں ایک جاذبیت اور کشش تھی کہ علاوہ طلبا کے دور دور سے اہل ذوق بھی آتے اور شریک درس ہو کر استفادہ کرتے تھے۔ اکثر علما جو خود بھی صاحب درس و تدریس تھے، میلوں سے آپ کا درس سننے کے لیے روزانہ پیدل آتے تھے آپ کی تعلیم کی خصوصیت یہ تھی کہ درس کے معنی و غوامض کو آپ ایسے سہل اور دل نشین طریقے پر بیان فرماتے کہ سامعین اور طلبا اس میں ایک خاص لطف محسوس کرتے تھے۔

۱۶۔ تصانیف: شیخ عیسیٰ جند اللہ نے فارسی اور عربی میں تصانیف کا بیش بہا ذخیرہ چھوڑا جو علمی دنیا میں خاص اہمیت رکھتی ہیں۔ آپ کی کتابوں کے نام حسب ذیل ہیں۔

۱۔ روضۃ الحسنیٰ۔ شرح اسمائے الٰہی
۲۔ عین المعانی " " "
۳۔ انوار الاسرار۔ تفسیر
۴۔ رسالہ حواس پنجگانہ
۵۔ حاشیہ بر اشارہ غریبہ کتاب الانسان کامل۔
۶۔ شرح قصیدہ بردہ۔ فارسی شرح

۷۔ رسالہ قبلہ۔ المذاہب اربعہ	۱۱۔ رسالہ عقود
۸۔ حاشیہ بر شرح ضیائیہ	۱۲۔ رد و رباعی کی دو شرح
۹۔ فتح محمدی در علوم ما یتعلق بہ التفسیر	۱۳۔ ترجمہ اسرار الوحی
۱۰۔ تتمیم شرح مائتہ عامل	

ان کے علاوہ بھی آپ کے بعض اور رسائل ہیں۔

۱۷۔ وفات: ۱۴ شوال ۱۰۳۱ھ کو آپ واصل الی اللہ ہوئے اور اپنے حجرہ عبادت میں مدفون ہوئے۔ خانخاناں عبدالرحیم نے آپ کے مزار مبارک پر گنبد تعمیر کرایا۔

۱۸۔ اولاد: آپ نے اپنی وفات کے بعد چار صاحبزادے اور دو صاحبزادیاں چھوڑیں جن کے نام یہ ہیں۔

(۱) شیخ عبدالستار۔ (۲) شیخ فتح محمد۔ (۳) شیخ طہٰ۔ (۴) شیخ ہاشم۔

(۱) امتہ الرحمن۔ (۲) فاطمہ۔

۱۹۔ خلفاء: شیخ عیسیٰ جند اللہ کے بہت سے خلفاء تھے۔ جن سے سلسلہ قادریہ اور شطاریہ کا فیض نہ صرف خاندیس اور برار میں عام ہوا بلکہ دور دراز ملکوں میں پھیلا ان میں سے بعض خلفاء کے نام یہ ہیں۔

۱۔ حضرت شیخ عبدالعزیز لاہوری	۶۔ حضرت شیخ محمد سندھی
۲۔ حضرت شیخ محمد صدیق کابلی	۷۔ حضرت حاجی نعمت اللہ
۳۔ حضرت شیخ عبدالقدوس	۸۔ حضرت شیخ برہان الدین راز الٰہی
۴۔ حضرت شیخ فرید بن عبدالحکیم	۹۔ حضرت شیخ اسمٰعیل فرحی
۵۔ حضرت نور الایمان	۱۰۔ حضرت سید قاسم

حضرت عبدالغفور اخوند قادری نقشبندیؒ

حضرت اخوند عبدالغفورؒ غوث زمان اور قطب العارفین تھے۔ آپ کی جملہ مساعی سے صوبہ سرحد افغانستان ہندوپاک میں سلسلہ قادریہ کو بہت عروج حاصل ہوا۔ آپ کی ذات بابرکات سے ہر خاص و عام کو بہت فیض پہنچا۔ آپ سید و بابا سوات کے نام سے مشہور ہیں۔

۱۔ نام: حضرت اخوند صاحب سوات کا اصل نام عبدالغفور اور آپ کے والد کا اسم گرامی عبدالوحید تھا۔ آپ کا سلسلہ نسب قبیلہ صافی سے ملتا ہے۔ قومیت کے لحاظ سے آپ صافی مہمند تھے۔ صافی کرلانی قبیلے کی ایک شاخ ہے جو افغان قبائل میں بڑا معزز قبیلہ شمار کیا جاتا ہے۔

۲۔ ولادت: آپ کی ولادت باسعادت ۱۲۰۹ھ (۱۷۹۴ء) میں علاقہ شامیزے (سوات) کے موضع جبڑی میں ہوئی۔ بچپن ہی سے آپ حصول علم کی طرف مائل اور زہد و تقوی کی طرف راغب تھے۔

۳۔ حصول علم: آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے وطن میں حاصل کی۔ پھر آپ تحصیل علم کے لیے گجر گڑھی ضلع مردان تشریف لائے اور وہاں اس دور کے مشہور عالم مولانا عبدالحکیم سے تعلیم حاصل کی۔ پھر کچھ زمانہ آپ نے چکنی (پشاور) اور کاکا صاحب تحصیل نوشہرہ میں بسر کیا، پھر شہر پشاور میں حضرت جی صاحب کی خدمت میں رہ کر ان سے بھی استفادہ کیا۔

۴۔ تلاش حق: ظاہری تعلیم کے بعد آپ کو علوم باطنی کا شوق ہوا تو آپ نے حضرت جی پشاوری سے روحانی نسبت قائم کر کے سلسلہ نقشبندیہ میں باطنی فیض حاصل کیا مگر کچھ عرصہ کے بعد آپ وہاں سے آپ چلے آئے اس کے بعد

موضع تورڈھیر ضلع مردان تشریف لائے اور مولانا محمد شعیب کی خدمت میں رہ کر سلسلہ قادریہ میں ان کے دست حق پرست پر بیعت ہوئے اور بارہ سال تک ریاضتیں اور مجاہدہ کرتے رہے۔ مولانا محمد شعیب کی وفات کے بعد ۱۲۳۵ھ (۱۸۱۹ء) میں آپ دریائے سندھ کے کنارے موضع بیکی میں مقیم ہو کر عبادت و ریاضت میں مشغول ہو گئے۔ ۱۲۴۴ھ (۱۸۲۸ء) میں بیکی سے روانہ ہو کر نمل آئے چند دن کے بعد وہاں سے موضع سلیم خان پہنچے اور یہیں پہلی مرتبہ لوگوں نے آپ کو اخوند کے لقب سے خطاب کیا۔

۵۔ رشد و ہدایت: تزکیہ نفس کے بعد آپ نے عوام الناس کو رشد و ہدایت کا درس دینا شروع کیا اور مختلف مقامات پر تشریف لے جاکر اتباع شریعت کی تلقین کرنے لگے۔ بیوہ عورتوں کا نکاح ثانی کروا دیتے۔ شریعت مطہرہ کے مطابق لوگوں کو زندگی بسر کرنے کی دعوت دیتے۔ غیر شرعی رسوم کا سختی سے سدِ باب کرتے جس سے معاشرے میں بہت سے لوگوں کی ظاہری اور باطنی اصلاح ہوئی۔

آخر ۱۲۵۱ھ (۱۸۳۵ء) میں چوبیس (۲۴) سال باہر رہنے کے بعد اخوند صاحب اپنے وطن جبڑی واپس تشریف لائے اور ابتداً آپ نے موضع ملوچ کی ایک مسجد میں قیام فرمایا۔ وہاں کچھ دن رہنے کے بعد آپ موضع رنگیلا تشریف لائے۔ پھر وہاں سے کچھ دن کے بعد موضع ہوڈی گرام کے قریب غازی بابا کے مزار کے متصل قیام رہا۔ پھر مرغزار تشریف لائے۔ پھر آپ نے موضع سیپل پانڈی میں آکر قبیلہ اکوزئی میں شادی کی جن سے آپ کے دو صاحبزادے پیدا ہوئے۔

۱۲۶۲ھ (۱۸۴۵ء) میں آپ نے سیدو میں مستقل سکونت اختیار کر لی، جو آپ ہی کی ذات گرامی کی وجہ سے آج کل سیدو شریف کہلاتا ہے۔

۶۔ عملی خدمات: حضرت اخوند صاحب نہ صرف عظیم المرتبت درویش تھے، بلکہ وہ ایک بلند پایہ سیاست دان، جذبہ حریت سے سرشار اور

ملت کے سچے خدمت گزار تھے۔ ۱۲۶۶ھ (۱۸۴۹ء) میں سیدو میں قیام فرمانے کے بعد آپ نے محسوس کیا کہ انگریز علاقہ سرحد میں پہنچ رہے ہیں۔ اگر اس علاقے کی تنظیم نہ کی گئی تو ملت اسلامیہ کو سخت نقصان پہنچے گا۔ چنانچہ آپ نے مختلف خوانین اور سرداروں کی ایک مجلس مشاورت طلب کی، اور آپ نے انگریز کے آنے والے خطرے سے ان سب کو واقف کرا کر اُن کے سامنے تنظیم ملت کا مسئلہ پیش کرتے ہوئے یہ تجویز رکھی کہ وہ اپنے اختلافات کو دور کر کے متحد و متفق ہو کر اپنے میں سے کسی ایک شخص کو امیر منتخب کر لیں، اور پھر تنظیم ملت کا کام متفقہ طور پر اس امیر کے سپرد کر دیا جائے۔ سب نے آپ کی بات مان لی۔

لوگوں کا خیال تھا کہ آپ ہی امیر منتخب ہوں گے۔ لیکن حضرت اخوند صاحب اس بارگراں کے اٹھانے کے لیے بالکل نہ تھے۔ عوام نے جب بے حد اصرار کیا تو آپ نے حضرت سید علی غواص ترمذی (پیر بابا) کی اولاد میں سے سید اکبر کو امارت کے لیے پیش کیا، اور خود اُن کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ آپ کو دیکھ کر سب نے اکبر شاہ کو امیر تسلیم کر لیا۔

اس طرح اس ریاست کی بنیاد پڑی۔ اس کا پہلا دارالسلطنت موضع غالیگی قرار پایا۔ اور شریعت اسلامیہ کے نام سے اس امارت نے کام شروع کیا۔

سید اکبر شاہ کی وفات:

لیکن بدقسمتی سے عین اس دن جب کہ ۱۸۵۷ء میں ہندوستان میں جنگ آزادی شروع ہو گی اور اس جنگ کی اطلاعیں سرحد پہنچ رہی تھیں کہ ۱۱ مئی ۱۸۵۷ء (۱۲۷۴ھ) کو سید اکبر شاہ نے وفات پائی اور انگریزوں کو سرحد کی اس امارت شرعیہ سے جو اندیشہ تھا، سید اکبر شاہ کی وفات نے ان کو اس فکر سے ہلکا کر دیا۔ سر ہربرٹ ایڈورڈ کے الفاظ سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ انگریز اس امارت شرعیہ کو اپنے لیے کتنا بڑا خطرہ سمجھتے تھے۔ وہ لکھتا ہے کہ:

اگر سوات میں شرعی حکومت اور جنگ جو۔ قبائل کا سربراہ زندہ ہوتا تو ۱۸۵۷ء کی

جنگ کا نقشہ کچھ اور ہوتا۔

سید اکبر شاہ کے بعد: سید اکبر شاہ کی وفات کے بعد اس حکومت کا کوئی نظام باقی نہ رہا۔ ان کے فرزند مبارک شاہ چھ مہینے تک نظم و نسق کے بکھرے ہوئے شیرازے کو درست کرتے رہے۔ لیکن مخالف قوتوں کا طوفان حد سے زیادہ بڑھتا جاتا تھا۔ اب عقیدت و محبت کا مرکز حضرت اخوند صاحب تھے، لیکن انہوں نے امارت کا بار گراں اٹھانا منظور نہ کیا، نتیجتاً مبارک شاہ اور حضرت اخوند صاحب کے صاحبزادے میاں گل عبدالخالق میں حصول اقتدار کے لیے کشمکش ہوتی رہی۔ لیکن اخوند صاحب کی موجودگی میں کسی کے لیے بھی برسر اقتدار آنے کا موقع نہ تھا۔ اور نہ ان دونوں میں سے کسی کو اخوند صاحب کی تائید حاصل تھی۔ اس لیے کوئی حکومت قائم نہ ہو سکی۔ ادھر اخوند صاحب تنظیم ملت کی کوشش کرتے رہے، اور پوری قوم ان کے فیصلوں اور مذہبی فتووں کو عزت کی نظر سے دیکھتی تھی۔

۷۔ انگریزوں کے خلاف جہاد میں حصہ: ایک مرتبہ سوات اور بنیر پھر خانہ جنگی کی زد میں آ گئے انگریزوں نے حالات سے فائدہ اٹھانے کے لیے سوات کا رخ کیا۔ آپ نے انگریزوں کے خلاف جہاد کا فتویٰ دیا آپ کے عقیدت مندوں نے آپ کا ساتھ دیا۔ اور انگریزی فوج کا ڈٹ کر مقابلہ کیا آخر انگریزوں کو ناکامی ہوئی۔

۸۔ تبلیغی سرگرمیاں: انگریزوں سے جہاد کے بعد آپ نے سیدو میں مستقل طور پر قیام کیا۔ اور یہاں تبلیغ دین میں مصروف ہو گئے۔ آپ کے مریدین لاکھوں کی تعداد میں تھے۔ آپ نے لوگوں میں قول اور فعل سے راہ حق کی تبلیغ کی۔ آپ نے ساری زندگی دین اسلام کی ترویج اور اشاعت میں گزاری۔

۹۔ خلفاء: آپ کے خلفاء بہت سے تھے تقریباً ۵۰ ۴ تعداد بتائی جاتی ہے۔

۱۰۔ وفات: حضرت اخوند صاحب نے ۱۲ جنوری ۱۸۷۷ء (۱۲۹۵ھ) کو سیدو شریف (سوات، صوبہ سرحد) میں وفات پائی رہیں آپ کا مزار پر انوار مرجع خاص و عام ہے۔

حضرت بابا فریدالدین گنج شکر چشتیؒ

حضرت بابا فریدالدین مسعود گنج شکر سلسلہ چشتیہ کے ان اکابر اولیاء سے ہیں جن پر زمانہ ہمیشہ فخر کرتا رہے گا۔ آپ سلطان المسالکین اور شمس العارفین تھے۔ زہد و تقویٰ میں یگانہ روزگار تھے۔ آپ جیسا زہد بہت کم اولیاء نے کیا ہے۔ ہزاروں غیر مسلم آپ کے دست حق پرست پر مسلمان ہوئے اور آپ کی خدمت اسلام ہمیشہ زندہ و تابندہ رہے گی۔

۱۔ حسب و نسب: حضرت بابا صاحب کے والد ماجد، جمال الدین سلیمان، سلطان شہاب الدین غوری کے زمانے میں ترک وطن کر کے ہندوستان آئے۔ پہلے لاہور میں قیام کیا۔ پھر قصور چلے گئے۔ پھر ملتان میں رہنے لگے۔ یہیں آپ نے ملا وجیہ الدین کی صاحبزادی سے شادی کر لی۔ شادی کے بعد آپ کھتوال (چاولے مشائخ) میں مقیم ہو گئے۔

آپ کا سلسلہ نسب فرخ شاہ بادشاہ کابل اور سلطان ابراہیم ادھم کے واسطے سے حضرت عمر فاروق سے ملتا ہے۔

۲۔ پیدائش: آپ کی پیدائش قصبہ کھتوال میں جس کا موجودہ نام دیوان چاولی مشائخ ہے جو بورے والے سے دس ۱۰ میل کے فاصلہ پر ضلع وہاڑی ۵۸۴ھ مطابق ۱۱۷۵ء میں ہوئی۔ ماں باپ نے آپ کا نام مسعود رکھا۔ فریدالدین لقب تھا۔ یہی فریدالدین اپنی نیکی، خدا خوفی اور پرہیزگاری کی وجہ سے دنیا میں بابا فرید اور گنج شکر کے لقب سے مشہور ہوئے۔

۳۔ لقب گنج شکر کی وجہ: ابھی بچے ہی تھے کہ والد کا انتقال ہو گیا۔ والدہ نے اپنے بچے کی تعلیم و تربیت کی۔ نماز کی پابندی کرانے

کے لیے حضرت کی والدہ جانماز کے نیچے شکر کی پڑیا رکھ دیا کرتی تھیں۔ اور اپنے بچے مسعود سے فرمایا کرتی تھیں جو بچے نماز پڑھتے ہیں ان کی جانماز کے نیچے سے روزانہ ان کو شکر مل جاتی ہے۔ ایک دن ایسا ہوا کہ والدہ شکر کی پڑیا رکھنا بھول گئیں اور انہوں نے گھبرا کر حضرت سے کہا مسعود تم نے نماز پڑھی یا نہیں حضرت نے جواب دیا ہاں اماں نماز پڑھ لی اور شکر کی پڑیا بھی مل گئی یہ جواب سن کر حضرت کی والدہ کو بہت تعجب ہوا اور وہ سمجھیں کہ اس بچے کی غیب سے مدد ہوتی ہے اور اس وقت سے انہوں نے اپنے بچے مسعود کو شکر بار اور شکر گنج کہنا شروع کیا جو آج تک مشہور ہے۔

۴۔ تعلیم و تربیت: حضرت کی والدہ نے آپ کو کھتوال میں بہت اچھی تعلیم دلوائی تھی آپ نے چھوٹی عمر میں ہی قرآن مجید حفظ کر لیا اس کے بعد عام رواج کے مطابق عربی اور فارسی کی ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ دوران تعلیم ایک دفعہ صوفی جلال الدین تبریزی کا ادھر سے گذر ہوا آپ نے لوگوں سے پوچھا کہ اس قصبے میں کوئی اللہ کا بندہ بھی رہتا ہے۔ لوگوں نے نفی میں جواب دیا۔ البتہ یہ کہا کہ قاضی صاحب کا ایک لڑکا فرید الدین ہے، جو تعلیم کے بعد اپنا سارا وقت مسجد کے پیچھے عبادت میں گزارتا ہے شیخ جلال الدین انہیں دیکھنے کے لیے گئے۔ راستے میں انہیں کسی نے انار پیش کیا۔ شیخ صاحب انار لے کر بابا صاحب کے پاس پہنچے اور یہ انار آپ کو دے دیا۔ بابا صاحب روزے سے تھے۔ انار کو کاٹ کر آپ نے لوگوں میں تقسیم کر دیا۔ ایک دانہ کہیں زمین پر گر گیا تھا۔ آپ نے اسے اٹھا کر رکھ لیا اور اسی سے روزہ افطار کیا۔ اس ایک دانے نے آپ کے اندر روحانی نور پیدا کر دیا۔

کھتوال میں ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد آپ ملتان چلے آئے۔ تاکہ وہاں مزید تعلیم حاصل کریں کیوں کہ وہاں اس زمانے میں بڑے بڑے علما پڑھاتے تھے ملتان آکر آپ نے مسجد شہاب الدین میں قیام کیا۔ اور وہی سے اپنی تعلیم کو مکمل کیا۔

۵۔ خواجہ بختیار کاکیؒ سے ملاقات: جس زمانے میں بابا صاحب ملتان میں تعلیم حاصل کر رہے تھے۔ ایک روز حضرت خواجہ

بختیار کاکی رحمہ ملتان میں آئے اور انہوں نے ایک مقام پر کچھ دن قیام فرمایا۔ نماز ادا کرنے کے لیے حضرت خواجہ صاحب اس مسجد میں تشریف لایا کرتے تھے، جس میں حضرت بابا صاحب رہتے تھے۔ حضرت بابا فرید کی حضرت قطب صاحب سے ملاقات کو تاریخ میں یوں بیان کیا گیا ہے کہ ایک دن حضرت بابا صاحب اس مسجد میں بیٹھے ہوئے نافع کا مطالعہ کر رہے تھے کہ ایک درویش وہاں آئے جنہوں نے آپ کو کتاب کے مطالعہ میں مصروف دیکھ کر پوچھا، یہ کیا پڑھ رہے ہو، حضرت نے کتاب سے نظر اٹھا کر اس درویش کو دیکھا اور جواب دیا نافع پڑھ رہا ہوں۔ اس درویش نے مسکرا کر پوچھا کیا یہ کتاب تم کو کچھ نفع دے گی؟ جونہی حضرت کی ان درویش سے آنکھیں چار ہوئیں ایک خاص اثر حضرت کے دل پر ہوا اور حضرت نے کھڑے ہو کر جواب دیا۔ جی نہیں مجھے اس کتاب سے نفع نہیں ہوگا۔ بلکہ آپ کی نظرِ فیض اثر سے نفع ہوگا یہ کہہ کر حضرت نے فوراً ان درویش کے قدموں میں سر رکھ دیا، اور عرض کیا کہ مجھے مرید کر لیں خواجہ صاحبؒ آپ کو مرید کر لیا۔ حضرت نے ان درویش سے پوچھا آپ کون ہیں؟ انہوں نے جواب دیا میرا نام قطب الدین بختیارؒ ہے اور میں دہلی جا رہا ہوں۔ حضرت نے عرض کی مجھے بھی اپنے ساتھ دہلی لے چلیئے، انہوں نے فرمایا کہ ابھی اپنی تعلیم پوری کر لو اس سے فارغ ہونے کے بعد دہلی آجانا اس طرح تعلیم مکمل کرنے تک آپ ملتان میں رہے۔

۶۔ سیر و سیاحت

تعلیم سے فارغ ہو کر آپ سیر و سیاحت کو نکلے۔ بابا صاحب کی سیاحت کے متعلق مختلف بیانات ہیں، تاہم کہا جاتا ہے کہ آپ غزنی، بغداد، سیوستان، بدخشاں اور قندھار تشریف لے گئے۔ اس سیاحت میں بابا صاحب نے بغداد میں شیخ شہاب الدین سہروردی سے ملاقات کی اور کچھ مدت اُن کی خدمت میں رہ کر فیض حاصل کیا۔ بابا صاحب اُن سے بڑی عقیدت رکھتے تھے اس عقیدت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ انہوں نے اپنے دوسرے بیٹے کا نام اُن کے نام پر شہاب الدین رکھا۔ جب خواجہ اجل سنجری سے ان کی ملاقات ہوئی اور بابا صاحب نے اُن کو سلام کیا تو انہوں نے فرمایا۔ آؤ، شکر عالم! بڑے اچھے آئے۔

بیٹھو۔"

بخارا میں شیخ سیف الدین باخرزی اور غزنی میں اہلم حدادی سے بھی ملاقات کی۔ سیوستان میں آپ شیخ اوحدالدین کرمانی سے ملے۔ انہوں نے باباصاحب کو اپنے سینے سے لگایا اور فرمایا، تم نے جو مشائخ کی خدمت کی ہے، وہ تمہارے لیے باعث سعادت ہو گی۔

۷۔ دہلی میں آمد: طویل سیر و سیاحت کے بعد حضرت بابا فرید گنج شکرؒ اپنے پیر و مرشد حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کی خدمت میں دہلی حاضر ہوئے حضرت بختیار کاکیؒ نے ان کے ٹھہرنے کے لیے اپنے قریب ہی ایک حجرہ دے دیا، جہاں آپ ریاضتوں اور مجاہدوں میں مشغول ہو گئے۔ حضرت بختیار کاکی بڑی دلچسپی سے آپ کی دیکھ بھال کرتے تھے۔

۸۔ خلافت: انہی ایام میں حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ دہلی تشریف لائے۔ انہوں نے جب حضرت باباصاحبؒ کا ذوق شوق دیکھا تو بڑے متاثر ہوئے۔ انہوں نے حضرت خواجہ بختیار کاکی سے فرمایا:۔

"بابا بختیار! تم نے ایک ایسے شہباز کو گرفتار کیا ہے، جو سدرۃ المنتہیٰ کے سوا اور کہیں آشیانہ نہ بنائے گا۔ فرید ایک ایسا چراغ ہے، جو خانوادہ درویشاں کو منور کرے گا"۔ حضرت خواجہ غریب نواز نے خواجہ قطب الدین بختیار کاکی سے فرمایا کہ وہ باباصاحب کو برکات سے نوازیں۔ خواجہ بختیار کاکی نے کہا کہ اپنے مرشد کی موجودگی میں میں یہ جرات نہیں کر سکتا۔ اس پر خواجہ اجمیری نے فرمایا کہ آؤ ہم دونوں مسعود کو فیض اور نعمت سے سرفراز کریں۔ چنانچہ دونوں بزرگوں نے باباصاحب کو اپنے درمیان میں کھڑا کر لیا۔ اور توجہ دے کر باطنی نعمتوں سے مالا مال کر دیا۔ اس کے بعد خواجہ بختیار کاکیؒ نے فرمایا "مسعود! دادا پیر کے قدموں میں اپنا سر رکھو۔" باباصاحب نے خواجہ بختیار کاکیؒ کے قدموں میں اپنا سر رکھ دیا۔ انہوں نے پھر فرمایا "میں کہتا ہوں کہ دادا پیر کے قدموں میں سر رکھو اور تم میرے قدموں میں سر جھکا رہے ہو۔" باباصاحب نے جواب دیا: "ان قدموں

کے سوا اور کوئی قدم نظر نہیں آتے،، یہ جواب سن کر خواجہ معین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا" بختیار! مسعود ٹھیک کہتا ہے یہ اس منزل کے دروازے پر پہنچ گیا ہے، جہاں وحدت۔ کے سوا دوئی کا نام باقی نہیں رہتا۔ پھر کیوں کر اس کو تیرے سوا میں نظر آؤں۔

۹۔ ریاضت و عبادت: حضرت بابا صاحب نے جو ریاضت و عبادت کی اس کے متعلق یہی رائے ہے کہ کوئی بزرگ حضرت بابا صاحب سے فضیلت نہیں لے جا سکتا۔ جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ آپ بچپن ہی سے نماز کے بڑے پابند تھے اور یہ عادت ان کی نیک اور پارسا ماں کی اچھی تربیت کا نتیجہ تھی۔

۱۰۔ چلہ معکوس: حضرت خواجہ بختیار کاکی رح نے بابا صاحب کو حکم دیا کہ وہ چلہ معکوس کریں۔ اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اُلٹے ہو کر اللہ کی یاد کریں۔ اس کے لیے کسی ایسی جگہ کی ضرورت تھی جو سب سے الگ تھلگ ہو۔ کیونکہ آپ شہرت سے نہ صرف گھبراتے تھے بلکہ نفرت کرتے تھے۔ اس مقصد کے لیے پہلے بانسی گئے، لیکن کوئی مناسب جگہ نہ ملی۔ آخر اُچ گئے۔ جہاں قصبے کے باہر دور ایک پرانی مسجد تھی، جسے "مسجد حج،، کہا جاتا تھا۔ وہاں ایک کنواں تھا، جس پر ایک درخت کی شاخیں جھکی ہوئی تھیں۔ یہاں کا موذن خواجہ رشید الدین مینائی تھا، جو بانسی کا رہنے والا اور بابا صاحب کا معتقد تھا۔ بابا صاحب نے چند دن قیام کر کے رشید الدین کی اچھی طرح جانچ کی کہ وہ ان کا رازدار ہو سکتا ہے یا نہیں جب تسلی ہو گئی تو ایک رات انہوں نے نماز عشاء کے بعد اس سے فرمایا کہ وہ ایک رسی لا کے۔ چنانچہ رسی لائی گئی، جس سے ان کے پاؤں باندھ کر رسی کا دوسرا سرا درخت کی شاخ سے باندھ دیا گیا۔ اور موذن نے ان کو کنوئیں میں الٹا لٹکا دیا۔ بابا صاحب نے موذن کو ہدایت کی کہ وہ ہر روز صبح کو انہیں نکال لیا کرے۔ چالیس رات تک آپ رات بھر کنوئیں میں اُلٹا لٹک کر اللہ اللہ کرتے رہے۔

۱۱۔ ریاضت کا ایک واقعہ: کہتے ہیں کہ بابا صاحب نے ایک مرتبہ دہلی کے حجرے میں اس قدر ریاضت و عبادت کی کہ آپ میں ہلنے جلنے کی بھی طاقت نہ رہی۔ اس دوران میں خواجہ معین الدینؒ دہلی تشریف لائے اور بابا صاحب کو ان کے حجرے میں دیکھنے گئے۔ لیکن بابا صاحب اس قدر کمزور ہو چکے تھے کہ خواجہ صاحب کی تعظیم کے لیے بھی نہ اٹھ سکے۔ آخر لاٹھی کے سہارے سے اُٹھے۔ ابھی چند قدم چلے تھے کہ لاٹھی پھینک دی۔ کہ میں غیر کا سہارا نہ لوں گا۔

آپ ہمیشہ روزے سے رہتے۔ ماہ رمضان میں ہر رات تراویح کی نمازیں قرآن مجید ختم کرتے۔ بابا صاحب فرمایا کرتے کہ وہ ریاضت و عبادت جنت کے لیے نہیں اور نہ ہی دوزخ کے ڈر سے کرتے ہیں۔ یہ نتیجہ ہے اس محبت کا جو انہیں اللہ سے ہے۔

۱۲۔ طویل روزہ: ایک موقع پر حضرت خواجہ بختیار کاکی نے بابا صاحب سے فرمایا کہ وہ طے کا روزہ رکھیں۔ اس روزے میں افطار کے وقت پانی تو پی لیا جاتا ہے مگر کبھی تین دن، کبھی دس دن، کبھی مہینہ اور کبھی چھ مہینے اور کبھی ایک سال تک کچھ نہ کھایا جاتا۔ بابا صاحب نے مرشد کے حکم کے مطابق یہ روزہ شروع کیا اور تین دن تک کچھ نہ کھایا۔ تیسرے دن افطار کے وقت ایک شخص اُن کے لیے کھانا لایا۔ انہوں نے اُسے رزق غیب سمجھ کر کھا لیا۔ مگر فوراً ہی طبیعت متلانے لگی۔ اور قے ہو گئی۔ جب یہ واقعہ بابا صاحب نے اپنے مرشد سے بیان کیا تو انہوں نے فرمایا۔ "مسعود! تو نے اس دن اپنا روزہ ایک شرابی کے کھانے سے افطار کیا تھا۔ لیکن خداوند کریم نے تجھ پر بڑا کام کیا اور وہ کھانا تیرے پیٹ سے نکل گیا۔ اب پھر تین دن کا روزہ رکھ اور جو کچھ غیب سے ملے، اس سے روزہ افطار کرنا۔

بابا صاحب نے تین دن تک روزہ رکھا، مگر افطار کے وقت کہیں سے کوئی کھانا نہ آیا۔ یہاں تک کہ ایک رات گزر گئی۔ کمزوری اور ضعف بڑھ گیا بے اختیار ہو کر کچھ سنگریزے زمین سے پکڑ کر منہ میں ڈال لیے۔ جو قدرت خداوندی سے ان کے منہ میں جاتے ہی شکر

بن گئے۔ خیال کیا کہ یہ کہیں دھوکا نہ ہو، انہوں نے وہ شکر پارے منہ سے نکال دیے اور ذکر الٰہی میں مشغول ہو گئے۔ آدھی رات ہو گئی۔ اب پھر ضعف نے شدت اختیار کر لی۔ آپ نے پھر زمین سے کچھ سنگریزے اٹھا کر منہ میں ڈال لیے۔ وہ بھی منہ میں جا کر شکر بن گئے بابا صاحب نے تین بار اس کو دہرایا۔ جب انہوں نے اپنے مرشد حضرت بختیار کاکیؒ سے اس واقعے کا ذکر کیا تو انہوں نے فرمایا "مسعود! یہ دست غیب تھا۔ جاؤ تم ہمیشہ شکر کی مانند میٹھے رہو گے۔

۱۲۔ ہانسی میں قیام: جب بابا صاحب مرشد کی خدمت میں رہ کر کڑی سے کڑی ریاضتیں اور عبادتیں کر چکے تو آپ نے اپنے مرشد سے ہانسی میں قیام کرنے کی اجازت چاہی تاکہ سب سے الگ ہو کر اللہ کی عبادت کر سکیں۔ حضرت خواجہ بختیار کاکیؒ نے آنکھوں میں آنسو بھر کر فرمایا "فرید! تم ہانسی جاؤ گے؟" بابا صاحب نے عرض کیا" جیسا حکم ہو، اس کی تعمیل کروں گا۔ حضرت بختیار کاکیؒ نے فرمایا کہ تم میری وفات کے وقت یہاں موجود نہ ہو گے۔ اس کے بعد آپ نے تمام حاضرین سے فرمایا کہ وہ بابا صاحب کی روحانی سربلندی کے لیے دعا کریں۔ دعا کے بعد حضرت بختیار کاکی نے بابا صاحب کو اپنی جائے نماز اور عصا عطا فرمایا اور کہا کہ وہ اپنا خرقہ دستار اور کھڑاویں قاضی حمید الدین ناگوری کے پاس امانت رکھ دیں گے۔ تم میری وفات کے پانچ روز بعد ان سے یہ چیزیں لے لینا۔ پھر فرمایا "میری جگہ تمہاری ہے"۔ اس کے بعد بابا صاحب ہمیشہ کے لیے اپنے مرشد سے جدا ہو گئے۔

حضرت بختیار کاکی نے یہ کہہ کر اپنی جانشینی کا مسئلہ حل کر دیا۔ اس فیصلے سے دوسرے مرید جو اپنے آپ کو اس عزت کا مستحق سمجھتے تھے۔ انہیں بڑی مایوسی ہوئی۔ لیکن شیخ کے فیصلے کے خلاف کوئی اپیل نہ ہو سکتی تھی۔ لہٰذا سب کو اپنے شیخ کا فیصلہ قبول کرنا پڑا۔

دہلی سے چل کر بابا صاحب ہانسی میں آ گئے۔ اس وقت ہانسی کی حیثیت ایک چھاؤنی کی سی تھی۔ بابا صاحب کا خیال تھا کہ یہاں وہ آرام و سکون سے عبادت و ریاضت میں

مصروف رہ سکیں گے اور عوام انہیں پریشان نہ کر سکیں گے۔

مگر یہاں بھی آپ کو چین نہ مل سکا، جس کے وہ خواہش مند تھے۔ ہانسی میں ایک مشہور صوفی اور خطیب مولانا نور ترک تھے۔ ایک دن جمعے کی نماز پڑھنے کے لیے بابا صاحب اُن کی مسجد میں گئے۔ اگرچہ ان کے کپڑے پھٹے ہوئے تھے اور ظاہراً طور پر وہ کوئی بڑے مذہبی اور عالم و فاضل شخص نظر نہ آتے تھے۔ لوگوں سے بھی کوئی شناسائی نہ تھی۔ لیکن جب بابا صاحب مسجد میں داخل ہوئے تو مولانا ترک نے دیکھ کر کہا "مسلمانو! صرافِ سخن آ پہنچا ہے۔" اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہانسی میں بہت جلد آپ کی شہرت پھیل گئی۔ بابا صاحب فرمایا کرتے تھے کہ مولانا ترک نے میرے ایسے اوصاف بیان کیے کہ کسی نے کسی بادشاہ کے بارے میں ایسے الفاظ نہ کہے ہوں گے۔

۱۴۔ مرشد کا وصال: بابا صاحب ہانسی میں قیام فرما تھے۔ جس رات حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی نے وفات پائی، اسی رات آپ نے خواب میں دیکھا کہ خواجہ قطب الدین آپ کو بلا رہے ہیں۔ صبح آپ ہانسی سے روانہ ہو کر تیسرے دن دہلی پہنچ گئے۔ اور اپنے شیخ کے مزار کی زیارت کی۔ پانچویں دن قاضی حمید الدین ناگوری نے مرشد کی عطا کردہ امانتیں بابا صاحب کے حوالے کیں۔ بابا صاحب نے دوگانہ ادا کر کے مرشد کے خرقے کو پہنا اور ان کے گھر میں جا کر مسندِ ہدایت کو زینت بخشی۔

۱۵۔ قیام دہلی: دہلی کی زندگی ہانسی سے بالکل مختلف تھی دہلی میں شور و شغب کی دنیا تھی۔ ہر روز ان کو دعوتوں پر مدعو کیا جاتا تھا۔ جس سے اُن کا بہت سا وقت بے کار تقریبوں میں صرف ہو جاتا تھا۔ وہ اس شور و شغب سے بھاگ جانا چاہتے تھے لیکن مرشد کی مسند کو چھوڑنا بھی آسان نہ تھا۔ لیکن ایک واقعے نے بابا صاحب کو دہلی چھوڑنے پر آمادہ ہو دیا۔

ہانسی سے ایک شخص آپ کی ملاقات کے لیے آیا۔ اس نے کئی روز رہ کر بابا صاحب کی خدمت میں حاضر ہونے کی بڑی کوشش کی۔ مگر دربان نے اندر نہ جانے دیا۔ ایک دن جب بابا صاحب باہر آئے تو وہ شخص دوڑ کر آپ کے قدموں میں گر گیا اور رو رو کر عرض کیا

کہ آپ ہانسی میں تھے تو آپ سے ملنا کچھ مشکل نہ تھا، مگر یہاں تو آپ سے ملنا بہت مشکل ہو گیا ہے۔

اس شخص کی اس بات نے بابا صاحب پر بڑا اثر کیا اور انہوں نے فیصلہ کیا کہ وہ دہلی میں نہیں رہیں گے۔ آپ کے اس فیصلے سے آپ کے مریدوں اور دوستوں کو بڑا تعجب ہوا۔ انہوں نے آپ سے کہا "حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی ؒ نے آپ کے لیے یہ جگہ خاص کر دی ہے۔ آپ کو یہ جگہ چھوڑ کر نہ جانا چاہیے۔

انہوں نے فرمایا "میں جہاں جاؤں گا،" میرے پیر و مرشد کی دعائیں میرے ساتھ ہوں گی، شہر میں رہوں یا کسی جنگل بیابان میں!"

دہلی چھوڑنے کی ایک وجہ یہ بھی ہوئی کہ خواجہ بختیار کاکی کی وفات کے بعد سلطان التمش کا بھی انتقال ہو گیا۔ اس کے بعد ترکی امرا کی سازشوں نے شاہی اقتدار کو کمزور کر دیا۔ شہر کے علمار مختلف ترکی امرا سے منسلک ہو گئے۔ شیخ بدر الدین غزنوی جو ہمیشہ دہلی میں رہتے تھے اور انہوں نے بابا صاحب کے مرشد کے ساتھ کام بھی کیا تھا۔ وہ بابا صاحب کے قیام دہلی کو اچھی نظر سے نہ دیکھتے تھے۔ بابا صاحب نے پسند نہ کیا کہ کسی قسم کی رقابت یا مقابلے میں شریک ہوں اور آپ دہلی چھوڑ کر پھر ہانسی میں آ گئے۔ حضرت بابا صاحب کا یہ اقدام سلسلہ چشتیہ کے لیے بہت بابرکات ثابت ہوا۔

۱۶۔ اجودھن میں قیام: ہانسی میں جب لوگ کثرت سے آپ کی زیارت کو آنے لگے تو آپ کی طبیعت یہاں بھی گھبرانے لگی، بابا صاحب محسوس کرتے تھے کہ ابھی ان کی روحانی تربیت کی مدت ختم نہیں ہوئی۔ وہ ایسے گوشہ عافیت کی تلاش میں تھے، جہاں وہ اطمینان و سکون سے ریاضت و عبادت کر سکیں، چنانچہ آپ اپنے گاؤں کھتوال میں چلے آئے۔ وہاں بھی لوگ بکثرت آپ کی خدمت میں آنے لگے تو اجودھن تشریف لے گئے جہاں آپ آخری دم تک رہے۔ کہا جاتا ہے کہ بابا صاحب وہاں سولہ یا بیس برس تک رہے۔

اجودھن، جسے آج کل پاک پٹن کہا جاتا ہے، یہ ایک قدیم قصبہ تھا۔ اس کے قریب

ہی دریائے ستلج کو پار کرنے کے لیے ایک گھاٹ بھی تھا اور کئی سڑکیں یہاں آکر ملتی تھیں۔
مگر بابا صاحب نے اس قصبے سے کچھ دور جنگل کے قریب اپنے لیے جگہ پسند کی۔ یہاں کچھ
ہندو لوگ رہتے تھے جنہیں اعلیٰ ہندو اچھوت کہتے تھے۔ یہاں ہر جگہ سانپ اور بچھو رینگتے
پھرتے تھے۔ کہتے ہیں ایک مرتبہ ایک سانپ نے بابا صاحب کو بھی ڈس لیا تھا۔ یہاں
کے لوگ بڑے بدمزاج اور بد اعتقاد تھے اور جب انہوں نے بابا صاحب کی طرف بھی
کوئی توجہ نہ دی تو بہت خوش ہوئے اور یہیں ڈیرے ڈال دیے اور فرمایا کہ یہاں خوب
اطمینان سے اللہ کی عبادت ہو سکے گی۔ جب آپ کی روحانی تربیت ذات ختم ہو گئی، تو
آپ نے عوام کے لیے اپنے دروازے کھول دیے اور فرمایا :۔ "ایک ایک کر کے میرے
پاس آؤ تاکہ میں انفرادی طور پر توجہ دے سکوں۔" اس طرح آپ لوگوں کی خدمت
میں مصروف ہو گئے۔

۱۷۔ اسلام کا چھٹا رکن روٹی:

حضرت سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیاءؒ خواجہ سید بدر الدین اسحٰق کے حوالے سے فرماتے
ہیں کہ اجودھن کے قریب ایک ملا رہتا تھا، جو بابا صاحب سے بلاوجہ عناد رکھتا تھا اور
ہر وقت ان کی مخالفت کرتا رہتا تھا۔ وہ اکثر بابا صاحب کی مجلس میں بھی آیا کرتا تھا اور حجت
بازی کیا کرتا تھا۔

ایک دن مولوی صاحب آئے تو بابا صاحب نے پوچھا، مولوی صاحب! اسلام
کے کتنے ارکان ہیں؟ مولوی صاحب نے بڑے تمسخرانہ انداز میں کہا، واہ جی! آپ کو
یہ بھی پتہ نہیں! بابا صاحب نے کہا فرما دیجیے۔ مولوی صاحب کہنے لگے، یہ تو ایک معمولی مسلمان
جانتا ہے کہ اسلام کے پانچ ارکان ہیں۔ بابا صاحب نے پوچھا کون کون سے؟ مولوی
صاحب نے کہا، یہی کلمہ، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ۔ بابا صاحب نے فرمایا، مولوی صاحب!
آپ ایک اہم رکن تو چھوڑ ہی گئے۔ مولوی صاحب ہنسے اور کہنے لگے، واہ! آپ نے کوئی
نیا اسلام بنایا ہے۔ بابا صاحب نے فرمایا: میں نے کوئی نیا اسلام تو نہیں بنایا۔ لیکن اسلام
کا ایک اور نہایت ضروری اور اہم رکن بھی ہے جسے آپ چھوڑ گئے ہیں۔ یہ سن کر مولوی صاحب

بہت برہم ہوئے اور کہنے لگے، کون سارکن ہے ؟ بابا صاحب نے جواب دیا "اسلام کا چھٹا رکن روٹی ہے۔" یہ سن کر مولوی صاحب غضب ناک ہو گئے اور یہ کہتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے کہ تم اسلام کے خلاف باتیں کرتے ہو اور بابا صاحب کی مجلس سے باہر نکل گئے۔

کچھ عرصے بعد مولوی صاحب حج کرنے کے لیے مکہ معظمہ گئے اور سات سال تک وہاں مقیم رہ کر عبادت وریاضت کے علاوہ سات حج بھی کیے۔ سات سال کے بعد مولوی صاحب واپس وطن آرہے تھے، کہ ان کا جہاز طوفان میں پھنس گیا اور کچھ دیر تک سمندر کی تند و تیز موجوں کا مقابلہ کرنے کے بعد پاش پاش ہو گیا اتفاق سے مولوی صاحب کو ایک تختہ مل گیا، جس پر بیٹھ کر انھوں نے اپنے آپ کو موجوں کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا، یہ تختہ بہتا ہوا آخر ایک کنارے پر جا لگا۔ مولوی صاحب نے خدا کا شکر ادا کیا۔ خیال تھا کہ یہاں کوئی قریب ہی گاؤں ہوگا۔ لیکن بڑی کوشش کے بعد انہیں اس علاقے میں کوئی آبادی نظر نہ آئی۔ بھوک سے مولوی صاحب کا حال بُرا ہو رہا تھا۔ کئی دنوں کے فاقوں نے اُن کو بے حال کر دیا تھا اور وہ اس قدر نحیف و نزار ہو چکے تھے کہ ان کے لیے تھوڑی دور چلنا بھی مشکل تھا۔ اس جگہ پر نہ کوئی گھاس تھی اور نہ کوئی درخت۔ بڑے پریشان تھے، اور سوچنے لگے اب یہاں بھوکوں مرنا ہوگا۔

ابھی مولوی صاحب انہیں خیالوں میں گم تھے کہ اُن کے کان میں ایک آواز آئی: "ہم کھانا بیچتے ہیں"، دیکھا کہ ایک شخص اپنے ہاتھوں میں خوان اٹھائے ہوئے یہ آواز لگا رہا ہے۔ آپ نے بڑی منت سے کہا کہ اے اللہ کے بندے! میں کئی دن سے فاقے سے ہوں خدا کے لیے مجھے کھانا دو، وہ شخص قریب آیا اور کہا، کھانا صرف قیمت پر مل سکتا ہے۔ مولوی صاحب نے کہا میرے پاس کوئی پیسہ نہیں ہے للہ، مجھ پر مہربانی کرو۔ اس شخص نے کہا، قیمت ہے تو کھانا لے لو، ورنہ میں چلا۔ مولوی صاحب نے اس شخص کو بہت سے اسلامی مسائل بتائے کہ کسی بے کس پر رحم کرنا بڑے اجر و ثواب کا کام ہے۔ لیکن وہ شخص نہ مانا۔

آخر اس شخص نے پوچھا کہ تم کہاں سے آرہے ہو؟ مولوی صاحب نے بتایا کہ میں سات حج کر کے آرہا ہوں۔ اس آدمی نے کہا کہ اگر ساتوں حجوں کا ثواب مجھے دے دو تو میں کھانا تمہیں دے دوں گا۔ پہلے تو مولوی صاحب ہچکچائے، لیکن جب دیکھا کہ وہ شخص کھانا واپس لیئے جا رہا ہے تو سوچنے لگے، جان بچانے کے لیے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ ساتوں حجوں کا ثواب دے دیا جائے اور یہ بھی دل میں خیال آیا، خدا جانے، یہ کون سی جگہ ہے وطن والے تو یہی خیال کریں گے کہ میں نے سات حج کیئے ہیں یہ سوچ کر اس شخص کو آواز دی اور کہا کہ میں نے سات حج کا ثواب تمہاری نذر کیا۔ مجھے کھانا دو۔ اس شخص نے کھانا مولوی صاحب کے آگے رکھ دیا۔ مولوی صاحب نے یہ کھانا سیر ہو کر کھایا اور وہ شخص چلا گیا۔ کچھ دن کے بعد جب پھر بھوک نے مولوی صاحب کو ستایا اور وہ شخص نہ آیا۔ اب مولوی صاحب پھر بھوک سے بے حال ہونے لگے ایک دن پھر وہی شخص کھانا لے کر آگیا۔ اب کے اس نے مولوی صاحب سے کہا کہ اگر تم ساری عمر کی نمازوں کا ثواب مجھے دے دو تو میں تم کو کھانا دے سکتا ہوں۔ مولوی صاحب نے مجبور ہو کر اس شخص کی اس خواہش کو منظور کر لیا اور ساری عمر کی نمازیں دے کر کھانا کھا لیا۔ چند دن تک مولوی صاحب کو پھر بھوکا رہنا پڑا تو پھر وہ شخص آیا اور کہا اگر تم اپنی زکوٰۃ کا ثواب مجھے دو تو میں تمہیں کھانا دے سکتا ہوں۔ مولوی صاحب کے لیے اس کے سوا کوئی چارہ ہی نہ تھا۔ انہوں نے اپنی ساری زندگی کی زکوٰۃ کا ثواب دے کر کھانا کھا لیا۔ چوتھی بار جب وہ شخص کھانا لے کر آیا تو مولوی صاحب نے کہا کہ اب میں کچھ بھی نہیں دے سکوں گا۔ اب تم اللہ کے لیے مجھے کھانا دے دو۔ اس شخص نے کہا، مفت تو کھانا نہیں مل سکتا۔ ہاں، یہ ہو سکتا ہے کہ میں یہ کاغذ اور قلم دوات لایا ہوں آپ اس پر لکھ دیں کہ میں نے سات حج، ساری عمر کی نمازیں اور ساری عمر کی زکوٰۃ اس شخص کو کھانے کے بدلے دے دی۔ مجبور ہو کر مولوی صاحب نے یہ سب کچھ لکھ دیا اور کھانا کھا لیا۔

ایک دن مولوی صاحب کو دور سے ایک جہاز آتا ہوا دکھائی دیا۔ انہوں نے اپنی پگڑی سر سے اتار کر ہوا میں لہرائی۔ مولوی صاحب کی خوش قسمتی سے جہاز والوں نے ان

کو دیکھ لیا اور اُن کی طرف ایک کشتی بھیجی۔ اس طرح مولوی صاحب بخیریت وطن پہنچ گئے اور لوگوں میں اپنے سفرِ حج اور قیام مکہ معظمہ کے واقعات سناتے رہے۔

کچھ مدت کے بعد یہی مولوی صاحب حضرت بابا صاحب کی مجلس میں گئے۔ مختلف قسم کی باتیں ہوتی رہیں۔ بابا صاحب نے پھر پوچھا، مولوی صاحب اسلام کے کتنے رکن ہوتے ہیں۔ مولوی صاحب نے کہا، پانچ۔ بابا صاحب نے فرمایا، اب کے آپ پھر چھٹے رکن روٹی کو بھول گئے۔ مولوی صاحب کچھ ناراض سے ہو گئے اور کہنے لگے، اسلام کا کوئی چھٹا رکن نہیں ہے۔ بابا صاحب نے کہا، اگر میں ثابت کر دوں تو؟ مولوی صاحب نے کہا، میں مان لوں گا۔ حضرت بابا صاحب اٹھے اور اندر حجرے میں گئے اور ایک بڑی سی کتاب اٹھا لائے اور کچھ دیر تک اس کے ورق الٹ پلٹ کرتے رہے۔ آخر ایک جگہ ٹھہر گئے اور مولوی صاحب کو قریب بلا کر فرمایا کہ اسے پڑھیے۔ مولوی صاحب یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ کتاب میں وہی تحریر پڑی ہے۔ جو مولوی صاحب نے اس شخص کو لکھ کر دی تھی، جس نے اُن کو اس وقت کھانا کھلایا تھا، جب وہ بہت پریشان حال تھے۔ یہ دیکھ کر مولوی صاحب بابا صاحب کے قدموں پر گر پڑے اور اپنی پچھلی گستاخیوں کی معافی مانگی۔

۱۸۔ مخالفت: بابا صاحب کی شہرت اب دور دور تک پھیل چکی تھی اور لوگ دور و نزدیک سے آپ کی خدمت میں حاضر ہونے لگے۔ لیکن یہاں کے لوگ اور حاکم آپ کو بہت تنگ کرتے تھے۔ اس کے علاوہ تنگ خیال علماء بھی آپ کے مخالف ہو گئے اور آپ کو تنگ کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ وہاں کا قاضی اُن سے حسد کرنے لگا اور اس کے کہنے پر وہاں کے جاگیردار اور سرکاری اور نیم سرکاری حاکموں نے بابا صاحب کو سخت پریشان کیا۔ لیکن بابا صاحب نے ان مصیبتوں کو بڑے تحمل اور ضبط سے برداشت کیا۔ جب اس قاضی کو اپنی تمام کوششوں میں ناکامی ہوئی تو اس نے ایک شخص کو اس پر آمادہ کر لیا کہ وہ بابا صاحب کو قتل کر دے۔ اس واقعے کے متعلق خواجہ نظام الدین اولیاء لکھتے ہیں۔

ایک دن بابا صاحب صبح کی نماز ادا کر کے سجدے میں گر گئے۔ اس وقت میرے

سوا کوئی خادم وہاں موجود نہ تھا۔ اچانک ایک شخص آیا اور اس قدر بلند آواز میں بولا کہ بابا صاحب کی یکسوئی میں خلل آ گیا۔ بابا صاحب نے سجدے کی ہی حالت میں اور پوستین کے نیچے سے پوچھا کون ہے یہاں "میں نے جواب دیا "میں ہوں" اس کے بعد بابا صاحب نے فرمایا "جو نووارد آیا ہے، اس کا قد درمیانہ ہے، ہلکا زرد رنگ ہے۔ وہ ترک ہے۔" میں نے فوراً اس کی طرف دیکھا۔ وہ بالکل ویسا ہی تھا، جیسا کہ بابا صاحب نے فرمایا تھا۔ اس کے بعد بابا صاحب نے پوچھا "اس کی کمر کے گرد زنجیر بھی ہے"، جب میں نے دیکھا تو زنجیر بھی اس کی کمر میں لٹک رہی تھی۔ میں نے جواب دیا "جی ہاں" پھر انہوں نے پوچھا "کیا اس کے کانوں میں کچھ ہے" میں نے جواب دیا "جی ہاں! بالیاں ہیں" جب بھی میں اس شخص کو دیکھتا اس کا رنگ بدل جاتا تھا۔ بابا صاحب نے فرمایا "اس سے کہو چلا جائے، بیشتر اس کے کہ وہ ذلیل ہو"۔ یہ سن کر وہ شخص فوراً بھاگ گیا۔

۱۹۔ سلطان بلبن کی عقیدت: شہنشاہ غیاث الدین بلبن کو آپ سے شہزادگی کے زمانے سے ہی بڑی عقیدت تھی۔ جب وہ بادشاہ بنا تو یہ عقیدت اور بھی بڑھ گئی۔ وہ کئی بار بابا صاحب سے ملنے کے لیے اجودھن آیا اور ان کی صحبت سے فیض یاب ہوا۔

ایک مرتبہ اس نے بابا صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میں تو کئی بار حاضرِ خدمت ہو چکا ہوں۔ بیگمات بھی آپ کی زیارت کی بہت خواہش مند ہیں۔ اگر آپ زحمت فرما کر میرے ساتھ دہلی تشریف لے چلیں تو یہ آپ کا بہت بڑا احسان ہو گا۔ بابا صاحب اب کہیں آتے جاتے نہ تھے۔ مگر بلبن کی عقیدت اور بار بار کی التجا پر آپ نے دہلی جانا قبول فرما لیا اور دہلی تشریف لے گئے۔ جہاں ان کا شاندار استقبال کیا گیا۔

۲۰۔ شہزادی سے شادی: دہلی میں کچھ دن گزارنے کے بعد آپ نے سلطان بلبن سے واپسی کی خواہش کی۔ بلبن نے بڑے اصرار سے چند دن اور ٹھہرنے کی درخواست کی اور اس دوران میں بلبن نے حضرت سے درخواست

کی کہ اس کی بیٹی کا رشتہ قبول فرمائیں۔ بابا صاحب نے بلبن کی درخواست مان لی۔ اور شہزادی سے آپ کی شادی ہو گئی۔ بلبن نے بیٹی کو شاہانہ ٹھاٹھ کے ساتھ دہلی سے روانہ کیا، مگر بابا صاحب کی ہدایت کے مطابق شہزادی نے شاہی زندگی ترک کر کے عام عورتوں کا سا لباس پہن لیا اور بڑی سادگی سے زندگی گزارنے لگیں۔ شہزادی نے بھی آپ کی صحبت سے خوب فائدہ اٹھایا۔ جس کی وجہ سے ان کو بڑی محبت ہو گئی۔ مگر اس محبت نے آپ کی ریاضت وعبادت میں کچھ فرق نہ آنے دیا۔ ان کے ہاں پانچ لڑکے اور تین لڑکیاں پیدا ہوئیں۔ بابا صاحب کی ساری اولاد اسی شہزادی کے بطن سے ہوئی۔ ان کے علاوہ آپ کی دو بیویاں اور بھی تھیں۔

۲۱۔ وصال: حضرت بابا فرید گنج شکر کا وصال بروز منگل ۵ محرم ۶۷۰ھ کو ہوا۔ وصال سے قبل آپ کی صحت کچھ خراب ہو گئی اور آپ کو انتڑیوں کا مرض لاحق ہو گیا جو آپ کے وصال کا سبب بنا۔ آپ کے وصال کے متعلق حضرت نظام الدین اولیاء فرماتے ہیں کہ اس بیماری کے دوران حضرت بابا صاحب نے مجھے دہلی کی طرف رخصت کرتے ہوئے لباس خاص عنایت فرمایا۔ جب میں رخصت ہونے لگا تو بابا صاحب کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور فرمایا، جاؤ، ہم نے تم کو خدا کے سپرد کیا۔ اس وقت مجھے آپ کی جدائی سے ایسا صدمہ ہوا کہ اس سے پہلے کبھی نہ ہوا تھا۔ میں دہلی آ گیا۔ یہاں آ کر معلوم ہوا کہ آپ کی بیماری شدت اختیار کر گئی ہے۔ یہاں تک کہ ایک رات آپ عشاء کی نماز کے بعد بے ہوش ہو گئے اور بہت دیر کے بعد ہوش آیا۔ ہوش میں آنے کے بعد آپ نے مولانا بدرالدین اسحٰق سے پوچھا کہ میں نے عشاء کی نماز پڑھ لی ہے۔ مولانا بدرالدین اسحٰق نے جواب دیا کہ حضور تو عشاء کی نماز وتر کے ساتھ ادا کر چکے ہیں۔ اس کے بعد آپ پھر بے ہوش ہو گئے۔ جب ہوش میں آئے تو فرمایا، میں دوسری مرتبہ نمازِ عشاء ادا کروں گا۔ خدا جانے پھر یہ موقع ملے یا نہ ملے۔ مولانا بدرالدین کہتے ہیں کہ اس رات آپ نے تین مرتبہ نمازِ عشاء ادا کی۔ پھر فرمایا، نظام الدین دہلی میں ہے۔ میں بھی خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کی وفات کے وقت ہانسی میں تھا۔ پھر آہستہ سے میرے کان میں فرمایا کہ میرے انتقال

کے بعد وہ خرقہ جو مجھے حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی نے عنایت کیا تھا، وہ نظام الدین بدایونی کو پہنچا دینا۔ پھر آپ نے وضو کے لیے پانی منگوایا۔ وضو کیا اور دوگانہ ادا فرمایا پھر سجدے میں چلے گئے اور سجدے میں ہی آپ کی روح پرواز کر گئی۔ خواجہ نظام الدین کا کہنا ہے کہ وصال کے وقت آپ کی زبان پر۔ یَا حَیُّ یَا قَیُّوْم جاری تھا۔ اس کے بعد آپ کو اجودھن میں دفن کیا گیا۔ جس کا نام پاکپتن رکھا گیا۔

۲۱۔ مزار: وفات کے وقت بابا صاحب نے وصیت فرمائی تھی کہ میرا خرقہ، عصا، کھڑاویں اور دوسرے تبرکات نظام الدین اولیاء کو دی جائیں وہی میری قبر بھی بنائیں گے۔ چنانچہ بابا صاحب کی نعش امانت کے طور پر دفن کی گئی۔ جب نظام الدین اولیاء اجودھن آئے تو یہ امانتیں حاصل کیں اور حضرت کو وہاں دفن کیا جہاں آج کل ان کا مزار ہے ایک چھوٹا سا قبہ تعمیر کیا گیا۔ مشرق اور جنوب کی طرف دروازے رکھے گئے۔

حضرت کے مزار کے قریب حضرت کے پوتے علاء الدین[1] کا مزار ہے، جس پر عالی شان گنبد ہے۔ گنبد کے باہر صحن میں ان تمام سجادہ نشینوں کے مزار ہیں جو اب تک بابا صاحب کی گدی پر بیٹھے رہے۔

۲۳۔ بہشتی دروازہ: کہا جاتا ہے کہ جب حضرت نظام الدین اولیاء نے مزار تعمیر کرایا تو ایک روز آپ جنوبی دروازہ کے پاس کھڑے تھے کہ اچانک فرط جوش میں پکار اٹھے "حضور نبی کریم تشریف لائے اور فرماتے ہیں جو اس دروازے میں داخل ہو گا نجات پائے گا۔

اس واقعے کے بعد سے صرف شرقی دروازہ زائرین کے لیے کھلا رکھا گیا۔ جنوبی دروازہ جسے "بہشتی دروازے" کا نام دیا جاتا ہے، بند کر دیا گیا۔ صرف عرس کے موقع پر یعنی ۵ محرم کی شام

---

[1] حضرت شیخ علاء الدین کے برادر مکرم حضرت بابا تاج الدین سرور چشتی شہید علیہ الرحمۃ کا مزار اقدس چشتیاں شریف ضلع بہاولنگر کے ایک وسیع و عریض قبرستان میں موجود ہے

کو اسے کھولا جاتا ہے اور لوگ اس میں سے گزرتے ہیں۔

۲۴۔ اولاد: بابا صاحب کے پانچ صاحبزادے اور تین صاحبزادیاں تھیں۔ شیخ نصیر الدین نصر اللہ شیخ بدر الدین سلیمان، شیخ شہاب الدین، خواجہ نظام الدین، شیخ یعقوب، یہ پانچ صاحبزادے تھے۔ صاحبزادیوں کے نام بی بی مستورہ، بی بی شریفہ اور بی بی فاطمہ ہیں۔

۲۵۔ خلفاء: سلسلہ چشتیہ کی دو بڑی شاخیں، صابریہ، اور، نظامیہ، ہیں۔ ان دونوں کا سلسلہ بابا صاحب سے شروع ہوتا ہے۔ صابریہ سلسلے کے بانی ان کے مرید خاص اور بھانجے مخدوم علاء الدین صابر اور حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء سلطان المشائخ سلسلہ نظامیہ کے بانی ہوئے ہیں یہ دونوں بزرگ بابا صاحب کے محبوب مرید تھے۔ ان کے علاوہ شیخ جمال الدین ہانسوی شیخ نجیب الدین متوکل، شیخ عارف، حضرت امام الحق سیالکوٹی اور شیخ منتخب الدین بھی آپ کے خلفا تھے۔

حضرت خواجہ نور محمد مہاروی چشتیؒ

ہندوستان میں سلطنت مغلیہ کے عہد میں تصوف کو پھر فروغ ہوا۔ اور دو تین صدیوں کے بعد چشتیہ سلسلے نے دو تین ایسے بزرگوں کے ذریعہ رونق پائی، جو یکے بعد دیگرے ظہور پذیر ہوئے ان بزرگوں میں سے ایک شیخ کلیم اللہ جہاں آبادی تھے، جنہوں نے اپنے مولد شاہ جہاں آباد میں چشتیہ سلسلے کی اشاعت و تبلیغ کا کام کیا۔ ان کے جانشین شیخ نظام الدین دلی اورنگ آبادی نے اورنگ آباد (دکن) میں اپنے پیر و مرشد کے کام کو جاری رکھا۔ پھر ان کے فرزند فخر الدین فخر جہاں شاہجہاں آبادی نے دہلی میں بیٹھ کر شمالی ہندوستان میں چشتیہ سلسلے کی بڑے کامیاب طریقہ سے اشاعت کی۔ انہوں نے ہندوستان کے مختلف علاقوں میں اپنے خلفاء بھیجے، خواجہ نور محمد مہاروی انہیں خلفاء میں سے ہیں، جنہوں نے پنجاب میں سلسلہ چشتیہ کو فروغ دیا۔

۱۔ والدین: آپ کے والدین نے آپ کا نام بہتیل رکھا تھا۔ جس کو آپ کے شیخ شاہ فخر الدین نے بدل کر نور محمد رکھا تھا۔ آپ کی والدہ کا نام عاقل بی بی تھا۔ جو کمال جٹھ کی صاحبزادی تھیں، آپ کے والدہ کا نام ہندال تھا۔ آپ قبیلہ کھرل سے تعلق رکھتے تھے۔ انوار العارفین میں ہے کہ قوم کھرل قوم پنوار کی ایک شاخ تھی۔ آپ کے آباؤ اجداد کا پیشہ زراعت تھا، کسی نے خواجہ نور محمد سے ان کے باپ دادا کے متعلق پوچھا تو فرمایا کہ میرے آباؤ اجداد زراعت کرتے، مویشی چراتے اور ان کا دودھ دوہتے اور لوگوں کے مال پر دوڑتے تھے۔

۲۔ سلسلہ نسب: آپ کا سلسلہ نسب نوشیرواں عادل سے اس طرح ملتا ہے۔

خواجہ نور محمد بن ہندال بن طاطار بن محمود کھرل بن مرہ بن عزیز بن ڈاتا بن دیتا

بن چہتر بن نالار بن ادہر بن امو بن کرا بن جگ سین بن کج سین بن سریک بن راجپت بن دیو رائے بن گدٹان شہیر بن موا بن یدھ بن بوہل بن باہرہ بن کھرل بن کھبوہ بن رانو بن وہوہڑ بن جیل بن جمع بن اہرا بن ہوٹا بن رائے دیلون بن چالک بن سنگھی بن راجہ کرن بن سورج بن مولراج بن راجہ جگ دے بن ہوٹا بن رائے دیلون بن چالک بن بنسیر بن قیصر بن ہرمز بن نوشیروان عادل۔

۳۔ ولادت: آپ ۱۴ رمضان ۱۱۴۲ھ ۱۷۲۹ء کو قصبہ چوٹالہ میں پیدا ہوئے جو بہاولپور کے قریب ہے، کچھ عرصہ کے بعد آپ کا خاندان چوٹالہ سے قصبہ مہار میں آگیا۔

۴۔ تعلیم و تربیت: خواجہ صاحب نے پہلے قرآن پاک حفظ کیا پھر مہار شریف میں ہی رہ کر عقلی اور نقلی علم سیکھتے رہے۔ بعد ازاں ڈیرہ غازی خاں جا کر درسی کتابیں پڑھیں۔ پاک پٹن کے نواح میں موضع بیلا کے ایک شخص شیخ احمد کھوکھر سے بھی کچھ تعلیم پائی پھر خواجہ حکم دین کے ہمراہ لاہور آ کر تحصیل علم میں مصروف رہے

۵۔ مولانا فخر الدین کی خدمت میں حاضری: ان دنوں دہلی میں مولانا فخر الدین خدمت دین میں سرگرم تھے ایک روز آپ دہلی گئے اور وہاں پر حافظ محمد صالح کے ساتھ مولانا کی جائے قیام پر حاضر ہوئے۔ وہاں دربان کو دروازے پر دیکھ کر اندر داخل ہونے سے ہچکچائے، پھر ہمت کر کے اندر داخل ہوئے، حویلی میں داخل ہونے کے بعد دیکھا کہ ایک کمرے میں تخت پر چاندنی بچھی ہوئی ہے اور گاؤ تکیہ لگائے حضرت شاہ فخر اس پر تشریف فرما ہیں جس وقت شاہ نور محمد آپ سے ملنے کے لیے پہنچے، اس وقت اُن کا یہ عالم تھا کہ کپڑے پھٹے ہوئے بال بڑھے ہوئے، اور ایک پرانی چادر جسم سے لپٹی ہوئی تھی، شاہ فخر کی نظر اُن پر پڑی تو تخت سے اتر کر ان کو اپنے پاس بلایا، اور نہایت تپاک سے گلے لگایا۔ اور ہاتھ پکڑ کر اپنے پاس تخت پر بٹھایا، پھر پوچھا کہ کہاں سے آئے ہو؟ شاہ نور محمد نے جواب دیا، کہ پاک پٹن کے قرب وجوار کا رہنے والا ہوں۔ خواجہ فخر نے پوچھا کیا حضرت بابا صاحب کی

اولاد سے ہو؟ انہوں نے عرض کیا نہیں، پھر پوچھا میرے پاس کسی غرض سے آئے ہو۔ شاہ نور محمد نے جواب دیا کہ میں نے سنا ہے کہ آپ تعلیم دیتے ہیں، علم کی کشش مجھے آپ کی خدمت میں کھینچ کر لائی ہے، پھر حضرت شاہ فخر نے پوچھا پہلے کس سے پڑھتے تھے؟ عرض کیا میاں برخوردار جی سے تعلیم حاصل کرتا تھا، فرمایا کہ میں نے آج کل پڑھانا موقوف کر رکھا ہے، مناسب یہ ہے کہ تم میاں برخوردار جی ہی سے پڑھو، شاہ نور محمد نے عرض کیا کہ ان میں اور مجھ میں بہت فاصلہ ہے، میرا بہت سا وقت آمد ورفت میں ضائع ہوگا۔ حضرت خواجہ فخر نے مسکراتے ہوئے فرمایا:

ما برائے وصل کردن آمدیم

نے برائے فصل کردن آمدیم

پھر فرمایا خیر اگر تمہاری یہی مرضی ہے تو ہم سے پڑھ لیا کرو۔

۶۔ حضرت فخر الدین کی شاگردی: اس کے بعد شاہ نور محمد نے آپ سے تعلیم شروع کی، چند ہی روز کے بعد انہیں محسوس ہوا کہ اب وہ جس استاد کی خدمت میں آئے ہیں، جو دریائے علم ہے۔ ایک دفعہ انہوں نے شاہ فخر کے تبحر علمی کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا، "سبحان اللہ۔ بحر علم بودند" ابتداءً انہوں نے شاہ فخر سے منطق کی مشہور کتاب قطبی کا درس لینا شروع کیا۔ ابھی کچھ دن گزرے تھے، کہ حضرت خواجہ فخر نے اُن کی باطنی صلاحیتوں کا اندازہ کرکے فرمایا، تم علم ظاہری میں اپنا وقت ضائع نہ کرو، جتنا پڑھ لیا ہے وہ تمہارے لیے کافی ہے، اُس علم کی طرف متوجہ ہو جس کے لیے تم بنے ہو۔

۷۔ بیعت: چنانچہ ۱۱۶۵ھ ۱۷۵۱ء میں شاہ نور محمد نے حضرت شاہ فخر کے دست حق پرست پر سلسلہ چشتیہ نظامیہ میں بیعت کی، شاہ فخر کے دہلی تشریف لانے کے بعد شاہ نور محمد پہلے شخص تھے جنہوں نے شاہ فخر کی بیعت کا شرف سب سے پہلے حاصل کیا۔

۸۔ خدمت مرشد: خواجہ صاحب کو اپنے پیر و مرشد سے بہت محبت تھی، مولانا بھی خواجہ صاحب کو دل و جان سے چاہتے تھے۔ اور ان کی بہت قدر و منزلت کرتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ خواجہ صاحب نے کامل سولہ سال تک آپ کی خدمت کی۔

۹۔ سفر مہار و پاکپتن: بیعت ہونے کے کچھ عرصے بعد حضرت خواجہ فخر نے پاک پٹن حاضر ہونے کا ارادہ کیا، اس سفر میں خواجہ نور محمد مہاروی آپ کے ساتھ تھے، پاک پٹن میں حاضری کے بعد شاہ فخر نے ان کو حکم دیا کہ مہار جاکر اپنی والدہ کی قدم بوسی کی سعادت حاصل کریں، وہ اپنے شیخ کے ارشاد کی تعمیل میں اسی درویشانہ وضع میں اپنے وطن پہنچے، اور پہلے اپنے استاد حافظ محمد مسعود کی خدمت میں حاضر ہوئے، لوگوں نے ان کی والدہ کو اطلاع دی کہ ایک درویش دہلی سے آیا ہے، تم بھی اپنے لڑکے کی خیریت اُس سے جاکر پوچھ لو، اُن کی والدہ عاقل بی بی نقاب ڈال کر آئیں، اور اپنے لڑکے کی خیریت پوچھنے لگی۔ حافظ محمد مسعود کو بے اختیار ہنسی آگئی، سعادت مند بیٹے نے دوڑ کر ماں کی قدمبوسی کی سعادت حاصل کی۔

جب تک ان کا مہار میں قیام رہا وہ تمام دن مسجد میں مراقبے میں مصروف رہتے ایک دن حافظ محمد مسعود کے ایک دوست حافظ شرف الدین نے شاہ نور محمد سے پوچھا۔ میاں صاحبزادے دہلی میں اتنے دن رہے، کچھ حاصل بھی کیا یا یوں ہی چلے آئے۔ فرمایا:۔

ہندوستانی صاحبزادہ از پیرزادگان دکھن در دہلی آمدہ بود، در خدمت او می ماندم، و دیگچہ ہائے او لیسدم۔	ہندوستان کے پیرزادوں میں سے ایک صاحبزادے دکن سے دہلی تشریف لائے میں اُن کی خدمت میں رہا اور ان کی دیگچیاں چاٹتا رہا۔

حافظ شرف الدین نے افسوس کرتے ہوئے کہا تم نے عمر بھر دیگچیاں

چاٹنے میں گزاری، درآں حالیکہ مولوی احمدیار، مولوی محمد صالح اور مولوی اسد اللہ فارغ التحصیل ہو کر آئے، اور تم وہاں دیگچیاں چاٹتے رہے۔

آٹھ دن اپنے وطن میں قیام کرنے کے بعد خواجہ نور محمد اپنے شیخ کی خدمت میں پھر حاضر ہوئے۔ آپ کے شیخ نے آپ کو برج نظامی میں عبادت کرنے کا حکم دیا، پاکپٹن میں آپ کے شیخ شاہ فخر کا یہ معمول رہا کہ جو بھی ان کی خدمت میں مرید ہونے کے لیے حاضر ہوتا، وہ اسے خواجہ نور محمد کی خدمت میں بھجوا دیتے، چنانچہ بہت سے لوگ خواجہ نور محمد مہاروی سے بیعت ہوئے۔

حضرت بابا فرید گنج شکر کا عرس ختم ہونے کے بعد شاہ فخر نے خواجہ نور محمد سے فرمایا، میں ابھی یہاں اور دو مہینے مقیم رہوں گا، تم پھر اپنے گھر والدہ سے ہو آؤ، آپ اپنے شیخ کی تعمیل ارشاد میں مہار آئے۔ دو ماہ بعد جب آپ مہار سے پاک پٹن واپس ہوئے، تو مہار کے بہت سے لوگ جن میں آپ کے بھائی ملک سلطان، برہان اور آپ کے چچا لکھیرا اور آپ کے استاد حافظ محمد مسعود بھی شامل تھے، ساتھ آئے۔ اور ان سب نے حضرت شاہ فخر کے دست حق پرست پر بیعت کی۔ اس کے بعد آپ اور آپ کے پیر و مرشد واپس دہلی تشریف لے آئے۔

سفر سے واپسی کے بعد ایک روز مولانا فخر الدین نے فرمایا کہ اے نور محمد آپ کے کندھوں پر مخلوق خدا کا بوجھ پڑنے والا ہے۔

یہ سن کر خواجہ نور محمد نے حیران ہو کر فرمایا کہ میں ایک کمترین پنجابی ہوں، میں کسی کے کیا کام آسکوں گا۔ شاہ فخر خاموش رہے، پھر کچھ دن کے بعد شاہ فخر نے آپ کو خرقۂ خلافت عطا فرما کر حکم دیا کہ وہ اپنے وطن مہار میں رہ کر رشد و ہدایت کا چراغ روشن کریں۔ آپ اپنے پیر کے ارشاد کے مطابق مہار روانہ ہو گئے۔

مہار میں تشریف لانے کے بعد خواجہ نور محمد نے ارشاد و ہدایت

۱۰۔ **خدمت دین:** کی وہ شمع روشن کی کہ تمام پنجاب اُس کی روشنی سے جگمگا اٹھا، اور دور دور سے طالبان حق آپ کے گرد جمع ہونے لگے۔

شجرۃ الانوار میں ہے کہ ایک شخص جو مہار سے دہلی جارہا تھا، خواجہ نور محمد نے اُس سے فرمایا کہ تم دہلی جاکر حضرت شاہ فخر کی خدمت میں حاضر ہونا اور میرے سلام کے بعد عرض کرنا کہ حضور کی توجہ سے یہاں روشنی خوب دیکھی، چنانچہ وہ شخص دہلی میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا، اور اس نے پنجابی زبان میں شاہ فخر سے کہا۔

حضرت جی! پنیاں پڑیو، اور کہیو اساں روشنی اچھی ڈٹھی۔

یہ سن کر شاہ فخر پر ایک کیف طاری ہو گیا، بار بار اس جملے کو دہراتے اور فرماتے تھے، میاں نور محمد خوب آدمی ہیں۔ اور انہوں نے بہت اچھی نسبت ہم سے بہم پہنچائی ہے۔

خواجہ نور محمد مہاروی کا فیض ہر امیر و فقیر کے لیے یکساں تھا اور کلام خالی از حکمت نہ فرماتے۔ غرض آپ کا تمام طریقہ اتباع سنت نبویہ تھا، زہد و پرہیز گاری کو بہت پسند فرماتے۔ علم تصوف و اخلاق کا اکثر شغل رکھتے۔ چنانچہ کتاب لوائح و نفحات الانس و فقرات و شرح لمعات و سواالسبیل و عشرہ کاملہ اور فصوص الحکم کا مطالعہ اکثر اوقات کرتے تھے۔ ایک روز فرمایا کہ ایک دن حضرت مولانا صاحب کتاب فقرات ہاتھ میں لیے باہر تشریف لائے۔ اور مجھے کتاب دے کر فرمایا کہ یہ کتاب تمہارے بہت کام آئے گی، اس کا بہت مطالعہ کرنا، کیونکہ اس میں بہت جذبہ ہے۔ خود ہی فرماتے ہیں کہ اگر میں اپنے تئیں تعلیم اور مطالعہ کتب و دیگر امور خلق میں مشغول نہ رکھوں تو خدا جانے کس حالت پر پہنچ جاؤں، لیکن خلق خدا کے فائدے کے واسطے جو کہ ایک اہم ترین کام ہے۔ ناچار آپ کو دوسری طرف بھی مائل کرتا ہوں۔

کہا جاتا ہے کہ جب حضرت قبلہ عالم رونق افزائے ملک پنجاب ہو کر مہار شریف میں اقامت پذیر ہوئے اور عالم کو انوارِ رحمت آثار سے مشرف فرمایا تو حسب الحکم حضرت مولانا کئی سال نماز جمعہ پاک پٹن شریف حضرت گنج شکر کے حضور میں پڑھتے رہے۔ جب آپ کے مزاج گرامی میں ضعف پیدا ہوا تو حضرت گنج شکر کے ایما سے آئندہ کے لیے یہ مجاہدہ ساقط کر کے حضرت تاج الدین سرور (جو کہ حضرت گنج شکر کے پوتے ہیں)۔

کے ہاں جمعہ کی نماز پڑھتے رہے، جہاں باباصاحب کی اولاد مدفون ہے۔

۱۱۔ اصلاح و تربیت: خواجہ نور محمد اپنے مریدوں کی اصلاح و تربیت کی طرف خاص توجہ فرماتے تھے۔ ایک روحانی طبیب کی طرح امراض باطنی کا علاج تجویز فرماتے۔ ایک مرتبہ آپ نے حکیم مولوی محمد عمر سے فرمایا کہ مہار دار الشفاء ہے۔

خواجہ صاحب کے مریدوں کا حلقہ بھی وسیع سے وسیع تر ہوتا چلا گیا۔ اپنے مریدوں کو سلوک کی تعلیم دیا کرتے تھے۔ مولانا فخر جہاں برابر آپ کی طرف توجہ فرماتے رہے، وہ جانتے تھے کہ علم و عرفان کی جو شمع انہوں نے روشن کی ہے اس کی ضیا سے پنجاب اور بہاول پور کی سرزمین یقیناً جگمگا اٹھے گی۔ خواجہ نور محمد مہاروی ہی وہ شمع معرفت تھے جس کے گرد پروانے جمع ہو رہے تھے اور سلسلہ چشتیہ نظامیہ ہندوستان میں دوبارہ اپنی پوری شان سے جلوہ گر ہو گیا تھا۔

۱۲۔ عادات: آپ کی چند عادات مندرجہ ذیل ہیں۔

ا۔ نماز: آپ ہمیشہ سفر اور حضر میں اول وقت نماز باجماعت ادا فرمایا کرتے عموماً ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھنے سے گریز فرمایا کرتے تھے جس کے سر پر بال ہوں اکثر سر منڈے امام کے پیچھے نماز پڑھا کرتے تھے۔ فرائض کی پابندی، واجبات، سُنن، صلوۃ اوابین، نوافل، حفظ الدعیان، تہجد، اشراق، ضحیٰ وغیرہ آپ کی خصوصی ریاضت تھی، جس کو نہایت ہی ذوق و شوق سے پورا فرماتے؛

۲۔ وضو: آپ ہر وقت کے ساتھ مسواک کیا کرتے تھے۔ وضو سے فارغ ہو کر ایک رومال کے ساتھ اعضائے وضو کو صاف فرماتے بعد میں کنگھی کرتے اور "سورہ الم نشرح" کا ورد فرماتے اور فرمایا کرتے کہ یہ ہر کام میں مدد دیتی ہے۔

۳۔ غذا: غذا بہت کم کھایا کرتے۔ ایک یا دو روٹی پر اکتفا فرماتے۔

۴۔ لباس: سر کا لباس قادری ٹوپی ہوتی تھی۔ جس میں عموماً ٹکی ہوتی تھی سردیوں میں روئی دار ٹوپی اور سفر میں کبھی سلاری یا دستار مبارک سر پر باندھا کرتے تھے۔ گریبان کے بٹن ہمیشہ سینہ کے ایک طرف ہوتے تھے قلم اور رومال ہر وقت پاس رہتا تھا۔

۱۳۔ تعلیمات: آپ کی تعلیمات ارشادت عالیہ کی صورت میں ہے چند ارشادات مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ فرمایا کہ ہر کام کا مدار ایمان پر ہے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت بھی استقامت ایمان کے بعد ہے۔ چاہے کوئی جمعہ کی رات فوت ہو جائے۔ یا رمضان میں۔

۲۔ فرمایا کہ انسان کامل جان عالم ہے۔ اُس کا فوت ہو جانا گویا کل جہاں کا فوت ہو جانا ہے۔

۳۔ ایک شخص نے پوچھا کہ اولیا اللہ کے احوال قبر میں کیسے ہوتے ہیں۔ فرمایا۔ اولیا اللہ کا جسد روح کا حکم رکھتا ہے۔ جہاں ان کی روح ہو گی وہاں ان کا جسم ہو گا چنانچہ ابدال کا عالم یہی ہے کہ جب ان کی روح پرواز کرتی ہے تو جسم بھی ساتھ ہی پرواز کرتا ہے۔ اس لیے کہ روحانیت ان کے جسم پر غالب ہے۔ حق تعالےٰ کی مشیت سے جہاں اولیا کی ارواح ہوتی ہیں وہیں اولیا کے جسد بمنزلہ ظل ہمراہ ہوتے ہیں اور ان کی روح کا تعلق اپنی قبر کے ساتھ صرف بقدر موانست ہوتا ہے۔

۴۔ فرمایا کہ شیخ اس شخص کو اپنے سے دور کر دیتا ہے جو دوسروں کے لیے موجب تلقین اور لائق تکمیل ہو جائے اور اس سے زیادہ لوگ فائدہ اٹھا سکیں۔ اور جو ابھی تربیت کے لائق ہوں، ان کی تکمیل و تربیت کی خاطر نہیں دور نہیں کرتا۔

۵۔ فرمایا کہ اگر کوئی شخص اللہ کی مخلوق کو خوش حال کرے تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تو نے مجھے خوش حال کیا۔

۶۔ فرمایا کہ ایک دن حضرت مولانا صاحب نے مجھے فرمایا کہ میں نے ایک دفعہ دورانِ سفر میں ایک ہندو کو دیکھا کہ اس کے پاس ضرورت کی ہر شے ہر وقت موجود ہوتی تھی اور

اس میں جتنی چاہتا خرچ کرتا تھا۔ مجھے کہنے لگا کہ یہ عمل میں نے بڑی مشکل سے حاصل کیا اگر آپ براہ کرم میرے گھر تشریف لا سکیں تو اس عمل کے موکلوں کو آپ سے آشنا کرادوں۔ میں نے جواب دیا کہ جملہ اوراد قرآن پاک میں موجود ہیں، ہمیں تم سے کوئی حاجت نہیں۔

۷۔ ایک دن کسی نے حضرت قبلہ عالم سے پوچھا کہ مرض نفسانیت کی بھی کوئی دوا ہے۔ فرمایا کہ دوا بہت ہے اگر کوئی کرے۔ لیکن سب لوگ زبان سے تو اپنے آپ کو مریض کہتے ہیں مگر ہمیں تو کوئی ایسا نظر نہیں آتا جو علاج کا طالب ہو۔ حالانکہ طبیب موجود ہے۔ اس شخص نے پھر عرض کی کہ یا حضرت میں اپنے آپ کو مریض جانتا ہوں۔ لیکن علاج نہیں ہوتا۔ فرمایا کہ اپنے آپ کو مریض خیال کرنا بھی غنیمت ہے کہ کبھی علاج بھی میسر آجائے گا۔ مگر جو اپنے آپ کو مریض ہی نہیں جانتا۔ اس کا علاج مشکل ہے۔

۸۔ فرمایا کہ ایک بزرگ پر اللہ تعالیٰ کی عنایات وارد ہونے لگیں تو اس بزرگ نے چاہا کہ خلوت میں چلا جائے تاکہ نعمت میں ترقی ہو۔ مگر ہوا یہ کہ صرف اس خلوت گزینی سے اس کی واردات منقطع ہو گئیں۔ اس موقع پر کسی نے پوچھا کہ واردات اور نعمت کے فقدان کا باعث کیا ہوا۔ فرمایا کہ نزول نعمت محض عنایت ازلی اور فضل لم یزلی ہے۔ مگر اس بزرگ نے خلوت گزینی کو باعث ترقی خیال کیا اور اپنی تدبیر کو داخل کیا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اس مقام سے محروم ہو گیا۔

۹۔ فرمایا کہ شیخ و مرشد طالب کو ذکر و فکر اور اشغال و اوراد تلقین کرتا ہے مگر جب وہ ان کو قضا کرتا ہے تو شیخ بھی اُسے نہیں پہچانتا، چاہے وہ بہت مدت تک بھی ان کے پاس کیوں نہ بیٹھا ہو۔

۱۰۔ فرمایا کہ آزار نقرس یعنی پاؤں کے جوڑوں اور گھٹنوں کا درد ہمارے پیروں کا موروثی مرض ہے یعنی حضرت مولانا صاحب، ان کے والد صاحب، شیخ کلیم اللہ صاحب اور شیخ یحییٰ مدنی صاحب ان تمام بزرگوں کو یہ مرض لاحق رہا۔ حکیم مولوی محمد عمر نے عرض کیا کہ حضور آپ کو یہ درد ہے اس کا علاج کرائیں۔ فرمایا یہ مرض علاج سے رفع نہیں ہو سکتا۔

اس لیے کہ یہ ہمارے پیران عظام کا موروثی مرض ہے، مؤلف مناقب لکھتے ہیں کہ یہ مرض میرے پیر و مرشد حضرت خواجہ شاہ محمد سلیمان تونسوی کو بھی تھا اور آخر عمر تک رہا۔

۱۱۔ایک دفعہ عین تعویذ لکھتے وقت فرمایا کہ حضرت بابا فرید گنج شکر نے اپنے شیخ و مرشد کو لکھا کہ اکثر پنجاب کے آدمی تعویذ کے لیے آتے ہیں۔ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ نے جواب دیا "کہ کام تیرے ہاتھ میں نہیں ہے خدا کے ہاتھ میں ہے۔ خدا کا اسم لکھ کر دے دیا کرو" اس کے بعد حضرت قبلہ عالم نے فرمایا کہ اس کا ایک فائدہ تو نقد ہے کہ سائل کا دل خوش ہو جاتا ہے اور اسے تسکین حاصل ہو جاتی ہے۔

۱۲۔فرمایا فقرا کا کام ہر کسی کو نیک بات کہنا اور دعا دینا ہے۔ آگے جو کسی کے ساتھ ہونا مقدر ہے ہو جائے گا۔ اللہ کے کام میں کسی نبی یا ولی کو دخل نہیں ہے۔ وہ خداوند عالم ہیں سا اپنا کام کبھی جمال سے کرتے ہیں اور کبھی جلال سے۔

۱۳۔فرمایا کہ علماء حلال کھانے پر بہت غور کرتے ہیں مگر اس طرف خیال نہیں کرتے کہ شریعت کا باطن بھی شریعت کے ظاہر پر منحصر ہے۔ اور دراصل اہم ترین کام قلتِ طعام۔ قلتِ منام، قلتِ کلام اور قلت صحبت مع الانام ہے۔ مگر اس طرف کوئی رجوع نہیں کرتا۔ پھر فرمایا کہ حضرت مولانا صاحب ظاہری پرہیز زیادہ نہ کرتے تھے مگر آپ کی کم خوری بدرجہ کمال تھی یہاں تک کہ پانی بھی بہت کم پیتے تھے۔ بارہا آپ کے ساتھ کھانے کا اتفاق ہوا۔ مگر ہر بار یہی دیکھا کہ آپ دستر خوان پر اِدھر اُدھر ہر طرف ہاتھ ڈالتے تھے جیسے ہر طرف سے ہر چیز کھا رہے ہیں، مگر ہر بار ہاتھ آخر ایک ہی جگہ پر رکھتے۔ اتنا کم کھانے والا بزرگ کم ہی ہوا ہے۔

۱۴۔کرامات و خوارق عادات: آپ بڑے صاحب کرامت بزرگ تھے، آپ پر اللہ کی بے شمار عنایات تھیں زبان سے جو نکلتا پورا ہو جاتا آپ کی چند کرامات حسب ذیل ہیں۔

میاں نور بخش مہاروی سے منقول ہے کہ کوٹ مٹھن کے قریب ایک قاضی صاحب نے حضرت قبلہ عالم سے عرض کیا کہ حضرت آپ سے ایک وعدہ چاہتا ہوں کہ جب میں فوت ہو جاؤں تو آپ میرا جنازہ پڑھائیں۔ فرمایا انشاء اللہ میں ہی تمہارا جنازہ پڑھاؤں گا۔ قاضی صاحب مذکور

ابھی حیات تھے کہ حضرت قبلہ عالم کا وصال ہو گیا۔ قاضی صاحب کو فکر لاحق ہوئی کہ اب حضرت قبلہ عالم میری نماز جنازہ کی امامت کیسے فرمائیں گے۔ الغرض کچھ عرصہ بعد قاضی صاحب فوت ہو گئے۔ جب ان کا جنازہ تیار کر کے صحرا کی طرف لے گئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ ایک گھڑ سوار گھوڑا دوڑاتا آرہا ہے اور چار پانچ آدمی پا پیادہ اس کے ساتھ دوڑتے آرہے ہیں۔ جب قریب آئے تو ہر شخص نے پہچان لیا کہ حضرت قبلہ عالم ہیں۔ سب نے قدم بوسی کی اور اس وقت سب کے دل سے یہ بات محو ہو گئی کہ حضرت قبلہ عالم تو فوت ہو چکے ہیں۔ آپ نے قاضی صاحب کی نماز جنازہ پڑھائی اور نظروں سے غائب ہو گئے۔ اس وقت لوگوں کو احساس ہوا کہ حضرت قبلہ عالم تو وفات فرما چکے ہیں۔ یہاں تو صرف ایفائے عہد کے لیے تشریف لائے تھے۔

۲۔ میاں نور بخش مہاروی سے منقول ہے کہ مولوی ضیاالدین صاحب سکنہ مہار شریف خواجہ نور الصمد شہید کے استاد اور حضرت مولانا صاحب دہلوی کے مرید تھے۔ انہیں حضرت قبلہ عالم کی ولایت پر زیادہ اعتماد نہ تھا۔ فقط پیر بھائی سمجھتے تھے۔ ایک بار انہوں نے حج کا ارادہ کیا۔ حضرت قبلہ عالم نے فرمایا "مولوی صاحب آپ کا یہاں رہنا بہتر ہے کہ چند اور لوگ آپ سے علم حاصل کر لیں گے۔ مگر انہوں نے حضرت قبلہ عالم کے حکم کے مطابق عمل نہ کیا اور رخصت لے کر روانہ ہو گئے۔ روانگی کے وقت حضرت قبلہ عالم نے فرمایا "خیر مولوی صاحب آپ حج پر جائیں۔ البتہ اگر کہیں مشکل پڑے تو فقیر کو یاد کریں۔ انشاءاللہ بندہ کو حاضر پائیں گے" مولوی صاحب روانہ ہو گئے۔ دوران سفر سمندر میں ایک دن طوفان آگیا اور جہاز غرق ہونے لگا تمام مخلوق نالہ و فغاں کرنے لگی۔ مولوی صاحب کو حضرت قبلہ عالم کے وہ الفاظ یاد آ گئے کہنے لگے "یا حضرت خواجہ نور محمد جی مدد فرمائیے۔ اسی وقت مولوی صاحب پر غنودگی طاری ہو گئی۔ کیا دیکھتے ہیں کہ حضرت قبلہ عالم اسی جہاز میں سوار ہیں اور فرماتے ہیں۔ "مولوی صاحب غم نہ کرو۔ اللہ تمہارے ساتھ ہے۔ اس تمام مخلوق کو تمہارے طفیل غرق ہونے سے بچاتے ہیں" جب بیدار ہوئے تو مولوی صاحب نے جہاز میں سوار لوگوں کو کہا کہ دوستو غم نہ کرو انشاءاللہ ہم غرق نہیں ہوں گے۔ آخر اللہ تعالیٰ نے جہاز کو خیر و عافیت سے کنارے پر لگا

دیا اور سب صحیح وسلامت مکہ معظمہ پہنچ گئے۔ عرفات کے میدان میں کیا دیکھتے ہیں کہ خطبہ حج کے وقت حضرت قبلہ عالم بھی اسی صف میں کھڑے ہیں جہاں مولوی صاحب تھے۔ جب خطبہ ختم ہوا تو غائب ہو گئے۔ مولوی صاحب نے ان لوگوں سے جو صف میں آپ کے برابر کھڑے تھے پوچھا کہ وہ بزرگ کہاں گئے۔ کہنے لگے اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ البتہ یہ بزرگ پنجابی ہے۔ اور ہم اسے ہمیشہ خانہ کعبہ میں دیکھتے ہیں اور ہر سال موسم حج میں بھی یہاں موجود ہوتے ہیں۔ مولوی صاحب حج سے فارغ ہو کر وطن پہنچے تو حضرت قبلہ عالم نہر ہریاری تک تشریف لائے۔ مولوی صاحب دوڑ کر قدم بوس ہوئے۔ آپ نے فرمایا۔ "مولوی صاحب آپ کا یہ سر حرمین الشریفین میں پہنچا ہے۔ میرے پاؤں میں نہ رکھیں۔" مولوی صاحب نے کہا کہ حضور میں دونوں مقامات کو آپ کی قدم بوسی کی خاطر چھوڑ کر آرہا ہوں۔ پس حضرت قبلہ عالم نے راہ خدا میں ان کی ایسی تربیت کی کہ تکمیل و خلافت کے درجہ تک پہنچا دیا۔

۳۔ جمیلہ بیگم سے منقول ہے کہ حضرت مولانا صاحب ؒ کی عادت تھی کہ جب آپ اپنے خلیفہ خاص حضرت خواجہ نور محمد مہاروی کو وطن جانے کی اجازت دیتے تو دلی کے مریدوں اور امرا کو فرماتے کہ میاں صاحب وطن جانے والے ہیں۔ پس ہر شخص دعوت کرتا اور نذر و نیاز دیتا۔ جب آپ کی دعوت کی باری ہمارے گھر آئی اور حضرت قبلہ عالم ہمارے گھر آئے تو میں چلمن کے پیچھے سے دیکھ رہی تھی۔ جب حضرت قبلہ عالم کی صورت دیکھی تو میرے دل میں آیا کہ نہ معلوم حضرت مولانا صاحب اس سیاہ فام پر کیسے عاشق ہو گئے ہیں اور کیوں انہیں تمام نعمت بخش دی ہے۔ اس وسوسہ کا دل میں آنا تھا کہ حضرت قبلہ عالم نے فرمایا کہ حضرت مولانا صاحب کا کرم اور ان کی محبت میری اس ظاہری صورت پر نہیں ہے وہ دوسری صورت ہے اتنے میں کیا دیکھتی ہوں کہ یکایک حضرت قبلہ عالم کی ہیئت بدل گئی اور ان کے چہرہ مبارک کی نورانی شعاؤں نے ہمارے گھر کو روشن کر دیا۔ چہرہ مبارک ایسا حسین و زیبا دکھائی دیا کہ دیکھنے کی تاب نہ تھی، میں نے فوراً اس وسوسہ سے توبہ کی۔

۴۔ میاں نصیر بخش مہاروی ؒ سے منقول ہے کہ ایک دفعہ حضرت قبلہ عالم دہلی سے براستہ اجمیر شریف واپس وطن آرہے تھے۔ آپ نے اجمیر شریف میں کچھ عرصہ قیام کیا تا کہ حضرت خواجہ

بزرگ کے عرس مبارک میں شرکت کر سکیں۔ اجمیر شریف میں ایک ہندو جوگی تھا جو اپنے فن میں کامل تھا۔ اور اس کے تین سو چودہ چیلے تھے۔ وہ حضرت قبلہ عالم کی خدمت میں حاضر ہوا اور چالیس روپے نقد اور کپڑے کے چند تھان نذر کیے اور کہنے لگا کہ میں بھی دہلی میں آپ کے مرشد کو ملنے کے لیے جاؤں گا۔ جب عرس کی پہلی رات مجلس سماع منعقد ہوئی تو وہ ہندو بھی مجلس میں آیا اور ایک گوشہ میں بیٹھ گیا اور ایسا تصرف کیا کہ قوالوں کی زبانیں بھی بند ہو گئیں اور مزامیر وساز بھی۔ حاضرین مجلس جن میں بہت سے مشائخ وصوفیا تھے پریشان ہو گئے۔ حضرت دیوان صاحب سجادہ نشین درگاہ اجمیر شریف نے ایک آدمی کو حضرت قبلہ عالم کی خدمت میں بھیجا آپ اس وقت اوراد و وظائف میں مشغول تھے۔ حضرت قبلہ عالم مجلس سماع میں تشریف لائے اور اس ہندو کے مقابل بیٹھ گئے۔ مزامیر سے خود بخود آواز آنے لگی تو قوال بھی گانے لگے اور محفل میں بہت ذوق وحال پیدا ہوا۔ وہ ہندو یہ کرامت دیکھ کر حضرت قبلہ عالم کے قدموں میں گرا اور اپنے چیلوں کے ہمراہ مسلمان ہو گیا۔

۵۔ حضرت صاحبزادہ نصیر بخش مہاروی سے منقول ہے کہ حضرت قبلہ عالم کا دستور تھا کہ جب آپ ملک ملتان (جس سے مراد بہاولپور، احمد پور، اوچ اور کوٹ مٹھن کا علاقہ ہے) کا سفر کرتے تو پہلے اوچ تشریف لے جاتے۔ پھر سید پور، پھر نارووالہ اور پھر کوٹ مٹھن۔ ایک دفعہ جب اس طرف تشریف لے گئے اور سید پور پہنچے تو قاضی عاقل محمد کی علالت کی خبر سنی۔ یہ سن کر نارووالہ نہ گئے۔ اور سیدھے کوٹ مٹھن جانے کا ارادہ فرما لیا۔ حضرت مولوی نور محمد صاحب نارووالہ صاحب نے پوچھا کہ قاضی صاحب اب آپ کے مزاج کیسے ہیں انہوں نے ابھی جواب نہیں دیا تھا کہ حضرت قبلہ عالمؒ نے فرمایا۔ "لقاء الخلیل شفاء العلیل" (ترجمہ:۔ دوست کی ملاقات بیمار کے لیے شفا ہے) قاضی صاحب پر اس کلام کے سننے سے وجد طاری ہو گیا اور اسی حالت میں آپ کی بیماری جاتی رہی۔

۶۔ حضرت صاحبزادہ غلام نظام الدینؒ بن حضرت میاں کالے صاحب (نبیرہ حضرت مولانا صاحب) سے منقول ہے کہ مرزا آغا محمدی بیگ دہلویؒ حضرت مولانا صاحبؒ کے مریدان مجاز میں سے ہے۔ انہوں نے جب اپنے اہل خانہ کو مرید کرایا تو اپنی کمسن بیٹی جمیلہ خانم

کو بھی حضرت مولانا صاحب کی خدمت میں لا کر عرض کیا کہ حضور اسے بھی مرید کر لیں۔ حضرت مولانا صاحب نے اپنا دست مبارک اس کے سر پر رکھا اور فرمایا یہ بھی میرے مریدوں میں سے ہے۔ ہاتھ رکھنے کی برکت سے وہ اتنی نیک بخت ہو گئی کہ بیان نہیں کیا جا سکتا۔ نیز اُسے حضرت مولانا صاحب سے اس قدر محبت ہو گئی کہ جب اس کے سامنے حضرت مولانا صاحب کا نام لیا جاتا تو اس کی آنکھوں سے نہر کی طرح پانی جاری ہو جاتا۔

۱۵۔ وفات: خواجہ نور محمد کو اپنے مرشد شاہ فخر کی وفات کا بے حد صدمہ ہوا۔ اپنے شیخ کی وفات کے بعد کافی عرصہ زندہ رہے، لیکن اس صدمہ کی وجہ سے طبیعت میں شگفتگی نہ آ سکی، آخر یہی حزن و غم آپ کی وفات کا سبب بنا اور اس رنج و غم نے "کاست بدنی" کی صورت اختیار کر لی، اُسی زمانے میں جب آپ بیمار تھے، ایک مزید صدمہ آپ کو یہ پہنچا کہ آپ کے مرید خاص اور خلیفہ حضرت نارو والہ نے وفات پائی، اس رنج نے بھی انہیں کمزور کر دیا۔ وفات سے ایک سال پہلے آپ نے دنیا سے بے تعلق ہو کر خاموشی اختیار کر لی تھی، لوگ خاموشی کا سبب پوچھتے تو فرماتے کہ میری گفتگو تفسیر و حدیث ہے کس سے کہا جائے اور کون سمجھے۔

مرض الموت میں مریدوں کے اصرار پر خواجہ محمد عاقل نے پوچھا کہ حضور کا مزار کہاں بنایا جائے۔ فرمایا کہ میں غیب کا جاننے والا نہیں ہوں۔ اللہ کو معلوم ہے کہ مجھے موت کہاں آئے گی۔

آخر ۳ ذالحجہ ۱۲۰۵ھ مطابق ۱۷۹۱ء کو آپ کا وصال ہوا آپ کو تاج سرور میں دفن کیا گیا جسے چشتیاں کہا جاتا ہے۔

۱۶۔ اولاد: خواجہ صاحب کے تین صاحبزادے اور دو صاحبزادیاں تھیں۔ بڑے صاحبزادے کا نام نور الصمد تھا جو والد کے وصال پر مسند آرائے خلافت ہوئے اور یکم ربیع الاول ۱۲۰۶ھ میں وفات پائی۔ آپ کا مزار والد کے مزار کے متصل مشرق کی طرف ہے۔

دوسرے فرزند کا نام خواجہ نور احمد تھا جنہوں نے ۱۲۲۲ھ میں وفات پائی۔

تیسرے صاحبزادے کا نام خواجہ نور الحسن تھا، وہ ۱۲۸۰ھ میں فوت ہوئے۔

۱۷۔ خلفاء: ا۔ خواجہ صاحب کے خلفاء میں خواجہ سلیمان تونسوی بہت شہرت کے مالک ہیں۔ آپ بڑے باکمال بزرگ گزرے ہیں۔ جب خواجہ صاحب مولانا فخر جہاں سے خرقہ خلافت حاصل کر کے رخصت ہونے لگے تو مولانا نے بعض نصیحتیں کرتے ہوئے یہ بھی فرمایا تھا کہ تمہارے دامن سے ایک کوہستانی شہباز وابستہ ہوگا۔ یہ خواجہ سلیمان تونسوی ہی کے متعلق تھا۔

۲۔ خواجہ صاحب کے دوسرے مشہور خلیفہ خواجہ نور محمد ثانی عرف نارو والہ ہیں۔ آپ مولانا فخر جہاں کی ہدایت پر خواجہ صاحب سے بیعت ہوئے تھے۔ بڑے باخدا ولی تھے۔ بڑے عابد اور شب بیدار تھے۔ اکثر مراقبے میں رہتے تھے۔ شرع کے بہت پابند تھے۔ ۶ جمادی الاول ۱۲۰۳ھ میں وفات پائی۔ روضہ مبارک ڈیرہ غازی خان کے قصبہ حاجی پورہ میں مرجع خلائق ہے۔

۳۔ خواجہ صاحب کے تیسرے خلیفہ حافظ محمد جمال ملتانی ہیں، جو خواجہ صاحب کے وضو کی خدمت پر مامور تھے۔ بڑے بڑے صوفی اور متقی آپ سے علوم ظاہری اور باطنی کا درس لیا کرتے تھے۔ آپ کا روضہ ملتان میں ہے

۴۔ خواجہ صاحب کے چوتھے خلیفہ قاضی محمد عاقل سکنہ کوٹ مٹھن ہیں جن کے سلسلہ سے خواجہ غلام فرید تعلق رکھتے ہیں۔ جن کی پنجابی کافیاں عام مقبول اور مشہور ہیں۔

قاضی صاحب بھی بڑے باکمال بزرگ تھے۔ کوٹ مٹھن میں سکونت تھی۔ آخر عمر میں کوٹ مٹھن چھوڑ کر موضع شدانی چلے گئے اور وہاں وفات پائی۔ نواب محمد صادق والی بہاولپور آپ کو وہیں دفن کرنا چاہتا تھا مگر آپ کے صاحبزادے احمد علی کی خواہش پر جنازہ کوٹ مٹھن لے جایا گیا اور وہیں دفن ہوئے۔

ان مشہور خلفاء کے علاوہ خواجہ مہاروی کے اور بھی کئی خلفا ہیں جن میں سے بعض کے اسمائے گرامی ذیل میں درج کیے جاتے ہیں۔

غلام محمد سکنہ میرا دالی
اصالت خان
مولوی محمد حسین
حافظ نبی
قاری عزیز اللہ
میاں صبغۃ اللہ
نواب غازی الدین
عبدالوہاب اوچی
مخدوم نوبہار اوچی ،
حافظ عظمت میرن شاہ
محمد غوث بچیدانہ
نواب لطف اللہ خاں
اختیار خان
مولوی محمد عجیب
غلام محمد کیڑی

میاں محمد فاضل نیکو کارہ
نور الحق
میاں غلام حسین بھٹی
سید صالح محمد شاہ
مخدوم محب جہانیاں
محمد بخش چشتی
مولوی نور محمد سکنہ نواح بہاول پور
مولوی محمد اکرم ڈیرہ غازی خاں
مولوی محمد مسعود جھانگہ والا
قاری صبغۃ اللہ
حافظ ناصر
حافظ غلام حسین
مولوی تاج محمود ساکن گڑھی
شیخ جمال چشتی فیروزپوری
مخدوم عبدالکریم ۔

حضرت شاہ محمد سلیمان تونسوی چشتیؒ

حضرت شاہ محمد سلیمان بڑے برگزیدہ بزرگ تھے۔ ان کے ارشاد و تلقین سے پنجاب اور افغانستان کے ہزاروں گمراہ لوگوں نے ہدایت پائی۔ ان کے خلفاء ملک کے گوشہ گوشہ میں پھیل گئے اور رشد و ہدایت کے وہ چراغ روشن کیے کہ ایک بار پھر صوفیہ متقدمین کی خانقاہوں کے نقشے آنکھوں کے سامنے پھر گئے۔ وہ سلسلہ نظامیہ کے آخری عظیم الشان بزرگ تھے، جن کی جد و جہد نے تصوف میں از سر نو روح ڈال دی۔

شاہ محمد سلیمان صاحب نے جس وقت پنجاب میں مسند ارشاد بچھائی تھی، اس وقت سارا صوبہ سکھوں کے تسلط میں تھا سلطنت مغلیہ ختم ہو چکی تھی، انگریزوں کا اقتدار سرعت کے ساتھ بڑھ رہا تھا اور ہندوستان کی تاریخ کا یہ عبوری دور تھا، ایک حکومت ختم ہو رہی تھی، دوسری حکومت کی داغ بیل پڑ رہی تھی، حضرت شاہ سلیمان نے ایسے دور میں مسلمانوں کی دین و دنیا کی اصلاح کا بیڑہ اٹھایا کیوں کہ آپ بھی اسی ماحول میں سانس لے رہے تھے، انہوں نے گو عملی جہاد میں حصہ نہیں لیا، لیکن شریعت و سنت کی تلقین میں برابر سرگرم رہے، وہ سلطنت کے واپس لے لینے کو زیادہ اہمیت نہیں دیتے تھے۔ ان کی نظر میں "اسلامی شعار" کے احیا کی ضرورت سب سے زیادہ مقدم تھی کہ اس کے بغیر حکومت اگر حاصل بھی کر لی جاتی تو اس کا قائم رکھنا ناممکن تھا، چنانچہ انہوں نے صاف صاف بتا دیا کہ جب تک اتباع سنت و شریعت کا التزام نہ ہوگا، حکومت کا خواب منت کش تعبیر نہ ہو سکے گا۔ وہ مسلمانوں کے تمام آلام و مصائب، ابتلاء و پریشانی، دکھ اور درد کا علاج درستی اعمال میں پاتے تھے۔ اس لیے انہوں نے اپنی کوشش کا مرکز بھی اعمال کی درستی کو قرار دیا تھا۔ وہ مسلمانوں کو صحیح طور پر اخلاق محمدی کا نمونہ دیکھنا چاہتے تھے۔ قرآن و سنت کی روشنی میں عادات و کردار کی درستی کو وہ سب چیزوں سے مقدم تصور کرتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے اپنی عمر کا بیشتر حصہ اس کوشش اور

جدوجہد میں صرف کیا۔

ا۔ نسب: خواجہ محمد سلیمان تونسوی پٹھانوں کے جعفر خانی قبیلہ کے فرد ہیں۔ آپ کے مورث اعلیٰ کا نام جعفر خان تھا۔ جس کی سکونت ابتدا میں مقام سرانہ (کوہستانی شیرانی) میں تھی کوہستان سلیمان کی دو بلند چوٹیوں "تخت سلیمان" اور "فورٹ منرو" کے درمیان ایک پہاڑ ہے جو "گڑگوجی" کے نام سے موسوم ہے۔ اس کے عین شمال مشرق میں "درگ" کا وسیع و شاداب کوہستانی خطہ ہے۔ جعفر خاں سرانہ سے اٹھا اور درگ کے ہندو حکمران گھنہ کو شکست دے کر اس شاداب خطہ پر قبضہ کر لیا اور یہیں آباد ہو گیا۔ جعفر کی تیسری نسل میں رحیم داد خان ایک بڑے کنبہ کا سردار تھا۔ اس نے گڑگوجی پر بھی قبضہ کر لیا اور پہاڑ کاٹ کر میٹھے پانی کا چشمہ جاری کیا۔

رحیم داد خان کی اولاد رمدانی کہلاتی ہے۔ رحیم داد کا پوتا سالار خان تھا اس لیے اس شاخ کو "رمدانی سالارانی" بھی کہتے ہیں۔ خواجہ محمد سلیمان تونسوی کے والد جعفر خاں قبیلہ کی اسی رمدانی سالارانی شاخ سے تھے۔

۲۔ والدین: آپ کے والد کا اسم گرامی زکریا بن عبدالوہاب بن عمر بن خان محمد اور والدہ کا نام زلیخا تھا۔ آپ کے والدین متقی اور پرہیزگار تھے۔

۳۔ خاندان: آپ کے ایک ہی بڑے بھائی تھے جن کا نام یوسف تھا۔ ان کا جوانی میں انتقال ہو گیا۔ آپ کی چار بہنیں تھیں۔ ا۔ بی بی حلیمہ۔ ۲۔ بی بی حوّا ۳۔ بی بی خاطمہ۔ ۴۔ بی بی بائی۔ ان سب کی اولاد ہوئی۔

۴۔ پیدائش: آپ ۱۱۸۴ھ بمطابق ۱۷۷۰ء میں گڑگوجی کے مقام پر پیدا ہوئے گڑگوجی ضلع لورالائی کی تحصیل ہے۔ یہ مقام تونسہ شریف۔ ضلع ڈیرہ غازی خان پنجاب سے شمال مغرب کی جانب تیس کوس کے فاصلہ پر اندرون کوہ واقع ہے۔

۵۔ تعلیم: خواجہ محمد سلیمان تونسوی کے والد کا انتقال ان کی شیر خوارگی کے زمانہ میں ہو گیا تھا۔ اس لیے ان کی تعلیم و تربیت کا اہتمام ان کی والدہ نے کیا

اور جب وہ چار سال کے ہوئے۔ تو ان کی والدہ نے اُن کو حفظ قرآن مجید کے لیے ایک ہم قوم حافظ ملا یوسف جعفر خانی کے سپرد کیا۔ ملا یوسف گڑ گوجی میں ایک چھوٹی سی مسجد میں پڑھایا کرتے تھے۔ اُن سے آپ نے قرآن مجید کے پہلے پندرہ پارے حفظ کیے۔

آخری پندرہ پارے آپ نے ایک اور بزرگ حافظ حاجی صاحب کی خدمت میں رہ کر حفظ کیے۔ حافظ حاجی صاحب بھی جعفر خانی قبیلہ سے تھے اور گڑ گوجی ہی میں پڑھایا کرتے تھے۔ حفظ قرآن مجید کے بعد آپ نے فارسی زبان کی ابتدائی تعلیم بھی انہی حافظ حاجی صاحب سے حاصل کی۔

چونکہ حافظ حاجی صاحب عالم نہ تھے اس لیے فارسی کی ابتدائی کتابیں پڑھانے کے بعد انہوں نے آپ کو مزید تعلیم حاصل کرنے کے لیے تونسہ (ضلع ڈیرہ غازی خان) جانے کا ارشاد فرمایا، تونسہ اس وقت مختصر سی بستی تھی اور وہاں پر میاں حسن علی ایک مسجد میں پڑھایا کرتے تھے جو بگی مسجد کے نام سے مشہور تھی۔ آپ نے اس مسجد میں میاں حسن صاحب سے پڑھنا شروع کر دیا۔

۶۔ گدائی یا مزدوری کا حکم: میاں حسن علی کا اصول تھا کہ مدرسہ کے طلبہ کو گدائی یا مزدوری پر مجبور کرتے تھے۔ خواجہ محمد سلیمان صاحب کو گداگری کر کے پیٹ پالنے کا حکم دیا۔ خواجہ صاحب اس حکم سے بہت گھبرائے لیکن بجز تعمیل چارہ نہ تھا۔ بھیک مانگنے کے لیے نکلے۔ ایک ہندو بقال کو روٹی پکاتے ہوئے دیکھا اور اس کے چوکے سے بغیر اجازت روٹی اٹھا لائے۔ بقال نے آکر میاں حسن علی سے شکایت کی۔ میاں صاحب نے باز پرس کی اور بالآخر ان کو گداگری کے قابل نہ پاکر مزدوری کا حکم دیا تاکہ کپڑوں، روٹی اور کتابوں کا خرچ چل جائے۔ دوسرے دن دو آنے یومیہ پر ایک جگہ مزدوری پر لگ گئے، دن بھر آپ پتھر پر بیٹھے رہے۔ مزدوروں نے مالک سے شکایت کی، لیکن مالک نے آپ کو پوری مزدوری دے دی۔ میاں حسن علی کو یہ حال معلوم ہوا تو کہا کہ اب تم میرے گھر سے کھا لیا کرو۔

شاہ صاحب میاں حسن علی کے پاس رہنے لگے اور علم حاصل کرتے رہے، ایک دن

وہ تونسہ شریف سے دو کوس جنوب کی طرف ایک موضع سوکڑ میں ایک کتاب خریدنے کے لیے گئے۔ وہاں مولوی نور محمد نارووالہ صاحب سے ملاقات ہوئی۔ مولوی صاحب نے ان کی بہت تعظیم کی اور باوجود پیرانہ سالی خود پیدل چلے اور شاہ صاحب کو گھوڑے پر سوار کرایا۔ میاں حسن علی سے خواجہ صاحب نے قرآن پاک پورا کیا۔ ان کے علاوہ پندنامہ حضرت خواجہ فریدالدین عطار، گلستان سعدی، بوستان سعدی وغیرہ کتابیں بھی ان ہی سے پڑھیں

کچھ عرصہ میاں حسن علی کے پاس پڑھنے کے بعد آپ تونسہ سے لانگھ چلے گئے یہ مقام تونسہ سے پانچ کوس کے فاصلہ پر دریائے سندھ کے مشرقی کنارہ پر واقع تھا یہاں ایک مسجد میں میاں ولی محمد درس دیتے تھے۔ حضرت خواجہ نے ان ہی سے فارسی درسیات کی تعلیم پائی۔

اس زمانہ میں پنجند کے قریب کوٹ مٹھن کے مقام پر حضرت قاضی محمد عاقل چشتی نے ایک دارالعلوم قائم کر رکھا تھا۔ جہاں علوم عربیہ اسلامیہ کی انتہائی تعلیم دی جاتی تھی قاضی صاحب کے بڑے صاحبزادے قاضی احمد علی اس دارالعلوم کے صدر مدرس تھے۔ چنانچہ حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسوی بھی عربی علوم کی تحصیل کے لیے کوٹ مٹھن تشریف لے گئے۔ اور دارالعلوم میں داخل ہو کر عربی درسیات کی تعلیم حاصل کی اور اس طرح دینی علوم کو مکمل کیا۔

۷۔ بیعت: کوٹ مٹھن ہی میں قیام کے زمانہ میں آپ کو خواجہ نور محمد صاحب مہاروی کے اوچ تشریف لانے کی خبر ملی۔ اس زمانہ میں آپ کو امر معروف کی تلقین کا بڑا خیال تھا، شاہ نور محمد صاحب سے سماع پر بحث کرنے اور اس پر تنبیہ کرنے کے لیے روانہ ہوئے۔ لیکن ان کی خدمت میں پہنچ کر دنیا ہی بدل گئی بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت شاہ فخر صاحب نے حضرت خواجہ نور محمد مہاروی کو ایک شہباز کے مقید کرنے کی بشارت دی تھی اور فرمایا تھا کہ اس سے سلسلہ چشتیہ نظامیہ کی تبلیغ و اشاعت میں چار چاند لگ جائیں گے چنانچہ شاہ نور محمد صاحب ہر سال اوچ اور کوٹ مٹھن اس باز کی تلاش میں آتے تھے۔ آخری بار جب اوچ آئے تو اپنے ایک عزیز محمد حسین سے فرمانے لگے۔ اے محمد حسین آپ کو معلوم ہے

کہ میں ہر سال اس ملک میں کیوں آتا ہوں۔ عرض کیا "آپ خود ارشاد فرمائیں"، اس پر خواجہ نور محمد نے فرمایا کہ میں ایک شہباز کے شکار کرنے کے لیے آتا ہوں اور یہ شاہ فخر صاحب کا حکم ہے۔

جب شاہ محمد سلیمان صاحب شاہ نور محمد کی خدمت میں پہنچے تو ان کا عالم ہی بدل گیا۔ فوراً مرید ہونے کی درخواست کی۔ شاہ نور محمد صاحب نے ان کو حضرت سید جلال کے مزار کے سرہانے لے جا کر مرید کر لیا۔ یہ شاہ محمد سلیمان کی نوعمری کا زمانہ تھا۔ لیکن وہ اپنے پیر سے عقیدت اور ان کے احکام کی بجا آوری میں کہنہ سال مریدوں سے بازی لے گئے۔

۸۔ **سفر:** قبلہ عالم خواجہ نور محمد مہاروی کے دست مبارک پر بیعت کرنے کے چند ماہ بعد حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسوی کو خواجہ نور محمد مہاروی کے پیر و مرشد حضرت خواجہ فخر الدین دہلوی کی زیارت کا شوق پیدا ہوا۔ چنانچہ آپ جمادی الثانی ۱۱۹۹ھ میں مہار شریف سے دہلی روانہ ہوئے۔

یہ سفر آپ نے تن تنہا پیدل طے کیا اور براستہ اوچ، بیکانیر، اجمیر، دہلی پہنچے، دہلی پہنچنے پر معلوم ہوا کہ دو روز قبل حضرت خواجہ فخر الدین (م ۱۱۹۹ھ) کا انتقال ہو چکا ہے۔

چالیس روز آپ حضرت خواجہ فخر الدین کے مزار پر معتکف رہے۔ اس کے بعد آپ نے چند روز تک حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء، حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی اوشی، حضرت خواجہ نصیر الدین محمود چراغ دہلی، شیخ کمال الدین علامہ کے مزارات پر بیٹھ کر کسب فیض کیا۔ حضرت امیر خسرو اور حضرت شاہ کلیم اللہ دہلوی کے مزارات پر بھی حاضر ہوئے۔

اس کے بعد آپ نے واپسی کا سفر اختیار فرمایا اور دہلی سے روانہ ہو کر اجمیر شریف پہنچے اجمیر پہنچ کر آپ نے چند روز تک خواجہ معین الدین حسن چشتی کے مزار مبارک پر اعتکاف کیا اور روحانی برکتیں حاصل کیں۔

اجمیر شریف سے بیکانیر و بھٹنیر ہوتے ہوئے فرخ نگر پہنچے اور پھر مختلف مقامات سے گزر کر رمضان ۱۱۹۹ھ میں واپس مہار شریف پہنچ گئے۔

دہلی کے اس طویل سفر میں آپ نے مذکورہ بالا اولیاء کبار کی روحانیت سے کسب فیض حاصل کرنے کے علاوہ دہلی میں بعض مقیم اہل دل درویشوں سے بھی روحانی فیض حاصل کیا۔ ان میں میاں شمس الدین خلیفہ حضرت خواجہ فخر الدین دہلوی کا نام سرفہرست ہے واپسی کے سفر کے دوران آپ نے علی محمد خان خلیفہ شاہ عزت اللہ نقش بندی ابوالعلائی سے بھی ملاقات کی۔

۹۔ریاضت و مجاہدات: حضرت شاہ سلیمان تونسوی کو خواجہ نور محمد مہاروی نے طریقہ چشتیہ کے مخصوص اذکار و اشغال کے ساتھ ساتھ موانع عبادت الٰہی سے باز رہنے کی تلقین فرمائی حسب ارشاد مرشد خواجہ محمد سلیمان تونسوی مہار شریف کی ایک چھوٹی سی مسجد میں مقیم ہو کر دن رات یاد الٰہی میں مصروف ہو گئے حضرت خواجہ نور محمد مہاروی نے اپنے لنگر کے منتظم غلام رسول کو حکم دیا کہ محمد سلیمان کو کھانا بہت کم دیا جائے اور سردیوں میں بستر بھی معمولی قسم کا دیا جائے تاکہ وہ خواب غفلت میں رہ کر مقصود اصلی سے محروم نہ رہ جائیں۔ اس دوران میں خواجہ محمد سلیمان کی خبر گیری کے لیے کبھی کبھی حضرت خواجہ نور محمد اس مسجد میں تشریف لے جاتے جس میں آپ مقیم تھے۔

ایک عرصہ تک شب و روز عبادت و ریاضت میں مشغول رہنے کی وجہ سے آپ پر محبت الٰہی کا غلبہ ہوا۔ اس دوران میں کئی دفعہ سماع کی مجلس میں (جیسا کہ مشائخ چشتیہ کا معمول رہا ہے) شرکت کا اتفاق ہوا، تو آپ پر وجد کی غیر اختیاری حالت طاری ہوئی۔ اور بعض اوقات گھنٹوں بے خودی اور بے ہوشی کی حالت میں پڑے رہے۔

ایک روز حضرت خواجہ نور محمد مہاروی نے فرمایا اس لڑکے نے ہم سے معارف الٰہیہ کے حاصل کرنے میں ہم کو حیران کر دیا ہے۔ حق تعالےٰ نے اس کو کتنا وسیع ظرف و حوصلہ دیا ہے کہ جو کچھ حاصل کرتا ہے۔ اس کے استعداد و قابلیت اس سے زیادہ کی متقاضی ہوتی ہے۔

۱۰۔والدہ کی محبت کا واقعہ: جب عرصہ تک شاہ محمد سلیمان کی کچھ خبر نہ ملی تو والدہ کو فکر لاحق ہوئی۔ بیٹے کی تلاش میں گڑگوجی سے سو کڑ

تشریف لائیں۔ جب یہاں بھی بیٹے کا پتہ نہ چلا تو اپنے داماد کو تلاش کرنے کے لیے آگے بھیجا۔ وہ تلاش کرتے کرتے آخر شاہ صاحب سے جا ملے اور والدہ کی اضطراب اور بے چینی کی داستان سنائی، شاہ محمد سلیمان صاحب پیر سے اجازت لے کر والدہ کے پاس گئے، پیر سے دور ہٹے، کہ عشق کی آگ بھڑک اٹھی اور وہ مفارقت کی تاب نہ لا سکے۔ ماں کا یہ عالم تھا کہ بیٹے کی جدائی کے خیال سے بھی ان کو تکلیف ہوتی تھی۔ محبت مادری اور عشق مرشد میں کشمکش شروع ہوئی، والدہ نے ان کو روکنے کی ہر ممکن کوشش کی، پہرے دار بٹھائے، کانٹوں کا حصار کیا لیکن وہ عشق جو بے خطر آتش نمرود میں کود پڑنے کے لیے تیار ہو، اس کی نظر میں یہ تدابیر سب بے معنی تھیں۔ جب عشق نے زور مارا تو یہ سب بندشیں چشم زدن میں ٹوٹ گییں اور وہ دیوانہ وار پیر کی طرف دوڑ پڑے ۔آپ کا یہ دستور ہو گیا تھا کہ ایک مہینہ مہار شریف قیام کرتے تھے پھر کچھ دنوں کے لیے گھر آجاتے تھے۔

۱۱۔ مرشد سے عشق: حضرت شاہ محمد سلیمان صاحب کو اپنے پیر و مرشد خواجہ مہاروی سے عشق تھا۔ ان سے جب جدا ہوتے پریشان اور بے چین رہتے فرقت میں ذوق وشوق کا یہ عالم ہو جاتا تھا کہ اکثر پیدل ہی مہار شریف کو روانہ ہو جاتے تھے اور راستے کی تمام صعوبتیں نہایت خوشی سے برداشت کرتے تھے، ایک مرتبہ میاں غلام حیدر میاں علیٰ جعفر کو ساتھ لے کر مہار شریف کو روانہ ہو گئے، راستہ میں پیروں سے خون جاری ہو گیا اور پاؤں کے دسوں ناخن انگلیوں سے جدا ہو گئے، لیکن اسی استقلال اور ہمت کے ساتھ ۸۰ کوس کا سفر طے کیا، سفر میں دو دو تین تین دن کے فاقے بھی ہوئے، لیکن عقیدت وارادت کا یہ متوالا والہانہ انداز میں یہ سب مصیبتیں جھیلتا ہوا اپنے مرشد کے قدموں میں پہنچ گیا۔

۱۲۔ خلافت: پندرہ برس کی عمر میں آپ نے حضرت خواجہ نور محمد مہاروی کے دست مبارک پر بیعت کی تھی۔ ۱۲۰۵ھ میں حضرت خواجہ نور محمد مہاروی نے اس عالم فانی سے انتقال فرمایا، اس حساب سے حضرت خواجہ محمد سلیمان نے اپنے پیر و مرشد کی صحبت کا فیض چھ سال تک حاصل کیا اس عرصہ میں آپ نے منازل سلوک کو طے کیا، حضرت خواجہ نور محمد مہاروی کی توجہ اور شفقت بھی آپ کے حال پر بہت تھی۔

ایک دفعہ خواجہ محمد سلیمان تونسوی وطن پہنچے ادھر حضرت خواجہ نور محمد مہاروی مرض الموت میں مبتلا ہوئے جب علاج معالجہ سے مایوسی ہوئی تو بھری مجلس میں اپنے محبوب مرید خواجہ محمد سلیمان کو روہیلہ کے نام سے یاد کیا۔ آپ کے صاحبزادہ نور الصمد نے عرض کیا اگر فرمان ہو تو میں خود جا کر ان کو لے آؤں۔ آخر خواجہ سلیمان واپس آ گئے پھر آپ کے مرشد نے آپ کو خلوت میں اپنے پاس بٹھایا اور خلافت عطا فرمائی اور تاکید کی کہ ہمارے بعد اللہ کے دین کی خدمت کرنا۔ ۱۲۰۵ھ میں آپ کے مرشد کا انتقال ہو گیا آپ ان کے وصال کے بعد ۹ ماہ تک ان کے مزار اقدس پر رہے۔

۱۳۔ تونسہ میں قیام: تونسہ ڈیرہ غازی خان سے ۴۰ کوس کے فاصلہ پر ایک غیر معروف گاؤں تھا۔ پیر و مرشد نے حکم دیا کہ اپنا وطن چھوڑ کر وہاں آباد ہو جاؤ۔ شاہ محمد سلیمان نے فوراً اگڑ گوجی کو الوداع کہا اور تونسہ پہنچ گئے۔ وہاں بقول پیر حیدر علی شاہ صاحب جلال پوری آپ سرکنڈوں کی ایک جھونپڑی بنا کر عبادت میں مشغول ہو گئے۔ جب اس علاقہ کا رئیس الف خان حلقہ مریدین میں شامل ہوا تو اس نے شاہ صاحب کی اجازت سے ایک مکان بنوا دیا۔ جب آپ کی شہرت بڑھی اور لوگ دور دور سے شرف بیعت کے لیے حاضر ہونے لگے تو نواب بہاول خان رئیس ریاست بہاول پور بھی سلسلہ خادام میں داخل ہو گئے اور تعمیر مسجد کے چند ہزار روپے خدمت اقدس میں پیش کیے۔ حضرت نے وہ روپیہ حسب دستور لنگر کے درویشوں میں تقسیم کر دیا، جو بچا وہ مسکینوں اور درویشوں کو بانٹ دیا۔ نواب بہاول پور نے پھر روپے بھیجے وہ بھی ضرورت مندوں میں تقسیم کر دیے گئے۔ آخر الامر نواب صاحب نے حضرت خواجہ اللہ بخش کو روپے بھیجے اور ان سے درخواست کی کہ وہ مسجد تعمیر کرا دیں۔ اس طرح رفتہ رفتہ تونسہ بارونق اور پُر فضا مقام بن گیا اور دور دور سے لوگ وہاں آنے لگے۔

اسی عرصہ میں آپ نے اپنی والدہ ماجدہ کے اصرار سے اپنے ہم قوم عمر خان جعفر خانی کی صاحبزادی سے شادی کی۔

۱۴۔ درس وتدریس: خواجہ صاحب نے تونسہ کو دارالعلوم بنادیا تھا۔ان کے دولت کدہ کے چاروں طرف متعدد مدرسے تھے۔پچاس استاد وہاں رہتے تھے۔تعلیم وتربیت کا کام نہایت وسیع پیمانہ پر جاری تھا۔علوم دینیہ کی ترقی و ترویج میں بے حد کوشش کی جارہی تھی۔مدرسوں کا اجرا شاہ صاحب کے مقصد کے حصول کا بہترین ذریعہ تھا۔صرف اسی طرح سے اسلامی شعائر کی ترویج ممکن تھی۔تونسہ جیسی بستی میں پچاس مدرسین کی موجودگی کا مطلب یہ ہے کہ تونسہ اس علاقہ کا تعلیمی مرکز بن گیا تھا اور دور دور سے شائقین علم وہاں جمع ہونے لگے تھے۔

شاہ محمد سلیمان کو خود درس دینے کا بڑا شوق تھا۔وہ اپنے خاص شاگردوں اور مریدوں کو سلوک واحسان کی کتابوں کا درس دیتے تھے۔ان کے ملفوظات میں بعض جگہ ان کتابوں کا ذکر آگیا ہے جن کو وہ اکثر پڑھایا کرتے تھے۔

۱۵۔عسرت کی زندگی: شاہ محمد سلیمان صاحب نے اپنا ابتدائی زمانہ بڑی عسرت اور تنگی میں بسر کیا تھا۔جب تونسہ میں ایک طالب علم کی حیثیت سے آئے تھے تو اُن کے خور ونوش کا کوئی بندوبست نہ تھا۔ایک شخص رحم کھاکر ان کو کھانا دینے لگا۔اس میں بھی یہ مصیبت تھی کہ اس کے دروازہ پر ایک کتا رہتا تھا۔خواجہ صاحب کھانا لینے جاتے تو اس انتظار میں کھڑے رہتے کہ کتا ہٹے تو اندر جائیں۔اگر کتا وہیں رہتا تو دن بھر بھوکے رہتے۔جب خواجہ نور محمد مہاروی کے خلیفہ کی حیثیت سے وہ تونسہ شریف پہنچے تو عسرت کا یہ عالم تھا کہ سرکنڈوں کی جھونپڑی میں اپنا سر چھپاتے تھے اور فقر وفاقہ کی زندگی بسر کرتے تھے۔گڑگوجی میں ان کی کچھ زمین تھی۔لیکن خواجہ نور محمد صاحب کے ارشاد کے بموجب اسے ویسے ہی چھوڑ آئے تھے۔کچھ عرصہ بعد فتوح کا سلسلہ شروع ہوگیا دنیا کی ہر نعمت ان کے قدموں میں آگئی۔لیکن استغنا کا وہی عالم رہا اور انہوں نے کبھی فارغ البالی کی زندگی بسر نہیں کی۔جو کچھ ان کی خانقاہ میں پہنچتا تھا فوراً تقسیم کردیتے تھے۔اپنے لیے کچھ نہ رکھتے تھے۔

۱۶۔ شاہ صاحب کی مقبولیت: شاہ صاحب کی خانقاہ میں جگہ جگہ سے لوگ آتے تھے۔ قریبی ریاستوں کے نواب اور جاگیر دار ان کے آستانہ پر اپنی حاضری کو باعث فخر و مباہات سمجھتے تھے۔ افغانستان سے شاہ شجاع ان کی خانقاہ میں عقیدت و ارادت کے ساتھ حاضر ہوا تھا۔ جاگیرداروں اور والیان ریاست کا تو یہ معمول تھا کہ گدی پر بیٹھے وقت ان ہی کے دست مبارک سے پگڑی بندھواتے تھے اور ان کی دعاؤں کو اپنے لیے سعادت دارین تصور کرتے تھے۔ سر سید نے (جو ان کے ہم عصر تھے) لکھا ہے کہ ان کی شہرت قاف تک ہے۔ دہلی سے جو اپنے انحطاط کے زمانہ میں بھی علم و فضل کا مرکز تھا۔ علما اور صوفیہ فیض حاصل کرنے کے لیے ان کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔

۱۷۔ اخلاقی تعلیم: جب کسی قوم کا سیاسی زوال شروع ہوتا ہے تو اس کے افکار و اعمال عادات و اطوار بھی انحطاط پذیر ہونے لگتے ہیں۔ یہ قومی زوال کی آخری منزل ہوتی ہے۔ اخلاقی زوال کے اثرات سیاسی زوال سے کہیں زیادہ مہلک ہوتے ہیں۔ اس کے بعد کچھ عرصہ کے لیے تجدید و احیا کی سب راہیں مسدود ہو جاتی ہیں۔ شاہ محمد سلیمان نے جس وقت ارشاد و تلقین کا ہنگامہ برپا کیا تھا اس وقت مسلمانوں پر سیاسی ادبار کی گھٹائیں چھا رہی تھیں۔ اس زوال کو سب دیکھ رہے تھے۔ لیکن بہت کم لوگ ایسے تھے جن کی حقیقت بین نگاہ میں سیاسی زوال کے پیچھے ایک خطرناک اخلاقی زوال کے اثرات کو بھی دیکھتی ہوں۔ ایسے لوگوں نے سلطنت کا ماتم کرنے میں اپنا وقت صرف نہیں کیا۔ انہوں نے اپنے اپنے علاقوں میں اسلامی اخلاق و شعائر کی نگہبانی کی۔ شاہ محمد سلیمان صاحب بھی ان ہی چند بزرگوں میں سے تھے، جن کی کوششوں کو محور اخلاق و عادات کی درستی تھا۔

وہ اپنی نصیحت کو پر زور اور زود اثر بنانے کے لیے آیات قرانی، احادیث اور اشعار بر محل استعمال کرتے تھے۔ جب اخلاقی درس دیتے ہیں تو ان کے لہجے میں اصولی سختی اور تبلیغی نرمی کا نہایت ہی حیرت انگیز امتزاج ہوتا ہے۔ نصیحت کرنے کا جو موقع ملتا ہے، اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ جس قسم کے لوگ آتے، جس قسم کا مسئلہ زیر بحث ہوتا

وہ اخلاقی درس کو نہ بھولتے۔

۱۸۔ واقعاتِ تصرف: ایک شخص اپنی بیوی کو حضرت خواجہ صاحب کی خدمت میں لایا اور عرض کیا کہ ان پر جن کا اثر ہے۔ آپ نے جن کو حکم دیا کہ اس عورت کو چھوڑ دو۔ جن نے عرض کیا، میرا بیٹا بیمار ہے۔ اس کے لیے تعویذ عنایت فرمائیے۔ آپ نے فرمایا: اگر تمہارا بیٹا بیمار ہے تو اس عورت کو تنگ کرنے سے تمہارا کیا مقصد ہے!

جن عرض کرنے لگا کہ لوگ مجھے آپ کی خدمت میں حاضر نہیں ہونے دیتے اس لیے اس عورت کے ذریعے حاضر خدمت ہوا ہوں، جن نے اسی وقت عورت کو چھوڑ دیا اور وہ تندرست ہو گئی۔ آپ نے جن کے لڑکے کے لیے تعویذ عنایت فرمایا اور وہ تندرست ہو گیا۔

لوگوں نے آپ سے ایک سردار کے ظلم و ستم کی شکایت کی۔ آپ نے سردار کو نصیحت کی کہ خدا تعالے کے قہر و جلال سے ڈور۔ اس کے جواب میں وہ سردار حضرت کے ساتھ نہایت جرأت اور گستاخی سے پیش آیا۔ دوسرے روز اسی سردار کے پیٹ میں شدید درد اٹھا۔ اور اس کی یہ حالت ہو گئی کہ وہ کتے کی طرح بھونکنے لگا۔ اس کے دوست آپ کے پاس آئے مگر آپ نے کوئی توجہ نہ فرمائی۔ آخر یہ گستاخ اور بیباک سردار تھوڑی دیر میں اسی حالت میں مر گیا۔

نواب صادق محمد خان والئی بہاولپور سردار اسد اللہ خان والئی سانگھڑ کی لڑکی سے شادی کرنے کے بے حد خواہشمند تھے۔ حضرت نے نواب بہاولپور کو اس شادی سے روکا اور فرمایا کہ اس شادی کا نتیجہ یہ ہوگا کہ یا تو تم چلے جاؤ گے یا تمہاری سلطنت ختم ہو جائے گی۔ مگر نواب نہ مانے اور انہوں نے نکاح کر لیا۔ چنانچہ ایک سال کے اندر ہی نواب بہاولپور انتقال کر گئے۔

حضرت خواجہ صاحب ایک مرتبہ مرشد کے مزار پر فاتحہ خوانی کے لیے سانگھڑ جا رہے تھے۔ راستے میں دریا طغیانی پر تھا۔ ملتان میں دیوان سادن مل کے کارندے پر بھو دیال نے

کی نے کشتیاں ضبط کر لیں۔ حضرت نے فرمایا: ہم کو نہ ستاؤ، مگر وہ باز نہ آیا۔ آخر مجبور ہو کر آپ نے فرمایا۔ اللہ تعالےٰ قادر مطلق ہے اور اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے نام لیواؤں کی مدد فرماتا ہے۔ کیا ہم جو اس کے حقیر بندے ہیں اور اس کے محبوب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے غلاموں کے غلام ہیں، کیا ہم راستہ نہ پا سکیں گے۔ یہ فرما کر اللہ کا نام لینے کے بعد دریا کی جانب بڑھے اور پوری جماعت آسانی سے دریا سے پار اتر گئی۔

۱۹۔ وصال: ماہ صفر ۱۲۶۷ھ کا چاند دیکھ کر خواجہ صاحب نے فرمایا ہمارے "سفر" کا مہینہ ہے، خدا خیر کرے، کچھ دن بعد زکام کی شکایت ہوئی۔ اور ۷ صفر کو جان جاں آفریں کے سپرد کر دی۔ نواب بہاول پور نے ۷۰ ہزار روپیہ کے صرفہ سے سنگ مرمر کا عالی شان روضہ تیار کرایا۔

۲۰۔ اولاد: خواجہ محمد سلیمان کے دو فرزند تھے۔

۱۔ خواجہ گل محمد۔ ۲۔ خواجہ درویش محمد۔

دونوں شاہ صاحب کی حیات ہی میں وصال فرما گئے تھے۔ اس لیے شاہ صاحب کے بعد ان کے پوتے خواجہ الٰہ بخش صاحب مسند نشین تھے۔

۲۰۔ خلفاء: شاہ محمد سلیمان ۲۲ سال کی عمر میں سجادہ مشیخت پر جلوہ افروز ہوئے تھے اور ۸۴ سال کی عمر تک تلقین و ارشاد میں مصروف رہے۔ اس مدت میں ہزاروں تشنگان معرفت ہندوستان اور دیگر بلاد اسلامیہ سے ان کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے جہاں جوہر قابل پایا اس کی قدر کی اور خلافت سے سرفراز کیا۔ آپ نے کم و بیش ۷۰ بزرگوں کو خرقہ خلافت عنایت فرمایا تھا۔ بعض خلفاء کے نام یہ ہیں۔

۱۔ مولوی محمد باراں کلاچوی رح
۲۔ مولوی محمد علی مکھڈی
۳۔ مولوی محمد علی خیر آبادی
۴۔ مولانا احمد تونسوی
۵۔ صاحبزادہ نور بخش نبیرہ قبلہ عالم
۶۔ قطب الدین برادر حقیقی صاحبزادہ نور بخش
۷۔ مولوی نور جہانیاں صاحب بہاول پوری

۸۔ مولوی شہسوار صاحب سکنہ نواحی مہار
۹۔ شمس الدین سیالوی
۱۰۔ میاں عبدالشکور خیر آبادی
۱۱۔ مولوی امام الدین مصنف نافع السالکین
۱۲۔ حاجی نجم الدین مصنف مناقب المحبوبین

حضرت شمس الدین سیالوی چشتی رح

حضرت خواجہ شمس الدین سلسلہ چشتیہ کے جلیل القدر بزرگوں سے ہیں آپ جامع شریعت وطریقت تھے۔ آپ اپنے دور کے عارفوں کے شمس تھے اس لیے آپ کو شمس العارفین کے نام سے پکارا جاتا ہے۔

۱۔ نسبی تعلق: آپ نسباً کھوکھر عرف سیال تھے آپ کے خاندان کے مورث اعلیٰ شیر کرم علی ہیں جو آپ سے پانچ پشت پہلے ہوئے ہیں۔ شیر کرم علی ریاضت وعبادت میں باکمال بزرگ تھے۔ ان کا مقبرہ سیال کے قریب زیارت گاہ خاص و عام ہے۔ آپ کے والد گرامی کا نام میاں محمد یار تھا والدہ کا نام جنت بی بی تھا جو قرآن پاک کی حافظہ تھیں اور بچیوں کو قرآن پاک کی تعلیم دیا کرتی تھیں۔

۲۔ ولادت: آپ ۱۲۱۴ھ مطابق ۱۷۹۹ء میں موضع سیال شریف ضلع سرگودھا میں پیدا ہوئے والدین نے آپ کا نام شمس الدین رکھا۔ یہ وہ زمانہ تھا جبکہ پنجاب میں سکھوں کی حکومت تھی ان کا رویہ بہت ظالمانہ تھا اور مسلمانوں پر ان کا ظلم وستم روز بروز بڑھتا جا رہا تھا۔ خود خواجہ صاحب کے والد ماجد میاں محمد یار اپنی حق گوئی اور حریت پسندی کے باعث سکھوں کے ہاتھوں گرفتار ہوئے۔ اور ہوشربا مصائب برداشت کیے۔

۳۔ شجرہ نسب: حضرت خواجہ شمس الدین سیالوی کا سلسلہ نسب حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملتا ہے۔ جو مندرجہ ذیل ہے۔

حضرت خواجہ شمس الدین بن میاں یار محمد بن میاں محمد شریف بن میاں برخوردار بن میاں تاج محمود بن میاں شیر کرم علی بن جان محمد بن سعد اللہ بن دولت۔ بن لنگر بن صالح بن غلام محمد بن عظمت بن سلطان بن اللہ دتہ بن مقصود بن شیخ بن مادنگ بن کمال بن یعقوب بن ہیبت بن دریام بن منجر بن ملائم بن گورگیچ بن اچھر بن عثمان بن ماہی بن جہانب بن صاحب

بن پہتھ بن رسالو بن ہنداال بن سیال (جس سے اس کی اولاد سیال مشہور ہوئی)، بن سانڈر (چوٹد یہ بار کا سردار تھا اس لیے وہ اس کے نام سے سانڈر بار مشہور ہوئی)۔ بن گورا بن چت بن کوڈ بن سجن بن زمان علی معروف کھوکھر بن قطب شاہ (اصلی نام ان کا عبدالعلی معروف عون)، بن یعلے بن حمزہ بن طیار بن قاسم بن علی بن جعفر بن حمزہ بن عبداللہ عبداللہ (عبید اللہ) بن عباس بن علی المرتضٰی بن ابوطالب بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد المناف۔

۴۔ حصول علم: خواجہ صاحب کو عام بچوں کی طرح کھیل کود سے کوئی شغف نہ تھا۔ ان کے والد نے قرآن مجید پڑھنے کے لیے انہیں قریبی مدرسے میں داخل کیا تو انہوں نے سات سال کی عمر میں قرآن پاک ختم کر لیا۔ بعدازاں وہ اپنے ماموں میاں احمد دین کے ساتھ میکی ڈھوک (علاقہ پنڈی گھیپ) تشریف لے گئے جہاں چند ماہ میں انہوں نے نامِ حق اور کریما وغیرہ کتابیں پڑھ لیں۔ پھر وہ مکھڈ چلے گئے جہاں تیرہ برس مقیم رہ کر انہوں نے دینی علم حاصل کیا۔

مکھڈ میں مولوی علی محمد صاحب کے علم و فضل کا بڑا شہرہ تھا۔ خواجہ صاحب ان کی خدمت میں حاضر ہو کر علم حاصل کرنے لگے۔ اپنے تعلیمی ذوق و شوق کے باعث ہم سبقوں میں انہیں امتیاز حاصل تھا۔ مولوی صاحب کو بھی ان کی ذہانت اور علمی انہماک نے بڑا متاثر کیا۔ خواجہ صاحب پر وہ خصوصی کرم فرمانے لگے۔ کھانے کے وقت دستر خوان پر اپنے ساتھ کھانا کھلاتے اور علمی مسائل پر گفتگو کرتے۔ ان علمی صحبتوں سے خواجہ صاحب کی دبی ہوئی صلاحیتیں بیدار ہو گئیں اور مزید علم حاصل کرنے کا شوق ان میں تیز تر ہو گیا۔

آپ تھوڑے عرصہ میں حضرت مولانا محمد علی مکھڈی کی رہنمائی میں منطق فلسفہ صرف و نحو عربی اور فارسی میں مہارت حاصل کر لی پھر مزید تعلیم کے لیے موضع اخلاص (ضلع کیمبل پور) کے مدرسہ میں تشریف لے گئے وہاں تھوڑا عرصہ مقیم رہ کر فقہ کی چند کتب پڑھیں اور پھر واپس مولانا محمد علی کے پاس آکر رہنے لگے۔

۵۔ سفر کابل: اتفاق سے انہی دنوں خواجہ صاحب کو کابل جانے کا موقع مل گیا۔ وہ یوں کہ محمد امین نامی ایک تاجر بسلسلہ تجارت افغانستان جانے لگا۔ خواجہ صاحب کی نیکی اور پارسائی کا وہ معترف تھا۔ اس نے مولوی صاحب سے درخواست کی کہ وہ حصول برکت کے لیے خواجہ شمس الدین کو ان کے ساتھ بھیج دیں۔ مولوی صاحب نے خواجہ صاحب سے مشورہ کیا اور ان کی رضامندی کے بعد انہیں میاں محمد امین کے ساتھ افغانستان روانہ کر دیا۔

میاں محمد امین کو افغانستان میں کافی عرصہ رکنا پڑا۔ خواجہ صاحب نے اس موقع سے پورا فائدہ اٹھایا اور کابل کے معروف و متبحر عالم حافظ درراز صاحب سے ہدایہ شریف پڑھی اور حدیث شریف کی سند بھی حاصل کی آخر جب میاں محمد امین صاحب واپس آئے تو آپ بھی ان کے ساتھ واپس اپنے استاد کے پاس آ گئے۔

۶۔ بیعت کا واقعہ: حضرت مولانا محمد علی اگرچہ علم و فضل میں بے نظیر اور زہد و ورع میں منفرد اور مرجع خلائق تھے، لیکن دل ابھی کسی ایسے صاحب کمال کے لیے تڑپ رہا تھا۔ جو ایک نگاہ میں گھائل کر دے اور اپنی توجہ باطنی سے حریم ذات کے دروازے کھول دے۔ کئی بزرگوں کی شہرت سنی، گئے۔ دیکھا اور لوٹ آئے، دل کی تسکین کا سامان کہیں نظر نہ آیا ایک روز کسی نے حضرت پیر پٹھان قبلہ عالمیان شاہ محمد سلیمان تونسوی قدس سرہ کا تذکرہ اس انداز سے کیا کہ سنتے ہی دل بے چین ہو گیا اور تونسہ مقدسہ کا سفر اختیار کیا اس سفر میں اپنے اسی تلمیذ ارشد کو اپنے ہمراہ لیا۔ جب کشتی دائرہ دین پناہ کے مضافات میں پہنچی آپ اترے اور ملاحوں کو رخصت عطا فرمائی۔ وہاں ایک گدھا کرایہ پر لیا اور قبلہ عالی میاں شہنشاہ اقلیم ولایت حضرت شاہ محمد سلیمان رحمتہ اللہ علیہ کے در اقدس پر پہنچے۔ حضور نے پوچھا کہاں سے آئے ہو۔ عرض کی مکھڈ سے۔ مزید استفسار فرمایا۔ مولوی صاحب بخیریت تھے۔ عرض کی وہ خاکسار میں ہی ہوں۔ حضور نے اٹھ کر گلے سے لگا لیا اور بڑی عزت و تکریم کی رہائش کے لیے انہیں ایک الگ حجرہ مرحمت فرمایا مولانا تو اپنی اقامت گاہ پر فروکش ہو گئے لیکن شمس معرفت حضرت پیر پٹھان کو دیکھتے ہی ہزار جان اور ہزار دل سے فریفتہ ہو گئے اور

اتنا یارا ئے صبر بھی نہ رہا کہ اپنے استاد محترم کا انتظار کریں۔ موقع ملتے ہی بارگاہ نازیں حاضر ہوئے اور بیعت کے لیے گذارش کی۔ مرشد کامل نے ازراہ غایت بندہ نوازی شرف بیعت سے سرفراز فرمایا۔ اور نماز مغرب کے بعد نفل ادابین اور حفظ الایمان اور ہر نماز کے بعد دس دس مرتبہ درود پاک پڑھنے کا حکم دیا اور فرمایا سردست تمہارے لیے اتنا وظیفہ کافی ہے۔ جب تحصیل علم سے فراغت پاکر آؤ گے۔ اس وقت مزید کرم فرمایا جائے گا۔ اس سعادت ازلی سے بہرہ ور ہو کر اپنے استاد محترم کے پاس حاضر ہوئے اور آرام فرمایا۔

مولانا نے چند روز توقف کے بعد بیعت کے لیے عرض کی۔ حضور نے فرمایا۔ آپ بہر وجہ افضل و اکمل ہیں۔ آپ کا علم و فضل مشہور عالم ہے۔ آپ کو اس فقیر سے بیعت کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ حضرت مولانا نے بصد ادب و نیاز عرض کی۔ قبلہ میں نے علم اس لیے تو نہیں پڑھا تھا کہ یہ میری محرومی کا باعث ہو اور میں اس نعمت سرمدی سے بے بہرہ رہوں۔ میں نے تو علم ہدایت پذیری کے لیے پڑھا ہے۔ اس لیے حضور اس خاکسار پر نظر کرم فرمائیں اور مجھے اپنی غلامی کی عزت سے محروم نہ رکھیں۔ علم و فضل کے باوجود مولانا کی اس ادا کے نیاز مندی کو حضور نے بہت پسند فرمایا اور کچھ اوراد پڑھنے کی تلقین فرمائی۔ ان وظائف کے پڑھنے سے مولانا کے دل کی پہلی صفائی بھی جاتی رہی۔ ذوق و شوق کی جو چنگاری سلگ رہی تھی وہ پھر سرد ہو گئی۔ آپ اس صورت حال سے بڑے غم زدہ ہوئے۔ اور اپنی کیفیت عرض کی۔ حضرت پیر پٹھان نے اپنی زبان میں فرمایا کہ دبابا ایک لڈے سے تے بیا آوے) یعنی ایک رخصت ہو تو دوسرا آوے۔

آپ کے پہلے واردات رخصت ہوں گے۔ تب نئی کیفیات کا ورود ہوگا چنانچہ کچھ عرصہ بعد مولانا کے دل میں درد و سوز اور ذوق و شوق کی وہ کیفیت پیدا ہو گی۔ جس کا بیان زبانِ قلم سے ممکن نہیں۔

مولانا نے چھ ماہ تک شہباز لامکانی کے آستانہ عالیہ پر قیام کیا۔ نعمت دیدار، توجہ باطنی اور کرمہائے بے پایاں سے محظوظ ہوتے رہے۔ چھ ماہ بعد حضور نے آپ کو طلب فرمایا۔ بیعت بھی کیا اور نعمت باطنی سے بھی مالا مال کر کے خرقہ خلافت بھی مرحمت فرمایا

اور واپس مکھڈ جانے کی اجازت دی

چونکہ مولوی علی محمد صاحب مجرد اور آزاد تھے اور اپنے اجداد امجاد کی اولاد سے کوئی مستحق جائیداد نہیں رکھتے تھے، اس لیے فضائل نشان نے شمس دوراں کو بعد اپنے اپنا قائم مقام اور فرزند کی مثال کل مال اموال کا مالک ٹھہرایا اور شمس الاقطاب نے بھی استاد صاحب کے فرمان پر اسی مکان میں قیام فرمایا۔ لیکن آپ کے والدین یہ سن کر بہت بے چین ہوئے۔ والد صاحب تونسہ شریف کے دربار پر انوار پر حاضر ہوئے اور عرض کیا۔ اس بوڑھے خاکسار کا ایک ہی فرزند ہے۔ مولوی صاحب نے اس نیک نہاد کو شہر مکھڈ میں مقید کر رکھا ہے۔ حضرت کو اس کی حالت پر ترس آیا اور مولوی صاحب کی جانب تحریر فرمایا۔ کہ اس فقیر کو باپ کے ساتھ روانہ کیجئے! مولوی صاحب نے جاناں کے فرمان کو دیکھ کر اپنی جان کو قربان کر دیا۔ شمس دوراں کو بڑے اعزاز سے والد ماجد کے ہمراہ روانہ کیا۔

۷۔ شادی: اگرچہ شمس الانوار تجرید اور تفسیر کے شاہ سوار تھے۔ مگر آخر کار اپنے پیشوا کے ایما اور والدین کی رضا سے لاچار شادی کو اختیار فرمایا۔ اور چچا صاحب میاں احمد یار کی دختر نیک اختر سے نکاح پڑھایا۔ اس وقت تخمیناً ۴۴ برس آپ کی عمر تھی اور ریش مبارک کچھ سفید ہو گئی تھی۔

نکاح کے بعد خواجہ صاحب نے میاں شریف میں مستقل قیام فرمایا اور درس و تدریس اور عبادت و ریاضت میں مشغول ہو گئے۔

۸۔ خدمت مرشد: حسب ہدایت اوراد و اذکار پوری پابندی سے انجام دیتے رہے فرصت کے وقت تدریس کا سلسلہ بھی جاری رہتا۔ سال میں کئی کئی بار پاپیادہ منزل جاناں کی زیارت کرنے کے لیے آتے اور کم سے کم چالیس روز قیام فرماتے۔ جب بتقاضائے عمر ظاہری قوتوں میں کمزوری آگئی تو پھر بامر مجبوری سوار ہو کر تونسہ شریف حاضر ہوتے۔

اپنے مرشد کی خدمت اور غلامی کا سرچشمہ سعادات و برکات یقین کرتے۔ چودہ مرتبہ حضرت پیر پٹھان کی معیت میں تونسہ مقدسہ سے مہار سدا بہار کا سفر کیا اس شان سے کہ

حضور ایک تیز گھوڑی پر سوار ہوئے، یہ پیکر صدق و وفا اپنے مرشد کا قرآن کریم مع رحل اور دیگر وظائف سر پر رکھے، پانی کا بھرا ہوا کوزہ دائیں ہاتھ میں حضور کا عصا اور مصلیٰ بغل میں لیے بادہ محبت سے سرشار ہو کر حضرت کی گھوڑی کے آگے آگے دوڑتے۔ لوگ اس حسین و رعنا جوان کے جسم نازک اور اس پر یہ مشقت۔ جفاکشی، پھر شوق و مستی کا عالم اور ہمت کی بلندی کا مشاہدہ کر کے دنگ رہ جاتے۔ دیکھنے والا ایک نظر سے پہچان جاتا کہ یہ کس منزل کا مسافر ہے اور اس کی مخمور آنکھیں کس کے درد محبت کی غمازی کرتی ہیں۔

تونسہ شریف سے مہار شریف ایک سو پچاس میل کی مسافت ہے۔ اس زمانہ میں تقریباً سارا علاقہ جنگل بیابان یا چٹیل ریگستان تھا۔ پانی نایاب۔ آبادیاں خال خال۔ سڑکیں اور شاہراہیں مفقود تھیں ایک دفعہ حضرت پیر پٹھان قدس سرہ، دیار محبوب کی طرف روانہ ہوئے گرمی کا موسم تھا۔ نوجوان سیال بڑے ذوق و شوق سے وجد کناں اپنے مرشد کی گھوڑی کے آگے آگے دوڑتے جا رہے تھے، آپ برہنہ پا تھے، ریشم سے نرم و نازک پاؤں کے تلوؤں میں کانٹے چبھتے۔ آبلے بنتے رہے اور دھوپ قیامت خیز تھی۔ زمین تپ رہی تھی اس کے باوجود اس بلند اقبال اور اولوالعزم نوجوان کے ذوق و شوق میں ذرا فرق نہیں آ رہا تھا اچانک مرشد کامل نے آپ کو اس حالت میں دیکھا تو کھڑا ہونے کا حکم دیا۔ اپنی پاپوش مبارک اتار کر آپ کو دی کہ اسے پہن لو تا کہ گرم ریت راہ میں بکھرے ہوئے کانٹے اور سنگریزے نہ چبھیں۔ آپ نے اس تحفہ کو بصد شکریہ قبول کیا اور چوم لیا لیکن پاؤں میں پہننے کی بجائے اپنے سر کا تاج بنا لیا۔ کچھ وقت گذرنے کے بعد پھر حضرت پیر پٹھان نے آپ کو حسب سابق ننگے پاؤں دیکھا اور پوچھا جوتے کہاں ہیں، عرض کیا جوان کا صحیح مقام تھا میں نے انہیں وہاں سجا لیا ہے۔ حضرت اس جذبہ نیاز مندی پر از حد مسرور ہوئے۔ اپنی گھوڑی سے نیچے اترے اور اپنے جواں بخت مرید کو اپنے سینہ سے لگا لیا۔ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ اسرار معارف کے کتنے خزینے بخش دیے۔

۹۔ خلافت: جب حضرت پیر سیال کی عمر مبارک چھتیس برس ہو گئی زہد و ریاضت سے سینہ گنجینۂ نور بن گیا تو شاہ شاہان خواجہ محمد سلیمان قدس سرہ نے خرقۂ خلافت

عطا فرمایا اور ساتھ ہی ہدایت کی کہ میں تجھے گم کردہ راہوں کو راہ ہدایت پر لانے کے لیے آوارگان دشت محبت کو منزل محبوب تک پہنچانے کے لیے بیعت اور خلافت کی اجازت دیتا ہوں۔ آپ نے بصد نیاز عرض کی کہ مخدوما میں اس بارگراں کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ مجھے اس سے معذور سمجھا جائے۔ حضرت نے فرمایا کہ "تو کہاں ہے جب تو ئی ہو گیا تو پھر تو کہاں رہا۔ تیرے ہر کام کا میں ذمہ دار ہوں۔ اپنے آپ سے نہیں بلکہ اللہ تعالےٰ کے حکم سے تجھے اس کا مجاز کرتا ہوں۔ چنانچہ ظاہری و باطنی انعامات سے سرفراز فرما کر رخصت کیا اور روانگی کے وقت سخت تاکید کی کہ جس فیض کا تمہیں امین اور جس خزینہ سعادت کا تجھے قاسم مقرر کیا گیا ہے۔ اس سے کوئی محروم واپس نہ جائے۔ جو بیعت کا خواہش مند ہو کر آئے اس کی دستگیری ضرور کی جائے۔

جب دوبارہ اپنے مرشد کی خدمت میں حاضر ہوئے تو دریافت فرمایا کہ کیا کسی کو بیعت کیا ہے۔ عرض کی صرف میرے والدین نے میری بیعت کی ہے۔ اس کے علاوہ اور کوئی بیعت نہیں ہوا۔ حضرت پیر پٹھان نے جلال میں آکر فرمایا کہ میں نے تجھے شہباز بنایا ہے۔ سارا عالم تیرا صید زبوں ہے۔ اپنی ہمت خداداد کو مخلوق خدا کی رشد و ہدایت میں صرف کر دو۔

۱۰۔ احترام مرشد: ایک دفعہ حضرت پیر پٹھان تشریف فرما تھے۔ مشتاقان دید کا ہجوم تھا۔ اس اثناء میں ایک نورانی پیکر بزرگ حاضر ہوئے اور کچھ دیر محو گفتگو ہو کر رخصت ہو گئے۔ جب وہ تھوڑا سا دور گئے۔ تو حضرت نے حاضرین کو کہا کہ جس شخص کے دل میں خضر کی زیارت کا شوق ہو۔ وہ جائے اور زیارت کرے یہی خضر تھے۔ جو یہاں سے ابھی اٹھ کر گئے ہیں۔ لوگ دیوانہ وار خضر کی زیارت کرنے کے لیے دوڑ پڑے۔ لیکن حضرت پیر سیال وہیں بیٹھے رہے۔ حضور نے فرمایا مولوی صاحب کیا تمہیں خضر کی زیارت کرنے کا اشتیاق نہیں عرض کی کہ میں تو اس کی زیارت کروں گا جس کی زیارت کے لیے خضر آتا ہے۔ حضرت پیر پٹھان حضور کی اس سعادت مندی اور خلوص پر بڑے خوش ہوئے اور دعا فرمائی۔ "اللہ سائیں میرے سیال نوں رنگ لائیں" اے اللہ تعالیٰ میرے اس مرید باصفا

کو ابدی عزت و سعادت سے سرفراز فرما۔ اس دعا کا یہ اثر ہوا کہ شرق و غرب سے لوگ کسب فیض کے لیے پروانہ وار سیال شریف آنے لگے۔ آپ کو اپنے شیخ کا اتنا احترام ملحوظ تھا کہ تونسہ شریف کی حدود میں قضاءِ حاجت نہیں کی تین میل دور تشریف لے جاتے۔

۱۱۔ دورِ رشد و ہدایت: سیال شریف مقیم ہو کر آپ نے رشد و ہدایت کا سلسلہ شروع کیا اور جوں جوں آپ کے فیوض و برکات کا شہرہ عام ہوتا گیا لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر اکتساب فیض کرنے لگے۔ آپ نے سیال شریف میں زائرین اور فقرا کے لیے ایک وسیع لنگر خانہ قائم کیا اور ان کی رہائش کے لیے کئی مکانات تعمیر کروائے۔

۱۸۲۲ء میں آپ نے سیال شریف میں ایک بڑی اسلامی درس گاہ کی بنیاد بھی رکھی۔ جس میں متعدد علماء، دینی علوم کی تعلیم دیتے تھے۔ اور آپ خود اس کی سرپرستی فرماتے تھے۔

خواجہ شمس الدین سیالوی نے جس زمانہ میں پنجاب میں مسند ارشاد بچھائی، وہ زمانہ افراتفری کا زمانہ تھا۔ ایک طرف انگریز برعظیم پاک و ہند کے بڑے حصّہ پر قبضہ جما چکے تھے دوسری طرف سکھوں نے لوٹ مار کا بازار گرم کر رکھا تھا۔ پورا پنجاب سکھوں کی چیرہ دستیوں کی آماجگاہ بن چکا تھا۔ پھر ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد مسلمان انگریزوں کے تیرِ انتقام کا ہدف بنے ہوئے تھے، اور پوری قوم پر ایک یاس و قنوط کی کیفیت طاری تھی۔ ان حالات میں خواجہ شمس الدین سیالوی نے سیال شریف میں سلسلہ ارشاد و تدریس شروع کیا اور عامۃ المسلمین پر ظاہری و باطنی علم کے دروازے کھولے۔ جس کے نتیجہ میں اسلامی روایات کا احیا ہوا اور پنجاب کے امرا کا ایک بڑا گروہ بھی آپ کے حلقہ ارادت میں داخل ہوا۔ جس سے معاصر سیاست متاثر ہوئی۔

۱۲۔ روحانی تصرفات: آپ کے روحانی تصرفات بے شمار ہیں ان میں سے چند حسب ذیل ہیں۔

۱۔ ایک مرتبہ ریاست جموں کا وزیر چند قیمتی تحفے اور کپڑے لے کر حضرت کے دربار میں ایک درخواست لے کر حاضر ہوا۔ اور عرض کی کہ حضور والا۔ راجہ صاحب نے درخواست کی ہے کہ وہ آپ کا خادم اور خیر خواہ ہے اور اس کا دلی اقرار کرتا ہے۔ اس وقت التجا یہ ہے کہ کلکتہ کے وائسرائے نے جموں اور کشمیر کی پرفضا اور پر بہار زمین سرکاری قبضہ میں لینے کا حکم دیا ہے اور اس کے عوض کسی اور جگہ جاگیر دینے کا فیصلہ کیا ہے۔ تو آپ، مجھ فقیر کے حق میں دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ اس کو اس ارادے سے باز رکھے۔ ادھر آپ نے دُعا فرمائی اُدھر انگلینڈ سے اس وائسرائے کو بلاوا آگیا۔ اس کے جانے کے بعد جتنے بھی وائسرائے آئے کسی نے بھی اس رقبہ کا خیال تک نہ کیا۔

پھر اس راجہ نے کہلا بھیجا آپ اگر ہمارے ہاں تشریف فرما ہوں تو آپ کی کرم نوازی ہو گی۔ ہر طرح کی سواری اور سہولت مہیا کی جائے گی۔ ورنہ بندہ خود حاضر ہو کر آداب بجا لائے۔ خواجہ صاحب نے ارشاد فرمایا "میں نہ آؤں گا نہ تمہیں آنے کی اجازت ہے۔ جو دعا کرانی ہو وہیں سے کروا لو، خدا سمیع و بصیر ہے۔ دور و نزدیک سے ہر ایک کی التجا سنتا ہے میں یہیں سے دعا کروں گا۔"

۲۔ قدوۃ السالکین خواجہ اللہ بخش صاحب تونسوی جب زیارت حرمین شریفین کو گئے ہوئے تھے تو ایک دن حضرت شمس العارفین ظہر کے وقت غمناک ہو کر عبادت گاہ سے مسجد میں تشریف فرما ہوئے اور تمام مریدین کو جمع کر کے فرمایا کہ سب دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ پیرزادہ کو خیریت سے واپس لائے اور ہم غلاموں کو ان کا دیدار نصیب فرمائے۔ سب نے دعا کی۔ جب خواجہ شمس العارفین کو دیکھا تو سربسجود ہو کر یوں مناجات کر رہے تھے۔ "اے رب الارباب! میرے پیرزادہ کو صحت عطا فرما اور بخیر و عافیت وطن پہنچا"۔ سجدے سے سر اٹھایا تو آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ حاضرین بھی غم میں شریک ہو کر خاموش ہو کر بیٹھے رہے۔ مگر وہ تاریخ نوٹ کر لی۔ جب پیرزادہ صاحب واپس تشریف لائے تو معلوم ہوا کہ آپ اسی روز جہاز پر ہیضہ میں مبتلا ہو گئے تھے اور بظاہر شفا کی کوئی امید نہ تھی۔ ساتھی تمام غمگین تھے۔ تو اس وقت شافی مطلق نے ان کی ایسی غیبی امداد فرمائی کہ اس لاعلاج مرض سے شفایاب ہو گئے۔

صحت کی بحالی کا وقت وہی ظہر کا وقت اور وہی دن تھا۔

۳۔ میاں مراد علی قریشی ساکن بھور (میانوالی) نے بیان کیا کہ ایک مرتبہ دریا جہلم میں ایسی طغیانی آئی کہ اونچی نیچی سب جگہوں پر پانی بھر گیا۔ لوگ بے گھر ہو گئے۔ اور ایک زمیندار نے اپنی بھیڑوں کے ریوڑ کو لے کر حضور کے دربار کے قریب ایک کنوئیں پر ڈیرہ لگا لیا۔ دو دن بعد حضور نے طلوع آفتاب کے وقت پینے کے لیے پانی مانگا تو یہ خاکسار برتن اٹھا کر کنوئیں پر گیا۔ وہاں اس زمیندار کی حالت دیکھ کر ترس آیا۔ اس نے کہا کہ میں اپنے ریوڑ کو لے کر حضور کے دوارے آیا تھا۔ لیکن آج رات ایک بھیڑیا میری بھیڑ لے گیا۔ میں اسی فکر میں ہوں کہ اگر وہ روزانہ آتا رہا تو میرے پاس کچھ بھی نہ رہے گا۔ خواجہ صاحب سے عرض کرنا کہ میرے حق میں دعا فرمائیں تاکہ میں پرسکون ہو جاؤں۔

۴۔ حضرت شمس العارفین نے سن کر فرمایا "اس بگھیاڑ (بھیڑیے) نوں خدا دی مار" ذرا باہر جا کر کہیں دیکھ تو سہی۔ حسب فرمان ہم دو آدمی اس کو ساتھ لے کر جنوبی طرف گئے تو دیکھا کہ بھیڑیا اور بھیڑ ایک دوسرے کے ساتھ آرام سے بیٹھے ہیں۔ ہم میں سے ایک نے بھیڑیئے کو للکارا اور دھکا دیا لیکن وہ نہ اٹھا۔ فقیر نے اسے پکڑا اور دربار خواجہ میں لے آیا۔ خواجہ صاحب نے فرمایا: اس کو چھوڑ دو اور اسے کہہ دو کہ آئندہ اس طرف نہ آیا کرے۔ حسب الحکم اس کو باہر لا کر چھوڑ دیا گیا۔ اور وہ ہرن کی طرح چھلانگیں لگاتا ہوا بھاگ گیا۔ اور وہ ریوڑ والا تا زندگی آپ کا غلام بنا رہا۔

۵۔ عبداللہ دین دار جو ہندو سے مسلمان ہوا تھا۔ اس کو ایک مرتبہ خواجہ صاحب نے لنگر کی گائے بھینسوں کو ٹھٹوانہ میں ملک فتح شیر ٹوانہ کے پاس چرائی کے لیے سپرد کرنے کو روانہ فرمایا۔ عبداللہ، جب واپس ہوا تو اسے راستہ میں ایک خوبصورت نوجوان عورت ملی۔ اس نے کہا کہ میں اکیلی ہوں اور مجھے اس ویران ریگستان میں بارہ میل کی مسافت طے کرنا ہے عبداللہ اس کے ساتھ ہو لیا۔ گروٹ تک جاتے ہوئے انہیں ایک درویش قادری ٹوپی پہنے، سفید چادر اوڑھے اور سیاہ کمر بند پہنے ہوئے ان سے تھوڑے فاصلہ پر آگے جاتا ہوا نظر آیا۔ دونوں نے جلدی جلدی چلنا شروع کر دیا تاکہ تین ہم سفر ہو جائیں۔ لیکن یہ جتنا

بھی تیز چلتے، اس درویش کو آگے ہی پاتے، بالآخر گوروٹ شہر کے قریب پہنچے تو وہ درویش نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

گوروٹ میں اس عورت کو پہنچا کر عبداللہ جلدی جلدی دربار مرشد میں پہنچا۔ اسے دیکھتے ہی حضرت شمس العارفین نے عبداللہ سے فرمایا کہ تنہائی میں مسافر مرد کو بیگانی عورت کی ہمراہی نہیں کرنی چاہیے، کیونکہ شیطانی وسوسوں کا خطرہ ہے اس نے عرض کیا آگے آگے تو آپ تشریف لے جا رہے تھے۔ پھر تنہائی کہاں تھی۔

ایک مرتبہ حضرت خواجہ شمس العارفین نے نماز ظہر کے بعد فرمایا: "بانو ڈبدی اے پئی"، تو میاں غلام محمد ہٹمواری نے دن، وقت اور تاریخ نوٹ کر لی۔ چند دن کے بعد بانو خوش نصیب حاضر دربار ہوئی تو اپنی سرگذشت عرض کرنے لگی تو آپ نے فرمایا کہ اس ذکر کو چھوڑ دو کوئی اور بات سناؤ۔ وہ خاموش ہو گئی۔ اس کے بعد غلام محمد نے بانو سے پوچھا تو وہ کہنے لگی کہ ایک دن جہلم سے پنڈ دادن خان کے لیے تین کشتیاں روانہ ہوئیں۔ ان سے ایک کشتی پر میں دیگر پیر بھائیوں کے ہمراہ سوار تھی۔ ہماری کشتی درمیان میں تھی سیلاب بہت زور پر تھا۔ اتفاق سے ایک بہت بڑے بھنور نے ہماری کشتیوں کو اپنی طرف کھینچا ملاحوں نے اپنی سی کوشش کی لیکن فضول گئی۔ پہلی کشتی نے چکر کھایا اور ڈوب گئی۔ پھر میرے والی کشتی بھی بھنور کی گرفت میں آگئی۔ ہم تمام زندگی سے مایوس ہو گئے۔ میں دیوانہ وار ننگے سر اٹھی اور پیر سیال کی امداد کے لیے اس طرح پکارا "یا حضرت خواجہ پیر سیال! عاجز دی لئیں سمبھال"، تو اللہ تعالیٰ نے مرشد کامل کی ہمت باطنی سے ہماری کشتی کو غرق ہونے سے بچا لیا۔ تیسری کشتی جب بھنور میں آئی تو وہ بھی ڈوب گئی۔ ان غرق شدہ کشتیوں میں سے بجز چند آدمیوں کے سب ہلاک ہو گئے۔

۱۴۔ اخلاق وعادات: تمام زائرین اور مسافروں کو آپ کے لنگر خانہ سے عام کھانا ملتا تھا چارپائی اور بستر بھی ہر ایک مہمان کو آرام کے لیے مقام پر دیا جاتا تھا۔ صدہا طالبان آپ کی خدمت میں اقامت رکھتے تھے۔ اُن سب کو پارچات اور ضروری اخراجات لنگر سے ملتے تھے۔

آپ کے سب اخلاق اوصافِ محمدی کے مطابق تھے اور آپ کے سب افعال خواجہ محمد سلیمان علیہ الغفران کے موافق تھے۔ شرعی امورات اور دینی معاملات میں ہر وقت نیاز مندانہ پابند رہتے تھے۔ ایزد ذوالجلال کی تقدیر پر بہر حال خورسند ہوتے تھے۔ مصائبات اور حوادثات پر صابرانہ شکر کرتے تھے۔ خویشوں اور درویشوں کے حالات پر بہت زیادہ التفات فرماتے تھے۔ شہر کے مفلسوں اور بیکسوں کو لنگر سے کھانا دیتے تھے۔ مساکینوں اور یتیموں کو بہت عزیز رکھتے تھے۔ زائروں اور مسافروں کو بڑی مہربانی اور شیریں کلامی سے پاس بیٹھاتے تھے۔ اور ہر شخص سے بکمال شفقت مفصل حال پوچھتے تھے۔

آپ کی ذات بابرکات سے صدہا کرامات اور خوارق عادات ہمیشہ رونمائی کرتی تھیں مگر زیادہ تر اخفا کرتے تھے منکرین اور منافقین جو بغرض بحث وتکرار حاضر دربار ہوتے تھے صرف دیکھتے ہی بلا گفتار آپ پر فریفتہ اور جانثار ہو جاتے تھے۔

اگرچہ آپ کے پیر روشن ضمیر مجالس میں ساز اور مزامیر سنتے تھے، مگر آپ بنا بر مزید اتقا ان کا استماع ہرگز نہیں کرتے تھے۔ جب سب مہمان اور مسافر لنگر سے کھانا کھاجاتے تب حضور تھوڑا سا ماحضر تناول فرماتے تھے۔ ہمیشہ پیاس کی تکلیف کو اختیار برداشت کرتے تھے۔ باوجود ضعف عمری کے ہر وقت مصلے پر دوزانوں بیٹھے رہتے تھے صرف (قیلولہ) کے وقت چارپائی پر دراز ہوتے تھے۔ اکثر مسجد میں باجماعت نماز پڑھتے تھے کوئی تکیہ وغیرہ پاس نہیں رکھتے تھے۔ اگر کسی لنگر کے مجرم کو خدمت میں پیش کرتے تھے، تو آپ اس سے ہرگز خشمگیں نہ ہوتے تھے، شیریں کلامی سے اس کو نصیحت فرماتے۔

جب وظائف سے فراغت پاتے تھے تو سب زائرین جناب کے پاس آ بیٹھتے تھے۔ آپ نظر عنایت ہر بشر کے حال پر مبذول فرماتے۔ جس سے ان کے دروں کے وبال اور دلوں کے زنگار فی الحال دور ہو جاتے تھے۔ علمائے کبار اور سادات کی بہت عزت و تعظیم کرتے تھے۔ طالبوں اور درویشوں کو زیادہ عزیز رکھتے تھے بیوگان اور یتیموں پر بہت شفقت فرماتے تھے۔ بزرگوں کی اولاد اگرچہ ناشائستہ کردار ہوتی تھی۔ ان

لحاظ اور اعزاز فرماتے تھے۔ بلکہ اگر کوئی بزرگوں کی اولاد سے عناد سے فساد کرتا تھا۔ تو اس پر ناراض ہوتے تھے۔

وہ اوراد و وظائف جو حضرت شمس العارفین لوگوں کو پڑھنے کے لیے فرمایا کرتے تھے۔ ان میں سے بعض حاجت مندوں اور مراد خواہوں کے لیے تھے۔ جن کی آنجناب اپنے مریدین کو خاص اور عام لوگوں کو عام اجازت فرمایا کرتے تھے۔ اور تاکید شدید کیا کرتے تھے۔

فرمایا کرتے تھے کہ طالب حق کو چاہیے کہ نماز شام کے بعد مکمل طہارت کے ساتھ قبلہ کی طرف منہ کر کے مربع شکل میں بیٹھ کر آنکھیں بند کر کے اور ہاتھوں کو زانوں پر رکھے اور دائیں پاؤں کے انگوٹھے اور انگلی سے بائیں پاؤں کی رگ قیماس کو مضبوط پکڑے جس سے حرارت پیدا ہو کر تصفیہ کا باعث بنے۔ اس سے دل کی چربی جو خناس کی آرام گاہ ہے پگھل جاتی ہے۔ اور وسوسے کم ہو جاتے ہیں۔ پھر سب دنیاوی خیالات دور کر کے دل و زبان سے ذکر شروع کرے۔ ذکر سے پہلے درود شریف تین مرتبہ اور لاحول تین مرتبہ پڑھے۔ پھر لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ بلند آواز سے شروع کرے۔

فرمایا کرتے تھے کہ اس ذکر سے تصفیہ و تزکیہ نفس حاصل ہوتا ہے اور اس کی ہمیشگی سے دل زندہ ہوتا ہے۔ اور خواب و بیداری میں آواز ذکر محسوس ہوتی ہے۔ عمر دراز ہونے کے علاوہ محبت الٰہی کا جوش پیدا ہوتا ہے اور اس ذکر کا طریقہ یوں فرمایا کرتے تھے کہ جب سانس اندر آئے تو لَآ اِلٰہَ اور جب سانس باہر جائے تو اِلَّا اللّٰہ کو زبان کی بجائے سانس سے کہے۔ بلکہ زبان تالو سے چپکا دی جائے تاکہ حرکت نہ کر سکے۔ ان کلمات کی ابتدا اور انتہا ناف سے کرے۔ ہر وقت اس ذکر کو جاری رکھنے سے دل خود بخود ذاکر بن جائے گا۔

۱۴۔ وصال: آپ کی صحت آخر دم تک بہت اچھی رہی۔ اور اپنے تمام معمولات باقاعدگی سے بجا لاتے رہے۔ مگر جب تیرہ سو ہجری محرم الحرام کی پندرہ تاریخ آئی تو آپ نے صاحب زادہ محمد دین صاحب کو بلا کر اپنے قرب وصال کی

خبر دی اور فرمایا میں نے اللہ تعالےٰ سے دعا کی تھی کہ میری عمر حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسوی کے مطابق ہو، اور اس سے زائد نہ ہو بالآخر ۱۸ صفر ۱۳۰۰ھ میں آپ کو عارضہ تپ لاحق ہوا۔ چند روز بیمار رہنے کے ۲۴ صفر ۱۳۰۰ھ ۱۸۸۲ء میں آپ کا انتقال ہو گیا۔ مولوی معظم الدین مرولوی نے نماز جنازہ پڑھائی اور اپنے عبادت خانہ میں دفن کیے گئے۔ بعد میں وہاں پر بہترین گنبد تعمیر کیا گیا آپ کا مزار اقدس سیال شریف ضلع جھنگ میں مرجع خلائق ہے۔

۱۵۔ اولاد: خواجہ شمس الدین کے تین فرزند تھے۔ ۱۔ خواجہ محمد الدین۔ ۲۔ صاحب زادہ محمد فضل الدین۔ ۳۔ صاحب زادہ محمد شجاع الدین۔

آپ کے بعد آپ کے بڑے صاحبزادے خواجہ محمد الدین جانشین ہوئے۔ تینوں صاحبزادگان کی اولاد سیال شریف میں موجود ہے!۔ صاحبزادہ فضل الدین صاحب کے ایک صاحبزادہ تھے۔ صاحب زادہ محمد نجم الدین، ان کے دو صاحبزادے تھے۔ صاحب زادہ بدر الدین، اور صاحب زادہ قطب الدین دونوں بچپن میں فوت ہو گئے۔

۱۶۔ خلفائے کرام: حضرت خواجہ شمس العارفین کے خلفاء کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ مگر ان میں سے مشہور خلفاء کے اسما گرامی یہ ہیں۔

صاحب زادہ خواجہ محمد الدین۔ صاحب زادہ فضل الدین۔ صاحبزادہ محمد شجاع الدین۔ حضرت غلام حیدر شاہ صاحب جلال پور شریف۔ حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑہ شریف۔ مولوی فضل الدین صاحب چڑ چا شریف شاہ پور۔ مولوی معظم الدین صاحب مرولہ تحصیل بھیرہ۔ مولوی محمد امین صاحب چکوڑی شریف ضلع گجرات۔ شیخ عبد الجلیل صاحب شاہ پور۔ مولوی حفیظ ماہی صاحب۔ سید محمد شاہ صاحب غزنوی خراساں۔ سید اکرام شاہ صاحب رسول نگر۔ سید نوبہار شاہ صاحب ڈیرہ غازی خان۔ سید صالح شاہ صاحب

ضلع جھنگ (ان سے ناراضگی کے باعث نعمت باطنی سلب ہو گئی) میاں پیر بخش صاحب میانوالی۔ سید جندوڈا شاہ صاحب عیسیٰ خیل۔ سید حسن شاہ صاحب سنجر ڈیرہ غازی خان، میاں علی حیدر صاحب میانوالی۔ مولوی سلطان محمود صاحب ناڑیوالہ خوشاب۔ مولوی احمد دین صاحب ساکن کلور ضلع میانوالی۔ ملاں خوشنود صاحب یوسف زئی کابل۔ سید حیات شاہ نارنگ والا۔ مولوی غلام محمد خوشاب۔ سید رستم علی پونچھ۔ سید محمد سعید زنجانی بھرٹھوی نزد شاہدرہ مصنف مراۃ العاشقین۔

حضرت سید مہر علی شاہ چشتی گولڑوی

حضرت پیر مہر علیؒ کا شمار ان اولیاء میں ہوتا ہے کہ جنہوں نے انگریز کے دور میں اس سرزمین میں کلمہ حق بلند کیا آپ حضرت خواجہ شمس الدین سیالوی کے خلفاء میں سے ہیں آپ نے شریعت کی اشاعت کے لیے بہت کام کیا۔

۱۔ حسب و نسب: آپ کے والدِ ماجد کا نام سید نذر الدین تھا۔ جو سید عبد القادر جیلانی رح کی اولاد سے تھے۔ آپ کا سلسلہ نسب یوں ہے۔

مہر علی شاہ بن سید نذر الدین بن سید پیر غلام شاہ بن سید پیر روشن دین بن سید عبد الرحمان بن سید عنایت اللہ بن سید عنایت علی بن سید فتح اللہ بن سید اسد اللہ بن سید فخر الدین بن سید احسان بن سید درگاہی بن سید جمال علی بن سید محمد جمال بن سید ابی محمد بن میراں سید محمد کلاں بن میراں شاہ قادر کمیض بن السید ابی الحسنات بن السید تاج الدین بن سید بہاؤ الدین بن سید جلال الدین بن سید داؤد بن سید علی بن سید ابی صالح نصر بن السید عبد الرزاق بن الشیخ السید عبد القادر محی الدین الجیلانی بغدادی الحسنی اباً والحسینی اماً نہ۔

۲۔ ہندوستان میں آمد: آپ کے اجداد میں سے ایک نامور بزرگ میراں شاہ قادر کمیض رحمتہ اللہ علیہ بغداد شریف سے ہندوستان تشریف لائے۔ اور بنگال تک تبلیغ فرما کر قصبہ ساڈھورہ ضلع انبالہ میں قیام پذیر ہوئے پھر بارہویں صدی میں ان کی اولاد میں سے روشن دین شاہ اور ان کے بھائی سید رسول شاہ گولڑہ میں آکر آباد ہوئے۔ اور اس علاقے میں علم و فقر کا سلسلہ جاری کیا۔ اس طرح یہ خاندان وہاں شہرت پا گیا۔

حضرت مہر علی شاہ کے والد ماجد سید نذر الدین کی شادی سید جلال الدین بخاری مخدوم جہانیاں جہاں گشت کی اولاد میں سے ایک نیک خاتون سے ہوئی۔

۲۔ ولادت: آپ کی ولادت باسعادت یکم رمضان المبارک ۱۲۷۳ھ میں گولڑہ ضلع راولپنڈی میں ہوئی۔

۳۔ تعلیم و تربیت: آپ نے قرآن مجید اور فارسی و عربی کی ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد کے ماموں پیر فضل الدین شاہ صاحب گیلانی کی سرپرستی میں مولوی غلام محی الدین صاحب سے گولڑہ شریف میں حاصل کی۔ اس کے بعد موضع بھوئی (ضلع اٹک) میں مولانا محمد شفیع صاحب سے منطق و فلسفہ کی کتابیں پڑھیں۔ پھر موضع انگہ ضلع شاہ پور میں مولانا سلطان محمود صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر درسیات کی تکمیل کی۔ انگہ سے چکوال آئے اور مشہور عالم مولانا برہان الدین سے فقہ و حدیث کی کچھ کتابیں پڑھیں۔

مزید تعلیم کے لیے آپ علی گڑھ ہندوستان میں تشریف لے گئے۔ وہاں مولانا لطف اللہ علی گڑھی جو کہ مولانا قاری عبد الرحمن صاحب پانی پتی کے شاگرد تھے کے حلقہ درس میں شامل ہو گئے۔ تقریباً اڑھائی سال وہاں منطق و فلسفہ اور اقلیدس کی آخری درجہ کی کتابیں پڑھیں اس کے بعد سہارن پور پہنچ کر مولانا احمد علی صاحب محدث سہارنپوری سے حدیث شریف کی کتابیں پڑھیں اور سند حاصل کی۔

علی گڑھ کے زمانے میں جب کہ پیر صاحب مولانا لطف اللہ کے مدرسہ میں طالبعلم تھے، سرسید احمد خان کا خیال تھا کہ عربی مدارس کی تعلیم معیاری نہیں ہوتی اس لیے ان مدارس کی بجائے مسلمانوں کا پیسہ علی گڑھ کالج کی عربی کلاسوں پر صرف کیا جانا چاہیے چنانچہ سرسید نے ایک یورپین ماہر تعلیم کو بلوا کر مولانا لطف اللہ کے مدرسہ کی رپورٹ مانگی اور ماہر تعلیم نے مدرسہ کا امتحان لیا۔ حضرت پیر صاحب کے پرچہ میں خود اقلیدس کے کتابی حل پر اعتراض کر کے متعلقہ شکل پر اپنا طبعزاد حل پیش کیا۔ ممتحن صاحب نے سرسید کو اپنی رپورٹ میں لکھ بھیجا کہ جس مدرسہ کے طالب علم حکیم اقلیدس پر اعتراض وارد کرنے کی قابلیت اور اہلیت رکھتے ہیں اس پر تنقید لاحاصل ہے۔

۵۔ بیعت: آپ کے والد ماجد کے ماموں پیر فضل الدین شاہ صاحب سلسلہ قادریہ میں مجاز تھے۔ آپ نے طالب علمی کے زمانہ میں ان کے دست مبارک پر بیعت کی اور کچھ عرصہ ذکر و شغل کی مداومت کے بعد انہوں نے آپ کو سلسلہ قادریہ میں اجازت و خلافت بھی عطا فرمائی۔ نیز آپ کی اعلیٰ استعداد کے پیش نظر خود ہی فرمایا کہ اگر کوئی دوسرا کامل شیخ ملے تو اس سے بھی اکتساب فیض کریں۔ آپ کے اندر عشق الٰہی کی جو فطری استعداد موجود تھی وہ ایک لمحہ آپ کو چین نہیں لینے دیتی تھی اور تحصیل علم کے ساتھ ساتھ آپ مرشد کامل کی تلاش میں لگے رہتے تھے۔ چنانچہ جس وقت انگہ میں مولانا سلطان محمود صاحب کی خدمت میں حصول علم کے لیے پہنچے تو آپ کو معلوم ہوا کہ مولانا صاحب حضرت خواجہ شمس الدین سیالوی کے مرید ہیں اور اکثر اوقات ان کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے ہیں۔ آپ بھی استاد کے ہمراہ سیال شریف جانے لگے۔ حضرت خواجہ سیالوی کے اندر مرشد کامل کی علامات و صفات پا کر آپ کے دل میں حضرت خواجہ سیالوی کی محبت جاگزین ہو گئی۔ لیکن اس وقت آپ نے بیعت نہیں کی بلکہ ہندوستان میں تکمیل علم کرنے کے بعد آپ حضرت سیالوی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور شرف بیعت حاصل کیا۔ حضرت سیالوی نے بڑی توجہ سے آپ کو سلوک کی منازل طے کرائیں۔

۶۔ درس و تدریس: اسی عرصہ میں آپ اپنے مرشد کے حکم کے مطابق گولڑہ شریف میں مقیم ہو کر درس و تدریس میں مشغول ہوئے اور ۱۲۹۵ھ سے ۱۳۰۰ھ تک اس سلسلہ کو جاری رکھا۔ اس عرصہ میں آپ نے سینکڑوں طلبہ کو علوم دینیہ کے ساتھ علم معقول منطق و فلسفہ وغیرہ کی بھی تعلیم دی۔

۷۔ وصال مرشد: ۱۳۰۰ھ/ ۱۸۸۲ء میں حضرات خواجہ شمس الدین سیالوی قدس سرہ نے اپنے وصال سے چند روز پیشتر آپ کو خرقہ خلافت عطا فرمایا، خصوصی توجہات سے نوازا اور حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن عربی کی تصانیف فتوحات مکیہ، فصوص الحکم وغیرہ کے مطالعہ کا حکم دیا۔

۸۔ سیر و سیاحت: حضرت خواجہ سیالوی کی وفات کے بعد آپ پر ایک کیفیت طاری ہوئی اور آپ درس و تدریس کے سلسلہ کو خیر باد کہہ کر جذب و تحیر کے عالم میں گھر سے نکل کھڑے ہوئے، جیسا کہ مشائخ کبار اپنی ابتدائی زندگیوں میں ریاضت و مجاہدہ کرتے رہے ہیں، اسی طرح آپ بھی برصغیر پاک و ہند کے مختلف اضلاع۔ لاہور، ملتان، مظفر گڑھ، ڈیرہ غازی خان، مالیر کوٹلہ اور ہزارہ کے مختلف مقامات پر گوشہ تنہائی میں بیٹھ کر عبادت و ریاضت میں مشغول رہے۔ دور دور جا کر ہم عصر اولیاء اللہ سے ملاقاتیں کیں، اور سلف صالحین کے مزارات سے اکتساب فیض کیا۔ آخر پانچ سال کے بعد حضرت خواجہ غریب نواز اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پاک پر حاضر تھے کہ ایک غیبی آواز آئی کہ "جو کچھ معین الدین اجمیری کے پاس ہے وہی تمہارے پاس بھی، گھر جاؤ اور اسے کماؤ" چنانچہ اس کی تعمیل میں گولڑہ شریف واپس آکر قیام فرمایا۔ علم ظاہری کی کثرت سے وحشت پیدا ہوئی تو اس زمانہ کے دو بڑے بزرگوں کی خدمت میں سلب علم کی درخواست کی، انہوں نے آپ کے باطن پر توجہ فرمانے کے بعد یہ کہہ کر بے بسی کا اظہار کیا کہ آپ کی نسبت باطنی نہایت قوی ہے اور ہماری قوت تاثیر سے باہر ہے۔

۹۔ فریضہ حج کی ادائیگی: ایک دفعہ آپ نے حرمین شریفین کا قصد کیا اور حج ادا کیا۔ وہاں کے علماء و مشائخ سے بھی استفادہ کیا۔ مکہ معظمہ میں آپ شیخ العرب والعجم حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت حاجی صاحب قدس سرہ نے آپ کو سلسلہ چشتیہ صابریہ میں خلافت عطا فرمائی اور واپس وطن جانے کی تاکید فرمائی۔ حضرت گولڑوی فرماتے ہیں۔

"حضرت حاجی صاحب (امداد اللہ مہاجر مکی) کا کشف صحیح ہوتا تھا۔ جب ان کو ہماری آزاد مزاجی کا علم ہوا تو انہوں نے بڑی تاکید سے فرمایا کہ ہندوستان میں عنقریب ایک فتنہ نمودار ہوگا۔ تم ضرور اپنے وطن واپس چلے جاؤ، اگر بالفرض تم ہندوستان میں خاموش بھی بیٹھے رہے تو وہ فتنہ ترقی نہ کرے گا۔ اور ملک میں سکون رہے گا۔ فرماتے تھے کہ حضرت حاجی صاحب قدس سرہ، کے اس کشف سے

ہم نے فتنہ قادیانی مراد لیا۔ نیز فرمایا کہ اسی زمانہ میں ہم نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خواب میں دیکھا اور حضور نے بھی مجھے اس فتنہ قادیانی کے استیصال کا حکم دیا۔

۱۰۔ مسند ارشاد: مکہ معظمہ سے واپس آکر دوبارہ گولڑہ شریف میں درس وتدریس کے ساتھ سلسلہ رشد وہدایت بھی جاری کیا۔ دور دور سے لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر اکتساب علوم ظاہری و باطنی کرنے لگے۔ اس دور میں آپ زیادہ تر شیخ اکبر محی الدین ابن عربی قدس سرہ کی تصانیف فتوحات مکیہ، فصوص الحکم کا اور مثنوی مولانا روم کا درس دیا کرتے تھے۔ فلسفہ وحدت الوجود کو کماحقہ سمجھنے کی رح سے ڈاکٹر اقبال مرحوم نے بھی اس مسئلہ میں آپ سے رجوع کیا۔

۱۱۔ رد قادیانیت: ۱۹۰۰ء میں مرزا غلام احمد قادیانی نے نبوت کا دعویٰ کیا اور ملک میں ایک عظیم فتنہ برپا کر دیا تو آپ بھی برصغیر کے دوسرے علماء کے دوش بدوش مرزا قادیانی کے خلاف سینہ سپر ہو گئے، چنانچہ آپ نے زبان و قلم سے اس فتنہ کے استیصال میں حصہ لیا۔ مرزا آنجہانی کے رد میں "سیف چشتیائی" اور "شمس الہدیت" جیسی مدلل کتابیں تصنیف فرمائیں، جن کا بڑا اثر ہوا، جس کے نتیجہ میں بہت سے لوگوں کا ایمان محفوظ ہو گیا۔

ایک مرتبہ مرزا غلام احمد نے آپ کو تحریری اور تقریری مناظرہ کی دعوت دی۔ آپ نے منظور کیا اور پچاس علماء کے ہمراہ لاہور پہنچ کر مرزا کو اپنی آمد کی اطلاع دی مگر مرزا کو آپ کے مقابلہ میں آنے کی ہمت نہ ہوئی اور وہ قادیان ہی سے باہر نہ نکلا۔ آپ کے ہمراہی علماء نے شاہی مسجد لاہور میں کئی روز تک مرزائیت کے رد میں تقریریں کیں۔

آپ کے اس اقدام پر بعض لوگوں نے اعتراض کیا کہ علما کی طرح مناظرے کرنے فقرا کی شان کے خلاف ہے۔ آپ نے سنا تو فرمایا

"ہم سے تو یہ فقیری نہیں ہو سکتی کہ عقاید متواترہ اسلامیہ پر ایسے حملوں کے وقت خاموش بیٹھ کر تماشا دیکھا کریں۔ اور ہم ایسے فقر سے جو عین مداہنت اور بے غیرتی ہو

ہزار دل سے بیزار ہیں۔ (ملفوظات، طیبات)

۱۲۔ فلسفہ وحدت الوجود کی حمایت: آپ کو حضرت شیخ محی الدین ابن عربی کے فلسفہ وحدت الوجود پر بڑا عبور حاصل تھا۔ وحدت الوجود اگرچہ ایک ذوقی و حالی کیفیت کا نام ہے لیکن علمی طور پر اس کو شیخ اکبر محی الدین ابن عربی نے مدون کیا۔ حضرت گولڑوی اس مسئلہ کو عام فہم طریقہ سے طالبین اور معترضین کو سمجھا دیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ آپ کو قصور شریف جانے کا اتفاق ہوا۔ ان دنوں وہاں کسی بزرگ کے عرس پر نقشبندی مشایخ جمع تھے، وہ سب آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور مسئلہ وحدت الوجود اور وحدت الشہود کی بحث چھیڑ دی اور بعض اعتراضات کیے۔ آپ نے مدلل جوابات دے کر سب کو لاجواب کر دیا۔ جب اس مباحثہ کی اطلاع حضرت صاحبزادہ خواجہ محمود صاحب تونسوی کو ہوئی تو آپ نہایت خوش ہوئے۔ اور آپ کو خط لکھا کہ "شاہ صاحب! شہر قصور میں بیٹھ کر مسئلہ وحدت الوجود مخالفین کو تسلیم کروانا آپ ہی کے ذاتی خواص میں سے ہے"۔

آپ اکثر سیال شریف جایا کرتے تھے، خود فرماتے ہیں کہ مجھے ابتدا ہی سے جبرائیل کے تمثل بشری کے واقعہ سے وحدۃ الوجود کی جانب ذوق گواہی دیتا تھی اور مسلک پر وحدۃ الشہود والوں کے اعتراضات و دلائل بھی میرے پیش نظر تھے، آخر مشائخ عظام اور اپنے شیخ طریقت کے روحانی تصرف سے اس عالمگیر مسلک یعنی وحدۃ الوجود پر ہی طبیعت پختہ ہو گئی۔

فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ اعلی حضرت سیالوی کی خدمت میں حاضری کے دوران وحدۃ الشہود پر تقریر کی اور وحدۃ الوجود کے متعلق حضرت مجدد الف ثانی اور حضرت علاء الدولہ سمنانی کے اشکالات اور اعتراضات پیش کیے، حضرت سیالوی نہایت توجہ سے سنتے رہے مگر قدرے متعجب نظر آتے تھے کیونکہ یہ مسلک آپ کے اور ہمارے مشائخ کے خلاف تھا لیکن جب میں نے وحدۃ الوجود پر ان تمام اعتراضات کے جواب دینے شروع کیے تو خواجہ سیالوی بے حد مسرور ہوئے، اور بار بار فرماتے تھے واہ شاہ صاحب واہ پھر بھی۔

فتوحات مکیہ کے مطالعہ کی تاکید فرمائی چنانچہ آپ کی توجہ سے اس مسئلے کی بیش از بیش اسرار مجھ پر منکشف ہوتے چلے گئے۔

۱۳۔ **سماع کے متعلق آپ کا نظریہ:** خود حضرت گولڑوی کے سماع کے بارے میں جو نظریہ تھا وہ یہ ہے آپ نے فرمایا کہ سماع صوفیائے کرام کے لیے لوازم ضروریہ سے نہیں، ہمارے حضرت خواجہ (حضرت شمس الدین سیالوی) نے ایسا ہی فرمایا کہ سماع کچھ چیز مقصود بالذات اہل اللہ کے لیے نہیں، لیکن اہل سماع پر انکار نہ کرنا چاہیے کیونکہ بہت سے اکابر اہل سماع گزرے ہیں، جن کا مقتدا ہونا بدرجہ تواتر پہنچا ہوا ہے۔

۱۴۔ **تصانیف:** حضرت مولانا سید مہر علی شاہ گولڑوی بڑے محقق اور متبحر عالم تھے آپ کی متعدد تصانیف ہیں۔ جن سے مندرجہ ذیل مشہور و معروف ہیں۔ ۱۔ تحقیق الحق در مسئلہ وحدت الوجود۔ ۲۔ سیف چشتیائی۔ ۳۔ شمس الہدایت۔ (یہ دونوں کتابیں مرزا غلام احمد قادیانی کے رد میں ہیں) ۴۔ اعلاء کلمتہ اللہ۔ ۵۔ فتوحات صمدیہ۔ ۵۔ عجالہ بردو سالہ۔

آپ عربی، فارسی، اردو اور پنجابی میں شعر بھی کہتے تھے، آپ کا مجموعہ کلام پنج گنج کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔ آپ کے ملفوظات "ملفوظات طیبہ" کے نام سے مولوی فقیر محمد اور مولوی عبد الحق نے جمع کر کے شائع کیے۔ آپ کے مکتوبات مولوی عبد الحی صاحب نے جمع کیے اور آپ کے فتاوی کو فتاوی مہریہ کے نام سے مولوی فیض احمد صاحب نے جمع کر کے شائع کیا ہے۔ نیز آپ کے سوانح حیات مہر منیر کے نام سے مولانا فیض احمد نے لکھ کر شائع کیے۔

۱۵۔ **خلفاء:** حضرت مولانا سید مہر علی شاہ گولڑوی کے خلفاء میں مندرجہ ذیل بزرگ مشہور ہیں۔

۱۔ فقیر محمد امیر صاحب کوٹ اٹل ضلع ڈیرہ غازی خان۔ ۲۔ حضرت حافظ گل فقیر احمد صاحب پشاوری۔ ۳۔ خواجہ حسن نظامی صاحب دہلی۔ ۴۔ مولانا غلام محمد صاحب

گمو ٹری سابق شیخ الجامعہ عباسیہ بہاول پور۔

حضرت پیر مہر علی شاہ قدس سرہ نے عمر کے آخری دن سال میں کلام کرنا

۱۶۔ وصال: اور سفر کرنا ترک کر دیا تھا، تاہم متوسلین و متعلقین پر شفقت کی غرض سے ان کی خیر و عافیت دریافت فرما لیتے تھے۔ ۱۳۵۰ھ سے آپ پر محویت و استغراق کی حالت طاری ہو گئی اور غذا بالکل متروک ہو گئی، تاہم کبھی کبھی ہوش میں آجاتے اور کوئی بات فرما دیتے، چھ سال سکر و استغراق کی حالت میں گذارے

اس عرصہ میں چند بار ایسا بھی ہوا کہ دن کے وقت حالت صحو کی طرف رجوع فرما کر اٹھ بیٹھتے۔ لوگوں کی خیر و عافیت دریافت فرماتے۔ ان کے حق میں دعائے خیر کرتے، سوالات کے جواب دیتے، اشعار سنتے اور پڑھتے اور شام ہوتے ہی پھر اسی عالم میں واپس چلے جاتے۔ عصر کے وقت وصال سے چند منٹ پہلے ارشاد فرمایا کہ مجھے اٹھاؤ چنانچہ تکیے سے ٹیک لگا کر بٹھا دیئے گئے، پھر گردن کو ایک طرف خفیف سا خم دے کر مسکرائے، اس وقت چہرہ مبارک پر انتہائی بنیاز دیا اور تشکر و انبساط کے جذبات نمایاں تھے، پھر اشارہ فرمایا اور لٹا دیئے گئے، کچھ دیر بعد ایک لمبی اور نحیف آواز میں ۲ اللہ کہا اور آخر ۲۹ صفر ۱۳۵۶ھ/ ۱۹۳۷ء کو خالق حقیقی سے جا ملے۔

آپ کے ایک ہی صاحبزادہ تھے سید غلام محی الدین شاہ۔ جو آپ کے وصال

۱۷۔ اولاد: کے بعد آپ کے جانشین ہوئے۔

آپ کا مزار اقدس گولڑہ اسلام آباد میں ہے مزار پر ایک عالی شان

۱۸۔ مزار اقدس: گنبد بنا ہوا ہے۔ اور مزار کے ساتھ ایک بہت بڑی مسجد ہے

حضرت حافظ محمد جمال ملتانی رح چشتی

ملتان ایک مدت سے سلسلہ سہروردیہ کا مرکز تھا۔ شیخ بہاء الدین زکریا نے یہاں اس سلسلے کی عظیم الشان خانقاہ قائم کی تھی، اور یہ سلسلہ اپنے پورے عروج پر تھا۔ کسی اور سلسلے کو یہاں فروغ پانے کا موقع نہ ملا۔ حافظ محمد جمال ملتانی پہلے بزرگ ہیں جنہوں نے یہاں چشتیہ سلسلے کی بنیاد رکھی۔ آپ خواجہ نور محمد مہاروی کے خلیفہ تھے۔ بہت بڑے ولی اللہ اور عالم فاضل بزرگ تھے۔

۱۔ خاندان: حافظ صاحب کے والد بزرگوار کا نام محمد یوسف اور دادا کا نام حافظ عبدالرشید تھا۔ قوم اعوان سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ کے دادا اعوان کاری کے علاقہ سے ہجرت کر کے ملتان آ گئے تھے۔ قلعہ ملتان کے شرق میں ان کی سکونت تھی۔

ان دنوں بادشاہ دہلی کی طرف سے ابوالقاسم اور ابوالہاشم ملتان کے حاکم تھے۔ یہ دونوں بڑے اہل علم اور علماء و فضلاء کے قدردان تھے۔ مسجد مع حجرہ اور کنواں، جو شاہی کے نام سے مشہور ہے۔ انہیں کی تحویل میں تھے۔ انہوں نے حافظ صاحب کے والد بزرگوار محمد یوسف کو ان سب کا متولی بنا دیا تھا۔ محمد یوسف ان دونوں حاکموں کے معتمد وزیر تھے۔

۲۔ تعلیم: حافظ محمد جمال صاحب نے ملتان میں ہی تعلیم حاصل کی۔ خواجہ نور محمد مہاروی کے خادم خاص مولوی محمد حسین رح، حافظ صاحب کے ہم درس رہے تھے۔ ان کا بیان ہے کہ حافظ صاحب بہت ذہین و فطین تھے اور ہم لوگ ان کو طالب علمی کے زمانہ میں "علامہ عصر" کہا کرتے تھے۔

۳۔ تلاشِ حق: حضرت خواجہ نور محمد مہاروی کے پوتے حضرت غلام فرید کا بیان ہے کہ جب حافظ محمد جمال میں معرفت الٰہی کا ذوق پیدا ہوا۔ اور اس کے لیے پیرِ کامل کی تلاش ہوئی، تو وہ اکثر رات کو حضرت شیخ ابوالفتح رکن الدین کے مزار پر حاضر ہوتے اور وہیں عبادت اور ریاضت میں مصروف رہتے، ہر رات کو ایک کلام مجید ختم کرتے، اور پیر کامل کے لیے دعا مانگ کر سو جاتے، ایک رات انہوں نے خواب میں دیکھا کہ حضرت شیخ رکن الدین اور خواجہ نور محمد مہاروی یک جا بیٹھے ہوئے ہیں، حضرت شیخ رکن الدین نے اُن کا ہاتھ پکڑ کر خواجہ نور محمد مہاروی کے ہاتھ میں دیا اور فرمایا جمال! تمہارے پیر یہ ہیں، ان کا نام نور محمد مہاروی ہے۔ ان کا وطن ملتان کے قصبوں میں سے ایک قصبہ ہے۔ تم ان کی خدمت میں حاضر ہو جاؤ۔

۴۔ بیعت: صبح کو فوراً ہی حافظ محمد جمال ملتان سے مہار روانہ ہو گئے۔ اور حضرت خواجہ نور محمد مہاروی کی خدمت میں حاضر ہو کر سلسلہ چشتیہ نظامیہ میں شرف بیعت سے مشرف ہوئے۔ بیعت کے وقت خواجہ نور محمد مہاروی نے اُن سے پوچھا کہ تم نے علوم ظاہری کی تعلیم پائی ہے یا نہیں، حافظ محمد جمال اگرچہ عالم تھے لیکن انہوں نے ازراہ انکسار جواب دیا کہ میں مسائل نماز و روزہ سے بقدر ضرورت واقف ہوں، اور میں نے قرآن شریف پڑھا ہے، خواجہ نور محمد مہاروی کا یہ معمول تھا کہ اگر کوئی عالم آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا تو اس کو اپنے ساتھ دستر خوان پر کھانا کھلاتے، اور اگر کوئی ان پڑھ ہوتا تو اپنے لنگر دار غلام رسول سے فرماتے کہ وہ اس کو دوسرے درویشوں کی طرح کھانا کھلائے چنانچہ جب کھانے کا وقت آیا تو معمول کے مطابق آپ نے دستر خوان پر علماء کو بلایا۔ حافظ محمد جمال بھی حاضر ہوئے۔ خواجہ نور محمد مہاروی کے ایک خاص مرید محمد حسین نے حافظ محمد جمال کو دیکھا تو فوراً اٹھ کر معانقہ اور مصافحہ کیا۔ اور حالات پوچھنے لگے، خواجہ نور محمد مہاروی نے یہ دیکھا تو اُن سے پوچھا، کیا تم ان کو جانتے ہو، مولانا محمد حسین نے عرض کیا کہ میں نے اور انہوں نے ایک ہی استاد سے تعلیم حاصل کی ہے، اور یہ بہت بڑے عالم ہیں، ہم انہیں زمانہ طالب علمی ہی میں علامہ عصر کہتے تھے۔ پھر خواجہ صاحب نے حافظ محمد جمال سے پوچھا کہ تم

نے اپنے علم کو ہم سے کیوں چھپایا، انہوں نے عرض کیا، قبلہ من! میں نے سنا ہے کہ فقرار کا گروہ علمار کے فرقہ سے نفرت رکھتا ہے۔ اس لیے میں نے اپنے علم کو آپ سے چھپایا، خواجہ صاحب نے فرمایا حافظ صاحب ہم تو علمار کے طالب ہیں اور ہمیں عالم ہی پہچانتے ہیں، جاہل بے چارہ ہمیں کیا پہچانے گا، ہم فرقہ، علمار سے بہت خوش ہیں۔ اس دن سے حافظ محمد جمال، خواجہ صاحب کے خادم خاص کے عہدے پر سرفراز کیے گئے۔ اور خواجہ نور محمد کی وفات تک اسی عہدے پر ممتاز رہے۔

۵۔ خدمت مرشد: اس کے بعد خواجہ نور محمد مہاروی سفر و حضر میں حافظ صاحب کو اپنے ساتھ رکھتے، حافظ صاحب نے ریاضت و مجاہدہ کے ساتھ ساتھ حضرت قبلہ عالم کی رات دن کی خدمت بھی اپنے ذمہ لے لی۔ علاوہ ازیں قبلہ عالم کے لنگر کا انتظام و اہتمام بھی حافظ صاحب کے سپرد رہا۔ اور عرصہ دراز تک آفتابہ برداری اور وضو کرانے کی خدمت بھی سرانجام دیتے رہے۔

۶۔ خلافت: کچھ عرصہ کے بعد خواجہ نور محمد مہاروی نے آپ کو خلافت عطا فرما کر ملتان میں قیام پذیر ہونے کا حکم دیا میاں امام بخش کا بیان ہے کہ میں نے اپنے والد سے سنا کہ فرماتے تھے کہ جب قبلہ عالم (حضرت نور محمد مہاروی) دہلی گئے، ایک روز حضرت مولانا صاحب (شاہ فخر) کی خدمت میں حضرت قبلہ عالم بھی بیٹھے ہوئے تھے کہ اس بات کا ذکر چھڑا کہ ملتان میں شیخ بہاءالدین زکریا ملتانی کی عظمت کے سامنے کسی ولی کا تصرف نہیں چلتا اور کوئی شیخ وہاں کسی کو بیعت نہیں کرتا مولانا صاحب نے فرمایا، میاں نور محمد صاحب! اب تک ملتان میں بہاءالحق صاحب کی ولایت تھی۔ لہذا وہاں کسی دوسرے ولی کا تصرف کام نہیں کرتا تھا، اب ملتان ہمارے حوالے ہوا ہے۔ لازم ہے کہ تم اپنے مریدوں میں سے کسی مرید کو وہاں بھیجو، اور اس سے کہو کہ خانقاہ شیخ بہاءالدین زکریا میں خلق کو مرید کرے، اور اپنا تصرف کرے، جب قبلہ عالم اس مرتبہ دہلی سے مہار شریف پہنچے تو انہوں نے حافظ جمال الدین کو ملتان روانہ کیا انہوں نے وہاں سب سے پہلے مولوی خدا بخش ملتانی کو جو ان کے خلفار نامدار اور مقبول بارگاہ پروردگار تھے، عین خانقاہ حضرت

بہاء الحق زکریا ملتانی میں مرید کیا۔

۷۔ سلسلہ درس و تدریس: ملتان میں قیام پذیر ہو کر حافظ صاحب نے ایک دینی مدرسہ قائم کیا۔ جس میں آپ خود قرآن مجید تفسیر اور حدیث کی تعلیم دیا کرتے تھے، نیز آپ کے بعض مرید علما بھی اس مدرسہ میں تعلیم دینے لگے۔ دور آخر میں اپنے خاص خاص خلفا کو شیخ محی الدین ابن عربی کی تصانیف اور مولانا جامی کی تصانیف پڑھایا کرتے۔

مصنف "تکملہ سیر الاولیا" خواجہ گل محمد احمد پوری نے اسی مدرسہ میں حضرت حافظ صاحب سے دینی تعلیم حاصل کی۔

صاحب مناقب المحبوبین کا کہنا ہے کہ علم و فضل کے اعتبار سے بھی حافظ صاحب کا مرتبہ بہت بلند تھا۔ انہوں نے لکھا ہے کہ ہمیں جب باریک اور دقیق مسائل میں جونہی جب کوئی مشکل پیش آتی تو ہم حافظ صاحب ہی سے پوچھتے تھے۔ اور وہ نہایت واضح اور مکمل جواب دیتے تھے، زمانہ طالب علمی ہی میں وہ اپنے ساتھیوں میں علم و عمل میں ممتاز سمجھے جاتے تھے۔ مسلہ وحدت الوجود سے غیر معمولی دلچسپی رکھتے تھے۔ شیخ محی الدین ابن عربی اور مولانا جامی کی تصانیف کو بے حد پسند کرتے تھے۔ نفحات الانس، مثنوی شریف اشعۃ اللمعات اور فصوص الحکم سے بے حد دلچسپی رکھتے تھے۔

۸۔ تربیت مریدین: جب کسی کو بیعت کرتے تو پہلے خود وضو کرتے، اور مرید ہونے والے شخص کو بھی وضو کراتے، پھر اُسے کسی گوشہ تنہائی میں لے جا کر بیعت کرتے۔ پہلے اُسے اپنے سامنے بٹھاتے، پھر اسے استغفار تسبیح، تہلیل اور قرآن مجید کی کچھ آیتیں پڑھواتے، پھر اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر فرماتے کہ تم کون سے طریقے میں بیعت ہونا چاہتے ہو، جب وہ بتاتا تو اسے اُسی طریقے میں بیعت کرتے۔ بیعت لیتے وقت اس سے فرماتے کہ کہو میں فلاں طریقے میں بیعت کرتا ہوں کہ جو کچھ اس وقت عہد کروں گا، اُس کی مخالفت نہیں کروں گا پھر اسے بیعت کرتے اگرچہ حافظ صاحب چاروں سلسلوں یعنی چشتیہ، قادریہ، نقشبندیہ اور

سہروردیہ میں جامع خلافت تھے۔ لیکن اُن کا خاص طریقہ چشتیہ تھا۔ اور اسی میں زیادہ تر بیعت کرنے کو پسند فرماتے تھے۔ بیعت کے بعد مرید کو اوراد و وظائف وضو اچھے طریقے پر کرنے، مسواک کرنے اور سوتے وقت سرمہ لگانے اور گناہوں سے بچنے کا حکم فرماتے پھر اس کے مناسب حال ذکر و شغل تجویز فرماتے۔

۹۔ بلند اخلاق: حافظ صاحب اپنے علم و فضل اور اپنے بلند اخلاق کی بدولت بہت جلد مشہور ہو گئے اور اطراف و اکناف سے لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر اخذ فیض کرنے لگے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ آپ کے کمالات کا یہ عالم تھا کہ بڑے بڑے علماء آپ کی مجلس میں آکر زانوئے ادب طے کرنے لگے۔ لوگ جوق در جوق حلقہ ارادت میں شامل ہونے لگے۔ کہا جاتا ہے کہ حاکم ملتان ساون مل کو آپ سے بہت عقیدت تھی۔

۱۰۔ جہاد فی سبیل اللہ: حافظ صاحب درس و تدریس کے ساتھ ساتھ فنونِ جنگ کی بھی مشق کرتے رہتے تھے اور تیر اندازی میں بہت ماہر تھے اور اپنے مریدوں کو بھی تیر اندازی سکھایا کرتے۔

جس زمانے میں کہ حافظ صاحب ملتان میں تھے، رنجیت سنگھ والی لاہور نے کئی مرتبہ قلعہ ملتان کی تسخیر کا ارادہ کیا، لیکن ہر دفعہ حافظ صاحب تیر و کمان لیے ہر وقت قلعے میں موجود رہتے، اُن کے خادم خاص میاں محمد صالح کا بیان ہے کہ ایک دفعہ سکھ کثیر فوج لے کر ملتان کو فتح کرنے کے ارادے سے آئے۔ جب وہ ملتان سے ایک دو منزل کے فاصلے پر تھے، لوگوں نے پریشان ہو کر حافظ صاحب سے عرض کیا کہ حضرت! رنجیت سنگھ کثیر فوج لے کر ملتان پر حملہ کرنے کے ارادے سے آرہا ہے اور اس کی تیاریوں کو دیکھ کر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس مرتبہ وہ ملتان کو فتح کیے بغیر نہ چھوڑے گا۔ حافظ صاحب اُسی وقت تلاوت قرآن مجید میں مشغول تھے، آپ نے یہ خبر سن کر جذبے میں آکر فرمایا کہ رنجیت ہمارے ہوتے ہوئے ملتان کو فتح کرے یہ نہیں ہو سکتا، آخر ایسا ہی ہوا اور سکھ بڑے جنگ و جدال کے بعد ناکام واپس ہوئے، کہتے

ہیں کہ جنگ کے وقت حافظ صاحب مرحوم قلعہ ملتان کے برج میں بیٹھے ہوئے کافروں پر تیر برسا رہے تھے۔

۱۲۲۶ھ ۱۸۱۱ء میں پھر ایک دفعہ سکھوں نے ملتان پر حملہ کیا، حافظ صاحب اُس وقت ملتان میں نہ تھے، جب آپ کو خبر ملی تو دریائے چناب کو پار کر کے آپ جہاد میں شرکت کے لیے ملتان پہنچے۔

ایک دفعہ سکھوں نے بڑے ساز و سامان کے ساتھ ملتان پر چڑھائی کی، ملتان کے لوگوں میں اس حملے سے پریشانی پیدا ہوئی انہوں نے حافظ صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ حضرت! اس سے قبل کہ شہر کا محاصرہ ہو، بہتر یہ ہے کہ آپ اس شہر سے ہجرت کر لیں۔ حافظ صاحب نے فرمایا۔

آوازِ جنگ بکفار عام ست، واکنوں جنگ با ایشاں فرض عین گردد۔ پس الحال بیروں نمی رویم کہ برائے ما دو درجہ است۔ یکے درجہ غزا، دوم درجہ شہادت۔

۱۱۔ اتباعِ سنت: آپ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بے حد اتباع کرتے تھے۔ غیر شرعی کاموں کو بالکل ناپسند فرماتے تھے۔

ایک روز اپنے ایک مرید زاہد شاہ کو بلوایا۔ وہ موضع ہٹھٹی سے روانہ ہو کر ملتان پہنچے، حافظ صاحب نے اُن سے فرمایا، کہیں تم نے شادی کی ہے؟ انہوں نے جواب دیا نہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ابھی تک کوئی مناسب رشتہ نہیں مل سکا۔ ایک جگہ ایک رشتہ مناسب بھی تھا مگر میری برادری کے لوگ کہتے ہیں کہ سادات کا رشتہ غیر سادات سے مناسب نہیں، اس لیے ابھی تک میری شادی نہیں ہو سکی۔ حافظ صاحب نے فرمایا۔

سادات کا نکاح غیر سادات میں جائز ہے، تم جاہلوں کے کہنے پر کیوں اعتبار کرتے ہو۔

وصول الی الحق کی راہ کو بیان کرتے ہوئے فرمایا کرتے تھے۔

حق کی طرف پہنچنے کا بہترین طریقہ مشائخ کا طریقہ ہے، جو اسنادِ صحیح کے ساتھ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچتا ہے، اور وہ ظاہر کو شریعت سے آراستہ کرنا اور اس پر مستقیم ہونا ہے اور باطن کو بری عادتوں سے پاک کرنا ہے۔

وضو کا اہتمام خاص طور پر فرماتے تھے، اور کوشش کرتے تھے کہ وضو بالکل مسنون طریقے پر ہو، آپ کے لیے وضو کا پانی اور وضو کا لوٹا مخصوص تھا۔ کوئی دوسرا اس سے وضو نہ کرتا تھا، فرمایا کرتے تھے کہ اگرچہ پانی اور لوٹے کی تخصیص مناسب نہیں، لیکن چونکہ لوگ پاکی اور ناپاکی کا امتیاز نہیں کرتے اس لیے ایسا کرنا پڑتا ہے۔ وضو میں پانی نہ زیادہ خرچ کرتے اور نہ کم بلکہ پانی کے استعمال میں بھی مسنون طریقہ اختیار فرماتے وضو ہمیشہ پیڑھے پر بیٹھ کر کرتے۔

۱۲۔ لباس: حافظ صاحب لباس اچھا پہنتے تھے، تہبند کم باندھتے تھے، اکثر پائجامہ پہنتے تھے۔ کلاہ تادری اوڑھتے تھے، جسے کلاہِ چار ترکی بھی کہتے ہیں، کرتے کا گریبان کھلا رہتا تھا۔ کبھی قلندری بھی پہنتے تھے، جو انگرکھے کی طرح کا لباس ہوتا تھا۔ سپید دستار باندھتے تھے۔ سفر میں موزے پہنتے تھے۔

۱۳۔ کرامات: آپ کی چند کرامات مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ منقول ہے کہ نواب مظفر خان والی ملتان کے عہد میں چند بار رنجیت سنگھ والی لاہور نے ملتان پر حملہ کیا مگر چونکہ حضرت قبلہ عالم کے خلیفہ کامل حافظ جمال الدین ملتانی تیر وکمان لے کر قلعہ میں موجود رہتے تھے۔ اس لیے قلعہ فتح نہ ہو سکا۔ حافظ صاحب کے وصال کے بعد ایک دفعہ میاں گل محمد دانائی جو حضرت صاحب کے مقرب ومشیر تھے، آپ کے پاس خلوت سے باہر آئے اور کہنے لگے، آج جب میں خلوت میں حضرت صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا تو فرمایا "مولوی صاحب آج میں نے دیکھا کہ مولانا جامی ایک بڑا کاغذ لے کر میرے قریب آئے۔ اس پر لکھا تھا کہ سندھ اور ملتان کا ملک سکھوں کو دیا اور وہ کاغذ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مہر اور صحابہ کرام و جمیع اولیائے عظام کی مہر سے مزین تھا۔

مولانا جامی نے فرمایا کہ تم بھی اس پر دستخط کر دو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے تمہارے پاس بھیجا ہے۔ مجھے تامل تھا۔ کیوں کہ سکھوں نے حکم دے رکھا تھا۔ کہ نماز کے لیے اذان نہ دی جائے۔ مولانا جامی نے کہا کہ جب ملک شرع اپنے ملک کی کنجی کافر کو بخشتے ہیں تو تم مہر کیوں نہیں لگاتا۔ آخر میں نے اپنے آپ کو رضا پر چھوڑ دیا۔ دوسری رات جب مولانا جامی دوبارہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے آئے، تو میں نے بھی کاغذ پر مہر لگا دی۔ مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے میری خاطرداری کے لیے اس قدر فرمایا کہ اگر اسد خان والئی سنگھڑ ظلم وستم نہ کرے گا تو اس ملک میں سکھ نہیں آئیں گے۔ اور جب وہ ظلم و ناانصافی کرے گا۔ تو اُس وقت ملک سنگھڑ بھی اُس سے لے کر رنجیت سنگھ کو دے دیا جائے گا۔ اس واقعہ کو جس کا آپ نے ذکر کیا ابھی چند دن نہ ہوئے تھے کہ رنجیت سنگھ نے ملتان فتح کر لیا اور نواب مظفر خان شہید ہو گیا۔

۲۔ مولف مناقب لکھتے ہیں کہ ایک دن میں حضرت صاحب کی خدمت میں بیٹھا تھا کہ آپ نے فرمایا کہ ،،ملتان پر سکھوں کے قبضہ سے پہلے نادر قوم افغاناں میں ظلم وستم اور شراب خوری زیادہ ہو گئی تھی ایک درویش نے دیکھا کہ شیخ الاسلام حضرت بہاء الدین ذکریا ملتانی رح اپنے روضہ پر کھڑے ہیں۔ عصا ہاتھ میں ہے اور اُسے مارتے ہوئے افغاناں کو قلعہ سے باہر نکال رہے ہیں۔ یہاں تک کہ تمام کو باہر نکال دیا۔ اس واقعہ کے چند دن بعد رنجیت سنگھ نے آکر ملتان فتح کر لیا۔

۳۔ اَعْمَالُکُمْ عُمَّالُکُمْ: منقول ہے کہ جب اسد خان نے ظلم وستم کا آغاز کیا تو حضرت صاحب نے فرمایا کہ اے اسد خان تمہاری حکومت کا ہمیں یہ فائدہ ہے کہ نماز کی اذان سنتے ہیں۔ ظلم وستم سے باز آجا ورنہ میں دیکھ رہا ہوں کہ سکھوں کی فوج یہاں بھی آجائے گی۔ اور اشارہ تونسہ شریف کے شمال کی طرف کیا۔ مگر وہ دنیادار تھا اور سر میں نخوت و تکبر تھا۔ حضرت صاحب کے فرمان پر عمل نہ کیا۔ عبدالشکور صاحب کہتے ہیں کہ چند دنوں بعد ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ جہاں حضرت صاحب نے اپنے ہاتھ سے اشارہ فرمایا تھا، اسی جگہ آکر سکھ فوج نے ڈیرہ ڈال دیا۔ ملک سنگھڑ پر قبضہ کر لیا اور اسد خان کو گرفتار کر کے لاہور لے گئے۔ ایک دن میاں محمد جعفر ولد

حاجی صاحب نے عرض کیا کہ آپ سکھوں کو خود لائے ہیں۔ اب اپنے کئے کا کیا علاج ہے حضرت صاحب نے فرمایا۔ "اَعْمَالُکُمْ عُمَّالُکُمْ"۔ ترجمہ۔ جیسے تمہارے اعمال ہوں گے۔ ویسے تمہارے حاکم ہوں گے۔

دیدہ عبرت کشا و قدرت حق را ببیں
شامت اعمال ما در صورت نادر گرفت

ترجمہ: عبرت کی آنکھ کھول اور قدرت حق کا تماشہ کر کہ ہماری شامت اعمال نے نادر کی صورت اختیار کی ہے۔

۴۔ عمر خان بلوچ جب آپ سے بیعت ہوا تو اسے آپ سے کمالِ اعتقاد پیدا ہو گیا اس نے اپنے گاؤں میں آپ کی رہائش کے لیے بہت کوشش کی۔ وہاں مکانات، حرم سرائے، مسجد حجرے، کنوئیں اور لنگر خانے تعمیر کیے۔ مگر آپ نے کوئی چیز قبول نہ کی۔ تقدیر الٰہی کی آخری عمر میں جاہلوں کی صحبت نے اسے بدظن کر دیا اور اس نے آپ کی خدمت میں حاضری موقوف کر دی۔ قضائے الٰہی سے اس کا آخری وقت آ گیا۔ اس کی اصل صورت مسخ ہو گئی اور کفر کے کلمات زبان سے نکالنے لگا۔ اس کا ایک پیر بھائی موسیٰ حجام اُسے ملنے آیا۔ جب اس نے عمر خان کی یہ حالت دیکھی تو کہا کہ یہ سزا تمہیں اپنے پیر و مرشد سے مرتد ہونے کی مل رہی ہے۔ اب بھی توبہ کر اور حضرت غوث زمان کی طرف رجوع کر۔ جونہی اس نے رجوع کیا اس کے چہرے کا نور واپس آ گیا۔ ساتھ ہی زبان پر کلمہ اور اسم ذات کا ورد جاری ہو گیا۔ اور اسی حالت میں فوت ہوا۔ حضرت غوث زمان اس وقت تاج سرور میں اپنے بنگلہ میں قیام فرما تھے۔ ناگاہ آپ کے چہرہ کا رنگ متغیر ہو گیا اور مراقبہ میں بیٹھ گئے۔ کچھ دیر بعد سر اٹھا کر فرمایا الحمد اللہ۔ نور خان گورمانی نے پوچھا کہ یہ حضرت یہ کیا کیفیت تھی۔ فرمایا ایک مرید مفسدوں کے کہنے پر ورطہ ارتداد میں گر گیا تھا۔ اب عالم نزع میں اس نے توبہ کی اور ہماری امداد چاہی تو میں نے مراقبہ میں اللہ تعالےٰ سے التجا کی۔ الحمد اللہ کہ اللہ تعالیٰ اسے اس جہان سے با ایمان لے گیا۔

۵۔ محمد حسین ملتانی ایک خوبرو جوان آپ کا مرید تھا۔ مگر حالت شباب میں افعال مذمومہ

میں مشغول ہو گیا۔ تاج محمد آرائیں سکنہ سو کڑ نے حضرت غوث زمان کی خدمت میں عرض کیا کہ حضرت یہ نوجوان، جو آپ کا مرید ہے، بُرے کاموں میں مبتلا ہو گیا ہے۔ اس کی عاقبت کا کیا ہو گا۔ فرمایا اس کی عاقبت بخیر ہو گی۔ اسے تپ دق ہو جائے گا۔ اس بیماری میں تین سال تکلیف اٹھائے گا۔ اپنے بُرے کاموں سے توبہ کرے گا۔ اور انشاءاللہ تعالیٰ میں اس کا جنازہ پڑھوں گا۔ تاج محمد مذکور کا بیان ہے کہ ایسا ہی ہوا۔ چند سالوں کے بعد اسے بخار ہو گیا۔ جو تین سال رہا۔ آخر ایک دن فوت ہو گیا۔ جب اس کا جنازہ قبرستان لے گئے اور نماز جنازہ کا ارادہ کیا تو میرے دل میں خیال آیا کہ حضرت صاحب نے مرحوم کے بارہ میں جو کچھ فرمایا تھا وہ تو پورا ہو گیا۔ مگر اب جنازہ کیسے پڑھائیں گے کہ آپ تو اس وقت مہار شریف لے گئے ہیں۔ ابھی یہ سوچ رہا تھا کہ چند سواروں اور پیدل آنے والوں کی گرد اٹھی۔ دیکھا کہ ناگاہ حضرت صاحب تشریف لے آئے نماز جنازہ پڑھائی اور فرمایا "اے محمد حسین تمہیں خدا کے سپرد کیا" اس کے بعد روانہ ہو گئے۔

۶۔ حضرت غوث زمان کے غلاموں میں سے ایک ساوو نامی بلوچ تھا۔ آپ اس کے ساتھ کبھی کبھی خوش طبعی بھی فرما لیتے تھے۔ اس نے ایک دن آپ کی خدمت میں آکر قدم بوسی کی آپ اس وقت مشاہدہ حق کے سمندر میں غرق تھے۔ اُسے نہ پہچانا۔ فرمایا تو کون ہے اس نے کہا آپ جب اس جہان میں ہی اپنے غلاموں کو نہیں پہچانتے تو قبر و حشر میں کیسے پہچانیں گے۔ اور اپنے مریدوں کی کیسے امداد کریں گے۔ حضرت غوث زمان نے فرمایا۔ اے بیوقوف مرید کی لحد میں اوّل میرا قدم ہو گا۔ اور بعد میں میرے مرید کو داخل کریں گے۔

۷۔ ایسا ہی ایک اور بہت مشہور واقعہ ہے کہ ایک دفعہ حضرت غوث زمان حضرت قبلہ عالم کے عرس میں شرکت کے لیئے تاج سرور میں تھے کہ چند عورتیں آپ کی خدمت میں حاضر ہوئیں ان میں سے ایک عورت نے سوال کیا کہ یا حضرت آپ نے اب تک لاکھوں غلاموں کو مرید کیا اور جب تک آپ حیات ہیں، روز بروز اور لوگ سلسلہ میں داخل ہوں گے۔ اور آپ کی عادت یہ ہے کہ کسی کو بھی اپنے پاس زیادہ دیر بیٹھنے نہیں دیتے۔ ان میں سے بعض رات کو بیعت ہوتے ہیں اور بعض دن کو۔ اور پھر جلدی چلے جاتے ہیں۔ آپ کا ہر مرید یہ امید رکھتا

ہے کہ قیامت کے دن آپ کا وسیلہ ڈھونڈیں گے۔ پس قیامت کے دن اس ہجوم خلائق میں آپ اپنے مریدوں کو کیسے پہچانیں گے۔ فرمایا تم نے نہیں دیکھا کہ سات آٹھ چرواہے اپنی اپنی بھیڑوں کو ایک دوسرے کی بھیڑوں کے ساتھ ملا کر چراتے ہیں۔ تمام بھیڑیں ایک رنگ کی ہوتی ہیں۔ ایک ہی طرح کے ان کے چہرے ہوتے ہیں۔ اور ایک ہی طرح کی عادات ہوتی ہیں۔ مگر رات کی تاریکی میں وہی چرواہے اپنی اپنی بھیڑوں کو پہچان کو ایک دوسرے سے علیحدہ کر کے اپنے اپنے گھروں کو چلے جاتے ہیں، باوجود اس کے کہ لوگ چرواہوں کو احمق و بے وقوف کہتے ہیں۔ اسی طرح میں بھی اس دن اپنے مریدوں اور آشناؤں کو شناخت کر کے اپنے ساتھ لے جاؤں گا۔

۸۔ ایک دفعہ حضرت غوث زمان سنگھڑ شریف سے آرہے تھے۔ جب دریائے سندھ پر پہنچے تو دیکھا کہ دریا طغیانی پر ہے۔ کشتی بھی موجود نہ تھی۔ ضلع سنگھڑ کا سکھ حاکم تمام کشتیاں پکڑ کر لے گیا تھا۔ آپ نے ایک مرید غازی بلوچ کو کہا جا دریا میں داخل ہو کر اس کنارہ سے اس کنارہ تک جا کر پانی کا اندازہ لگا کر آ۔ کیا عجب کہ دریا ہمیں راستہ دے دے۔ "غازی مذکور ایک کنارہ سے دوسرے کنارہ تک گئے۔ تو دیکھا کہ پانی صرف گھٹنوں تک تھا۔ فرمایا بسم اللہ داخل ہو جاؤ۔ درویشوں کی تمام جماعت سوار اور پیادہ، چھوٹے بڑے اونٹوں، گھوڑوں اور گدھوں کے ساتھ دریا میں داخل ہو گئے، ہر آدمی اور جانور کے گھٹنے تک پانی تھا۔ یہاں تک کہ سب اس گہرے طوفانی دریا سے کشتی کے بغیر گذر گئے۔ حضرت ثانی صاحب زادہ شاہ اللہ بخش" فرماتے تھے کہ میں اور میرے والد حضرت صاحب زادہ گل محمد بھی اس سفر میں حضرت صاحب کے ساتھ تھے اور ہم نے یہ تمام منظر اپنی آنکھ سے دیکھا تھا۔

ببیں کرامت حضرت چو معجزہ موسےٰ
کہ از نیل گذر کرد و ایں ز دریائے سندھ

ترجمہ:۔ دیکھیں کہ ہمارے حضرت صاحب کی کرامت بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزہ کی مانند تھی۔ کہ حضرت موسےٰ کے لیے دریائے نیل پایاب تھا اور ہمارے

حضرت کے لیے دریائے سندھ۔

۹۔ ایک دفعہ مولوی نور احمد صاحب حضرت غوث زمان کے ساتھ حضرت قبلہ عالمؒ کی خانقاہ کی طرف جا رہے تھے کہ راستہ میں صحرا کے درمیان ایک بزرگ صورت شخص نے آکر حضرت صاحب سے مصافحہ کیا اور پھر آپ کے تمام ساتھیوں سے بھی معانقہ کیا۔ جب مولوی نور احمد کے نزدیک آیا تو مولوی صاحب نے مصافحہ نہ کیا، وہ شخص حضرت صاحب سے چند باتیں کر کے روانہ ہو گیا۔ حضرت صاحب نے مولوی صاحب سے پوچھا کہ تم نے اس بزرگ سے مصافحہ کیوں نہ کیا۔ مولوی صاحب نے عرض کیا کہ یا حضرت میں نے سنا ہے کہ بعض کامل بزرگ یہ خاصیت رکھتے ہیں کہ مصافحہ کرتے وقت دوسرے کی نعمت سلب کر لیتے ہیں، حضرت صاحب نے مسکرا کر فرمایا کہ یہ بزرگ نعمت بخشنے والے تھے۔ نعمت سلب کرنے والے نہ تھے۔ مولوی صاحب نے پوچھا کہ یہ کون بزرگ تھے آپ نے فرمایا یہ خضر علیہ السلام تھے۔

۱۴۔ ذوق سماع: آپ کو سماع سے بہت رغبت تھی اور اکثر اوقات محفل سماع کا انعقاد ہوتا اور آپ بڑی محبت سے سماع سنتے مگر سماع میں شرعی حدود سے تجاوز نہ کرنے دیتے۔

۱۵۔ ملفوظات: آپ کے ارشادات و ملفوظات پند و موعظت کا گنجینہ تھے، جنہیں آپ کے مریدوں نے جمع کر لیا تھا، آپ کے ملفوظات کے تین مجموعے ہیں، جن کے نام یہ ہیں۔

۱۔ **فضائل رضیہ**:۔ اس نام سے آپ کے ملفوظات مولوی عبدالعزیز ساکن قصبہ بڑھیاراں نے جمع کیے تھے۔

۲۔ **انوار جمالیہ**:۔ ملفوظات کے اس مجموعے کو منشی غلام حسن شہید ملتانی نے مرتب کیا تھا۔

۳۔ **اسرار الکمالیہ**:۔ اس مجموعہ کے مرتب زاہد شاہ ٹھٹی تھے۔

۱۶۔ وصال: حافظ صاحب کا مرض الموت تپ صفراوی تھا، تقریباً آٹھ دس روز آپ تپ صفراوی میں مبتلا رہے، بیماری میں بھی آٹھ روز تک آپ مسجد میں تشریف

ے جاتے اور نماز ادا فرماتے۔ لیکن جب مسجد میں جانے کی طاقت نہ رہی تو آپ گھر میں نماز ادا فرمانے لگے۔ یہاں تک کہ ۵ جمادی الاول ۱۲۲۶ھ ۱۸۱۱ء کو آپ نے وفات پائی۔

آپ نے کوئی اولاد نہیں چھوڑی۔ لیکن آپ کا سلسلہ جاری ہے۔ آپ کی

۱۷۔ خلفاء: وفات کے بعد مولوی خدا بخش صاحب آپ کے جانشین ہوئے۔ مولوی خدا بخش جید عالم تھے۔

حافظ محمد جمال کے خلفاء بکثرت تھے۔ جن میں سے مولوی عبد العزیز بڑھیاری مولوی غلام حسن، زاہد شاہ اور قاضی عبید اللہ ملتانی مشہور ہیں۔

حضرت خواجہ غلام فرید چشتی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت خواجہ غلام فرید صوفی شعراء سے تھے مگر عبادت اور ریاضت میں یگانہ روز گار تھے، آپ کے اشعار اسرار و حقائق کا خزانہ ہیں۔

۱۔ نام و نسب: آپ کا نام غلام فرید تھا اور والد گرامی خواجہ خدا بخش تھے جو سلسلہ چشتیہ کے معروف بزرگوں سے ہیں۔ آپ کا سلسلہ نسب حضرت عمر فاروق رضؓ سے جا ملتا ہے۔ آپ کے خاندان کے افراد عرب سے علاقہ سندھ میں منتقل ہوئے، پھر مختلف مقامات پر رہائش پذیر ہونے کے بعد مٹھن کوٹ (ڈیرہ غازی خان) میں مقیم ہوئے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ اس خاندان کے پہلے شخص جو سندھ میں تشریف لائے وہ مالک بن یحییٰ تھے۔

۲۔ پیدائش: آپ کی پیدائش ۲۲ ذی قعدہ ۱۲۶۱ھ میں قصبہ چاچڑاں میں ہوئی۔

۳۔ تعلیم و تربیت: آپ چار سال کے تھے کہ آپ کی والدہ محترمہ وفات پا گئیں۔ جب آپ آٹھ سال کی عمر کو پہنچے تو آپ کے والد بزرگوار خدا بخش رحمۃ اللہ علیہ بھی، جو اپنے وقت کے برگزیدہ بزرگ تھے، اللہ کو پیارے ہو گئے ان کا مزار مٹھن کوٹ میں ہے۔ والد کی وفات کے بعد آپ کی تعلیم و تربیت کی تمام ذمہ داری آپ کے بڑے بھائی خواجہ غلام فخر الدین پر آن پڑی۔ یہ بھی اپنے وقت کے برگزیدہ بزرگوں میں سے تھے انہوں نے جہاں عام لوگوں کے لیے رشد و ہدایت کے دروازے کھول دیے وہاں خواجہ فریدؒ پر خصوصی توجہ فرمائی۔ اس توجہ خاص کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ آپ خواجہ کے بڑے بھائی اور سرپرست ہونے کے علاوہ خود دولت اولاد سے محروم تھے،

بہرحال خواجہ غلام فخر الدین نے اپنے چھوٹے بھائی کے بچپن ہی میں ان کے عظیم مستقبل کے آثار دیکھ لیے تھے، اس لیے انہوں نے خواجہ غلام فرید کی ذہنی، قلبی اور روحانی تربیت میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ آٹھ سال کی عمر میں والد کی وفات تک خواجہ غلام فریدؒ نے قرآن مجید کی تعلیم سے فراغت حاصل کر لی تھی۔ بلکہ فارسی اور عربی کی تعلیم بھی شروع کر دی تھی۔

ریاست بہاولپور کے نواب محمد صادق کو اس خاندان سے بڑی عقیدت تھی۔ کہا جاتا ہے کہ نواب صاحب نے مولانا غلام فخر الدین سے استدعا کی کہ خواجہ غلام فریدؒ کو ان کے پاس بھیج دیا جائے تاکہ وہ بھی کچھ حق خدمت ادا کر سکیں۔ چنانچہ آپ نے کچھ عرصہ احمد پور شرقیہ میں گزارا۔

۴۔ حضرتؒ کی خواجہ غلام فخر الدینؒ کے ہاتھ پر بیعت: حضرت خواجہ غلام فریدؒ کی عمر ابھی چودہ سال کی تھی کہ آپ نے اپنے بڑے بھائی خواجہ غلام فخر الدینؒ کے ہاتھ پر بیعت کر لی اور اپنے برادر بزرگ اور پیر و مرشد سے مختلف علوم و فیوض باطنی حاصل کیے۔

۵۔ درس و تدریس: علوم ظاہری و باطنی کی تکمیل کے بعد آپ نے درس و تدریس شروع کر دی اللہ تعالےٰ نے آپ کو غیر معمولی ذہانت سے نوازا تھا۔ اور آپ کو علم میں کمال حاصل تھا بے شمار طالبان نے آپ سے ظاہری و باطنی علم حاصل کیا۔ آپ نے چاچڑاں میں دینی تعلیم کے لیے جو مدرسہ قائم کیا اس کا نام جامعہ فریدیہ تھا۔

۶۔ اتباع شریعت: آپ شریعت مطہرہ کے بڑے پابند تھے اور اپنے ملنے والوں کو سختی سے سنت پر عمل پیرا ہونے کی تلقین کرتے بری رسموں کو ختم کرنے کے لیے ہر وقت کمربستہ رہتے۔

۷۔ حضرت خواجہؒ کی شاعری : آپ ملتانی زبان کے بہترین شاعر تھے۔ آپ کی کافیاں بہت مشہور اور مقبول خواص و عام ہیں۔

آپ کی طبیعت میں بلا کا سوز تھا۔ اس لیے آپ کی کافیوں میں سوز و غم درد عشق اور ہجر و فراق کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے۔ مزید براں آپ کی شاعری سراسر تصوف میں ڈوبی ہوئی ہے جو عشق حقیقی کے گرد گھومتی ہے۔ بلشتر پنجابی اور ملتانی شعراء کی طرح خواجہ غلام فرید نے بھی عاشق کو مونث کے روپ میں پیش کیا ہے۔ شائد اسی سے کافیوں میں کچھ چاشنی اور موسیقیت پیدا ہو جاتی ہے۔ آپ کی ایک کافی کا اردو ترجمہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

" اے یار تو نے مجھ پر ذرا بھی ترس نہ کھایا۔ تو مجھے بے کس اور بے نوا کر کے چھوڑ گیا، اپنے ہمراہ نہ لے گیا، روز ازل سے مجھ دکھیا نے ہجر کا جام پیا ہے۔ جس دن سے ساجن چلا گیا ہے، میرے گھر میں درد آکر آباد ہو گیا ہے، اور سکھ رخصت ہو گیا ہے، درد و اندوہ میری رگ رگ میں رچ گیا ہے، فرید میں کوہ و بیابان میں آوارہ پھر رہی ہوں، کاش کہ مجھے کوئی چیتا کھا جائے۔

۸۔ وحدت الوجود : بلشتر صوفیائے کرام کی طرح خواجہ بھی وحدت الوجود کے قائل تھے۔ انہیں کائنات کے ذرے ذرے میں ایک ہی روح رواں نظر آتی تھی یہ وسیع دنیا، یہ دور تک پھیلا ہوا بلند و بالا آسمان، یہ سبزہ و گل یہ بنتے بگڑتے بادل، یہ مست ہوا، یہ بجلی کی چمک، یہ طلوع و غروب، یہ روہی کی پہنائیاں اور تنہائیاں، یہ بہاروں کی آمد و رفت انہیں ہر چیز میں ذات واحد کی کرشمہ سازیاں دکھائی دے رہی تھیں، چنانچہ وہ فرماتے ہیں۔

ڈٹھا عشق عیاں تا بازار گلی۔
سبھو رمز خفی ہٹن تھیوم جلی۔
سبھ جلوہ نور ظہور ڈسے۔

ترجمہ : میں نے عشق کو ہر بازار اور ہر گلی میں جلوہ فگن دیکھ لیا ہے، ہر چیز میں اسی کے نورِ حضور کا جلوہ نظر آرہا ہے۔

کئی غیبت عین ظہور ڈٹھے
دل ویچ دلبر دے نال رلی

غیبت اور دوری ختم ہو گئی ہے اور مجھے عین ظہور نظر آ رہا ہے۔ اب میرا دل محبوب کے ساتھ مل گیا ہے۔

غیرت محض محال ڈٹھے
چوطرفیں حسن و جمال ڈٹھے
ہر ویلے وصل وصال ڈٹھے
دیہنہ رات پنل گل لا دم ڑی

ترجمہ:۔ اس ذات کے سوا کوئی اور وجود دیکھنا محال ہے چاروں طرف اسی کا حسن جمال نظر آ رہا ہے مجھے ہر وقت وصل حاصل ہے اور دن رات میرا محبوب مجھے گلے لگائے رکھتا ہے۔

۹۔ عشق حقیقی: خواجہ کے کلام میں عشق حقیقی بہت نمایاں ہے ذیل میں چند اشعار کا ترجمہ پیش کیا جاتا ہے۔

۱۔ اے میرے محبوب! تیرے بغیر مجھے ساری دنیا اندھیرا نظر آتی ہے۔ اے محبوب! میرے سینے سے آکر لپٹ جا اور میری آنکھوں میں سما جا۔

۲۔ اے جانے والے مسافر! خدا کے لیے میرے محبوب کے لیے میرا پیغام لے جا۔ اسے کہنا اے دوست! مکر و فریب کو چھوڑ دے اور پریت کی ریت کو بٹہ نہ لگا جس طرح تو مجھ سے منہ موڑ کر چلا گیا تھا یہ ظلم و جفا ہے۔

۳۔ عشق دکھی دلوں کے لیے راحت کا سامان ہے۔ عشق ہی میرا مرشد اور ہادی ہے۔ عشق ہی میرا پیر ہے۔

۱۰۔ مرشد سے محبت: آپ کو اپنے مرشد سے بے حد عقیدت و احترام تھا۔ وہی احترام جو ایک مرید کو اپنے مرشد کے لیے ہوتا ہے۔ چنانچہ خواجہ غلام فرید اپنی کافیوں میں اپنے مرشد کا بار بار تذکرہ کرتے ہیں۔ اور احترام اور عقیدت کی رو سے خواجہ غلام فخر الدین کو "فخر جہاں" کے لقب سے یاد کرتے ہیں۔

فخر جہاں قبول کتو سے
واقف کل اسرار تھو سے

ترجمہ:۔ مجھے فخر جہاں نے قبول کر لیا ہے۔ اور میں تمام اسرار سے واقف ہو گیا ہوں۔

فخر جہاں اک ریت سوجھائی
ارضی تھیا یک بار سمائی
ظلمت بن گئی نور و نور

ترجمہ: فخر جہان نے مجھے ایسی ریت سجھائی ہے جس سے یہ زمین کا باسی یک بار گی آسمان کی بلندیوں پر پہنچ گیا اور ساری ظلمت اور گمراہی دور ہو کر نور ہی نور چھا گیا ہے۔

رمز حقیقی جہات اساڈی
فخر جہاں ایہا ریت سکھایم

ترجمہ: ہماری نظر میں کوئی نہ کوئی رمز ہوتی ہے فخر جہاں نے ہمیں یہی ریت سمجھائی ہے۔

۱۱۔ وصال مرشد: ۱۲۸۸ھ میں خواجہ فخر جہاں کا انتقال ہو گیا، تو خواجہ غلام فرید مسند رشد و ہدایت پر جلوہ افروز ہو کے اور ساتھ ہی عبادت و ریاضت میں استغراق کے ساتھ مشغول ہو گئے۔ یہی زمانہ ہے جب آپ نے روہی میں گوشہ نشینی اختیار کی۔ آپ کی کرامات دیکھ کر لوگ آپ کے گردیدہ ہو گئے۔

۱۲۔ خواجہ کی شاعری کی خصوصیات: خواجہ ہفت زبان کے شاعر تھے انہوں نے سرائیکی زبان کی کافیوں کے علاوہ اور بھی مختلف زبانوں میں کافیاں لکھی ہیں۔ لیکن سرائیکی زبان کی کافیاں بے مثال ہیں۔ خواجہ کی زندگی سے قبل یا اس کے بعد آج تک سرائیکی زبان میں اس سے بہتر مواد کسی نے پیش نہیں کیا اور نہ ہی آئندہ امید کی جاتی ہے۔

آپ کے کلام میں تصوف، اسرار و معرفت، حمد و نعت کے علاوہ حسن و عشق درد و غم پیار و محبت اور مناظر فطرت کی عکاسی جھلکتی ہے۔

۱۳۔ خواجہ کا سفر حج: ۱۲۹۲ھ میں خواجہ فرید نے روضۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مکہ معظمہ میں حاضری کا ارادہ کیا، چنانچہ وہ کئی ایک مریدوں کے ساتھ حج کو چل دیے۔ ملتان سے لاہور ہوتے ہوئے آپ دہلی پہنچے۔ پھر وہاں سے

اجمیر کا رخ کیا۔ اجمیر شریف میں خواجہ بزرگ کے آستانے پر حاضری دی۔ اور وہاں آپ کی دستار بندی کی گئی۔ اس کے بعد آپ نے بمبئی سے بہت سے مریدوں کو ساتھ لیتے ہوئے دربارِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سفر اختیار کیا۔ کہا جاتا ہے کہ حج کے اس سفر میں آپ کے ہمراہ اور لوگوں کے علاوہ اُوچ کے دیوان ولایت شاہ اور دیوان خیر شاہ اور دیوان حیدر بخش تھے۔ اس سلسلے میں مولانا طالوت مرحوم لکھتے ہیں۔

"اتنے کثیر ہمراہیوں کا سارا خرچ آپ نے خود برداشت کیا اور اس کے ساتھ ہی عرب کے رہنے والوں میں جس جود و سخا کا آپ نے مظاہرہ کیا، اسے وہ لوگ مدتوں تک یاد کرتے رہے۔ حج کے کل سفر میں آپ نے کس قدر روپیہ خرچ کیا، اس کا تو کسی نے ذکر نہیں کیا۔ البتہ مرزا احمد اختر نے چاچڑاں سے بمبئی تک کے خرچ کا اندازہ ۳۶ ہزار روپیہ لگایا ہے۔ اس لیے اندازہ ہو سکتا ہے کہ جب آپ نے یہاں کے مساکین پر ۳۶ ہزار روپیہ صرف فرمایا تو عرب مساکین پر تو بدرجہا زیادہ خرچ کیا ہوگا، اور کرایہ وغیرہ ملا کر دو چار لاکھ سے کیا کم خرچ کیا ہوگا۔ کیوں کہ واپسی نہ صرف وہی ہمراہی ساتھ نہ تھے جو یہاں سے معیت میں گئے تھے، بلکہ عرب میں جس قدر مساکین خرچ نہ ہونے کی وجہ سے رکے پڑے تھے، آپ ان سب کو ہمراہ لے آئے تھے۔"

اس سے خواجہ کی درویشانہ زندگی، دریا دلی، اور خدا ترسی کا اظہار ہوتا ہے۔

۱۴۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے والہانہ محبت:

خواجہ حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں کس درجہ تک سرشار تھے، اس کا اندازہ آپ کی کافیوں سے لگایا جا سکتا ہے۔ غالباً مذکورہ کافیاں اس وقت کی یادگار ہیں۔ ذیل میں ترجمہ ہدیہ قارئین ہے۔

"آج میں محبوب سے رخصت ہو رہا ہوں اور میرے سر پر دکھوں کا بوجھ ہے یہ قبلہ مقدس اور عالی ہے اور ہر عیب سے خالی ہے۔"

"میرے دل نے سچی پریت لگائی ہے۔ اے خدا، اک بار مجھے پھر بلا دینا۔

مجھے پھر یہاں لانا۔"

"میرا دل محبوب کے لیے ترس رہا ہے، اسے گھر، شہر اور بازار میں کہیں بھی چین نہیں آتا۔"

"اے فرید! میں محبوب کے بغیر گھل گھل جاؤں گا۔ اور رو رو کر آنکھیں خون بہائیں گی۔ آخر کار غم کھاتے کھاتے مر جاؤں گا۔ ان دکھوں نے میرا جی جلا کر رکھ دیا ہے۔

۱۵۔ احترام کعبہ کا اظہار: انہی کافیوں میں خواجہ نے حرم کعبہ سے عقیدت اور احترام کے جذبات کا بھی اظہار کیا ہے جس سے حرم کعبہ سے خواجہ کی گرویدگی کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ ایسی چند کافیوں کا ترجمہ ذیل میں ہدیہ قارئین کرام کیا جاتا ہے۔

"یہاں ادنیٰ و اعلیٰ سب سوالی بن کر آتے ہیں۔ یہاں جو کچھ بھی کوئی مانگتا ہے پا لیتا ہے۔ سبحان اللہ! یہ کعبہ دار الامان ہے۔ کتنا معظم ہے۔ اور خدا کا گھر کس قدر قابل احترام ہے۔

"سبحان اللہ! یہ خدا کا گھر کس قدر قابل احترام ہے۔ یہ سراپا رحمت کا سایہ ہے۔ حجر اسود ایک نور ہے جو سیاہ رنگ میں مجسم ہو گیا ہے۔ یہ مسلمانوں کا سوادِ اعظم ہے۔"

"جو بھی حرم کے احاطے میں داخل ہو گیا۔ بے شک وہ مامون ہو گیا تو حرم کے احاطے کو یاد کرو اور اپنے پرانے غموں کو اپنے پیش نظر رکھو۔"

"دل کہتا ہے کہ میں زہر کھالوں کہ میں نے اس حرم کے دیدار کے بغیر ہی اتنی زندگی کیوں گزار دی۔ اب وطن کی طرف واپسی ہے اور میرے دل پر لاکھوں غم ٹوٹ پڑے ہیں۔"

"اگر قسمت نے یاوری کی تو ایک بار پھر حرم کعبہ میں حاضر ہو کر طواف کعبہ کے دھکے کھاؤں گا۔

۱۶۔ وصال: آپ کی صحت ہمیشہ اچھی رہی، البتہ عمر کے آخری حصہ میں آپ مرض ذیابیطس میں مبتلا ہوئے۔ جو رفتہ رفتہ بڑھتی گئی۔ حتیٰ کہ وصالِ یار کا وقت آن پہنچا۔

آخر ۶ ربیع الثانی ۱۳۸۲ھ بمطابق ۲۴ جولائی ۱۹۰۱ء بروز چہار شنبہ وصال یار فرمایا۔ اور مٹھن کوٹ میں مدفون ہوئے۔ آخری بار آپ نے فرمایا۔ (کافی)

گذریا وقت ہسن کھیلن دا	آیا وقت فرید چلن دا
اوکھا پینڈا یار مِلن دا	جان لباں تے آندی اے

مٹھن کوٹ میں آپ کا مزار شریف آج بھی مرجع خواص و عوام ہے اور ہر سال آپ کا عرس شاندار طریقہ سے ۵، ۶ اور ۷ ربیع الثانی کو منایا جاتا ہے۔

حضرت پیر بابا چشتی سوات

حضرت پیر بابا کا شمار باکمال اور عظیم اولیاء میں ہوتا ہے آپ کو سرحد میں غیر معمولی شہرت اور عظمت حاصل ہے۔ آپ کا اصل نام سید علی غواص ہے مگر آپ پیر بابا کے نام سے مشہور ہوئے۔ آپ نے خود اپنے خاندان کے بارے میں بیان کیا کہ میرے والد کا اسم گرامی قنبر علی تھا۔ چونکہ وہ شاہان وقت سے تعلق رکھتے تھے۔ اس لیے وہ اپنی مناسبت طبعی کے اعتبار سے دنیاوی منصب وجاہ کے بلند مراتب پر پہنچے۔ اسی لیے ان کو امیر نظر بہادر بھی کہا جاتا تھا۔ وہ نسباً سادات ترمذ سے تھے اور وطن کے اعتبار سے قندس کے رہنے والے تھے۔ میرے والد نے اپنے والد کے آباؤ اجداد کے طریقہ زہد و ریاضت چھوڑ کر دنیا کے مناصب و مراتب کی طرف توجہ کی اور اس میں بڑا نام پیدا کیا۔ لیکن میرے دادا حضرت امام المسلمین سید الدنیا والدین سید احمد یوسف اپنے آباؤ اجداد کے پسندیدہ طریقے پر سلسلہ کبرویہ کے سجادے پر بیٹھ کر اپنے وطن قندس و بدخشاں میں مصروف رشد و ہدایت رہے۔

سلسلہ نسب: حضرت اخوند درویزا نے اپنی کتاب "تذکرۃ الابرار والاشرار" میں حضرت سید علی کا سلسلہ نسب حسب ذیل طریقے پر درج کیا ہے

"سید علی بن قنبر علی۔ بن سید احمد نور بن سید یوسف نور، بن سید محمد نوربخش ترمذی بن سید احمد بیغم بن سید براق بن سید احمد مشتاق، بن سید شاہ ابوتراب بن سید حامد بن سید محمود بن سید اسحاق بن سید عثمان۔ بن سید جعفر۔ بن سید عمر بن سید محمد بن سید حسام بن شاہ ناصر خسرو بن سید امیر علی بن سید عبدالرحیم بن سید محمود مکی، بن سید محمد مہدی بن حسن عسکری بن سید علی نقی بن سید محمد تقی بن سید امام موسیٰ رضا۔ بن امام موسیٰ کاظم۔ بن امام جعفر صادق بن امام محمد باقر بن امام زین العابدین علی اصغر رحمتہ اللہ اجمعین بن امام حسین شہید کربلا۔

بن بی بی فاطمہ زہرا۔ (منکوحہ مطہرہ علی مرتضیٰ رض) بنت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

۲۔ تعلیم و تربیت: حضرت پیر بابا نے بیان کیا کہ میں اپنے دادا کی خدمت میں رہنے لگا اور میں نے ابتدائی تعلیم و تربیت ان ہی سے حاصل کی، یہاں تک کہ شرح ملا جامی بھی انہیں سے پڑھی۔ میرے قلب میں ابتداً زہد و ریاضت کا چراغ بھی میرے دادا کی توجہ ہی سے روشن ہوا۔

۳۔ سلسلہ کبرویہ میں اجازت: یہاں تک کہ جب میرے دادا کی وفات کا وقت آیا تو انہوں نے مجھے بلایا اور فرمایا کہ میرے بیٹے جو کچھ بھی تم کو قرآن میں سے یاد ہو پڑھو۔ میں نے سورۃ تبارک الذی پڑھی۔ فرمایا کہ پھر پڑھو میں نے پھر سے یہی سورۃ پڑھی، فرمایا کہ پھر پڑھو، پھر میں نے یہی سورۃ پڑھی، پھر فرمایا کہ میرے بیٹے اب وہ برکت و نعمت جو مجھے حاصل تھی ان میں سے بعض میں نے اپنے آباء و اجداد سے حاصل کی تھی اور بعض نعمتیں مجھے سلسلہ کبرویہ سے حاصل ہوئی تھیں، وہ سب میں نے تم کو بخشیں۔

۴۔ دادا کی وفات: اپنے دادا کی وفات کے بعد میں بالکل بے یار و مددگار رہ گیا میری یہ حالت تھی کہ نہ مجھے اہل دنیا کے ساتھ قرار تھا اور نہ ان سے کوئی مفر تھی، نہ مجھے لذاتِ دنیوی سے فرحت حاصل ہوتی تھی اور نہ میں وظائف کے لطائف پر یکسوئی حاصل کر کے کامیاب ہو سکتا تھا۔

۵۔ ہمایوں کی عقیدت مندی: یہاں تک کہ سلطان ارجمند ہمایوں بادشاہ نے ہندوستان کی طرف توجہ کی۔ میرے والد بزرگوار مجھ کو تبرکات کے ساتھ ہمایوں کے دربار میں لے گئے۔ کبھی کبھی وہ مجھ کو درباری لباس پہناتے اور ہمایوں کے دربار میں لے جاتے۔ لیکن منشائے خداوندی یہ تھا کہ مجھ کو دنیا اور اہل دنیا سے متنفر رکھے۔ میں وہ شاہی آداب بجا نہیں لاتا تھا جو لشکریوں کے مناسب حال ہوتے ہیں اور دربار شاہی سے لوٹ کر اس درباری لباس کو اتار پھینکتا اور اس دور کے علماء و صلحا کی خدمت میں حاضر ہو کر تحصیل علم میں مشغول ہو جاتا تھا

۶۔ پانی پت میں تشریف آوری: الغرض ایک مدت کے بعد میں حصول علم اور طلب روحانیت کے لیے پانی پت آیا اور پا برہنہ حضرت سلطان العارفین، شیخ شرف الدین پانی پتی کے مزار مبارک پر حاضر ہوا۔ شیخ کی توجہ و برکت کی وجہ سے میرے قلب میں ایک کیفیت پیدا ہوئی اور میں آپ کے مقبرے سے نکل کر کسی نامعلوم جگہ پر پہنچا اور وہاں حق تعالیٰ کی عبادت میں مشغول ہو گیا۔ ایک زمانے کے بعد میرے گھر والوں کو خبر ملی، وہ مجھے تلاش کرتے ہوئے حضرت شیخ کے مقبرے تک آئے اور مجھے انہوں نے وہاں نہ پا کر یہ سمجھا کہ میں چونکہ دنیا کے جاہ و منصب سے متنفر اور حق طلبی کی طرف مائل تھا۔ اس لیے بھاگ گیا۔

۷۔ والد سے ملاقات: آخر بڑی تلاش و جستجو کے بعد انہوں نے مجھ کو ایک زاویے میں پایا۔ میں نے اپنے والد کا استقبال کیا، اور ان کے پاؤں میں گر کر ان سے اجازت چاہی کہ میں طلب حق کے لیے باہر چلا جاؤں میرے والد نے مجھے روکنے کے لیے بہت سی نصیحتیں کیں، لیکن مجھ پر کوئی اثر نہ ہوا مجبوراً وہ راضی ہو گئے۔ اور مجھے کچھ نقدی دے کر فرمایا کہ یہ تمہارے سفر کا توشہ ہے میں نے والد سے عرض کیا کہ ابا جان! اسے رہنے ہی دیجئے اور مجھے اس قید سے آزاد کیجئے۔ جب میں طلب حق میں جا رہا ہوں، تو اپنی روزی بھی حق تعالیٰ ہی سے طلب کروں گا۔ اگر مجھے اس روپے پر اعتماد ہوتا تو میں اس سے کیوں بھاگتا۔

۸۔ شیخ سیلونہ کی خدمت میں حاضری: آخر میں اپنے والد سے اجازت لے کر روانہ ہوا۔ اور پرگنہ مانکپور پہنچا اور شریعت شیخ سیلونہ علیہ الرحمتہ والغفران کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میرا شوق علم دیکھ کر وہ انتہائی شفقت سے پیش آئے اور میں ان کی خدمت میں رہ کر علم حاصل کرنے لگا، یہاں تک کہ فقہ کی مشہور کتاب "ہدایہ" تک میں نے اپنی تعلیم پہنچائی۔ شیخ سیلونہ کے علمی تبحر، غیر معمولی تقویٰ اور زہد و ریاضت کو دیکھ کر ایک روز میں نہایت عاجزانہ طور پر ان سے درخواست کی کہ مجھ کو بھی شغل باطن سے بہرہ مند

کیجیے، لیکن انہوں نے انکار کرتے ہوئے فرمایا کہ تم ابھی اس بار گراں کے متحمل نہیں ہو سکتے۔ میرا اصرار بڑھتا رہا، یہاں تک کہ میرے اصرار کو ایک روز دیکھ کر فرمایا، کہ یہ کام سرسری نہیں ہے بلکہ مشکاۃ نبوت سے مقتبس ہو کر یداً بید مشائخ کرام تک پہنچا ہے۔ اسی بنا پر صرف اسی شیخ کو اس کا حق پہنچتا ہے۔ جو حضرت خیر البشر سے یداً بید اجازت یافتہ ہو اور وہ سجادے پر بیٹھ کر عوام الناس کو دعوت دے اور بیعت کا دروازہ کھولے۔ چونکہ میں اپنے شیخ سے اس کی اجازت نہیں رکھتا، اس لیے میں بیعت کرنے سے معذور ہوں، مگر میں ایسے شیخ کی طرف تمہاری رہبری کرتا ہوں کہ جو حاذق طبیب روحانی ہیں اور جنہیں ہمارے شیخ بہاء الدین صامت سے اجازت حاصل ہے تم ان کے آستانے پر حاضر ہو۔ وہاں تمہارا مقصد پورا ہو سکے گا۔

۹۔ شیخ سالار رومی کی خدمت میں حاضری: چنانچہ میں آپ کے ارشاد پر اجمیر میں حضرت سالار رومی کی خدمت میں حاضر ہوا۔ شیخ نے مجھ پر خصوصی توجہ فرمائی، اور میرے حسب ونسب سے واقف ہو کر فرمایا، اے سید! طریقہ باطنی کا حصول بغیر مرشد کامل متشرع کی صحبت کے ممکن نہیں۔ پھر انہوں نے میرے لیے خلوت اور خدمت کو پسند فرمایا۔ میں ان کی خدمت کو حصول سعادت کا سب سے بڑا ذریعہ جانتا تھا۔ اور ایک لمحے کے لیے اس سے غافل نہ ہوتا تھا۔ اس طرح ایک زمانہ گزر گیا۔ جب شیخ سالار رومی نے مجھے اپنی خدمت میں سچا پایا تو بے حد شفقت فرمائی اور مجھے علم تصوف اور سلوک کی تعلیم دینے لگے۔

۱۰۔ سلاسل طریقت: حضرت اخوند درویزہ نے جو اپنے شیخ کے سلاسل طریقت اپنی کتاب "تذکرۃ الابرار والاشرار" میں دیے ہیں۔ وہ اپنے شیخ کے طریقت کے سلسلوں کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

"میں ایک طویل مدت تک آپ کی (حضرت سید علی غواص) خدمت میں رہا اور میں نے اپنی عمر کا بڑا حصہ آپ کے قدموں میں بسر کیا۔ چونکہ حضرت متقدمین مشائخ کی طرف

سے پانچ خانوادوں میں مجاز تھے۔ ان میں سے ایک خانوادے میں آپ کو اپنے دادا کی طرف سے اجازت تھی اور چار میں شیخ سالار رومی کی طرف سے مجھے آپ نے ان چار خانوادوں میں اجازت مرحمت فرمائی۔

پھر آپ نے ان خانوادوں کی حسب ذیل تفصیل بالصراحت دی ہے۔

۱۔ سلسلہ کبرویہ: (جس کی اجازت سید علی غواص کو اپنے دادا کی طرف سے ملی تھی)۔

"سید علی غواص ترمذی، سید احمد نور (جو سید علی ترمذی کے دادا تھے) سید یوسف نور (جو سید احمد نور کے والد تھے)، محمد نوربخش (جو سید احمد نور کے والد تھے) شیخ ابو اسحاق قتلانی، شیخ علاء الدولہ، سید علی ہمدانی۔ سید محمود مذدقانی۔ شیخ بہاء الدین سمنانی۔ شیخ علی لالہ، شیخ نور عبد الرحمان، شیخ نجم الدین کبری۔ شیخ عمار بن یاسر۔ شیخ نجیب الدین سہروردی، شیخ احمد غزالی، شیخ ابابکر نساج، شیخ ابوالقاسم جرجانی، شیخ ابوعثمان مغربی، شیخ ابوعلی کاتب، شیخ علی رودباری، شیخ جنید بغدادی، شیخ سری سقطی شیخ معروف کرخی، شیخ امام علی رضا۔ امام موسیٰ کاظم، امام جعفر صادق، امام محمد باقر، امام زین العابدین، امام حسین شہید کربلا، امیر المومنین علی مرتضیٰ امیر المومنین عثمان رضؓ ذوالنورین امیر المومنین ابوبکر صدیق رضوان اللہ علیہم اجمعین، سید المرسلین، خاتم النبین حبیب رب العالمین محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

وہ چار سلسلے جن کی اجازت حضرت سید علی غواص ترمذی کو حضرت سالار رومی کی طرف سے ملی تھی، وہ یہ ہیں۔ اس سلسلے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا سلسلہ چشتیہ نظامیہ ہے۔

۲۔ سلسلہ چشتیہ عزیزیہ: سید علی غواص ترمذی، شیخ سالار رومی۔ شیخ بہاء الدین صامت، شیخ حامد الدین، شیخ حسام الدین، شیخ نور قطب عالم، شیخ علاء الدین، عمر اسد اللہ نوری، شیخ سراج الدین، شیخ نظام الدین دہلوی، شیخ فرید گنج شکر، قطب الاقطاب قطب الدین بختیار اوشی، شیخ معین الدین حسن سنجر چشتی،

شیخ عثمان ہارونی، شیخ جامی شریف زندنی، شیخ خواجہ قطب الدین مودود چشتی، خواجہ ابو یوسف چشتی، خواجہ محمد چشتی، خواجہ احمد چشتی، خواجہ ابو اسحاق شامی چشتی، خواجہ ممشاد علو دینوری، خواجہ ابو ہبیرہ بصری، خواجہ ابو حذیفہ مرعشی، خواجہ سلطان ابراہیم ادھم، خواجہ فضیل بن عیاض، خواجہ عبدالواحد بن زید، خواجہ امام حسن بصری، حضرت علی مرتضیٰ رضؓ سرور کائنات شفیع جزا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

سید علی غواص ترمذی، سالار رومی، شیخ نظام الدین

۳۔ سلسلہ سہروردیہ: مہاجری۔ شیخ قطب الدین مہاجری۔ شیخ فخر الدین محبوب ہی، سید جلال جہانیاں، شیخ رکن الدین، شیخ صدر الدین عارف۔ شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی، شیخ شہاب الدین سہروردی، شیخ وجیہ الدین عمر سہروردی، شیخ محمد بن عبداللہ معروف بہ عبودیت سہروردی، شیخ احمد اسود دینوری، شیخ جنید بغدادی، شیخ سری سقطی شیخ معروف کرخی، شیخ داؤد طائی، شیخ حبیب عجمی۔ شیخ امام حسن بصری۔ امیر المومنین علی مرتضیٰ، حبیب مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

۴۔ سلسلہ شطاریہ: اس سلسلے کے متعلق حضرت اخوند درویزا نے لکھا کہ،

اس سلسلے میں بھی میرے پیر حضرت سید علی غواص ترمذی کو حضرت سالار رومی کی طرف سے اجازت حاصل ہوئی تھی۔ آپ نے اس سلسلے کے اکثر اوراد واذکار اس فقیر کو تلقین فرمائے تھے، لیکن اس سلسلے کے شیوخ کے ناموں کا تذکرہ کبھی آپ نے مجھ سے نہیں فرمایا اور میں نے بھی خلاف ادب سمجھ کر اس سلسلے کے بزرگوں کے نام کبھی آپ سے نہیں پوچھے۔

۵۔ سلسلہ ناجیہ حلاجیہ: یہ حضرت اخوند درویزہ کا بیان ہے کہ،

"اس سلسلے کی اجازت بھی میرے شیخ کو حضرت سالار رومی کی طرف سے حاصل ہوئی تھی، لیکن اس سلسلے میں میرے شیخ نے مجھ کو اجازت سے مشرف

نہیں فرمایا۔

۱۱۔ طریقہ تعلیم: میں اپنے شیخ سے اس طرح تعلیم حاصل کرتا تھا کہ علم تصوف کا جو سبق بھی حضرت شیخ سے حاصل کرتا، ایک ہفتے تک خلوت اختیار کر کے اس پر غور و فکر کرتا اور بے شمار ریاضت کے بعد جو کچھ میں محسوس کرتا اسے اپنے شیخ کے سامنے پیش کرتا، شیخ مجھے مبارک باد دیتے اور میری تقریروں کو پسند کرتے پھر دوسرا سبق دیتے۔ اسی طرح ایک زمانہ گزر گیا۔ یہاں تک کہ شیخ نے مجھے بھی اجازت دی۔

۱۲۔ رشد و ہدایت: اجازت دینے کے بعد فرمایا کہ سالک کو سلوک میں بہتر ممانعات اللہ تعالیٰ کی جانب سے پیش آتی ہیں، جن کے ذریعے سے اس کا ابتلا اور امتحان ہوتا ہے۔ ان میں سے پہلی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سالک کو تمام ملک و ملکوت میں شہرت بخشتا ہے اور عوام و خاص کی توجہ اس کی طرف مبذول کر دیتا ہے۔ اگر اس منزل میں سالک عوام پر قانع ہو گیا اور لوگوں سے ملنے ملانے میں اصل مقصد کو بھول گیا، تو وہ اصل مقصد سے دور ہو کر اسی چکر میں مبتلا رہے گا اور اگر وہ اس منزل میں لوگوں سے نہ ملا، بلکہ ان سے بھاگا تو پھر دوسری ممانعت پیش آتی ہے اور وہ کشف و کرامات کے چکر میں پڑ گیا تو وہ دوستی کے قابل نہیں اور اگر وہ اس منزل سے بھی صحیح و سلامت گزر گیا اور اس نے کشف و کرامت کی طرف توجہ نہ کی اور دوسری ممانعات سے بھی گزر گیا اور لقائے دوست کے سوا اس نے اپنا کوئی مقصد نہ قرار دیا، وہ اس وقت ولات اور دوستی کے لائق ہو گا اور اس وقت اللہ تعالےٰ اس کو دوست رکھے گا اور عالم میں برگزیدہ کرے گا۔

چنانچہ شیخ کے حسب ارشاد میں نے دیکھا کہ عوام و خواص کی توجہ میری طرف ہوئی، جیسا کہ حاجی سیف اللہ گگیانی۔ اور ملک گدائی خان گگیانی جنہیں ہمایوں اپنے ہمراہ پشاور سے ہندوستان لے گیا تھا، میرے مرید ہوئے اور ان کے علاوہ بہت سے لوگ طریقت کی جستجو میں میرے گرد چکر لگانے لگے۔ اس وقت میں نے پیر دستگیر حضرت

شیخ مخدومی سالار رومی سے التماس کی کہ مجھے لوگوں کے اجتماع سے چھٹکارا دلایئے۔

۱۳۔ کوہستان میں جانے کا حکم: حضرت سالار رومی نے مجھے ہدایت کی کہ میں پہاڑی علاقے کی طرف جاؤں۔ چنانچہ میں نے شیخ کے ارشاد کی بنا پر کشمیر جانے کا ارادہ کیا اور راستے میں علاقہ گجرات کے موضع داؤد پنڈ میں مقیم ہوا۔ وہاں ایک شخص کیلاس نامی نے جو اسی موضع کا رہنے والا تھا، ملا۔ اس نے مجھے دیکھ کر تمام موضع میں شور بلند کیا کہ میں نے جس شخص کو خواب میں دیکھا تھا۔ اس کی ساری علامتیں۔ اس شخص میں پائی جاتی ہیں۔ اور یقیناً یہ وہی ہے۔ ہمیں چاہیئے کہ ہم اسے پیر کہیں اور اس کے مرید ہوں، یہ ہم کو شریعت کے طریقے پر چلائے گا۔ میں نے متعجب ہو کر اس سے کہا کہ اگر واقعی تو نے کوئی خواب دیکھا تھا تو اس سے پہلے اگر یہ خواب تو نے کسی سے بیان کیا ہو تو اس پر گواہ لا۔ وہ بہت سے لوگوں کو اپنے ساتھ لایا اور ان سب نے بیان کیا کہ بے شک اس نے ہم سے اپنا خواب بیان کیا تھا۔ اور وہ تمام علامتیں جو آپ میں پائی جاتی ہیں۔ اس نے وہ بھی ہم سے بیان کی تھیں۔ یہاں تک کہ جو آپ کی پیشانی پر تل ہے۔ اس نے ہم کو وہ بھی بتلایا تھا۔ اس نے ہم سے کہا تھا کہ ایک ایسا شخص کہیں باہر سے ہمارے ہاں آئے گا اسے ہمیں اپنا پیر اور پیشوا ماننا چاہیے۔ میں نے اس وقت وہاں کے لوگوں کو بیعت کیا، اور ایک مدت تک اس موضع میں مقیم رہا۔

۱۴۔ والد سے دوبارہ ملاقات: اس زمانے میں کہ ہمایوں بادشاہ نے شیر شاہ سے شکست کھائی اور اپنے بقیہ لشکر کے ساتھ کابل کا رخ کیا۔ اسی موضع میں مجھے اپنے والد مشفق کے ساتھ ملاقات کا دوبارہ اتفاق ہوا۔ انہوں نے مجھے اپنی آغوش میں لے لیا، اور مشفقانہ انداز میں کہا کہ میں نے غلط راستہ اختیار کیا تھا۔ لیکن تم نے اپنے آباؤ اجداد کے طریقے کو اختیار کیا، اور خدا کا شکر ہے کہ تم اس بلند مرتبے پر فائز ہوئے۔ پھر دو تھیلیاں۔ جن میں سے ایک میں سونا اور دوسری میں چاندی تھی۔ میرے سامنے رکھیں، اور مجھ سے فرمایا کہ اے میرے عزیز بیٹے، یہ تمہاری نذر ہیں، امید ہے کہ تم انہیں درویشوں پر صرف کرو گے۔ اس کے بعد ہم ایک دوسرے

سے جدا ہو گئے۔

۱۵۔ اجمیر کو واپسی: حضرت سید علی کے صاحبزادے کی روایت ہے کہ اس زمانے میں جب کہ والد محترم حضرت شرف الدین پانی پتی کے مزار مبارک کی زیارت سے مشرف ہوئے اور ایک عجیب کیفیت آپ میں پیدا ہوئی، تو آپ نے اپنے گھوڑے اور ہتھیاروں کو ایک بنیے کے سپرد کیا تھا کہ وہ یہ سامان آپ کے والد تک پہنچا دے، لیکن اس کے بعد آپ کی ملاقات اپنے والد سے نہ ہوئی تھی۔ میرے والد کا بیان ہے کہ اسی زمانے میں میرے دل میں خواہش پیدا ہوئی کہ کسی طرح میں حضرت شیخ سالار رومی کی خدمت میں پہنچوں، اور اپنے آپ کو اس پیری مریدی کے جھگڑے میں آزاد کر دوں۔ چنانچہ میں اسی ارادے سے روانہ ہو گیا۔ میں کئی روز تک سفر کرتا رہا۔ یہاں تک کہ مجھے راستے میں شیر شاہ کے چند سوار ملے جو ہمایوں کا تعاقب کر رہے تھے۔ چونکہ میں فارسی بولتا تھا اور افغانوں میں عصبیت اس قدر غالب ہے کہ جو شخص فارسی میں گفتگو کرتا ہے، اسے اپنا دشمن خیال کرتے ہیں وہ میرے قتل کی سوچنے لگے، اور میں بھی تقدیر الٰہی پر راضی ہو گیا، میں خاموش رہا، یہاں تک کہ انہوں نے پوچھا کہ تمہارے پاس کچھ مال بھی ہے؟ میں نے کہا کہ سونے اور چاندی کی دو تھلیاں ہیں، پھر میں نے اپنے خادم کو اشارہ کیا کہ وہ ان کو دے دے۔ اس نے وہ تھیلیاں ان کو دے دیں۔ پھر ہم نے اپنی راہ لی، لیکن تقدیر میرے ارادے پر ہنس رہی تھی۔ کیونکہ جب میں وہاں پہنچا تو حضرت شیخ سالار رومی وفات پا چکے تھے۔

۱۶۔ شیخ رومی سے خرقہ خلافت: جب میں شیخ رومی کے گھر پہنچا تو دیکھا کہ آپ کے صاحبزادے حضرت شیخ حسین مراقبے میں سر بگریباں ہیں۔ میرے آنے کی اطلاع پا کر سر مراقبے سے اٹھایا۔ اور فاتحہ و استغفار پڑھنے کے بعد فرمایا کہ اے سید علی! میں نے اسی وقت، اسی جگہ اسی مراقبے اور مشاہدے میں اپنے والد محترم اور اپنے پیر کو دیکھا کہ وہ مجھ سے فرما رہے ہیں کہ بیٹا! میرے دو خرقے باقی ہیں۔ ایک کو پھاڑ کر اور ٹکڑے ٹکڑے کر کے

میرے مریدین اور معتقدین میں تقسیم کر دو، اور دوسرے خرقے کو ایک آنے والے کو جسے تم اس حال میں پاؤ اس کو دو کہ حق اس کی جانب ہے۔ لہذا میں اس حال کے مطابق تمہیں پاتا ہوں۔ یہ فرما کر انھوں نے دونوں خرقے طلب کیے۔ اور ایک خرقے پر جس پر پہلے ہی میرا نام لکھا ہوا تھا۔ مجھ کو پہنایا۔ خدا کی عجیب حکمت تھی کہ میں قید پیری سے چھٹکارا حاصل کرنے آیا تھا۔ اور یہاں آکر اور قید بڑھ گئی۔ چند روز کے بعد صاحبزادے صاحب نے فرمایا کہ میرے والد محترم نے تم کو کوہستان میں رہنے کے لیے حکم دیا تھا۔ اس لیے مناسب یہ ہے کہ کسی پہاڑی علاقے میں جسے تم مناسب سمجھو، سکونت اختیار کرو، یا اپنے وطن چلے جاؤ کہ اس کا تعلق بھی پہاڑی علاقے سے ہے۔

۱۷۔ پشاور میں تشریف آوری: چنانچہ میں مخدوم زادے کے ارشاد پر اپنے وطن کے ارادے سے روانہ ہوا۔ جب شہر پشاور میں پہنچا تو میرے معتقدین و مخلصین میں حاجی سیف اللہ و ملک گدائی نے جو گگیانی ملکوں میں سے تھے اصرار کیا، اور کہا کہ ہمارا وطن قریب ہے، کچھ روز وہاں قیام فرمائیے تاکہ ہمارے اہل وعیال، متعلقین اور اس شہر کے رہنے والے آپ کے رشد و ہدایت سے مستفید ہوں، اور بدعت اور مخالف شریعت طریقوں سے مجتنب ہوں۔ ان کے اصرار پر میں راضی ہو گیا۔ اور میں نے ان کے وطن دوآبہ کی طرف رخ کیا، اور ان کے شہر میں مقیم ہو گیا۔ اس شہر کے عوام و خواص میری طرف متوجہ ہوئے۔ ان میں سے بعضوں نے مجھ سے طریقت اور شریعت میں استفادہ کیا، اور بعض میری مجلسوں میں شریک ہو کر وعظ و نصیحت سے مستفید ہوتے رہے، لیکن اس کے بعد پھر ممنوعات کے مرتکب ہوئے۔ اس لیے کہ اکثر افغانوں کی بلکہ تمام افغانوں کی عادت یہ تھی کہ وہ سنی سنائی باتوں کو پسند کرتے ہیں، خواہ وہ باتیں خیر ہوں یا شر۔ اپنے جہل کی وجہ سے وہ خیر پہ بہت کم عمل کرتے ہیں، بلکہ اکثر افغان خیر کی باتوں سے بھاگنے والے اور شر کی باتوں کے سننے کے متجسس ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ امر بالمعروف اور مواعظ و نصائح کے فرائض ان میں ادا کرنا دشوار ہے۔

دو ملحد، سرکش اور شریعت محمدیہ کے مخالف مشہور ہیں، ایک ان میں سے پیر طیب نامی ہے، جو خلجی افغانوں سے تعلق رکھتا ہے۔

۱۸۔ سدم میں تشریف آوری: دو آبے سے روانہ ہو کر میں علاقہ یوسف زئی کے موضع سدم میں مقیم ہوا۔ افغانوں کا طریقہ یہ ہے کہ جب کبھی وہ نئی آواز سنتے ہیں اور کوئی نیا عالم یا شیخ یا صالح و عابد ان کے درمیان آتا ہے تو اس کے گرد جمع ہو جاتے ہیں۔ اور جماعتوں کی جماعتیں اس کی زیارت کے لیے آتی ہیں تاکہ اس کی باتیں سنیں، کیونکہ افغانوں کو صرف باتیں سننے اور جمع ہونے سے دلچسپی ہے، اور عمل کرنے سے ان کا تعلق نہیں۔ اپنے غلبہ جہل کی وجہ سے وہ اہلِ حق اور اہل باطل میں امتیاز نہیں کر سکتے۔ اور نہ انہیں یہ اندازہ ہوتا ہے کہ یہ نیا آنے والا اہل حق سے ہے یا اہل باطل سے، مگر ان میں بعض دانا اور عقل مند ایسے بھی ہیں جو اہل حق کو اہل باطل سے پہچان لیتے ہیں۔ چنانچہ جب میں ان کے علاقے میں پہنچا، تو اطراف و جوانب سے لوگ جوق در جوق میرے گرد جمع ہونے لگے۔ اور وعظ و نصیحت سننے لگے۔ میں ان کے سامنے اہل ہوا و بدعت کی برائیوں کو ظاہر کر کے ان سے دور رہنے اور شریعت پر عمل کرنے کی ان کو تلقین کرتا تھا، چونکہ یہ لوگ طالب دین اور حق کے متلاشی تھے، میری تقریروں نے ان کے دلوں پر اثر کیا، اور وہ اہل ہوا و بدعت سے مجتنب اور محترز ہو گئے۔

۱۹۔ ازدواج: پھر وہاں کے لوگوں نے مجھ سے نہایت الحاح و زاری سے خواہش کی کہ ایک سال میں ان کے حدود میں سکونت اختیار کر دوں۔ تاکہ عوام پیر طیب کی پھیلائی ہوئی گمراہیوں سے گمراہ نہ ہوں عوام کے اصرار پر میں اس پر راضی ہو گیا، افغانوں کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ جب کوئی عالم یا صالح جو ان کے قوم اور قبیلے سے نہ ہو، ان میں آجاتا ہے۔ تو اس قبیلے یا قوم کا سردار اپنی بہن یا لڑکی مہر موجل کے ساتھ اس کے نکاح میں لاتا ہے، تاکہ اس طرح سے وہ شخص ان کے شہر میں رہے اور وہ اس سے استفادہ کرتے رہیں۔ اس بنا پر ملک دولت ملی زئی نے جو قبیلہ بارک زئی

سے تھا۔ اپنی بہن بی بی مریم سے میرا نکاح کر دیا۔ اگرچہ میں نکاح کے علائق میں پڑنا نہ چاہتا تھا۔ لیکن کسی مسلمان کے دل کو رنجیدہ کرنا مجھے مروت کے خلاف معلوم ہوا، اور میں نے شادی کر لی۔ اس وقت میں سمجھا کہ میرے پیر کا اشارہ اسی کوہستان کی طرف تھا، یہیں میرے لڑکے اور لڑکیاں پیدا ہوئیں۔

۲۰۔ علاقہ یوسف زئی میں سکونت: کچھ زمانے کے بعد مجھے خیال پیدا ہوا کہ اپنے والدین کی خدمت میں حاضر ہو کر ان کی زیارت سے مشرف ہونا چاہیے۔ میں اپنے وطن قندس پہنچا، لیکن میرے والد انتقال فرما چکے تھے اور میری والدہ حیات تھیں۔ ان کی زیارت سے مشرف ہوا، اور میں نے ان سے اپنی شادی کا حال بیان کیا۔ میں نے چند دن وہاں قیام کیا۔ جب میں رخصت ہونے لگا تو میری والدہ نے مجھے از راہ شفقت بہت سا سامان دے کر کہا کہ اے بیٹے! اگر ممکن ہو تو اپنی بیوی بچوں کو بھی لانا، ورنہ میں نے تمہیں حق مادری بخش دیا، تم وہیں رہنا۔ اس کے بعد میں اپنی والدہ محترمہ کے حکم کے مطابق مستقل طور پر علاقہ یوسف زئی میں مقیم ہو گیا۔

۲۱۔ پیر تاریک و پیر جمال کی گمراہی: اور میں نے ان قبائل کو راہ حق پر اور دین حق پر مستقیم کر دیا۔ لیکن جب پیر تاریک اور جمال دین کلال کا ظہور ہوا اور ان کی وجہ سے ان قبائل میں افتراق پیدا ہوا۔ تو اس وقت ان میں سے بعض میری دعوت پر راہ محمدی پر ثابت قدم رہے، اور بعض ان دونوں گمراہوں کی وجہ سے گمراہ ہو گئے۔ اسی وجہ سے یہ لوگ اکبر بادشاہ کے قہر و غضب میں گرفتار ہوئے۔ کیونکہ حدیث میں رسول اکرم کا ارشاد ہے کہ جس ملک میں گمراہیاں عام ہوتی ہیں۔ اس ملک کو اللہ تعالیٰ ظالم بادشاہ کے عذاب میں گرفتار کرتا ہے۔

۲۲۔ بونیر میں قیام: صاحب یوسف زئی پٹھان کا بیان ہے کہ اس کے بعد حضرت سید علی ترمذی پاچا کلے (بونیر) میں مقیم ہو گئے، اور یہیں وہ "پیر بابا" کے نام سے مشہور ہوئے۔ یہاں ان کے مریدوں کی تعداد میں غیر معمولی اضافہ ہوا، اور انہوں نے لنگر جاری کیا۔

۲۳۔ وصال: اور اسی جگہ ۹۹۱ھ (۱۵۸۳ء) میں آپ نے وفات پائی۔ اور یہیں آپ کا مزار پر انوار آج بھی مرجع خاص و عام ہے۔ یہ مزار درہ کڑاکڑ سے کوئی دس میل کے فاصلے پر ایک ندی کے کنارے واقع ہے جو بونیر اور سوات میں حد فاصل کا کام دیتی ہے۔ مزار کے شمال کی طرف ایک اور درہ ہے، جس سے گزر کر زائرین بہ آسانی سوات کے دارالسلطنت سیدو شریف تک جا پہنچتے ہیں۔ اس مزار کا محل وقوع بہت خوبصورت ہے۔ اس کی پشت پر ایلم اور دوسرا کی پہاڑی چوٹیاں اس کی خوبصورتی کو اور بھی چار چاند لگا رہی ہیں۔

۲۴۔ اولاد: آپ کے دو صاحبزادے سید عبد اللہ اور سید قاسم اور تین صاحبزادیاں سیدہ رحیمہ، سیدہ کریمہ، سیدہ زینبہ بیان کی جاتی ہیں۔

حضرت سید علی ترمذی کی وفات کے بعد ان کی اولاد اور خاندان کو بھی روحانی اور سیاسی اقتدار حاصل رہا۔ اور سوات کے دور جدید میں انہیں کی اولاد سے سید اکبر شاہ اور سید عبد الجبار کو سوات، کا بادشاہ منتخب کیا گیا تھا۔

۲۵۔ خلیفہ: حضرت سید علی ترمذی کے خلفاء میں حضرت اخوند درویزا بہت مشہور ہیں۔

حضرت شیخ رحمکار المعروف کاکا صاحبؒ

حضرت شیخ رحم کار ان عظیم المرتبت اولیاء اکرام میں سے ہیں جنہوں نے خاندان اولیسہ سہروردیہ کے روشن چراغ کی حیثیت سے دین اسلام کی گراں قدر خدمات انجام دی ہیں۔ سرحد میں آپ بہت معروف ہیں۔

۱۔ نام: آپ کا اصلی نام کستیر گل ہے۔ لیکن آپ لوگوں کے ساتھ حسن سلوک، مخلوق خدا پر شفقت کی وجہ سے "رحم کار" کے لقب سے اتنے زیادہ مشہور ہوئے کہ لوگ آپ کا اصل نام بھول گئے۔ اور چونکہ آپ کی عظمت اور بزرگی کا نقش ہر ایک کے قلب پر بیٹھا ہوا تھا، اس لیے آپ "کاکا صاحب" کے خطاب سے بھی مشہور ہوئے۔ (کاکا، پشتو زبان میں بزرگ اور محترم کو کہتے ہیں)۔

۲۔ والد گرامی: آپ کے والد گرامی کا نام بہادر بابا تھا۔ جو نادر شاہ کے فرزند تھے جو مست بابا کے نام سے مشہور تھے۔

سید بہادر ایک عابد و زاہد بزرگ تھے، اور اپنے دور کے صالحین میں شمار کیے جاتے تھے۔ انہیں کے صاحبزادے حضرت شیخ رحم کار ہیں۔ آفتاب ہدایت بن کر تاباں ہوئے اور اس سارے علاقے کو اپنی ضیا پاشیوں سے منور بنا دیا۔

۳۔ پیدائش: شیخ رحمکار کی ولادت یکم رمضان کو ۹۸۳ھ مطابق (۱۵۷۵ء) میں ہوئی۔ آپ کی پیدائش کے وقت آپ کے والد محترم قصبہ زیارت کاکا صاحب سے جانب جنوب چھ میل کے فاصلے پر جنگل میں مقیم تھے۔

۴۔ شجرہ نسب: حضرت کاکا صاحب حسینی سید ہیں سلسلہ نسب تئیسویں پشت میں حضرت امام حسینؓ سے اس طرح ملتا ہے۔

شیخ رحمکار بن شیخ سید بہادر بن سید نادر صاحب بن سید غالب بن سید آدم

بن سید یٰسین بن سید محبت بن سید باقر بن سید محمود بن سید احمد بن سید سیف الدین بن سید سعد الدین بن سید علی اکبر بن سید لقمان بن سید رسال بن سید قاف بابا بن سید فاتح بن سید خاتم بن سید اسماعیل بن حضرت امام جعفر بن حضرت امام باقر بن حضرت امام زین العابدین بن حضرت امام حسینؓ

۵۔ تعلیم: آپ نے جوان ہونے تک دینی علوم کی تعلیم مکمل کر لی۔ تفسیر و حدیث سے آپ کو غیر معمولی شغف تھا، اور تفسیر و حدیث کی تقریباً اٹھارہ کتابیں ہر وقت آپ کے زیر مطالعہ رہتی تھیں۔ آپ کے استاد کا نام اخون دین تھا۔

اخون دین صاحب، صاحب علم و فضل و بزرگ تھے۔ وہ حصول معرفت و سلوک کے لیے حضرت شیخ رحمکار کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے۔ چند روز کے بعد انہوں نے واپس جانے کی اجازت چاہی، مگر آپ نے اجازت نہ دی، مگر وہ بغیر اجازت ہی روانہ ہو گئے آخر انہیں شیخ کی کرامت سے واپس آنا پڑا۔ اخون الدین صاحب نے واپسی کے بعد آپ سے درخواست کی کہ اگر آپ مشکوٰۃ شریف کے چند سبق مجھ سے پڑھ لیں تو یہ میرے لیے موجب تسکین ہوگا۔ حضرت شیخ رحمکار نے ان کی یہ درخواست منظور فرمائی، اور مشکوٰۃ شریف کے چند اسباق ان سے پڑھ لیے۔

۶۔ نقل مکانی: والد کی وفات کے تین سال بعد آپ اس جگہ چلے آئے جسے اب میلہ کہتے ہیں اور زیارت کاکا صاحب سے ڈیڑھ میل جنوب مغرب کی طرف واقع ہے۔ یہاں پہاڑیوں میں ایک چشمہ کے پاس قیام فرمایا۔ یہ آپ کی جوانی کا زمانہ تھا۔ آپ کے زہد و تقوے اور ولایت کی خبر دور دور تک مشہور ہو چکی تھی، چنانچہ آس پاس کے علاقوں سے لوگ آپ کی زیارت کے لیے آنے لگے اور میلہ بھی اچھی خاصی رونق ہونے لگی۔

۷۔ شہنشاہ اکبر سے ملاقات: اتفاق سے شہنشاہ اکبر دہلی سے پشاور آیا اس نے کاکا صاحب کی بزرگی کا حال سن رکھا تھا۔ چنانچہ نوشہرہ کے مقام پر حضرت سے ملاقات کی اور بہت عزت و تکریم کی۔ اٹک تک حضرت کو اپنے ساتھ لے گیا بار بار پوچھا کہ کسی چیز کی ضرورت ہو تو بتائیں مگر حضرت نے ہر مرتبہ یہی کہا کہ میں اللہ کے سوا کسی سے کچھ نہیں مانگتا۔ آپ کے انکار کے باوجود اکبر نے علاقہ خٹک اور اتمان بلاق آپ کو جاگیر کے طور پر دے دیے۔ آپ نے وہی جاگیر اپنے مرید شہباز خان خٹک کو جو مشہور شاعر اور سردار خوشحال خان خٹک کا باپ تھا، مرحمت کر دی۔

۸۔ بیعت: آپ کا سلسلہ طریقت اویسی تھا لہٰذا تذکرہ نگاروں نے آپ کا سلسلہ طریقت اویسی بتاتے ہوئے لکھا ہے کہ:۔

"وطریقہ شیخ اویسی بود و نور حضرت نبی صلی اللہ علیہ وسلم مربی و از قول صریح او قدس سرہ ایں طریقہ اویسی معلوم شدہ است۔ حضرت ایشاں طریقہ اویسی بہر کس ظاہر نمی کرد و نمی گفت، از جہت آنکہ از اسرار است و سر اسرار اولیٰ تر است۔

حضرت شیخ (رحم کار) کا طریقہ اویسی تھا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نور آپ کا مربی تھا۔ آپ کے قول صریح سے آپ کا یہ طریقہ اویسی معلوم ہوا ہے آپ اس طریقہ اویسی کو ہر ایک پر ظاہر نہیں فرماتے تھے اور نہ کسی سے کہتے تھے، اس لیے کہ وہ اسرار میں سے ہے اور اسرار کا چھپانا زیادہ بہتر ہے۔

"مقامات قطبیہ" میں ہے۔ اویسی طریقہ داشت، نوازش زنبی یافت اویسی طریقے کا طالب براہ راست فیضان نبوی سے مستفید ہوتا ہے لیکن "مجمع البرکات" میں ہے کہ اویسی طریقے کے علاوہ آپ سلسلہ سہروردیہ میں اپنے والد سے بیعت تھے صاحب "مجمع البرکات" کا خیال ہے کہ آپ کے والد شیخ بہادر سلسلہ چشتیہ میں شیخ محمد جعفر لاہوری چشتی سے بیعت تھے۔ ان کا خیال ہے کہ سلسلہ چشتیہ میں بھی آپ

کی بیعت و خلافت ہو گی۔

۹۔ عشق الٰہی: حضرت شیخ رحم کار عشق الٰہی سے سرشار اور مقام عبدیت کی انتہائی منزل پر فائز تھے۔ وہ اس منزل کے کیف اور لذتوں کو بیان کرتے ہوئے فرمایا کرتے تھے۔

ایں لفظ از خواص حضرت ایشاں بود کہ از روئے مہربانی با بسیار۔ کساں میگفتند سے کہ شیخی بہ شیخاں بخشیدم۔ پیری بہ پیراں۔ بخشیدم و سلوک بہ سالکاں بخشیدم و تصوف بہ صوفیاں بخشیدم و من بر آنم کہ اللہ تبارک و تعالےٰ زنجیر بندہ گری در گردن من انداختہ و او تعالیٰ ایں زنجیر از گردنم بدر نگہ دارند۔

حضرت شیخ رحم کار کے خصوصی الفاظ میں سے یہ ایک تھا جو مہربانی کی بنا پر بہت سے لوگوں سے کہتے تھے کہ میں نے شیخی شیخوں کو اور سلوک سالکوں کو اور تصوف صوفیوں کو بخش دیا۔ اور میں اس پر ہوں کہ اللہ تبارک و تعالےٰ اپنی بندگی کی زنجیر میری گردن میں ڈال دے اور حق تعالےٰ یہ زنجیر میری گردن سے نہ نکالے۔

شیخ عبدالحلیم صاحب۔ "مقامات قطبیہ" نے ان کو شہباز ادج و عشق و محبت اور شہسوار۔ میدان عبودیت بتاتے ہوئے لکھا کہ:

حضرت شیخ المشائخ شیخارا طے مقام عبودیت حاصل شدہ و یقین کامل و صدق دل او را روئے دادہ و راہ۔ حقیقت بر او کشادہ و شہباز ادجِ عشق و محبت بود۔

حضرت، شیخ المشائخ ہمارے شیخ کو مقام عبودیت حاصل ہو چکا تھا اور یقین کامل اور صدق دل کی منزل آپ پر ظاہر ہو چکی تھی اور راہ حقیقت آپ پر کھل چکی تھی۔ آپ عشق و محبت کی بلندیوں کے شہباز تھے۔

۱۰۔ استغنا و بے نیازی: آپ اہل دنیا سے بے نیاز تھے اور کہا جاتا ہے کہ:۔

استغنا و بے نیازی حضرت شیخ رحم کار کا امتیازی وصف تھا۔ وہ نہ صرف خود دنیا سے بے نیاز رہتے تھے بلکہ اپنے مریدوں کو بھی اس کی نصیحت فرماتے "مقامات قطبیہ" میں ہے کہ:

حضرت ایشاں ترکِ حب دنیا کردہ بودند۔ یک مرید را زبانِ مبارک قسم ظاہر نمود کہ زر سرخ و سفید در دل من برابر سنگ است۔	حضرت شیخ (رحمکار) دنیا کی محبت ترک کیے ہوئے تھے۔ ایک مرید سے قسم کھا کر فرمایا کہ سونا اور چاندی میرے دل میں پتھر کے برابر ہے۔

۱۱۔ علم و فضل: آپ کو علم شریعت اور طریقت میں کمال حاصل تھا۔ تقریباً پچیس سال تک آپ تحصیل علم میں مصروف رہ کر علم و فضل کا درخشاں آفتاب ہے۔

علوم، قرآنیہ سے آپ کو غیر معمولی شغف تھا "مقامات قطبیہ" میں ہے کہ:

حضرت شیخنا در دقائق و اسرار معانی قرآنِ سرے وورکہ عظیم داشت۔	ہمارے شیخ قرآن مجید کے معانی کی باریکیوں اور قرآن مجید کے اسرار کے سمجھنے میں بڑی مہارت رکھتے تھے۔

علمی طور سے جہاں آپ دریائے تصوف کے شناور تھے۔ وہیں ایک عالمِ علوم۔ تصوف کی حیثیت سے بھی آپ کا مرتبہ بہت بلند تھا۔ "مقامات قطبیہ" میں ہے کہ:

حضرت ایشاں را در علم الیقین و حق الیقین و عین الیقین حظ عظیم و علم کامل بود، دریں مقامات درک وافر میداشت، زیرا کہ طے ہمہ مقامات کردہ، و ہمہ را دیدہ و منظور و محفوظ آنہا بودند۔	حضرت علم الیقین، حق الیقین اور عین الیقین میں بڑا حصہ رکھتے تھے اور آپ کا علم کامل تھا اور ان مقامات میں بڑا درک رکھتے تھے، کیونکہ آپ نے یہ تمام مقامات طے کیے تھے اور ہر ایک کو دیکھا تھا اور ان سے حظ حاصل کیا تھا۔

تعلیم و تعلّم سے خاص ذوق تھا۔ آپ کی نگرانی و اہتمام میں سات مدرسے قائم تھے۔ ان میں سے تین مدرسوں میں قرآن مجید کی تعلیم دی جاتی تھی اور چار مدرسوں میں مختلف فنون پڑھائے جاتے تھے۔

۱۲۔ **فیاضی و سخاوت**: فیاضی و سخاوت حضرت شیخ رحمکار کے کردار میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ وہ اس وصف میں درجہ بڑھے ہوئے تھے کہ قرض لے کر لوگوں پر خیرات کرتے "مقامات قطبیہ" میں ہے کہ شیخ رحم کار کی شفقت مسکینوں اور فقیروں پر زیادہ تھی۔ جتنا کوئی غریب ہوتا تھا آپ کو زیادہ محبوب ہوتا تھا۔ فیاضی اور سخاوت کا یہ عالم تھا کہ

حضرت ایشاں چنداں قرض و دام برائے صدقات و خیرات میگرفتے کہ بعقل نمی آمد کہ حضرت ایشاں ازیں قرض خلاص شوند۔ مگر حق جل و علا آں قرض را در مدت قلیل ادا کردے و بدستور حضرت ایشاں دیگر قرض گرفتے و خیرات فرمودے و آناں را نیز در اندک مدت حق تعالیٰ بلطف خود ادا فرمودے و تا وقت مرگ بریں نمط قرضہا میکردندے و تصدق نمودندے۔

حضرت شیخ رحم کار اس قدر قرض و ادھار صدقات و خیرات کے لیے لیتے تھے کہ عقل میں نہیں آتا تھا کہ آپ اس قرض سے کس طرح چھٹکارا حاصل کر سکیں گے۔ مگر حق جل و علا اس قرض کو تھوڑی مدت میں ادا کروا دیتا تھا اور بدستور حضرت اور قرض لے لیتے تھے اور حق تعالےٰ اس کو بھی کم مدت میں اپنے لطف خاص سے ادا کروا دیتا۔ یہاں تک کہ اپنی وفات تک اسی طرح قرض لیتے رہے اور صدقہ کرتے رہے۔

"مقامات قطبیہ" میں ہے کہ آپ کے والد حضرت شیخ بہادر کی وفات کے بعد جو ترکہ آپ کو ملا آپ نے وہ سب کا سب ایک دم راہ خدا میں خیرات کر دیا۔

جب آپ کی خانقاہ میں طالبان حق کا ہجوم بڑھا تو آپ نے ان کے لیے لنگر کا انتظام فرمایا۔ آپ اکثر لنگر کی وجہ سے مقروض ہو جاتے تھے۔ مریدین و معتقدین

میں سے کوئی قرض پر پریشانی کا اظہار کرتا تو فرماتے۔

اے فرزند! غم مخور، حق سبحانہ وتعالےٰ مسبب الاسباب ہست ہر کہ بہ او تکیہ کند روزی او فراخ است و اولاد او نیز از برکت توکل اور در دنیا بسیار عیش دار باشد۔

اے بیٹے! کچھ غم نہ کرو، حق سبحانہ وتعالےٰ مسبب الاسباب ہے جو کوئی اس پر بھروسہ کرتا ہے نہ صرف اس کی روزی فراخ ہو گی بلکہ اس کی اولاد کو بھی توکل کی وجہ سے دنیا میں اچھی روزی حاصل ہو گی۔

خدائے تعالیٰ نے بلوغ ہی سے میرے مرشد کو ان چند باتوں سے نوازا تھا تاکہ ان کی عمر عزیز ضائع نہ ہو۔ آپ خاموش اور گوشہ نشین تھے، بات نرمی سے کرتے تھے، آواز بلند نہیں ہوتی تھی آپ کی ہنسی، قہقہے سے کم تھی۔ کبھی کبھی تبسم کرتے تھے، بے آواز، حلم وبردباری آپ میں اس قدر تھی کہ اگر مچھر آپ کے جسم پر کاٹتا تو نرمی سے ہاتھ اٹھاتے اور اسے اڑا دیتے۔ چلنے میں آہستہ چلتے تھے، اور کم رفتار تھے صرف چند قدم چلتے تھے۔ مسجد کو جاتے تھے اور مسجد سے حجرے کو واپس آتے تھے عبادت کے پیاسے تھے اور فقیروں اور مسکینوں کے لیے سخاوت کے تشنہ تھے..... صبح صادق سے پہلے مسجد میں آتے، اور کبھی کبھی صبح صادق کے بعد آتے۔ آپ سے پہلے کوئی مسجد میں نہ آتا تھا۔ پانچ وقت کی نماز ہمیشہ مسجد میں ادا فرماتے، نماز فجر پڑھنے کے بعد معرفت کی تعلیم، عبادت اور تلاوت میں مشغول ہو جاتے، یہاں تک کہ آفتاب بلند ہو جاتا، پھر آپ نماز چاشت ادا فرماتے... کپڑے جسم پر پارہ پارہ رہتے تھے اور روٹی ٹکڑے ٹکڑے تھی۔ جب تک حیات رہے اسی وضع پر قائم رہے۔ کبھی کبھی ایک پرانی چادر اوڑھ لیتے، اور ایک چھوٹی سی دستار سر پر باندھتے۔ کبھی کبھی ایک پرانا کپڑا اونی یا سوتی سر کو لپیٹ لیتے۔ جوتے کھجور کے بنے ہوئے پتوں کے پہنتے تھے۔ آپ نے ساری عمر اسی طرح گزاری۔ اگر کوئی نیا کپڑا لاتا تو آپ اس کی خاطر داری کے لیے تھوڑی دیر کے لیے پہن لیتے، پھر وہ کپڑا درویشوں کو دے دیتے اور پرانے کپڑے

خود پہن لیتے۔ سرما کی راتوں میں نفل نمازیں پڑھنے کی وجہ سے میرے مرشد کے پاؤں ترٹخے ہوئے رہتے تھے۔ گرمیوں اور سردیوں میں رات دن نماز پڑھتے رہتے، صرف تھوڑی دیر آرام کرتے...... غرض کہ جملہ اوصاف میں وہ حسن بصری ثانی تھے۔

حضرت شیخ رحمکار کے حسن اخلاق کی کیفیت کو بیان کرتے ہوئے مقامات قطبیہ کے مولف شیخ عبدالحلیم نے لکھا کہ

حضرت ایشاں در قول خود است وصادق زماں خود بودہ، از مالا یعنی متحرز و دور میبود در قول نبی علیہ السلام عمل میداشت ومیکرد وہرگز زبان مبارک ایشاں لغو و بیہودہ نرفتہ و قائل برحق میبود ونیز حضرت ایشاں را افعال نیک بود وکمال بہ کمال میداشت وآراستہ بر فعل نبی علیہ السلام بود و براں عمل میکرد، و از ہوا و نفس بالکل منقطع بود، و براہ حق قدم نہادہ میرفت و سر ہا نفس و ہوا بریدہ در پیش خود انداختہ بود کہ تعلق ہر حواسِ خمسہ میدارد، ونیز حضرت ایشاں اخلاق حمیدہ میداشت و از ذمیمہ اثرے دور نبود۔

حضرت شیخ رحمکار اپنے قول میں سچے اور اپنے زمانے کے صادق تھے۔ لغو اور بیہودہ باتوں سے احتراز کرتے تھے اور نبی علیہ السلام کے قول پر عمل کرتے تھے۔ اور ہرگز ان کی زبان سے کوئی لغو اور بے ہودہ بات نہ نکلتی تھی اور حق کے قائل تھے، اور نیز حضرت کے تمام کام اچھے تھے اور کمال حد کمال تک رکھتے تھے اور نبی علیہ السلام کے فعل سے آراستہ تھے اور اس پر عمل کرتے تھے ہوا اور نفس سے بالکل منقطع تھے اور حق کے راستے پر قدم رکھ کر چلتے تھے اور خواہشات اور نفس کے سر کو کاٹ کر اپنے سامنے ڈال دیا تھا۔ جن کا تعلق حواسِ خمسہ سے تھا اور حضرت اخلاق حمیدہ رکھتے تھے، اور برائیوں کا ذرا بھی اثر آپ پر نہ تھا۔

۱۳۔ مرض الموت: حضرت شیخ رحمکار کا مرض الموت تقریباً ایک سال تک رہا۔ ایک سال کی طویل بیماری میں آپ ہمیشہ باوضو کھڑے ہو کر نماز ادا کرتے رہے حالانکہ کیفیت یہ تھی کہ بیماری کی وجہ سے سخت تکلیف آپ کو لاحق تھی اکثر دو آدمی پکڑ کر آپ کو جائے نماز تک پہنچاتے۔ تیمار داروں میں آپ کے بھائی شیخ عفان نے آپ کی تیمار داری میں بہت خدمت کی۔

۱۴۔ وصیت: دوران مرض اپنے بھائی شیخ عفان کو وصیت فرمائی کہ میرے مرض کی جب شدت بڑھ جائے تو میری وفات کے وقت کسی اجنبی کو میرے پاس نہ آنے دینا اور اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ۔

حق سبحانہ تعالٰے مرا از اظہار اسرار ربی محفوظ داشتہ، مبادا کہ من در شدت مرض چیزے ظاہر کنم، داٰنہا آں را فاش کنند۔ خوب نخواہد بود۔

حق تعالٰے نے مجھ کو اظہار اسرار ربی سے محفوظ رکھا، ایسا نہ ہو کہ میں شدت مرض میں کوئی چیز ظاہر کر دوں اور وہ اس کو فاش کر دیں یہ اچھا نہیں ہو گا۔

۱۵۔ نصیحتیں: آپ کے عظیم المرتبت خلیفہ شیخ جمال الدین کا بیان ہے کہ وفات سے سات روز پہلے ۱۶ رجب ۶۴۰ھ (۱۲۵۲ء) کو آپ نے اپنے مریدوں اور خلفاء سے ۷۰ افراد کو بلوایا اور خاص خاص نصیحتیں فرمائیں اور سلوک و عرفان کے اہم رموز و معارف ان کو سمجھائے۔ یہ سلسلہ چار روز تک جاری رہا۔ شیخ جمال الدین ان مجالس کی کیفیت کو بیان کرتے ہوئے رقم طراز ہیں۔

بسیار وصیتہا از ہر نوع بما یاں فرمودند، دیگر ہیچ کس نزد ایشاں درآں روزہا نگذاشتیم۔

ہر قسم کی بہت سی وصیتیں آپ نے فرمائیں اور ان دنوں میں ہم کسی دوسرے شخص کو اپنے ساتھیوں کے علاوہ آپ کے پاس آنے کے لیے نہیں چھوڑتے تھے۔

انہیں دنوں آپ نے شیخ عفان کے سامنے بقا باللہ اور فنا فی اللہ پر ایک نہایت موثر تقریر کی۔ اسی ضمن میں اکوڑے سے واپسی کا ایک واقعہ بیان کرتے ہوئے فرمایا۔

برق رحمت از ابر محبت درخشید و حقیقت مکاشفہ جمال ذات روے داد، وبکمالیت فنا فی اللہ و بقا باللہ رسانید، واز کون ومکان درگذشتہ کہ آں جا شب بود نہ روز نہ آسماں و نہ زمین و نہ یمین و نہ یسار و نہ تحت و نہ فوق، و نہ پیش و نہ پس کہ لا لیل عند اللہ ولا نہار و اوار در فہمانید، فہم من، و ایں را کسے فہم نکند، مگر آں را کہ فہم کنانند۔

ابر محبت سے برق رحمت چمکی اور مکاشفے سے جمال ذات کی حقیقت ظاہر ہوئی اور فنا فی اللہ اور بقا اللہ کے کمال تک پہنچا یا۔ اور کون و مکان سے گزر کر وہاں پہنچا کہ جہاں رات تھی نہ دن تھا، نہ آسمان تھا نہ زمین۔ نہ داہنا تھا۔ نہ بایاں، نہ تحت تھا نہ فوق، نہ آگے تھا نہ پیچھے کہ اللہ کے ہاں نہ رات ہے نہ دن اور اس نے مجھ کو سمجھایا میری سمجھ کے مطابق اور اس کو کوئی نہیں سمجھ سکتا۔ مگر جس کو سمجھا دیا جائے۔

۱۶۔ خوشحال خاں کی اجازت طلبی: آخری رات کو پشتو کے عظیم المرتبت اور نامور شاعر خوشحال خان خٹک نے حضرت شیخ رحمکار کے صاحبزادوں سے اجازت طلب کی کہ وہ رات بھر شیخ رحمکار کے پاس رہ کر شیخ کی خدمت کی سعادت حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ صاحبزادوں نے اجازت دے دی۔ وہ رات بھر آپ کی خدمت میں حاضر رہے۔ صبح کے وقت قضائے حاجت کے لیے آپ بیدار ہوئے خوشحال خاں نے استنجے اور وضو کے لیے لوٹے میں پانی رکھا آپ نے وضو فرما کر فجر کی نماز ادا فرمائی۔ نماز کے بعد لوگ جوق در جوق آتے رہے اور آپ سے روحانی استفادہ کرتے رہے، جب سورج زوال پذیر ہونے لگا، تو آپ

نے لوگوں سے پوچھا کیا زوال ہو گیا ہے ؟ کسی نے کہا کہ ہاں ہو گیا ہے۔ کوئی بولا کہ نہیں۔ جب لوگوں میں اختلاف رائے ہوا، تو فرمایا اچھا مجھے یہ بتا دو کہ ظہر کی نماز کا وقت ہوا ہے یا نہیں ؟ تاکہ میں آخری نماز ادا کروں اور خدا کے سامنے جمعہ کی نماز ادا کر لوں اور خدائے تعالےٰ کے سامنے جمعہ کی نماز کا تحفہ لے جاؤں کہ جمعہ تمام دنوں سے افضل ہے۔ زوال کے بعد آپ اٹھے، وضو کیا اور نماز ادا فرمائی صاحب۔ "مجمع البرکات"۔ نے اس نماز کی ادائیگی کی کیفیت کو بیان کرتے ہوئے لکھا کہ :-

نماز را بقیام ظاہراً و باطناً ہرچہ بود از شروط و ارکان و آداب از سنن و فضائل با استقامت ہرچہ در حیات داشتہ ادا نمود۔	نماز کھڑے ہو کر ادا کی اور ظاہری و باطنی نماز کے تمام شرائط و ارکان و آداب و سنن اور فضائل کا پورا پورا لحاظ رکھا۔ جس طرح کہ استقامت کے ساتھ آپ اپنی پوری زندگی میں نمازوں میں اُن کا خیال رکھ کر ادا کرتے تھے۔

نماز کے بعد باوجود نقاہت کے اپنے معتقدین سے فرمایا کہ مجھے مسجد لے چلو تاکہ میں امام کا خطبہ سن لوں۔ خواجہ جمال الدین کا بیان ہے کہ آپ میرے اور خواجہ گل نور کے کاندھوں پر ہاتھ رکھ کر مسجد میں تشریف لائے۔

۱۷۔ وفات :

شیخ ارخ الدین نے خطبہ پڑھا۔ دوران خطبے میں ایک دم آپ نے فرمایا۔

الموت جسر "یوصل الحبیب الی الحبیب۔	"موت ایک پل ہے جو حبیب کو حبیب تک پہنچا دیتا ہے۔

یہ کہہ کر آپ اسی وقت جنت کو سدھارے

"مجمع البرکات،" میں ہے کہ :-

ہماں زمان حق را توصل کردند و	اسی وقت آپ واصل بحق ہوئے اور

پروانہ جاناں گشت و عالم قدس را پرواز کرد۔ | محبوب کے پروانہ ہوئے، اور روح عالم قدس کو پرواز کر گئی۔

۱۸۔ آپ کی تاریخ وفات: ۲۴ رجب ۱۰۶۳ھ (۱۶۵۳ء) ہے۔ مقامات قطبیہ میں ہے کہ وفات کے وقت آپ کی عمر اسی (۸۰) سال کی تھی، اس حساب سے آپ ۹۸۳ھ (۱۵۷۵ء) میں اکبر بادشاہ کے جلوس کے بیسویں سال پیدا ہوئے اور شاہ جہاں کے جلوس کے چھبیسویں سال وفات پائی۔ شاہ جہاں کی حکومت ۱۰۶۳ھ (۱۶۵۲ء) میں ختم ہوئی۔ اس طرح شاہ جہاں نے آپ کی وفات کے بعد چھ سال تک حکومت کی اور اورنگزیب آپ کی وفات کے چھ سال بعد تخت پہ بیٹھا۔

۱۹۔ تجہیز و تکفین: اس آفتاب ولایت کی تجہیز و تکفین میں جن بزرگوں نے سعادت حاصل کی ان میں آپ کے خلیفہ شیخ عبداللطیف، خواجہ گل نور، فقیر محمد سعید، خواجہ مسکین، خواجہ جمال الدین۔ شیخ اخون دین اور پشتو کا مشہور شاعر خوشحال خاں خٹک خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

۲۰۔ تدفین: خوشحال خاں خٹک کا بیان ہے کہ نماز جمعہ کے بعد جب جنازہ تیار ہو گیا تو ہر علاقے کے معتقدین اور مریدین اور خلفاء حاضر تھے۔ ان میں سے ہر ایک کی یہ خواہش تھی کہ حضرت شیخ رحمکار کو اس کے علاقے میں دفن کیا جائے آخر کار صلاح و مشورے کے بعد طے ہوا کہ آپ کو علاقہ یوسف زئی اور علاقہ خٹک کی سرحد پر دفن کیا جائے چنانچہ آپ کو جنازہ کے بعد اس جگہ دفن کیا گیا۔ جہاں آپ کا مزار اقدس ہے۔

تعمیر مزار: آپ کے مزار کے گنبد کی تعمیر آپ کے صاحبزادے شیخ عبدالحلیم نے ۱۰۸۱ھ (۱۶۷۰-۱) میں کرائی۔ اس کی تعمیر میں اس علاقے کے بڑے بڑے حضرات نے حصہ لیا۔ یہ مغلیہ فن تعمیر کا ایک بہترین شاہکار ہے جسے ہندوستان کے معماروں نے تعمیر کیا تھا۔

شیخ رحمکار کے پانچ صاحبزادے تھے ۔

اولاد: ۱۔ شیخ ضیاء الدین معروف بہ شہید بابا ۔

۲۔ حضرت شیخ محمد گل صاحب معروف بہ حاجی محمد بابا ۔

۳۔ شیخ خلیل گل معروف بہ مزرے بابا صاحب ۔

۴۔ حضرت شیخ عبدالحلیم صاحب معروف بہ حلیم گل بابا ۔ دسپین بابا ۔

۵۔ نجم الدین صاحب ، جنہوں نے بچپن میں وفات پائی

حضرت ابوالقاسم نقشبندیؒ

ا۔ نام ونسب: آپ کا اسم گرامی ابوالقاسم، لقب نور الحق تھا۔ جو آپ کے پیر و مرشد شاہ سیف الدین قدس سرہ نے دیا تھا لیکن آپ پورے سندھ میں "حضرت نقشبندی صاحب" کے نام سے مشہور و معروف ہوئے۔ نقشبندی صاحب سے آپ نے اس وجہ سے شہرت پائی کہ ابتداً سندھ میں سلسلہ نقشبندیہ کا وجود نہ تھا۔ بلکہ سارے سندھ میں طریقہ قادریہ اور سہروردیہ پھیلا ہوا تھا۔ سلسلہ چشتیہ اگرچہ سندھ میں موجود تھا۔ لیکن وہ بھی زیادہ نہ تھا۔ اس وقت سندھ میں صرف نقشبندیہ سلسلے کے ایک بزرگ حضرت مخدوم آدم نقشبندی تھے مگر لوگ سلسلہ نقشبندیہ کی طرف متوجہ نہیں ہوتے تھے۔

مخدوم ابوالقاسم نقشبندی جب سرہند سے خرقہ خلافت حاصل کر کے سندھ تشریف لائے تو آپ نے اس سلسلے کو سندھ میں عام کرنے کی عظیم ترین جدوجہد کی آپ روزانہ، مزدوروں، معماروں، لکڑی بیچنے والوں اور سبزی فروشوں کو طلب فرماتے اور طریقہ نقشبندیہ کی تعلیم دیتے شام کو جب یہ لوگ رخصت ہونے لگتے تو ہر ایک کو ان کی روزانہ کی اجرت کے مطابق رقم عطا فرماتے، آہستہ آہستہ تعلیم یافتہ اور غیر تعلیم یافتہ سب لوگ آپ کے پاس جمع ہونے لگے، یہ لوگ آپس میں کہا کرتے کہ یہ سلسلہ بھی نیا ہے، اور یہ طریقہ، تعلیم بھی نیا ہے جب یہ سلسلہ سندھ میں عام ہو گیا، اور لوگوں کا شعور بیدار ہو گیا تو حضرت مخدوم نے یہ طریقہ عطا مسدود فرما دیا۔ اور آپ "نقشبندی صاحب" کے نام سے مشہور ہو گئے۔

مخدوم ابوالقاسم کے والد کا نام درس ابراہیم تھا، ان کے بزرگ ابتدا ہی سے حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی کے خاندان کے مرید و معتقد تھے۔ مخدوم کے

خاندان میں سب سے پہلے درس ابراہیم ٹھٹھہ تشریف لائے، اور ٹھٹھہ میں ہی وفات پائی۔

۲۔ علوم ظاہری کا حصول: آپ نے سب سے پہلے قرآن مجید حفظ کیا، پھر دیگر دینی علوم حاصل کیے اس کے بعد آپ چند روز سندھ کے مشہور بزرگ حضرت شیخ مخدوم آدم قدس سرہ کی خدمت میں رہے اور ان سے ظاہری و باطنی علوم کی تکمیل کی درخواست کی چنانچہ ایک روز حضرت شیخ مخدوم آدم نے مخدوم ابوالقاسم کے جوہر قابل کو پرکھ کر فرمایا میاں صاحبزادے! تم میں نہایت عمدہ صلاحیت ہے۔ اگر تم سرہند چلے جاؤ تو وہاں تمہیں تمہاری خواہش کے مطابق رہنمائی مل جائے گی۔ شیخ آدم کے کہنے کے مطابق چلے گئے۔

۳۔ سرہند میں قیام: جب حضرت مخدوم ابوالقاسم سرہند پہنچے تو سب سے پہلے آپ کی ملاقات حضرت شاہ سیف الدین سے ہوئی جو حضرت مجدد الف ثانی کے پوتے تھے۔ ملاقات اس طرح ہوئی کہ حضرت شاہ سیف الدین حضرت مجدد کے مزار پر حاضری دینے کے لیے پالکی کے انتظار میں تھے۔ ابھی مخدوم ابوالقاسم چند قدم کے فاصلے پر ہی تھے کہ انہوں نے آپ کو دور سے دیکھ کر فرمایا "دادا صاحب آپ کی سفارش فرماتے ہیں"۔ یہ سنتے ہی حضرت مخدوم ابوالقاسم فوراً قدم بوس ہوئے۔ حضرت شاہ سیف الدین نے فرمایا کہ تم ہمارے ساتھ زیارت کو چلا کرو۔ چنانچہ آپ کا معمول ہو گیا کہ آپ ہمیشہ حضرت شاہ سیف الدین کے ساتھ حضرت مجدد الف ثانی کے مزار پر حاضر ہوتے۔

۴۔ روحانی نسبت: چند دن قیام کے بعد جب آپ کے مراسم سیف الدین کے ساتھ ہو گئے تو پھر آپ نے ان کی مریدی اختیار کر کے ان سے روحانی نسبت قائم کی پھر سلوک و طریقت کی تمام منازل کو آپ نے حضرت شاہ سیف الدین سے طے کیا اور ان کی زیر نگرانی یاد الٰہی میں کثرت اختیار کی۔ اس طرح کچھ عرصہ حضرت مخدوم ابوالقاسم سرہند حاضر ہوتے رہے اور اپنے مرشد سے فیوض و برکات

حاصل کرتے رہے۔

۵۔ اجازت وحکم مرشد: ایک مرتبہ جب آپ اپنے پیر سے رخصت ہونے لگے تو حضرت شاہ سیف اللہ نے ارشاد فرمایا کہ میاں اب ہمارا تمہارا معاملہ بالکل یکساں ہو گیا۔ اب تم سندھ جا کر سلسلہ نقشبندیہ میں لوگوں کو راہِ ہدایت کی طرف دعوت دو مخدوم ابوالقاسم نے نہایت ادب سے عرض کیا کہ مجھے کیا عذر ہو سکتا ہے۔ لیکن قرآن مجید میں ہے کہ قلوبھم کالحجارۃ او اشد قسوۃ یعنی بعض آدمیوں کے دل پتھر سے بھی زیادہ سخت ہیں، فرمایا ہاں بلاشبہ ایسا ہی ہے۔ تم سندھ کے کسی ایک آدمی کی طرف توجہ تو دو۔

۶۔ تعمیل ارشاد: اس وقت سندھ میں اپنے علم وفضل، تقویٰ وتقدس کے اعتبار سے میاں عبدالباقی واعظ ساکن متعلوی مشہور تھے، مخدوم ابوالقاسم نے سرہند میں بیٹھے ہوئے اُن پر توجہ کی۔ اس وقت میاں عبدالباقی وعظ فرما رہے تھے، لوگوں کا بیان ہے کہ اُن پر ایک ایسی کیفیت طاری ہوئی کہ وہ اپنے آپ میں نہ رہے۔ اس کی اطلاع جب شاہ سیف الدین اور مخدوم ابوالقاسم کو سرہند پہنچی تو شاہ سیف الدین نے مخدوم ابوالقاسم سے فرمایا کہ تم نے اپنی توجہ کا کرشمہ دیکھا۔ جاؤ اب سندھ میں تم سے رشد وہدایت کے سر چشمے پھوٹیں گے۔ وہاں پہنچ کر دین کو حیاتِ نو بخشو، مخدوم ابوالقاسم نے عرض کیا مجھے تعمیلِ ارشاد میں عذر نہیں۔ لیکن جب کہ طالبانِ حق کی آمد ورفت میرے پاس کثرت سے ہوگی، ان کے اخراجات خورد ونوش کا کیا انتظام ہوگا فرمایا آؤ۔ تاکہ میں تمہیں عمل قرطاس سکھا دوں کاغذ کو کاٹ کر مٹھی میں لو۔ خدا کے حکم سے تم روپیہ یا ریال یا اشرفی جس چیز کا خیال تم دل میں کرو گے، مٹھی کھولنے کے بعد اس کو پاؤ گے، چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

ایک روایت یہ بھی ہے کہ آپ نے مخدوم ابوالقاسم کو تسخیر ہوا کا عمل بھی بتایا تھا یعنی ہوا میں ہاتھ مارتے تھے اور جو چاہتے تھے مٹھی میں آجاتا تھا۔

۷۔ مخلوق خدا کی خدمت: سندھ میں پہنچنے کے بعد حضرت مخدوم ابوالقاسم نے بہت سے بھٹکے ہوئے انسانوں کا رشتہ خدا سے جوڑا، لوگوں کو نیکیوں اور بھلائیوں کی طرف بلایا، برائیوں اور بداخلاقیوں سے روکا، یہاں تک کہ سندھ کے علاوہ دور دور سے لوگ طالبِ حق بن کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور راہِ سعادت پا کر واپس جاتے تھے۔

۸۔ قبول دعا کا واقعہ: بے حد مستجاب الدعوات تھے۔ ٹھٹھہ کے گورنر نواب سیف اللہ خاں کا ایک مصاحب حضرت مخدوم محمد معین ٹھٹھوی سے چھپی ہوئی دشمنی رکھتا تھا، اور آپ کو اذیت پہنچانے کی فکر میں لگا رہتا تھا، اس کی خفیہ کوشش یہ تھی کہ کوئی ایسی ترکیب کی جائے کہ جس سے نواب سیف اللہ خان مخدوم محمد معین کے خلاف ہو جائے۔ لیکن اس کی کوئی تدبیر کارگر نہ ہوتی تھی، ایک دن اس نے نہایت چالاکی سے علاقہ چاچکان کی فوجداری کی خدمات کے احکام نواب سے اپنے لیئے حاصل کر لیے، کیونکہ اس علاقے میں مخدوم محمد معین کی جاگیر واقع تھی۔ جس سے اس کا مقصد یہ تھا کہ وہاں پہنچ کر مخدوم محمد معین کی جاگیر کو نقصان پہنچائے اور اس حد تک ویران کرے کہ کبھی آباد نہ ہو سکے، مخدوم محمد معین کو جب یہ معلوم ہوا تو وہ اپنے پیر و مرشد مخدوم ابوالقاسم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور تمام واقعہ بیان کیا آپ اُس وقت وضو فرما رہے تھے، واقعہ سنتے ہی لوٹا آپ کے ہاتھ سے چھوٹ کر گرا اور ٹوٹ گیا۔ آپ مخدوم محمد معین کی طرف متوجہ ہوئے، اور فرمایا کہ تم مطمئن رہو، اس بداندیش کا انجام بھی ایسا ہی ہوگا، چنانچہ جیسے ہی وہ فوجداری چاچکان کے احکام لے کر روانہ ہوا، ابھی وہ گھوڑے پر سوار ہو کر شہر سے نکلا ہی تھا، اور دریا کے گھاٹ سے آگے گزرنے بھی نہ پایا تھا کہ اچانک اس کا گھوڑا چراغ پا ہوا، اور وہ گھوڑے سے گرا، گھوڑا اس کو زمین پر پٹک کر اس حال میں بھاگا کہ اس کا ایک پاؤں رکاب میں تھا، اور گھوڑا دوڑ رہا تھا، یہاں تک کہ اسی حالت میں اس نے دم توڑ دیا۔

۹۔ میاں ابوالحسن کو عطائے خلافت کا واقعہ: میاں ابوالحسن خشت والہ جو عمر کوٹ کے قریب کہیں رہتے تھے، اور بزرگوں سے نہایت عقیدت رکھتے تھے، ان کی عادت تھی کہ جس شہر میں کسی بزرگ کا تذکرہ سنتے ان کی خدمت میں حاضر ہو کر ایک دہہ یا دو دہے یا ایک چلہ گذارتے اور فیض حاصل کرتے تھے، جب مخدوم ابوالقاسم کے فیوض و برکات کا چرچا سندھ میں عام ہوا تو یہ بھی ایک چلہ گزارنے کے لیے آپ کی خدمت میں پہنچے۔ آپ نے تین چار روز کے بعد ان کو روانگی کی اجازت دے دی، اور خلافت عطا فرما کر حکم دیا کہ اپنے بزرگوں کے طریقے کے مطابق دین کو پھیلائیں، جب یہ اپنے وطن واپس لوٹے، تو اہل وطن ان سے ملنے کے لیے آئے اور انہوں نے ان سے کہا کہ آپ کی عادت تو یہ ہے کہ آپ جب کسی بزرگ کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں تو ان کے پاس ایک یا دو چلے گزارتے ہیں، شاید آپ کا وہاں دل نہیں لگا۔ اسی لیے آپ جلد واپس تشریف لے آئے۔ میاں ابوالحسن نے کہا افسوس ہے کہ یہ تم کیسی فضول باتیں کر رہے ہو، حقیقت یہ ہے کہ ان کے یہاں کی ایک دو گھڑی دوسروں کے یہاں تمام عمر کے رہنے سے بہتر ہے، وہ چیز کہ جس کی مجھے تلاش تھی، اور جسے میں ہر دروازے پر ڈھونڈتا تھا۔ اس بارگاہ میں میں نے تین چار روز میں حاصل کر لی۔

۱۰۔ روحانی فیض پہنچانے کا ایک واقعہ: منقول ہے کہ ایک شخص نے درگاہ حضرت پیر پٹھا میں تصوف کے کسی خاص مقام کے حصول کے لیے ایک چلہ کھینچا۔ جب چالیسویں رات ہوئی، تو عالم مراقبہ میں حضرت پیر پٹھا نے اس سے فرمایا کہ بابا نے اس زمانے میں لوگوں کی وہ طلب ہے اور نہ وہ طلب کرنے والے ہیں، تم جس مقام کے طالب ہو کر آئے ہو وہ تمہیں بغیر محنت کے کیسے حاصل ہو سکتا ہے۔

بے چارہ بد دل اور ملول ہو کر وہاں سے لوٹا اور مخدوم ابوالقاسم کی شہرت سن کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ تھوڑے ہی دن میں تصوف کے جس مقام کا وہ طالب تھا۔ اس سے بلند تر مقامات پر فائز ہوا۔ ایک روز اس نے تنہائی میں حضرت مخدوم ابوالقاسم سے درگاہ حضرت پیر پٹھا پر چلہ کھینچنے کا واقعہ بیان کرتے ہوئے کہا کہ حضرت پیر قدس سرہ، نے تو ایسا فرمایا تھا، اور میں آپ کی خدمت میں رہ کر چند ہی دن میں اس مقام میں کہیں بالاتر گذر چکا ہوں، آپ نے فرمایا بے شک بابا پیر قدس سرہ نے جو تم سے فرمایا تھا وہ صحیح ہے۔ جو کچھ بھی انسان کو حاصل ہوتا ہے، محنت سے حاصل ہوتا ہے۔ مگر یہاں خدا کی رحمت کا بحر بے پایاں جوش میں آیا ہوا ہے جو ہر خشک زمین کو سیراب کر رہا ہے، حقیقت یہ ہے کہ وہب ایک دوسری چیز ہے، اور کسب ایک اور چیز۔ کاسب خواہ درزی ہو یا دھوبی اگر تم اس سے سوال کرو کہ تم ایک لاکھ روپیہ جمع کر سکتے ہو۔ وہ بغیر تامل کے جواب دے گا میرے لیے یہ ناممکنات میں سے ہے، لیکن وہ شخص جس کو بادشاہ وقت نے طلب کر کے اپنی مہربانی سے ایک وقت میں دس لاکھ روپیہ دے دیا ہو، اگر اس سے بھی سوال کیا جائے تو وہ جواب دے گا کہ اگر خدا چاہے تو یہ ایک منٹ میں ممکن ہے۔

۱۱۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے باطنی تعلق کا واقعہ: خانقاہ کے جس حجرے میں آپ کا قیام تھا وہ حجرہ حضوری کہلاتا تھا۔ حجرہ حضوری کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ ایک رات عشاء کے بہت دیر بعد، آپ کے حجرے سے دو آدمیوں کے آہستہ آہستہ باتیں کرنے کی آواز آ رہی تھی، خانقاہ کے فقیروں نے یہ سمجھا کہ شاید شہر کے عمائدین میں سے کوئی آیا ہے۔ جس سے آپ باتیں فرما رہے ہیں، تھوڑی دیر میں آپ حجرے سے برآمد ہوئے، اور تازہ وضو کیا، اور خانقاہ کے ایک فقیر سے فرمایا کہ حجرے میں سے ہماری دستار لاؤ۔ فقیر حجرے سے دستار لینے کے لیے گیا، لیکن جب وہ اندر

داخل ہوا تو اُسے حیرانی ہوئی کہ حجرے میں کوئی دوسرا آدمی موجود نہیں تھا۔ وہ بہت دیر تک حیران رہا کہ حجرے میں کوئی موجود نہیں، آخر یہ دوسری آواز کس کی تھی۔ کچھ دن بعد اسی خادم نے راز میں اس کے متعلق پوچھا۔ تو فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہوئے تھے، اس وقت سے آپ کے حجرے کا نام حجرہ حضوری پڑ گیا۔

۱۲۔ وصال: آپ کا وصال ۷ شعبان ۱۱۳۸ھ میں ہوا۔

حضرت بابا فقیر محمد چوراہی نقشبندی رح

برصغیر پاک و ہند میں سلسلہ نقشبندیہ کو بڑا عروج حاصل ہوا ہے۔ اس سلسلے کے معروف بزرگ حضرت شیخ احمد سرہندی کی ذات گرامی کی بدولت اشاعت اسلام کو بہت تقویت حاصل ہوئی۔ اسی سلسلے کی کچھ برگزیدہ ہستیوں نے پاکستان میں دین اسلام کی ترویج اور اشاعت میں بڑا کام کیا ہے۔ ان ہستیوں میں سے ایک ہستی حضرت بابا فقیر محمد چوراہی نقشبندی کی ہے جن کی صحبت فیض سے بڑے بڑے جلیل القدر اولیاء پیدا ہوئے جن کی شہرت اور عظمت ہمیشہ تاباں رہے گی۔

۱۔ نام: آپ کا نام فقیر محمد اور لقب حاجی گل تھا اور عام لوگ عقیدت و محبت سے بابا جی صاحب کے نام سے پکارتے تھے۔

۲۔ پیدائش: آپ کے والد ماجد حضرت نور محمد تیراہی تنزٹی شریف نزد تیراہ میں چند سال رہے۔ وہیں حضرت فقیر چوراہی صاحب پیدا ہوئے۔

حضرت فقیر محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ چوراہی کی ولادت باسعادت کے وقت آپ کے جدّ امجد حضرت خواجہ فیض اللہ علیہ بقید حیات تھے "انوار تیراہی" کے مولف فرماتے ہیں۔

"آپ کی پیدائش کی خبر سن کر فرمایا کہ لڑکا میرے پاس لاؤ حضرت کے خاندان میں سے کسی نے خواجہ فقیر محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو گودی میں لے کر حاضر کیا حضرت خواجہ فیض اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنا لعاب دہن" حضرت خواجہ فقیر محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے منہ میں دیا اور فرمایا کہ لڑکا بڑا نیک بخت ہوگا اور اس کے وجود مبارک سے بہت فیض ہوگا۔ چنانچہ آپ کا چہرہ مبارک اسی روز سے انوار الٰہی سے درخشاں تھا۔

۳۔ تعلیم: آپ کے والد ماجد روحانیت میں کامل ہونے کے علاوہ علوم ظاہری میں بھی بڑی مہارت رکھتے تھے۔ قرآن، حدیث، تفسیر اور فقہ پر انہیں مکمل عبور حاصل تھا۔ حضرت فقیر محمد صاحب جب پڑھنے لکھنے کے لائق ہو گئے تو آپ کے والد ماجد نے خود انہیں سب سے پہلے قرآن پاک کی تعلیم دی۔ آپ کا حافظہ بہت اچھا تھا۔ قرآن پاک پڑھنے کے بعد آپ نے عربی فارسی اور اردو پڑھا۔ پھر آپ نے تفسیر حدیث اور فقہ کی کتب پڑھیں۔ آپ کو تصوف کی کتب پڑھنے کا بڑا شوق تھا اس لیے فارغ وقت میں بزرگان دین کی کتب کا مطالعہ کرتے۔ آپ کو فقہی مسائل پر بہت عبور تھا۔ اگر کوئی آپ سے شرعی مسئلہ دریافت کرتا تو آپ چاروں اماموں کا مسلک بیان کرتے، مگر امام ابوحنیفہ کے مسلک کو ترجیح دیتے تھے۔ کیوں کہ آپ خود حنفی فقہ کے مقلد تھے۔

۴۔ اتباع سنت: آپ کی زندگی اتباع سنت کا ایک مثالی نمونہ تھی۔ آپ ہر کام کو سنت نبوی کے مطابق سرانجام دیتے۔ آپ کا بیٹھنا اٹھنا چلنا پھرنا نماز، روزہ گویا ہر کام نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں ہوتا۔ کیونکہ آپ نے اپنی زندگی کا مقصد ہی خود سنت پر عمل کرنا اور دوسروں میں سنت کا احیاء کرنا بنا رکھا تھا۔ خلاف شرع امور کو قطعی طور پر ناپسند کرتے۔

۵۔ معمولات: آپ صبح کی نماز ادا فرمانے کے بعد طلوع آفتاب تک مراقبہ فرماتے۔ اس کے بعد قرآن شریف کا اڑھائی سپارہ تلاوت فرماتے۔ دوپہر کے کھانے سے پہلے اپنے بزرگوں کا ختم شریف کراتے اور بعد طعام قیلولہ فرماتے۔ نماز ظہر کی ادائیگی کے بعد پھر تلاوت فرماتے۔ ازاں بعد ارباب حاجت حاضر ہوتے۔ کسی کو تو آپ پانی دم کر دیتے۔ کسی کو تعویذ عطا فرماتے اور کسی کے حق میں دعا کے لیئے ہاتھ اٹھاتے۔ نماز عصر کے بعد ختم شریف حضرت امام محمد معصومؒ پڑھتے۔ خاص خاص احباب کو شمولیت کا شرف ملتا۔ شام کا کھانا تناول فرمانے کے بعد نماز عشاء ادا ہوتی۔ آپ ہمیشہ نماز باجماعت کو پسند فرماتے۔

دوران سفر مسجد میں قیام ہوتا۔ فرماتے ہیں خدا کا مہمان ہوں۔ اس لیے قیام بھی اسی کے گھر میں ہے۔

روزانہ ایک مرتبہ دلائل الخیرات اور حزب البحر پڑھتے آپ ذکر خفی کو زیادہ پسند کرتے تھے۔ آپ کا قلب مبارک ہر وقت ذکر الٰہی میں مصروف رہتا اور دیکھنے والے کو ذکر الٰہی کی ہلکی سی دل سے نکلتی ہوئی آواز از خود سنائی دیتی حالانکہ آپ زبان سے خاموش رہتے۔

۶۔ ارشادات: "باطن درست کرو، کیونکہ بعد مرگ اعمالِ باطنی ہی نجات کا موجب بنیں گے"۔ "خدا کو خدا کے لیے چاہو، مقصد کے لیے یاد کرنا تو مقصد کی یاد ہے"۔ اکثر یہ حدیث سنایا کرتے جس کا ترجمہ یہ ہے:۔

"قادر مطلق اپنے بندوں کو فرماتا ہے کہ جو شخص میرے حکم پر راضی نہیں اور میری بلا پر صابر نہیں اور میری نصیحت پر شاکر نہیں اور میرے عطیہ پر قانع نہیں پس وہ شخص میرے سوا کسی اور کو رب بنا لے"۔ "ذکر سفر و حضر میں جاری رکھو"۔ "یاروں کو آپس میں کینہ و حسد نہ رکھنا چاہیئے"۔

مریدین کو دوست یا یار کہہ کر یاد فرمایا کرتے تھے۔ مرید کا لفظ استعمال نہ کرتے تھے بیعت کے وقت مختلف مواقع پر درج ذیل اشعار پڑھا کرتے تھے۔

یا رسول اللہ انظر حالنا	یا حبیب اللہ اسمع قالنا
اننی فی بحرِ غمٍ مغرق	خذ یدی سہل لنا اشکالنا
ہر دم خدا را یاد کن، دلہائے غمگین شاد کن	بلبل صفت فریاد کن، مشغول شو در ذکر ہو

غافل کفر است پنہاں در وجود آدمی
ایں چنیں کافر شدن را حاجت زنار نیست

۷۔ بیعت و خلافت: آپ نے سلسلہ نقشبندیہ میں اپنے والد یا جد کے دست حق پرست پر بیعت کی بیعت کے بعد آپ نے اپنے مرشد کے ارشاد کردہ وظائف پر بہت ریاضت کی اگرچہ بچپن ہی سے آپ کی طبیعت میں

ذکر و فکر کی رغبت بہت زیادہ تھی۔ مگر مرشد کی توجہ سے علم و عرفان کے باطنی دروازے کھل گئے۔ کیوں کہ والد ماجد سے آپ کو دو شفقتیں یعنی ایک باپ اور دوسرے مرشد کی حیثیت بیک وقت حاصل ہوئیں۔ اس لیے آپ تھوڑے عرصہ میں کامل ہو گئے۔ آخر ۲۰ سال کی عمر میں آپ کے والد ماجد نے آپ کو خرقہ خلافت عطا فرمادیا۔ اور ساتھ سلسلہ نقشبندیہ کی اشاعت کی تاکید کی۔

۸۔ رشد و ہدایت: حصول خلافت کے بعد آپ نے اپنی جائے قیام پر رشد و ہدایت کا سلسلہ جاری کیا۔ آپ لوگوں کو حب رسول اور اتباع قرآن سنت کا درس دیتے تھے۔ آپ اپنے مریدوں کو بڑی توجہ سے تربیت کرتے آپ گاہے بگاہے دور دراز کے علاقوں کا تبلیغی دورہ کرتے، اس طرح بڑے بڑے عالم دین اور فضلاً آپ کے حلقہ ارادت میں داخل ہوئے۔ جو آپ کی صحبت اور نگاہ فیض سے علم و عرفان کے آفتاب بن کر چمکے۔ آپ کی ولایت کا شہرہ دور و نزدیک بہت جلد پھیل گیا۔ آپ کے آخری دم تک زائرین و طالبین آپ کی خدمت عالیہ میں حاضر ہو کر اکتساب فیض کرتے تھے۔

۹۔ حضرت مجدد سے والہانہ عقیدت: آپ کو سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ کے جلیل القدر بزرگ ہستی حضرت شیخ احمد فاروقی مجدد الف ثانی سے والہانہ عقیدت تھی۔ آپ ہر سال ان کے سالانہ عرس مبارک پر ایک قافلے کی صورت میں جاتے۔ اس قافلے میں آپ کے خلفاء اور مریدین سبھی شامل ہوتے۔ وہاں جا کر آپ ان کے مزار اقدس پر اکثر مراقبہ کی صورت میں زیادہ وقت گزارتے عرس میں شامل ہونے والے حضرات کی حسب توفیق خدمت کرتے۔

۱۰۔ خلفاء: حضرت خواجہ فقیر محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بعد آپ کے فیض یافتہ خلفائے کرام نے اس مشن کو جاری رکھا جس کی اشاعت آپ زندگی بھر فرماتے رہے۔ اور سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کی ترویج میں کوشاں رہے۔ محمد عادل شاہ صاحب نے "انوار تیراہی" میں آپ کے نو خلفاء کے اسمائے گرامی نقل فرمائے

ہیں جو کہ حسب ذیل ہیں۔

۱۔حضرت خواجہ غلام محی الدین باولی۔ ۲۔ حافظ سید جماعت علی شاہ علی پور۔ ۳۔حضرت حاجی جماعت علی شاہ لاثانی۔ ۴۔ حضرت مولوی محمد حسین پسروری۔ ۵۔حضرت مولوی غلام محمد بگوی لاہوری ۶۔حضرت حافظ عبدالکریم راولپنڈی ۷۔حضرت محمد حسین گجرات ۸۔حضرت مولوی غلام نبی۔ ۹۔حضرت مولوی غلام یوسف۔ ۱۰۔سید اکبر شاہ۔ ۱۱۔راجہ شیر باز خان۔ ۱۲۔حافظ فتح الدین۔

۱۱۔**وصال:** ۲۹ محرم الحرام، یکم جولائی ۱۳۱۵ھ/۱۸۹۷ء بروز جمعرات بوقت عصر سو سال کی عمر میں آپ کا وصال ہوا۔ آپ کا مزار پر انوار چورہ شریف، ضلع کیمبلپور میں مرجع انام ہے۔ ہر سال عرس کے موقع پر بے شمار مریدین اور معتقدین آپ کے مزار پر حاضری دیتے ہیں۔ مادہ تاریخ وصال "غفرلہ" (۱۳۱۵) ہے۔

حضرت سید جماعت علی شاہ لاثانیؒ

روحانی دنیا میں حضرت پیر سید جماعت علی شاہ لاثانی کی ذات گرامی ایک ماہ درخشاں کی حیثیت رکھتی ہے جن کی کاوشوں سے اشاعت اسلام میں وسعت ہوئی کیوں کہ لاثانی ان مردان حق میں نمایاں مقام رکھتے ہیں۔ جنہوں نے گرد و نواح میں دور دور تک تزکیہ نفوس اور تصفیہ قلوب کا مقدس فریضہ ادا کیا۔ آپ کی جملیہ مساعی سے سلسلہ نقشبندیہ کو بھی بڑا عروج اور تقویت حاصل ہوئی۔ آپ زبدۃ الاصفیاء تھے۔

۱۔ خاندان: آپ کا جائے مسکن علی پور شریف تھا۔ جو ضلع سیالکوٹ میں ایک قصبہ ہے۔ یہ قصبہ حضرت سید جماعت شاہ لاثانی کے خاندان سے ایک بزرگ محمد سعید نے آکر آباد کیا تھا۔ اس لیے اس شہر کا پہلا نام سعید پور تھا۔ آپ کے بزرگ جن حالات کی بنا پر اس علی پور میں آباد ہوئے اس کے متعلق یوں بیان کیا جاتا ہے کہ سنہ ۱۵۴۰ء میں ہمایوں بادشاہ شیر شاہ سوری سے شکست کھا کر ایران چلا گیا اور طہماسپ شاہ سے مدد طلب کی اس نے انکار کر دیا۔ ہمایوں مایوس ہو کر اہل اللہ کی طرف رجوع ہوا۔ اور حضرت سید نظام الدین شاہ شیرازی کی خدمت میں حاضر ہو کر التجا کی کہ میرے لیے دعا فرمادیں کہ مولا کریم میرا کھویا ہوا علاقہ دوبارہ مجھے مل جاوے انہوں نے ایک طویل خشوع سے دعا فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ اب دوبارہ طہماسپ شاہ کے پاس جا کر مدد حاصل کرو۔ ہمایوں نے عرض کی اس نے تو مجھے انکار کر دیا ہے۔ ارشاد ہوا کہ اب وہ انکار نہیں کرے گا۔ چنانچہ ہمایوں دوبارہ گیا تو طہماسپ شاہ کو اپنا معاون پایا۔ اس سے امدادی لشکر لے کر ہندوستان کی طرف روانہ ہوا۔ راستہ میں پھر حضرت سید نظام الدین شاہ سے ملاقات کر کے عرض کی کہ خادم کے ساتھ تشریف لے چلیں یا اپنے خاندان کے کسی بزرگ کو ساتھ بھیج دیں کہ ان کی دعا برکت سے مجھے کھوئی ہوئی عظمت واپس

مل جاوے تو انہوں نے اپنے پوتے سید حسین شیرازی علیہ الرحمۃ اور ان کے صاحبزادے سید محمد سعید شاہ بانی علی پور سیداں کو ہمایوں کے ساتھ کر دیا۔ ہمایوں نے چند ہی دنوں کے بعد اپنا کھویا ہوا ملک واپس لے لیا اور مسند تخت پر بیٹھتے ہی ان دونوں بزرگوں کے معقول وظیفے مقرر کر دیئے۔ ہمایوں کے بعد اکبر بادشاہ تخت نشین ہوا تو اس نے دین الہی سے منحرف ہو کر "دین الہی اکبر شاہی" ایجاد کیا۔ تو حضرت سید محمد سعید علیہ الرحمۃ ان حالات کی بنا پر بہت ہی کبیدہ خاطر ہو گئے۔ چونکہ آپ کی شادی سید شمس الدین شاہ اکبر بادشاہ کے داروغے کے ہاں ہوئی تھی اور داروغہ پنجاب، تحصیل پسرور کے رہنے والے تھے۔ داروغہ کی وساطت سے اس علاقہ میں سکونت اختیار کرنے کی اجازت مل گئی۔ اور حسب خواہش اراضی بھی مل گئی۔ اور اپنے نام پر موضع سعید آباد رکھا۔ اور کچھ عرصہ بعد یہ موضع کسی وجہ سے غیر آباد ہو گیا پھر آپ کی پانچویں پشت میں حضرت سید علی اکبر شاہ علیہ الرحمہ نے اپنے نام پر دوبارہ آباد کیا۔ اور اس کا نام علی پور رکھ دیا۔ جو اب علی پور سیداں کے نام سے مشہور ہے آپ کا خاندان یہیں آباد ہے۔

۲۔ ولادت: آپ کی ولادت بروز جمعہ المبارک ۱۲۷۶ھ مطابق اگست ۱۸۶۰ء بوقت صبح صادق علی پور سیداں میں ہوئی۔ آپ کی پیدائش سے آپ کے والد گرامی بہت خوش ہوئے اور اللہ کا بہت شکر ادا کیا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ نسبی مناسبت کے اظہار کے طور پر آپ کا نام جماعت علی رکھا۔ آپ کے والد ماجد کا نام سید علی شاہ تھا۔

۳۔ شجرہ نسب: آپ کا شجرہ نسب مندرجہ ذیل ہے۔

الحاج سید جماعت علی شاہ لاثانی بن سید علی شاہ بن سید مہر علی شاہ بن سید فضل کریم بن سید محکم دین شاہ بن سید صغیر الدین شاہ بن سید میر شاہ بن سید علی اکبر شاہ بن سید محمد امین شاہ بن سید شاہ محمد بن سید حیدر علی شاہ بن سید محمد سعید شاہ بانی علی پور سیداں بن سید حسین شاہ بن سید محی الدین بن سید میر امجد بن سید امام الدین

بن سید علی بن سید علاؤ الدین بن سید جلال الدین بن سید منصور بن سید نظام الدین۔ بن سید حبیب اللہ بن سید خلیل اللہ بن سید شمس الدین بن سید عبد اللہ بن سید نور اللہ بن سید کمال الدین بن سید اسد اللہ بن سید میر خسرو بن سید عارف بن سید ابراہیم بن سید ابوطاہر احمد بن سید حسین بن علی العارض بن سید محمد مامون ملقب بہ قطب محمد دیباج بن امام جعفر صادق بن امام باقر بن حضرت زین العابدین بن حضرت امام حسین رضؓ۔

۴۔ بچپن: بچپن میں آپ کا رجحان کھیل کود کی طرف بالکل نہ تھا آپ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ آپ بچپن میں کبھی کبھی گھر سے غائب رہتے اور تلاش بسیار کے بعد کسی عارف کامل کے مزار سے ملتے۔

منقول ہے کہ اسی زمانے میں ایک مجذوب کہیں سے تشریف لے آئے وہ کسی سے بات نہیں کرتے تھے ایک دن حضرت قبلہ عالم چند ہم جولیوں کے اصرار پر کھیل کی طرف متوجہ ہوئے ہی تھے کہ مجذوب نے ٹوکتے ہوئے فرمایا۔ تم فضولیات کے لیے پیدا نہیں ہوئے بلکہ اللہ تم سے بڑا اہم کام لے گا لہذا آپ ساتھیوں سے الگ ہو گئے اور اس طرح حضرت مجذوب سے راز و نیاز کا سلسلہ شروع ہوا۔ جو ان کے قیام تک جاری رہا۔

۵۔ حصول علم: حسن اتفاق سے اس زمانے میں حضرت مولانا عبد الرشید علیہ الرحمہ جیسی عظیم علمی شخصیت علی پور سیداں شریف میں رونق افروز تھی آپ کو انہی کے حلقہ درس میں داخل کرا دیا گیا۔ یہاں آپ نے قرآن مجید اور فقہ و تصوف کی چیدہ چیدہ کتابیں پڑھیں اور ذاتی مطالعہ میں پوری پوری دسترس حاصل کر لی۔ آپ اپنے والدین و استاد گرامی اور بڑوں کا از حد ادب کرتے تھے۔

۶۔ دور جوانی: حدیث پاک کی رو سے جو مرد جوان اپنا شباب و حسن رضائے رب کے لیے وقف کر دے رب فخریہ انداز میں اپنے فرشتوں کے سامنے اس کے بندہ حق ہونے کا اعلان فرماتا ہے حضرت شاہ لاثانی اس ارشاد نبوی کی عملی تفسیر تھے۔ جوانی کا جوش و خروش ایک ضرب المثل کی حیثیت رکھتا ہے مگر حضرت

نے شباب کی ساری توانائی راہ خدا کی تلاش میں جذب کر دی اس دور میں موجودہ وسائل سفر تو تھے نہیں اس لیے حضرت نے دور دور تک مردان حق کی زیارت کے لیے پا پیادہ سفر اختیار فرمائے حتیٰ کہ چالیس چالیس میل کا سفر ایک ایک دن میں طے کر جاتے خصوصاً حضرت سید نور شاہ (مسکن سیداں والی) علیہ الرحمۃ سے جو اس دور کے ایک چیدہ و نامور بزرگ تھے گہرا رابطہ تھا۔ اور وہ بھی آپ کا از حد احترام کرتے تھے اسی طرح مرزا اسکندر بیگ علیہ الرحمۃ سے جو علی پور سیداں شریف کے ایک نواحی گاؤں چک قریشاں میں سکونت پذیر تھے۔ تعلقات کافی مستحکم تھے۔

اس دور میں بھی آپ لذائذ دنیوی سے بالکل کنارہ کش رہے چنانچہ ایک دفعہ برسبیل تذکرہ خود فرمایا "لوگ ذکر میں بہت سست واقع ہوئے ہیں میں ابتدا میں رات کے وقت شمار کر کے دم لیا کرتا تھا جوانی کے وقت حبس دم یہاں تک کیا کرتا تھا کہ سینے سے خون آنا شروع ہو گیا۔ ایک حکیم صاحب نے تشخیص کر کے کہا کہ شاہ صاحب اگر آپ حبس دم چھوڑ دیں تو صحت ہو جائے گی۔ میں نے کہا ایسا ممکن نہیں ہو سکتا۔

آپ نے بچپن سے جوانی تک کسی سے کوئی جھگڑا وغیرہ نہیں کیا۔ بلکہ آپ ایک مصلح تھے۔ آپ بہت ہی قلیل غذا استعمال کرتے اور راتوں کو بیدار رہ کر یاد الہٰی میں مشغول رہتے۔ اور دن میں موضع سے باہر جا کر تدبر فی القرآن میں ایسا فنا ہوتے کہ دنیا و ما فیہا سے بے نیاز ہو جاتے۔ آپ بزرگوں کو عقیدت سے احترام کرتے تھے۔

۷۔ بیعت و خلافت: مختلف اہل عرفان سے ملنے کے باوجود آپ بیعت کے بارے میں خوب سے خوب تر کی تلاش میں رہے آخر کار آخری فیصلے کا وقت بھی آ گیا چنانچہ آپ کی نگاہ انتخاب نے خواجہ (خواجگان) حضرت خواجہ فقیر محمد صاحب المعروف باداجی چوراہی علیہ الرحمۃ کے آستانہ عالی کو مرجع کونین ٹھہرا لیا۔

چودھری خان محمد مرحوم کا بیان ہے کہ میں نے حضرت اقدس علیہ الرحمۃ سے

بیعت ہونے کا واقعہ پوچھا تو یوں فرمایا:۔

میں نے سنا کہ خواجہ خواجگان حضرت باداجی چوراہی علیہ الرحمۃ لاہور چاہ میراں میں تشریف فرما ہیں وہاں پہنچا تو معلوم ہوکہ آپ موضع پٹیالہ میں دوست محمد صاحب کے ہاں رونق افروز ہیں۔ وہاں گیا تو آپ دھونکل متصل وزیر آباد تشریف لے جا چکے تھے وہاں جاکر معلوم ہوا کہ آپ سیالکوٹ میں جلوہ افروز ہیں یہاں زیارت سے مشرف ہوا اور داخل طریق ہوکر شکر خداوندی بجالیا۔

معتبر روایت سے محفوظ ہے کہ ان دونوں حضرت باداجی علیہ الرحمۃ وظائف سے فارغ ہوکر مشرق کی طرف متوجہ ہوکر بیٹھا کرتے ایک دن پوچھنے پر فرمایا کہ ایک شہباز ہے جس کو پکڑنا چاہتا ہوں جس روز ہمارے آتا مرید ہوئے۔

فرمایا یہی وہ شہباز ہے جس کی ہمیں جستجو تھی۔

آمد آں یارے کہ نامی خواستیم

گویا حضرت مرید ہی نہیں مراد بھی تھے۔ حضرت باداجی علیہ الرحمۃ۔ اکثر فرماتے تھے تم دیا اور تیل گھر سے ہی لے کر آئے تھے یہاں آکر اور بھی نور علیٰ نور ہوگئے۔

بیعت سے حضرت کی روحانی تربیت کا آغاز ہوا اور آپ نے جلد ہی طریقت کے بلند ترین مقامات طے کر لیئے۔ چنانچہ اعلان تکمیل کے موقع پر مرشد کامل نے اپنے مرید کامل کو جلد ہی تاج خلافت سے سرفراز فرمادیا۔ خلافت ملتے ہی آپ کا شہرہ دور دور تک پہنچ گیا چنانچہ ایک زمانہ سیلابِ اشتیاق بن کر ان کی بارگاہِ فیض کی طرف امڈ آیا۔ شب و روز طالبانِ نظر کی بھیڑ رہنے لگی اور غربا اور امراء کی وسیع تعداد حلقہ بگوش رہ کر منزل آشنا ہوئی۔

۸۔ سلسلہ طریقت: الحاج سید جماعت علی شاہ لاثانی۔ حضرت خواجہ فقیر محمد چوراہی۔ حضرت خواجہ نور محمد خان۔ حضرت خواجہ محمد شفیق اللہ خان۔ حضرت خواجہ محمد عیسیٰ دہلی۔ حضرت سید حافظ محمد جمال اللہ رامپوری۔ حضرت خواجہ

محمد اشرف مدنی۔ حضرت خواجہ محمد زبیر سرہندی۔ حضرت خواجہ حجۃ اللہ سرہندی۔ حضرت خواجہ محمد معصوم سرہندی۔ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہم اجمعین الخ۔

۹۔ رشد و ہدایت: شاہ لاثانی نے خلافت سے سرفراز ہو کر صرف اہل اسلام کی ایک کثیر تعداد کو منزل مقصود سے واصل نہیں کی بلکہ ہزاروں غیر مسلم افراد کے دل میں بھی عظمت اسلام کی شمع روشن کی جن میں بعض نے علانیہ اپنے ایمان کا اظہار کیا اور دوسروں نے ہندو یا سکھ رہ کر بھی اپنے حسب استعداد مسلمانوں کے لیے مسجدیں بنوائیں اور خدمت اسلام کو اپنا شعار زندگی ٹھہرایا مثلاً خالصہ کالج امرتسر کا پرنسپل نرائن سنگھ بھی خود کو آپ کا وابستہ دامن سمجھتا تھا نماز روزہ کا پابند تھا۔ دربار شریف برہنہ پا حاضری دیتا اور یہاں کے ٹکڑوں کو نعمت غیر مترقبہ جانتا اسی طرح بہاؤ والی کا ہندو ناتھ بھی ہفتے کے دن حاضر ہوا، اور نماز وغیرہ کا پابند تھا۔

۱۰۔ ثانی سے لاثانی: علی پور سیداں شریف ضلع سیالکوٹ کا چھوٹا سا مشہور و معروف قصبہ ہے مگر اس کی شہرت کا آغاز تیرہویں صدی کے آخری دور سے ہوا جب یہاں دو جلیل القدر ہستیوں کا ظہور ہوا جو اپنے رنگ میں یکتائے روزگار تھیں یہ دونوں بزرگ ہم نام بھی تھے اور ایک ہی چشمہ فیض یعنی (چورہ شریف) سے سیراب۔ بھی خواجہ چوراہی نے امتیاز کے لیے پہلے تو ہمارے حضرت کو ثانی کا لقب دیا اور پھر جب آپ کے طائر ہمت کو لامکانی بلندیوں کی طرف تیزی سے بڑھتا ہوا دیکھا تو خود ہی لاثانی سے ملقب فرمایا مرد حق کی زبان حق ترجمان سے لاثانی کیا نکلا چار دانگ عالم میں اسی کا شہرہ ہوا عوام ہی نے نہیں، خواص نے بھی۔ اہل ظاہر ہی نے نہیں اہل باطن نے بھی۔ انہیں لاثانی جانا۔

۱۱۔ سعادت حج: ۱۳۲۳ھ میں آپ نے حج و زیارت کی سعادت حاصل کی ہم سفر بیان کرتے تھے کہ جوں ہی سرزمین عرب میں ہمارا ورود ہوا حضور لاثانی کا انداز اور بھی مؤدبانہ ہو گیا۔ دیکھنے والے محسوس کرتے تھے جیسے آپ پر

خصوصی کیفیات کی بارش نازل ہو رہی ہے۔ حج کے بعد مدینہ منورہ کا سفر شروع ہوا۔ ابھی شہر مدینہ بارہ کوس کے فاصلے پر تھا کہ حضرت والا پا پیادہ ہو گئے۔ جوں جوں منزل مقصود قریب آرہی تھی منزل جاناں کا ادب ایسی ایسی ادائیں اپنا رہا تھا۔ جو دوسروں کے لیے سبق آموز ضرور تھیں۔ مگر ان کے استعداد عمل سے بالاتر تھیں۔ آخر کار کونین کے تاجدار ذی وقار علیہ الصلوٰۃ والسلام کا دربار گہربار بھی آ گیا یہاں آکر مانگنے والے نے کیا مانگا اور دینے والے نے کیا دیا۔ مگر اللہ کی رحمت سے مالا مال ہو گئے۔

مدینہ منورہ میں حضرت کی ملاقات شیخ الشیوخ شیخ عبدالحق مہاجر مدنی علیہ الرحمہ سے بھی ہوئی۔ انہوں نے آپ کو تمام قرآن پاک اور دلائل الخیرات شریف کی اجازت بھی عنایت فرمائی۔ حضور سفر حرمین شریفین سے واپس تشریف لائے تو جو لباس زیب تن تھا آتے ہی تبدیل کر کے بطور تبرک رکھ لیا۔

۱۲۔ عادات وخصائل: آپ کی تمام عادات اور خصائل سنت نبوی کے مطابق تھیں۔ آپ ہر کام میں اتباع قرآن وسنت کو ترجیح دیتے آپ کو خلاف شرع حرکات سے نفرت تھیں خود سختی سے شریعت پر عمل پیرا تھے اور ہر آنے والے کو شریعت کے مطابق زندگی بسر کرنے کی دعوت دیتے۔

آپ فرماتے کہ نماز پنجگانہ دنت پر ادا کرو اور میٹھا بولو۔ نماز برُے کاموں سے روکتی ہے۔ نماز روح کی غذا ہے۔ مومن کی معراج ہے۔ دل کی راحت ہے۔ قبر اور حشر میں ساتھی ہے محشر کے روز پہلا لازمی پرچہ ہے۔ روحانیت کی ابتدا ہے اور آخری منزل یہی نماز ہی ہے۔ بے نماز ولی اللہ نہیں بن سکتا بلکہ جنت کی خوشبو سے بھی محروم ہے اور مسلمانوں کی صف سے باہر ہے۔ بے نماز کی ہر نیکی نامقبول ہے اور اس کا حشر فرعون، نمرود، ہامان وابی بن خلف کے ساتھ ہو گا۔

آپ اپنے مریدوں کو تاکید فرماتے کہ نماز پنجگانہ لازمی ادا کرو۔ اگر تم نے نماز چھوڑ دی تو تمہاری بیعت خود بخود ساقط ہو جائے گی۔

آپ جہاں ازحد حلیم اور بردبار تھے وہاں اخلاقی جرات اور ایمانی غیرت سے بھی

مالامال تھے، چنانچہ کسی کو بھی کسی خلاف شرع امر کا مرتکب پاتے فوراً ٹوک دیتے، عورتوں کو پردہ اور مردوں کو سنت کے مطابق وضع اختیار کرنے کی سخت تاکید فرماتے، بدعملوں کو برے عمل اور بے ادبوں کو بے ادبی سے بہ شدت لہجہ منع فرماتے۔

۱۳۔ زہد و تقویٰ: آپ عمر بھر دنیوی لذات سے کنارہ کش رہے کبھی کوٹ واسکٹ یا تیمتی پاپوش استعمال نہ فرمائی کھدر کا تہبند ململ کی دستار مبارک اور سادہ لباس ہی آغاز جوانی سے آخر تک زیب بدن رہا اکثر ساگ سبزی چٹنی خشک روٹی کے ساتھ پسند فرماتے کبھی مرغن شوربہ بلاحظہ فرماتے تو اس میں ٹھنڈا پانی ڈال لیتے عالیشان عمارتوں سے بھی پرہیز تھا پختہ اینٹ وقت کی بچت کے لیے قبول فرمائی ورنہ سخت ناپسند تھی انداز تکلم بھی سادہ تھا خاموشی مرغوب خاطر تھی بالخصوص نماز عصر سے مغرب تک تو اپنے عزیزوں کو بھی بلا دجہ بولنے کی اجازت نہیں دیتے تھے۔

۱۴۔ تصنع سے پرہیز: تصنع، تکلف اور ریا و نمود کو برا جانتے تھے، عزیزوں کو بھی اس سے محفوظ رہنے کی تلقین فرماتے کوئی منہ پر تعریف کرتا تو سخت ڈانٹ پلاتے آپ کو صاحب دیوان صدر محفل کی طرح تکیہ لگا کر بیٹھنے کی عادت نہیں تھی سفر میں ہوتے تو کبھی بہت آگے اور کبھی بہت پیچھے ہوتے تھے تاکہ کسی امتیاز سے فائق نظر نہ آسکیں یوں بھی ہوتا تھا۔ کہ خلفاء و علما تو عالی شان گھوڑوں پر سوار ہوتے مگر شاہ لاثانی خچر پر۔ کسی درگاہ یا مزار پر جاتے تو ساتھیوں کو اپنے تعارف سے منع فرما دیتے۔ یہاں تک کہ کوئی علی پور شریف کا نام بھی نہ لے سکتا تھا۔

۱۵۔ جود و سخا: آپ جود و سخا کا ایک بحر بیکراں تھے، چند بار تو آپ نے پورے گھر کا مال و اسباب باہر نکال کے رکھا اور غربا میں تقسیم کیا۔ کبھی سفر میں ازراہ دلجوئی کسی سے نذرانہ قبول فرما لیتے مگر اگلے گاؤں جا کر تقسیم فرما دیتے۔ بعض دفعہ حکیم صاحب کوئی نسخہ تجویز کرتے تو حضرت اس کی قیمت کا اندازہ لگا کر خیرات کر دیتے۔ ایک دفعہ اپنے ولی عہد حضرت سجادہ نشین مدظلہم العالی سے فرمایا۔

میں تجھ کو ایک بات بتاتا ہوں۔ تیرا سادہ اور کچا مکان بہتر ہے۔ مگر مسافر

بھوکا نہ جائے تیرا سادہ اور کچا مکان شیش محل سے بہتر ہے۔ جہاں سے مسافر پیٹ بھر کر نکلتے ہیں۔

ہر آنے والے کو کھانا ملتا مگر کھانا سادہ ہوتا۔ آپ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ اس لنگر میں صرف دال روٹی ہے اور محلہ شرقی میں میرے پیر بھائی حضرت سید جماعت علی شاہ محدث علی پوری ان کے لنگر میں پر تکلف کھانے ہوتے ہیں۔ دونوں روحانی بھائیوں میں محبت، اخوت، دوستی اور مودت تھی۔

۱۶۔ حقہ نوشی سے نفرت: آپ کو حقہ نوشی سے سخت نفرت تھی، آپ کے پاس ایک آدمی تسبیح پہنے ہوئے آیا، آپ نے پوچھا کیا پڑھتے ہو۔ اس نے عرض کی کہ روزانہ آٹھ ہزار مرتبہ درود شریف پڑھتا ہوں۔ بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ تمہارے منہ سے حقہ کی بدبو آتی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ درود پاک پڑھنے والا حقہ نوش کی مثال یہ ہے کہ خوشبو دار چاولوں کا تھال بھر کر اوپر راکھ ڈال دی۔ حقہ نوشں کو ختم خواجہ گان میں شریک نہ ہونے دیتے اور نہ ہی ان کو یہ تبرک ملتا۔ انوار لاثانی۔ ص۱۸۔

۱۷۔ فقر و استغنا: آپ کی مجلس میں بڑے بڑے صاحبان جاہ و جلال آتے مگر فقر و غیور کی ہیبت سے لب کشا کی جرات نہ کر سکتے اس کے برعکس عاجز و بے کس قسم کے لوگ جو چاہتے عرض کر سکتے غریب و امیر سے یکساں سلوک تھا سب مہمانوں کے لیے ایک جیسا کھانا پکتا کوئی تخصیص نہیں تھی لاعلاج بیمار جن کے پاس بیٹھنے سے دوسروں کو گھن آتی ساتھ بٹھا کر کھانا کھلاتے۔

۱۸: حلیہ مبارک: رنگ گندم گوں سفیدی مائل۔ پیشانی مبارک کشادہ اور منور آنکھیں نہایت ہی خوب صورت اور نور وحدت سے مخمور۔ قد دراز مگر موزوں۔ آبرو باریک۔ داڑھی مطابق سنت۔ لب سرخ۔ سینہ چوڑا۔ وجود بارعب چہرہ مبارک نورانی آپ بہت ہی حسین و جمیل تھے۔

۱۹۔ شادی و اولاد: آپ کی شادی چک قریشیاں جو کہ علی پور سیداں سے دو میل پر ہے ایک نہایت ہی معزز خاندان میں ہوئی۔ آپ کی زوجہ محترمہ غریب نواز، عابدہ زاہدہ، صوم وصلوٰۃ کی پابند اور متقیہ تھیں۔ ان کے ہاں تین صاحبزادے یعنی سید فدا حسین شاہ، سید خادم حسین شاہ، سید غلام رسول شاہ تولد ہوئے جو آپ کی حیاتی میں انتقال کر گئے۔ ان کی اولاد باقی ہے۔

۲۰۔ خلفاء: آپ کے خلفاء کی تعداد بہت ہے۔ چند خلفاء کے نام پیر حضرت محمد شفیع موضع بھڑتھ، حضرت میاں احمد دین موضع لنگاہ۔ حضرت محمد اسمعیل موضع بھڑتھ شمس العلماء حاجی محمد بوٹ موضع سکھو۔ عالی الالقاب میاں محمد شریف موضع فتو دال مضافات گورداسپور، الحاج سید چراغ علی شاہ موضع مراڑہ۔ حضرت سید امیر حسین شاہ تحصیل نارووال۔ مولانا عبدالغنی تحصیل پسرور، حضرت سید ہاشم علی شاہ موضع تخت پور۔ حضرت مولانا حافظ ظفر علی پسرور مضافات سیالکوٹ۔ حضرت صوفی محمد دین موضع رام داس۔ حضرت سید محمد شریف موضع رامداس۔ حضرت سید محمد اسمعیل شاہ موضع کوہالی۔ حضرت سید امیر علی شاہ موضع وڈالہ مضافات امرتسر رحمۃ اللہ علیہم قابل ذکر ہیں۔

۲۱۔ وصال: یوم وصال سے صرف تین دن قبل صاحب فراش ہوئے جمعرات کو اچانک فرمایا ایک دو تین دو دفعہ ہی پر اسرار الفاظ ارشاد فرمائے اور خاموش ہو گئے۔ وصال شریف کے روز آپ کچھ دن چڑھے کھیتوں کی طرف تشریف لے گئے واپس آکر کمرے میں داخل ہو کر فرمایا مجھے کوئی نہ بلائے اور ذکر بالجہر میں مشغول ہو گئے۔ دوپہر کے وقت نماز کے متعلق عرض کی گئی تو آپ نے تیمم سے نماز پڑھی نماز مغرب کے بعد استغراق بڑھتا گیا چنانچہ اسم ذات کا ورد جاری تھا جب یہ طریقت و معرفت کا آفتاب عالمتاب رات کے ۹ بجکر ۵ منٹ پر غروب ہو گیا اس دن ۱۶ ذیقعدہ ۱۳۵۸ھ مطابق یکم اکتوبر ۱۹۳۹ء بروز اتوار تھا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

۱۔ روضہ مبارک: آپ کا روضہ مبارک علی پور سیداں ضلع سیالکوٹ میں مرجع خلائق ہے۔

حضرت سید جماعت علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ

حضرت سید جماعت علی محدث علی پوری علم وعرفان کی ایسی شمع تھے۔ کہ جس کے پیش نظر بقائے دین زندگی کی ہر قیمتی چیز سے زیادہ عزیز تھا۔ آپ نے ایسے دور میں جنم لیا جب کہ شیطانی قوت چار سُو اسلام دشمنی کے لیے سر اٹھائے بیٹھی تھی۔ آپ نے ایسے دور میں اپنوں اور بیگانوں کی اصلاح میں زندگی صرف کر دی۔ آپ کا شمار سلسلہ نقشبندیہ کے ان اولیاء میں ہوتا ہے جنہوں نے قول فعل سے تبلیغ دین کا فریضہ سر انجام دیا۔

۱۔ نام: آپ کا اسم گرامی سید جماعت علی شاہ امیر ملت محدث علی پوری القاب ہے مگر آپ کا نام نامی اسم گرامی جماعت علی نہایت پر معنی اور انوکھا ہے۔ واقعی آپ بہ نظر ظاہر تو فرد واحد تھے۔ مگر آپ اپنی ذات میں ایک انجمن بلکہ انجمن ساز تھے۔

۲۔ حسب ونسب: والد گرامی کا نام سید عبدالکریم شاہ تھا۔ آپ کے آباؤ اجداد میں سے سید محمد سعید شاہ شیرازی بانی علی پور سیداں شہنشاہ اکبر کے عہد سے پہلے شیراز سے ہندوستان تشریف لائے اور موضع علی پور سیداں کی بنیاد رکھی اس موضع کا پہلا نام سعید آباد تھا۔ کچھ عرصہ بعد یہ موضع کسی وجہ سے غیر آباد ہو گیا پھر حضرت سید علی اکبر شاہ نے دوبارہ آباد کیا اور نام علی پور سیداں رکھا۔ آپ کے والد ماجد نہایت ہی متقی پرہیز گار صوم وصلوۃ کے پابند عابد اور زاہد تھے اور والدہ ماجدہ عابدہ زاہدہ غریب پرور۔ بیواؤں۔ یتیموں، اور حاجت مندوں کے سر دل پر دست شفقت رکھنے والی اور بہت ہی فیاض صوم وصلوۃ کی پابند تہجد گذار شب بیدار، مجسمہ عفت باحیا اور مستجاب الدعا تھیں۔

۳۔ پیدائش: آپ کی ولادت ۱۸۴۵ء علی پور سیداں میں ہوئی۔ آپ بہت ہی حسین و جمیل تھے اور پیشانی مبارک میں روحانیت اور فیاضی کے اثرات

نمایاں تھے۔

۴۔ حصول علم: آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے گاؤں میں حاصل کی سات سال کی عمر میں قرآن مجید حفظ کیا۔ عربی اور فارسی کی ابتدائی کتابیں مولانا عبدالرشید سے پڑھیں آپ بہت ہی ذہین تھے جو پڑھتے ازبر فرما لیتے تھے اور مولانا عبدالوہاب امرتسری، مولانا فضل حق خیر آبادی۔ مولانا عبدالحق الہ آبادی مہاجر مکی۔ مولانا شاہ فضل الرحمن گنج مراد آبادی اور مولانا عمر ضیاء الدین شیخ الحدیث استنبول۔ مولانا محمد علی اور مولانا احمد حسن کانپوری سے علوم ظاہری و باطنی کی تکمیل کی۔ مولانا فیض الحسن سہارنپوری سے مولوی عالم اور مولوی فاضل کا کورس پڑھا۔ مفتی محمد عبداللہ ٹونکی سے جو اورنٹیل کالج لاہور کے پروفیسر تھے، مزید استفادہ حاصل کیا۔

۵۔ بچپن کی عادات: آپ بچپن میں باادب تھے والدین اور استاد گرامی صاحبان کا دل سے اور پوری عقیدت سے احترام و ادب کرتے رہے۔ آپ کے اساتذہ کرام ادب کی وجہ سے آپ کو شفقت سے تعلیم دیتے رہے اگر استاد گرامی شفیق ہو تو علم کی منزل جلدی طے ہو جاتی ہے۔ اسی وجہ سے آپ ہر جماعت میں اول پوزیشن حاصل کرتے رہے اور تھوڑے ہی عرصہ میں آپ علامۃ الدہر ہو گئے۔ آپ کا ارشاد ہے کہ جو کچھ علم کی دولت مجھے نصیب ہوئی ہے وہ والدین اور اساتذہ کرام کے ادب کرنے کی وجہ سے حاصل ہوئی ہے۔ طالب علموں کے لیے آپ ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ ادب کا زینہ پہلا والدین ہیں، والدین کا ادب فرض سمجھ کر کیا کرو! اگر والدین خوش ہیں تو ہر منزل کامیابی کامرانی سے طے ہو گی، "باادب بامراد" پھر اساتذہ کرام کا عقیدت سے احترام کرو کیونکہ یہ بھی روحانی والدین ہیں۔ ہر کام میں ادب کو مقدم رکھو اس میں کامرانی کامیابی ہے ورنہ دنیا اور آخرت میں خسارہ ہے۔

آپ بچپن میں ہی قلیل غذا استعمال کرتے دوران تعلیم باہر جا کر یکسوئی سے یاد الٰہی میں مشغول رہتے بعض دفعہ دوران تعلیم آپ پر وجدانی کیفیت طاری ہو جایا کرتی تھی آپ کے اساتذہ کرام فرمایا کرتے تھے کہ یہ سید زادہ بڑا ہو کر بڑے بڑے کام سرانجام

دے گا۔ اور آپ کے فیض سے دور دور تک لوگ مستفیض ہوں گے اور آپ کے اساتذہ گرامی آپ کے لیے دعا گو رہتے کہ یا الٰہی اس کو اپنے بندوں میں شمار فرما۔ والدین اور اساتذہ کرام کی دعاؤں سے آپ امیر ملت محدث علی پوری کے نام سے مشہور ہو گئے۔

۶۔ **عقدِ مبارک:** فرمان مصطفوی علیہ التحیۃ والثنا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعمیل میں حضرت قبلہ عالم امیر ملت رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ماموں حضرت سید توکل شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی دختر نیک اختر سیدہ امیر بیگم صاحبہ رحمۃ اللہ علیہا سے شادی کی۔ یہ نیک بخت خاتون جملہ اوصافِ حمیدہ سے متصف تھیں آپ کی زوجہ محترمہ بہت ہی متقی، فیاض، شب بیدار، صوم وصلوٰۃ کی پابند، مجسمہ خشیت الٰہی، صبر و رضا کی پیکر عابدہ اور زاہدہ تھیں۔

۷۔ **بیعت وخلافت:** آپ کے عہد میں حضرت بابا فقیر محمد چوراہی کی روحانیت شہرہ آفاق تھی جہاں سے ہزاروں لوگ فیض یاب ہو رہے تھے۔ چنانچہ ایک روز آپ چورہ شریف تشریف لے گئے اور بیعت کی استدعا کی جو حضرت چوراہی صاحب نے قبول فرما کر آپ کو سلسلہ عالیہ نقشبندیہ میں شرف بیعت بخشا۔ آپ چند دن تک حضرت باباجی کی خدمت میں رہے انہوں نے جب آپ کو ہر طرح سے کامل پایا تو خرقہ خلافت عطا فرما دیا۔ اور اپنی دستار مبارک آپ کے سر پر رکھ دی۔

۸۔ **سلسلہ طریقت:** آپ کا سلسلہ طریقت حسب ذیل ہے۔

حضرت الحاج حافظ سید جماعت علی شاہ محدث علی پوری۔ حضرت خواجہ فقیر محمد چوراہی۔ حضرت خواجہ نور محمد خان۔ حضرت خواجہ محمد فیض اللہ خان۔ حضرت خواجہ محمد عیسیٰ دہلی۔ حضرت سید حافظ محمد جمال اللہ رامپوری۔ حضرت خواجہ محمد اشرف مدنی۔ حضرت خواجہ محمد زبیر سرہندی۔ حضرت خواجہ حجۃ اللہ سرہندی۔ حضرت خواجہ محمد معصوم سرہندی

حضرت امام ربانی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہم اجمعین الخ۔

۹۔ ملی خدمات: تحریک پاکستان میں آپ نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور مسلم لیگ اور نظریہ پاکستان کی حمائت کی قائداعظم کو اپنے مکمل تعاون کا یقین دلایا قیام پاکستان کے بعد آپ اسلامی آئین کے نفاد کے لیے کوشش کرتے رہے۔ آپ جگہ جگہ جلسوں اور یادداشتوں کے ذریعے حکومت کو اسلامی آئین کے نفاذ کا وعدہ یاد دلاتے رہے۔ ۱۹۴۶ء کے انتخاب میں آپ نے ہندوستان بھر کے دورے کیے اور ہر شخص تک یہ پیغام پہنچایا کہ صرف مسلم لیگ کو ووٹ دو۔

۱۹۲۳ء میں جب شدھی کی تحریک اٹھی جس کا مقصد مسلمانوں کو مرتد بنانا تھا تو آپ نے اس تحریک کی مخالفت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور اس فتنے کی سرکوبی کے لیے مہم شروع کی۔

آپ نے ہر قومی کام میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ جب سلطان عبد الحمید نے حجاز ریلوے لائن کی تعمیر کے سلسلے میں مسلمانان عالم سے چندہ مانگا تو آپ نے چھ لاکھ روپے کی رقم اپنی اور اپنے متوسلین کی جانب سے بھجوائی۔ سلطان نے آپ کو "عمدہ الاماثل والافاضل" کے خطاب سے نوازا۔

علی گڑھ یونیورسٹی کے لیے چندہ اکٹھا کرنے کی مہم شروع کی گئی تو آپ نے تین لاکھ روپے کی رقم اس فنڈ میں جمع کرائی۔ اور بعد میں بھی تعاون فرماتے رہے۔

تحریک خلافت میں بھی آپ نے ہر طرح کی خدمات انجام دیں۔ خلافت فنڈ میں لاکھوں روپے چندہ دیا۔

حضرت امیر ملت رحمۃ اللہ علیہ نے انتہائی بے باکی جرأت اور عشق نبی صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کا مظاہرہ کیا۔ پیر مہر علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو کہ بطور خاص گولڑہ شریف سے رد مرزائیت کے لیے لاہور تشریف لائے ہوئے تھے۔ حضرت امیر ملت رحمۃ اللہ علیہ کے سپرد یہ کام لگا کر گولڑہ شریف تشریف لے گئے اور فرمایا شاہ صاحب یہ شکار آپ ہی کے مارنے کا ہے۔

آپ نے لاہور کے ایک جلسہ عام میں مرزا غلام احمد قادیانی کو مباہلہ کی دعوت دی اور ۲۴ گھنٹے کی مہلت دے کر اس کے لیے اذیت ناک موت کی پیشن گوئی فرمائی چنانچہ دنیا نے دیکھا کہ اگلے دن ۲۶ مئی ۱۹۰۸ء کو مرزا غلام احمد قادیانی سخت کرب کے عالم میں موت سے ہم کنار ہوا۔

۱۰۔ تبلیغی خدمات: آپ نے اپنے گاؤں میں سلسلہ تبلیغ شروع کیا اور دور و دراز علاقوں میں تبلیغی دورے کیئے۔ آپ کے دست مبارک پر سینکڑوں غیر مسلموں نے اسلام قبول کیا۔ آپ نے کئی جگہ مساجد و مدارس اور کنوئیں بنوائے آپ تمام عمر تبلیغ اسلام میں پوری تندہی سے کوشاں رہے۔

آپ گھر سے کئی کئی ماہ تبلیغ اسلامی میں گذار دیتے آپ جہاں بھی جاتے نماز روزہ اور شرعی احکام کے متعلق لوگوں کو نصیحت فرماتے اور غیر اسلامی رسموں اور رواجوں سے منع فرماتے۔ آپ ترک تصوف ترک دنیا نہ تھے۔ آپ اچھا کھاتے اور صاف ستھرا لباس پہنتے اور دینی کاموں میں شریعت حقہ کے مطابق عمل پیرا ہوتا۔

آپ نے ساری زندگی احیائے دین کے لیے وقف کر دی۔ تبلیغی دورے فرماتے اور اسلام کی ترویج کے لیے بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ایسی شخصیت خال خال پیدا ہوتی ہے۔ اور ہر مکتبۂ فکر کے لوگوں سے گہرے تعلقات رکھتے۔ آپ میں تعصب بالکل نہ تھا۔ اور فرقہ پرستی سے اجتناب فرماتے۔ آپ بلند اخلاق، فیاض، امیر ملت۔ محدث علامۃ الدہر اور فاضل متبع شریعت، بدعتوں سے اجتناب، رسم و رواج کے خلاف، تھے۔ جس طرح آپ علم میں بمثل سمندر تھے اسی طرح روحانیت میں بھی تھے۔ ہر کام میں بلکہ معمولی معمولی کام میں شریعت محمدی خیر الانام کو مقدم رکھتے تھے۔ خلاف شرع کوئی کام برداشت نہ کرتے تھے۔ آپ کا ارشاد ہے کہ ہمارا سلسلہ نقشبندی ہے اور اس سلسلہ کے سالار اعظم امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ ہیں۔ انہوں نے اپنے وقت میں اپنی جان کو تکلیفیں میں ڈال کر بادشاہوں سے ٹکر لی اور ان کو اسلام محمدی پیش کیا۔ اس وقت بلکہ ابن الوقت علماء نے دین محمدی کو بدعتوں نے مزین کر رکھا تھا۔ اور ان بدعتوں کے

دو نام رکھے ہوئے تھے ایک بدعت حسنہ ایک سو حضرت امام ربانی علیہ الرحمتہ نے
جب تبلیغ اسلام کی ان کو دعوت دی تو سب سے پہلے یہی علماء ابن الوقت آپ کے
خلاف ہو گئے اور آپ کے خلاف فتویٰ بازی شروع کی مگر آپ کے پاؤں میں لغزش
نہ آئی۔ مسلسل تبلیغ جاری رکھی قید و بند کی صعوبتیں اٹھائیں آخر نتیجہ سب کے سامنے
آگیا نورالدین جہانگیر سے وہ بدعتیں جن کو علماء نے دین محمدی کا درجہ دے رکھا تھا خواہ
وہ بدعت حسنہ یا سو تھیں یکسر منسوخ کروا دیں کیوں کہ ان بدعتوں کا اسلام میں کوئی
مقام نہیں ہے۔ مجدد کا اولین یہی فریضہ ہوتا ہے۔ اور ہم اس کے پیرو کار ہیں۔

۱۱۔ اتباع شریعت: آپ کا ارشاد ہے کہ نماز مومن کی معراج ہے، ہر دکھ تکلیف
کا مداوا ہے۔ روح کی غذا ہے۔ دین کا ستون ہے۔ جنت
کی کنجی ہے۔ قبر اور حشر میں ساتھی ہے۔ محشر کے روز لازمی پہلا پرچہ ہے۔ بے نماز مسلمانوں
کی صف سے باہر ہے۔ بے نماز جنت کی خوشبو سے محروم ہے۔ بے نماز کا حشر فرعون
نمرود کے ساتھ ہو گا۔ نماز چھوڑنا کفر ہے۔ بے نماز کی ہر نیکی نامقبول ہے ناکام ہے۔ آپ
میں خصوصیت تھی اگر کوئی مرید ہونے کے لیے آتا تو آپ اس کو ارشاد فرماتے کہ پہلے
نمازی بنو پھر مرید ہونا آپ بے نماز کو ہرگز ہرگز مرید نہ کرتے۔ بلکہ بے نماز کے ہاتھ سے
کوئی چیز نہ پکڑتے تھے۔ آپ کی کرامات بے شمار ہیں بلکہ آپ مجسمہ کرامات، بلند کردار، بلند
اخلاص اور اخلاص کا مجسمہ تھے۔ آپ کا چہرہ مبارک پر وجاہت بارعب تھا ہر دیکھنے والے
کی آنکھیں پرخم ہو جاتی تھیں۔

مولوی غلام جیلانی نقشبندی صاحب چک ۳۲۰ ج ب سیوال ضلع ٹوبہ ٹیک سنگھ
عمر تقریباً ۸۰ سال ہے۔ بیان کرتے ہیں کہ جب آپ ٹوبہ ٹیک سنگھ تشریف لاتے تو
آپ کا مقام لطیف ہائی سکول میں ہوتا۔ حالانکہ آپ کے مرید یہاں رہائش رکھتے تھے مگر
آپ کسی مرید کے گھر کی بجائے کسی کھلی جگہ میں قیام کرنا پسند فرماتے اور مریدوں کے گھروں
میں اقامت پذیر ہونے سے ہمیشہ پرہیز کرتے رہے۔ آپ کا ارشاد ہے کہ ہمارا مشن تبلیغی
ہے۔ مریدوں کے گھروں میں رہ کر تبلیغ ناممکن ہے۔ کیونکہ اس جگہ ہر شخص نہیں آسکتا۔

اسی لیے آپ ایسی جگہ میں قیام کرنے کو پسند فرماتے جہاں ہر شخص ہر مذہب کے لوگ بلا تامل آجا سکیں۔ آپ کی تشریف آوری پر ارد گرد چکوک کے لوگ کثرت سے آپ کے پاس آتے اور ارشادات عالیہ سن کر فیض یاب ہوتے۔ غیر مسلم اسلام میں داخل ہوتے اور نمازی لوگ حلقہ ارادت میں داخل ہوتے۔ آپ بہت ہی فیاض اور مستجاب الدعاء تھے۔ میاں محمد عبداللہؒ ٹھیکیدار چمڑہ منڈی مرحوم عقیدت مندوں میں سے تھا۔ آپ کی مجلس میں عشق نبوی کی نعتیں ذوق شوق سے جھوم جھوم کر پڑھا کرتے تھے۔ آپ کو اور حاضرین کو محفوظ کرتے۔ مولوی صاحب نے کہا کہ میری موجودگی میں ایک شخص بیعت ہونے کے لیے حاضر ہوا آپ نے پوچھا کہ نماز پنجگانہ ادا کرتے ہو جواب نفی میں ملا۔ آپ نے نماز کے فوائد اور طریقہ سے آگاہ فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ پہلے پانچ وقت نماز پابندی سے باجماعت پڑھا کرو۔ پھر کچھ عرصہ بعد اس کا امتحان لیتے اگر وہ پنجگانہ نماز باجماعت کا پابند ہو چکا ہے تب اس کو اپنا مرید کرتے۔ بے نماز سے کوئی چیز نہ پکڑتے آپ فرماتے کہ نمازی بنو اس میں نجات کامرانی کامیابی ہے۔ حقہ نوشی سے بھی نفرت کرتے آپ فرماتے جس کے منہ سے بدبو آتی ہو وہ درود پاک نہیں پڑھ سکتا۔ نماز اور دعائیں درود شریف پڑھنا لازمی ہے۔ اکثر آپ یہ شعر پڑھا کرتے تھے۔

ہزار بار بشویم بدہن مشک و گلاب   ہنوز نام تو گفتن کمال بے ادبیست

آپ کی منزل فنافی الرسول تھی۔ روحانیت میں اوّل منزل فنافی الشیخ ہے دوسری منزل فنافی الوجود ہے۔ تیسری منزل فنافی الرسول ہے اور آخری منزل فنافی اللہ ہے۔ چاروں منزلوں کا راز نفی اثبات میں ہے۔ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ ”اسم اعظم اللہ“۔ ”بِسْمِ اللّٰہِ“

۱۲۔ حج: آپ ہر سال حج بیت اللہ کے لیے تشریف لے جاتے اور زیادہ وقت مدینہ طیبہ میں گذارتے آپ کو وہاں کی ہر چیز سے عقیدت تھی وہاں کے پرند چرند حیوانوں اور جانوروں تک سے پیار تھا۔ آپ عاشق رسول فنافی الرسول تھے اور عشق نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کے رگ و پے میں بسا ہوا تھا۔ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اسم

گرامی سنتے ہی آپ کی آنکھیں پرنم ہو جایا کرتی تھیں اور طبیعت میں وجدانی کیفیت طاری ہو جاتی تھی۔

واقعہ: ایک مرتبہ مدینہ طیبہ میں باب السلام کے نزدیک چند کتے لیٹے ہوئے تھے۔ ایک ناسمجھ نے جاتے جاتے ایک کتے کو لاٹھی ماری۔ کتا لنگڑاتا اور چیختا چلاتا جارہا تھا کہ اچانک آپ وہاں تشریف لائے۔ جب حقیقت حال معلوم ہوئی تو کتے کو پاس بٹھایا اور اس شخص سے کہا ظالم تو نے یہ نہ دیکھا کہ مدینہ طیبہ کا کتا ہے پھر اپنا عمامہ پھاڑ کر کتے کی زخمی ٹانگ پر پٹی باندھی اور بازار سے کھانا منگوا کر اسے کھلایا۔

۱۳۔ تعمیر مسجد: علی پور سیداں میں آپ نے چھ لاکھ روپے کے صرف کثیر سے ایک نہایت ہی خوبصورت مسجد بنائی جو قابل دید ہے۔

آپ کے عقیدت مندوں کا پاک و ہند میں جال بچھا ہوا ہے۔ سعودی عرب، افغانستان برما وغیرہ بلکہ عرب و عجم میں عقیدت مند موجود ہیں۔ آپ تعصب کے خلاف، لوگوں میں بیحد مقبول مستجاب الدعا تھے۔

۱۴۔ تعمیر مدرسہ: آپ نے علی پور سیداں ۱۹۱۶ء میں مدرسہ نقشبندیہ قائم کیا تھا۔ جس میں حضرت کے خلف اکبر الحاج حافظ سید مولانا محمد حسین شاہ صاحب عالم و فاضل بزرگ تھے ابتدائی سجادگی کے زمانے تک مدرسہ کے مہتمم رہے۔ اساتذہ و طلبہ کے قیام و طعام کا انتظام اور دوسرے تمام انتظامات اب بھی وجود میں ہے یہ مدرسہ پہلے ایک حویلی میں تھا پھر مسجد نوری کے ملحق نئی عمارت میں منتقل ہو گیا اب یہ بھی عمارت پرانی ہو گئی ہے اب نئی اور عمارت تعمیر ہو چکی ہے۔

۱۵۔ لائبریری: اس مدرسہ میں ایک عظیم الشان لائبریری بھی ہے جس میں قیمتی اور نایاب کتب جن کی تعداد ہزاروں ہے موجود ہیں اور قلمی نسخے سینکڑوں کی تعداد میں ہیں۔

۱۶۔ لنگر: آپ نے گاؤں میں لنگر جاری کیا اور اس میں مہمانوں طالبان حق کے لیے عمدہ عمدہ کھانے تیار ہوتے۔ آج بھی یہ لنگر جاری ہے ہر آنے والوں کو دو وقت عمدہ کھانا ملتا ہے۔

۱۷۔ صورت و سیرت: حضرت امیر ملت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مرقع حسن و جمال ظاہری و باطنی تھے۔ قد مبارک درمیانہ، چہرے مبارک کی شگفتگی عالم پیری میں بھی قائم تھی۔ ہونٹ یا تو تی اور تبسم کناں، آواز دھیمی تھی مگر تا حد نظر مجموں میں صاف سنائی دیتی تھی۔ ہاتھوں کی انگلیاں نرم و نازک اور دراز تھیں۔ گفتگو اور تقریر آیات قرآنی، احادیث نبوی، اشعار امثال اور شواہد سے مالا مال ہوتی تھی، کبر سنی میں مہندی کا استعمال فرماتے تھے جس سے داڑھی مبارک خوب سرخ نظر آتی تھی۔

حضرت امیر ملت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا لباس مبارک ہمیشہ سفید ہوتا تھا، سردیوں میں البتہ سبز رنگ کے پشمینہ کی پگڑی باندھتے تھے۔ بستر ہمیشہ زمین پر گداز اور نرم ہوتا تھا۔ گرما میں پہلی رات البتہ پلنگ پر استراحت فرماتے تھے۔

حضرت امیر ملت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مہمان نوازی میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔ آپ کا دستر خوان دیکھ کر راجے مہاراجے امیر کبیر اور صاحبان ثروت اور اعلیٰ سیاسی لوگ ششدر رہ جاتے تھے، سفر ہو یا حضر آپ کے دستر خوان پر سینکڑوں لوگ بیک وقت کام و دہن کی تواضع کرتے تھے۔ مہمانوں کے لیے انواع و اقسام کے لذیذ کھانے تیار کرائے جاتے تھے۔

حضرت امیر ملت رحمۃ اللہ تعالےٰ کی غذا سادہ ہوتی تھی، لسی شہد سردیوں میں بھینس کا دودھ اور گرمیوں میں بکری کا دودھ، مرغی کا شوربہ، خشکہ، دہی۔ سردیوں کا ساگ گجریلا، گنے کے رس کی کھیر، کسٹرڈ کی فیرنی مرغوب غذائیں ہیں، گرمیوں میں دیسی کدو کا استعمال زیادہ فرماتے تھے۔

شلغم کا اچار بھی پسندِ خاطر تھا، دودھ کے بغیر قہوہ استعمال فرماتے۔ پھلوں میں آم بہت مرغوب تھا۔

۱۸۔ وفات: وہ شمع نورانی جو شیراز سے علی پور سیداں مضافات سیالکوٹ کے دلوں کو نور معرفت سے منور کرنے کے لیے آئی تھی۔ اپنا اسلامی تبلیغی مشن پورا کرنے کے بعد کلمہ طیبہ کا ورد کرتے ہوئے بتاریخ ۲۶ ذیعقد سنہ ۱۳۷۰ھ مطابق ۳۱ اگست سنہ ۱۹۵۱ء کو بجھ گئی۔

آپ کی نماز جنازہ میں ہر طبقے کے لوگ علمار وقت وآفیسران وکلار وعقیدت مندوں کا بہت بڑا ہجوم تھا۔ اور اس سے قبل اتنا بڑا اجتماع کم ہی دیکھنے میں آیا ہے، ہر شخص اشکبار تھا کہ آج دنیا روحانیت سے خالی ہو گئی پورے ہندوستان اور باہر کے ممالک میں صف ماتم بچھ گئی اور ہر چھوٹے بڑے کی زبان پر یہ الفاظ بار بار آرہے تھے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

۱۹۔ اولاد: حضرت امیر ملت کے تین صاحبزادے تھے، حضرت سید خادم حسین، حضرت سید محمد حسین شاہ، حضرت سید نور حسین شاہ۔

حضرت میاں شیر محمد شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ

حضرت میاں شیر محمد شرقپوری پنجاب کے ان اولیاء سے ہیں جنہوں نے سلسلہ نقشبندیہ میں بے پناہ شہرت پائی ہے۔ آپ اتباع نبوی کی جیتی جاگتی تصویر تھے آپ نے اپنی پوری زندگی اتباع سنت میں گزاری اور اپنے پیروکاروں کو یہی درس دیا کہ زندگی کے ہر فعل میں سنت نبوی کی اتباع کرو۔ آپ جامع علوم ظاہری و باطنی تھے۔ آپ علم، ریاضت، مجاہدہ، زہد و تقویٰ جود و سخا اور بردباری میں بے نظیر تھے گویا کہ آپ اپنے وقت کے قطب الاقطاب اور ولی کامل تھے۔ آپ کی برکت سے کئی مردہ دل نورِ الٰہی سے منور ہوئے ہیں اور آج بھی میاں صاحب کا ذکر اور نام بڑی عقیدت و وارفتگی سے لیا جاتا ہے۔

حضرت میاں شیر محمد صاحب نقشبندی کے آباؤ اجداد کابل سے ہجرت کر کے پنجاب آئے اور قصور میں رہائش اختیار کی وہاں سے حجرہ شاہ مقیم میں سکونت اختیار کر لی۔ پھر وہاں سے شرقپور میں آکر آباد ہو گئے۔ آپ کے والد ماجد کا نام عزیز الدین تھا ذات کے ارائیں تھے کھیتی باڑی ان کا خاندانی پیشہ تھا۔

حضرت میاں شیر محمد نقشبندی کی پیدائش ۱۸۶۵ء میں ہوئی۔ آپ کی

ا۔ پیدائش: ولادت کے بعد ہی سے آپ کے جسم اطہر اور چہرہ نورانی سے ولی کامل ہونے کے آثار روز روشن کی طرح ظاہر تھے۔ اور ہر شخص جو حضرت کو دیکھتا تھا بے اختیار پکار اٹھتا تھا کہ یہ بچہ تو مادر زاد ولی ہے آپ کے متعلق یوں بھی کہا جاتا ہے کہ، آپ کی ولادت سے پہلے ایک مجذوب بزرگ آپ کے مکان کے گرد چکر لگاتے اور کہتے کہ اس گھر سے دوست کی خوشبو آرہی ہے۔ ایک اور بزرگ فرمایا کرتے تھے کہ اس جگہ عنقریب شیر ربانی پیدا ہو گا۔ اور کئی بزرگوں نے آپ کی بشارت دی تھی اور فرماتے تھے کہ ہم کو

اللہ تعالیٰ کے حکم سے معلوم ہوا ہے۔ آپ بچپن ہی میں ہونہار تھے۔ آپ کی پیشانی مبارک میں نور ولائت چمکتا تھا۔

۲۔ تعلیم و تربیت: آپ نے پہلے قرآن مجید پڑھا اس کے بعد عربی اور فارسی کی تعلیم حاصل کی۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت کے جدا مجد عالی جناب فضیلت مآب مولانا مولوی غلام رسول صاحب رحمتہ اللہ علیہ جب آپ کو بچپن میں قرآن کریم پڑھایا کرتے تھے، تو آپ پڑھتے ہوئے اتنا روتے کہ قرآن کریم کے سارے اوراق بھیگ کر بالکل خراب اور ناقابل استعمال ہو جاتے، مگر جب حضرت جدا مجد اس کے متعلق دریافت کرتے تو آپ خاموش ہو جاتے اور ہزار پوچھنے پر بھی کوئی جواب نہ دیتے۔

بچپن ہی سے قدرت نے آپ کو حیا و شرم کا حصہ اس قدر وافر عطا فرمایا تھا کہ جب آپ گھر سے نکلتے اور محلہ میں سے گزرتے جہاں اپنے اپنے گھروں کے آگے چبوتروں پر عورتیں بیٹھی رہا کرتی تھیں تو آپ وفور شرم سے ایک باریک اوڑھنی سے اپنا سر اور چہرہ چھپا لیتے تھے آپ کسی کی عفت اور طہارت کی یہ بہترین مثال ہے تاکہ نامحرم پر نظر ہی نہ پڑے۔

۳۔ بچپن: آپ کا بچپن عام بچوں کی طرح نہیں تھا نہ آپ بچوں میں مل کر بیٹھتے تھے اور نہ ان کے ساتھ مل کر کبھی کھیلتے تھے اور نہ بچوں سے کوئی رابطہ رکھتے تھے سب سے علیحدہ رہتے تھے، اور علیحدگی کو پسند فرماتے تھے۔ تنہائی آپ کا نہایت محبوب مشغلہ تھا اور اس پر آپ ساری عمر کاربند رہے۔

۴۔ بیعت: آپ نے حضرت بابا امیر الدین نقشبندی مقام کوٹلہ شریف میں حاضر خدمت ہو کر بیعت کی اور ریاضتوں اور مجاہدوں میں مشغول ہو گئے۔ آپ نے تھوڑے ہی عرصہ میں خاص مقام حاصل کر کے خرقہ خلافت حاصل کیا۔

آپ کو اپنے مرشد پاک سے بے انتہا عقیدت تھی ایک دن مرشد پاک کو گرم دودھ کی خواہش ہوئی، لنگر خانے میں ایندھن نہ تھا آپ نے اپنے تن کے کپڑے جلا کر دودھ

گرم کیا اور یوں اپنے مرشد پاک کی خدمت کی۔

۵۔ واقعات

۱۔ عقدہ کشائی: حضرت مولانا مفتی غلام جان ہزاروی ثم لاہوری (مرید اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ) جامعہ نعمانیہ میں مدرس تھے۔ انہوں نے حضرت میاں صاحب کا بڑا چرچا سنا پھر یہ بھی پتہ چلا کہ امام المحدثین حضرت مولانا سید دیدار علی شاہ قدس سرہ ان کی ملاقات کے لیے گئے تھے، واپسی پر ان سے بھی میاں صاحب کی تعریف سنی تو زیارت کا شوق لیے شرقپور شریف پہنچ گئے۔ مشتاقان زیارت پہلے سے موجود تھے یہ بھی بیٹھ گئے۔ اس سے پہلے میاں صاحب کی زیارت نہیں کی تھی۔ چنانچہ جب میاں صاحب تشریف لائے تو انہوں نے سمجھا کہ شاید یہ کوئی درویش ہوں گے۔ میاں صاحب نے پوچھا، آپ کہاں سے آئے ہیں اور کیا شغل ہے۔ مفتی صاحب نے بتایا لاہور سے آیا ہوں اور جامعہ نعمانیہ میں پڑھاتا ہوں۔ میاں صاحب نے فرمایا: کیسے آئے ؟ عرض کی، قبلہ میاں صاحب کی قدمبوسی کو آیا ہوں۔ فرمایا۔ میاں صاحب کو مل کر کیا کرو گے تم خود عالم ہو۔ تمہیں فقیروں سے ملنے کی کیا ضرورت ہے۔ مفتی صاحب نے غصے میں پوچھا کیا فقیروں کو ملنا گناہ ہے۔ تم فقیروں کے پاس رہ کر ایسے گمراہ ہو کہ فقیروں سے ملنا گناہ سمجھتے ہو! میاں صاحب نے فرمایا مولوی احمد علی (شیرانوالہ دروازہ لاہور) اور مولوی غلام مرشد کیسے ہیں۔ مفتی صاحب نے کہا، وہ بھی تمہاری طرح گمراہ ہیں جو فقراء کے قائل نہیں۔ فرمایا تو تم غصے میں آ گئے ہو۔ مفتی صاحب نے کہا تم خود غصے کی باتیں کر رہے ہو۔ میاں صاحب سے عرض کروں گا کہ آپ نے ایسے گمراہ کو اپنے پاس رکھا ہوا ہے۔

۲۔ داڑھی منڈے پر اظہار ناراضگی: میاں صاحب آگے بڑھ گئے اور ایک داڑھی منڈے سے فرمایا تم نے داڑھی کیوں منڈوائی ہے۔ اگر تیری بیوی کا سر مونڈ دیا جائے تو اچھی معلوم ہو گی۔ اس نے کہا نہیں، اور شرمسار ہو کر داڑھی نہ منڈوانے کا عہد کیا۔ اسی طرح میاں صاحب ایک ایک آدمی کو ہدایت کرتے گئے۔ اتنے میں کسی نے مفتی صاحب کو اشارۃً بتا دیا کہ یہی

میاں صاحب ہیں۔ مفتی صاحب کو بڑی ندامت ہوئی اور رقت طاری ہو گئی۔ کچھ دیر بعد میاں صاحب تشریف لائے اور کشف المجوب لاکر دی جس میں تین جگہ نشانی رکھی ہوئی تھی۔ حضرت میاں صاحب گھر تشریف لے گئے اور واپسی پر مفتی صاحب کے لیے قریباً آدھ سیر کھجوریں لے آئے۔ مفتی صاحب فرماتے ہیں کہ میں جن تین عقدوں کے عمل کے لیے حضرت میاں صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا تھا کشف المجوب کے مطالعہ سے تینوں حل ہو گئے۔ میاں صاحب نے فرمایا۔ ان باتوں کو یاد رکھنا اور ان پر عمل کرنا۔

۳۔ علامہ اقبال کو سینہ سے لگالیا: ایک دفعہ علامہ اقبال آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ تو آپ نے داڑھی منڈانے پر ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا۔ علامہ اقبال کہاں چوکنے والے تھے۔ فوراً بولے گناہوں سے تو بے شک نفرت کی جاتی ہے۔ لیکن گنہگار سے نہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رحمۃ للعلمین ہیں۔ اور آپ کا ارشاد ہے کہ اچھے لوگ خدا کے ہیں اور برے میرے۔ آپ عاشق رسول تھے۔ علامہ اقبال کی زبان سے حضورؐ کا اسم گرامی سن کر بے تاب ہو گئے اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے پھر علامہ اقبال کو سینہ سے لگایا اور بہت دعائیں دیں۔ (قصے اللہ والوں کے ص ۱۵۲)۔

۴۔ برائیوں سے اجتناب کا درس: ایک مرتبہ کسی شخص نے اپنے کسی بزرگ کا ختم کرایا اور آپ سے بھی تشریف لانے کے لیے عرض کیا تو آپ نے فرمایا "اس ختم سے کیا فائدہ" اس بزرگ کی روح تو تم سے سخت ناراض ہے۔ اس لیے یہ ختم تمہارے منہ پر ملا جائے گا۔ اگر اپنے بزرگ کی روح کو ثواب پہنچانا اور خدا کو خوش کرنا چاہتے ہو تو خود غرضیاں چھوڑ دو۔ مقدمہ بازیاں چھوڑ دو۔ جھوٹ دغا بازی۔ بے ایمانی۔ حرام کاری چھوڑ دو۔ نیکی اور پرہیز گاری اختیار کرو آپس میں صلح صفائی اور رحم دلی سے رہو۔ دوسروں کا مال کھانے اور چوریاں کرنے سے پرہیز کرو۔ اور در حقیقت نیک پاک باز، صالح اور شریف انسان بن جاؤ۔ خدا اور رسول کی فرمانبرداری کرو۔ نماز روزہ اور زکوٰۃ کی پابندی کرو۔ گالی گلوچ سے پرہیز کرو۔ مار دھاڑ

اور جھگڑا فساد نہ کرو۔ یہ باتیں ختم سے ہزار درجہ بہتر افضل اور عمدہ ہیں۔ جاؤ اگر تم میں عقل، سمجھ اور خدا ترسی ہے تو میری باتوں پر عمل کرو ورنہ خود بھی تباہ ہو جاؤ گے۔ اور اپنی اولاد کو بھی برباد کر دو گے۔

اس موقعہ پر آپ نے اس شخص سے یہ بھی فرمایا کہ اپنے جھگڑے اور مقدمے خود اپنے گھر میں فیصلہ کرنے کی بجائے جو شخص انگریز کی عدالت میں جاتا ہے اس میں ایمان کا ذرا سا بھی حصہ نہیں ہے۔

اکثر لوگ اپنے نجی جھگڑے، ذاتی معاملات، زمینوں اور جائیدادوں کے مقامات آپ کے پاس لاتے تو آپ نہایت انصاف کے ساتھ نہایت خوبی کے ساتھ اور نہایت ہمدردی کے ساتھ آپس میں ان کی صلح صفائی کرا دیتے۔ ایسی خوش اسلوبی کے ساتھ آپ دونوں فریقین کو سمجھاتے تھے کہ آپ کے فرمانے پر ہر شخص بخوشی اپنا حق چھوڑنے اور اپنے بھائی سے صلح کرنے پر آمادہ ہو جاتا تھا۔

۵۔ جوتیوں سمیت کمرہ عدالت میں: ایک مرتبہ نکاح کا ایک جھوٹا دعویٰ عدالت میں دائر ہوا۔ اور مدعی نے لکھوایا کہ میرا نکاح تو حضرت صاحب نے پڑھایا تھا۔ آپ بلوائے گئے۔ تو جوتیوں سمیت کمرہ عدالت چلے گئے۔ دربان نے کہا جوتی اتار جائیں۔ آپ نے فرمایا کیوں یہ کوئی مسجد ہے۔ تحصیل دار نے دیکھا تو اشارہ سے منع کیا۔ کہ ان کو جوتیوں سمیت آنے دو۔ ازاں بعد عدالت نے کہا حضرت صاحب آپ عدالت میں گواہی دینے کے لیے آئے ہیں۔ اس بات کا اقرار کیجئے کہ جو کچھ کہوں گا سچ سچ کہوں گا۔ آپ مسکرائے اور فرمایا تحصیل دار صاحب۔ آپ کی عدالت میں کہیں سچ کا پتہ بھی ہے۔ تحصیل دار شرمندہ ہوا اور کہنے لگا خیر چھوڑیے اور بتلائیے آپ ان دونوں فریق کو جانتے ہیں۔ آپ نے فرمایا نہ میں اسے جانتا ہوں اور نہ اسے، اور نہ میں نے نکاح پڑھایا ہے تحصیل دار ہندو تھا اور اس نے بڑی عزت سے آپ کو رخصت کیا اور مقدمہ خارج کر دیا۔

۶۔ رشوت لینے پر ایک آفسر کو تھپڑ مار دیا: ایک مرتبہ عجیب واقعہ ہوا یعنی کہ ایک بہت بڑا افسر آپ کی ملاقات کے لیے بڑی عقیدت سے خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔ لیکن وضع کافرانہ اور روش مغربی۔ نہ داڑھی نہ مونچھ سب صفا۔ ہیٹ اوڑھے ہوئے اور سگار منہ میں آپ نے اسے دیکھا تو آپ کو اس سے سخت نفرت ہوئی مگر بڑے ہی تحمل کے ساتھ آپ نے پوچھا کہ تجھے تنخواہ کیا ملتی ہے اس نے عرض کیا حضور ایک ہزار روپیہ اور باقی خدا کا فضل بھی خاصا ہو جاتا ہے۔ یہی کوئی دو ڈھائی ہزار بڑھ جاتے ہیں۔ بہت عیش و آسام سے زندگی بسر ہوتی ہے اس وقت اور بھی بہت سے لوگ آپ کے گرد بیٹھے ہوئے تھے۔ مگر آپ اپنے غصہ کو ضبط نہ کر سکے۔ اور اس زور سے تھپڑ اس کے چہرے پر مارا کہ اس کا قیمتی ہیٹ دور جا گرا۔ اور وہ خود بھی تھپڑ کھا کر زمین پر گر گیا۔ اور فرمایا کمبخت۔ بچہ شیطان فرزند ہامان جا دور ہو۔ یہ ڈھائی ہزار روپیہ کیا قبر میں تجھے عذاب سے بچا لیں گے کیا پل صراط پر یہ رقم تیرے کام آئے گی کیا تو رضوان کو یہ رقم بطور رشوت دے کر جنت میں داخل ہو جائے گا۔ کیا تو مالک کو یہ ڈھائی ہزار روپیہ دے کر دوزخ سے خلاصی حاصل کرے گا تو ہی اکیلا نہیں تیری طرح دوسرے اعلیٰ افسر بھی تمام کے تمام انگلستان سے آئے ہیں باپ کے فرزندوں سے بھی بدتر ہو جاؤ دفع ہو جاؤ اور کبھی میرے پاس نہ آؤ۔ جب مر و گے تو جہنم کے سب سے نچلے حصہ میں تم کو جگہ ملے گی۔ انشاء اللہ۔

۷۔ رشوت خور سے نفرت: جس شخص کے متعلق آپ کو شبہ ہوتا کہ اس کی آمدنی کے ذرائع جائز نہیں ہیں یا سرکاری ملازم ہے۔ رشوت لیتا ہے تو آپ اس کی نذر کبھی قبول نہ فرماتے اور اسے ایمان دار اور نیک بننے کی تلقین فرماتے۔ اسی طرح اگر کوئی ظالم افسر ہوتا اور آپ کے پاس آتا تو آپ اس کی طرف متوجہ نہ ہوتے نہ اس کا ہدیہ قبول فرماتے۔

۸۔ ہمدردی کا عجیب واقعہ: لوگوں کی ہمدردی اور غم خواری ہندو ہوں یا مسلمان آپ کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی۔ ایک مرتبہ آپ

قصور تشریف لے گئے اور وہاں اپنے معتقدین کے ساتھ بازار میں جا رہے تھے۔ کہ آپ نے دیکھا کہ بازار کے سرے پر بھنگن غلاظت سے بھرا ٹوکرا بھرا ہوا۔ کھڑی ہے ٹوکرا بھاری تھا جو اس سے اٹھ نہیں سکتا تھا وہ اس انتظار میں تھی کہ کوئی بھنگی یا بھنگن ادھر سے گذرے تو اس سے اپنا ٹوکرا اٹھوائے اپنا ایک چھوٹا سا موٹا سا کالا کلوٹا بچہ بھی وہ اپنی گود میں لیے ہوئے تھی اور اس کے کپڑے بھی سخت بدبودار میلے اور متعفن تھے، آپ جب اس کے پاس سے گذرے تو آپ نے بلا تامل وہ ٹوکرا اٹھا کر اس کے سر پر رکھ دیا آپ کے ساتھ اس وقت جو معززین تھے انہوں نے اس عجیب واقعہ کو دیکھا تو سب کے سب نہایت درجہ حیران رہ گئے۔

۹۔ ایک سکھ کے مسلمان ہونے کا واقعہ: اللہ تعالٰے نے میاں شیر محمد کی نظروں میں بڑی تاثیر رکھی تھی ایک مرتبہ آپ اپنے مریدوں کے ہمراہ لوہاری دروازے (واقع لاہور) کے باہر سے گذرے تھے، ان دنوں سکھوں کا کوئی میلہ تھا۔ بہت سے سکھ لاہور آئے ہوئے تھے۔ میاں صاحب نے دیکھا کہ سکھوں کا ایک گروہ انارکلی سے نکل رہا ہے اس موقع پر میاں صاحب اور ان کے ساتھیوں کا سکھوں سے آمنا سامنا ہو گیا۔ سکھوں میں ایک نوجوان سکھ بڑا ہی خوبصورت، قد آور اور جوان تھا۔ اس کی طرف میاں صاحب نے نظر بھر کر دیکھا اور خدا سے دعا کی: "اے مولا پاک اتنا خوبصورت آدمی جہنم میں جائے، میرا دل نہیں چاہتا۔ اللہ میاں اس کو مسلمان بنا دے اور جنت کا حق دار ٹھہرا دے۔" یہ دعا ابھی آپ کے لبوں پر اور نظر سکھ نوجوان کے چہرے پر تھی کہ وہ نوجوان سکھ آپ سے گویا ہوا

"حضرت! آپ کو مجھ سے کوئی کام ہے یا مجھے کچھ کہنا چاہتے ہیں۔"

میاں صاحب نے فرمایا "جوان! کہنا تو جسے تھا اسے کہہ دیا۔ تمہیں کیا کہنا ہے۔"

سکھ نوجوان بولا۔ "مجھے بھی تو کچھ پتہ چلے کہ کس کو کیا کہا ہے "آپ نے"

میاں صاحب نے فرمایا! کہا تو اللہ سے ہے اور بات تمہاری کی ہے کہ اتنا

خوبصورت شکل وصورت اور قدوقامت دار نوجوان جہنم میں نہیں جانا چاہیے۔ اب اس کی مرضی ہے کہ وہ کیا کرتا ہے۔

سکھ نوجوان نے جب یہ بات سنی تو فوراً آپ کے قدموں پر گر گیا اور کلمہ پڑھانے کی درخواست کی۔ اس کے ساتھی سکھوں نے اس کو بہت سمجھایا اور اصرار کیا کہ واپس چلو مگر اس نے کہا کہ اب جب میں منزل پر پہنچ چکا ہوں تو واپس کہاں جاؤں اور کس لئے جاؤں۔ اس کے بعد وہ نوجوان میاں صاحب کے خاص مریدوں میں شامل ہو گیا۔

۱۰۔ ایک پیشن گوئی سچی ہو گئی: تقسیم ہند سے پہلے کی بات ہے۔ ایک روز میاں شیر محمد صاحب اپنے مریدوں کی ایک جماعت کے ساتھ شاہ عالمی کے علاقہ سے گزر رہے تھے وہ محلہ بہت گنجان تھا اور گلیاں نہایت تنگ وتاریک تھیں۔ عمارتیں انتہائی اونچی اونچی تھیں۔ میاں صاحب نے ان عمارات پر ایک نظر ڈالی اور فرمایا "یہ عمارتیں بہت جلد برباد ہوں گی۔ ان کے مکینوں کے نام ونشان مٹ جائیں گے۔

آپ نے جواباً فرمایا "جو باتیں مقدر بن چکی ہوں انہیں ٹالا تو نہیں جا سکتا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب پاکستان کا خواب وخیال بھی کسی کے ذہن وگمان میں نہ تھا۔ پھر جب پاکستان بنا تو میاں صاحب کی پیشن گوئی حرف بہ حرف پوری ہوئی اور لوگوں نے دیکھا عمارات زمین بوس بھی ہوئیں۔ مکین اجڑے بھی اور برباد بھی ہوئے۔ بازار مسمار ہو گئے۔ اللہ تعالےٰ اولیاء کرام کے منہ سے وہی بات کہلواتا ہے جو اس نے پوری کرنی ہوتی ہے۔

۱۱۔ آپ کی دعا سے شفایابی: ایک دفعہ کسی شخص کی انگلی پر کوئی پھوڑا نکل آیا اس نے بہت علاج کروائے مگر کوئی افاقہ نہ ہوا۔ حتیٰ کہ صورت حال کی سنگینی کے پیش نظر ڈاکٹروں نے اس کی انگلی کاٹ دینے کا مشورہ دیا تاکہ اس میں موجود زہریلے اثرات باقی جسم کو متاثر نہ کریں۔ وہ شخص میاں صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنی بپتا سنائی۔ آپ نے اس کی انگلی

کو ہاتھ میں پکڑا اور کافی دیر تک اس پر اپنا ہاتھ پھیرتے رہے پھر فرمایا: "اب جاؤ اور کل اسی وقت میرے پاس آنا۔" اگلے روز جب وہ صبح اٹھا تو حیران رہ گیا کہ اس کی انگلی بالکل ٹھیک تھی۔ وہ بڑا متعجب ہوا کہ رات بھر میں اتنی کوڑھ زدہ انگلی کیسے ٹھیک ہو گئی۔ پھر وہ حسب حکم میاں صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا اور انگلی دکھائی۔ آپ نے فرمایا۔

"خدا کا شکر کرو۔ اس نے تمہارا روگ ختم کر دیا۔

وہ شخص پوچھنے لگا کہ میاں صاحب! آپ نے کیا علاج کیا جو انگلی ٹھیک ہو گئی جبکہ بڑے بڑے ڈاکٹر اس کے علاج سے قاصر تھے۔

میاں صاحب نے فرمایا۔ "بھئی میں نے تو خدا کے آگے گزارش کی تھی۔ اس نے قبول کر لی۔ جب وہ ہر چیز پر قادر ہے تو حیرانی کیسی ہمیں تو ہر وقت اس کی شکر گزاری کرنی چاہیے۔

۶۔ اتباع شریعت: حضرت میاں شیر محمد صاحب اتباع شریعت اور پیروی حکم خدا اور رسول میں نہایت کامل بزرگ تھے۔ اس قدر کامل کہ تمام۔ ظاہری و باطنی امور میں ہر قسم کے حالات میں اور ہر موقع پہ خدا اور رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رضامندی اور خوشنودی کے طالب رہتے تھے۔ واقعہ یہ ہے کہ الٰہی عبادت بھی حضرت صاحب پورے خشوع و خضوع کے ساتھ ادا فرماتے تھے۔ اور دینی معاملات میں بھی اعلیٰ درجہ کے محتاط اور متین تھے۔ آپ کا توحیدی جذبہ انتہا کو پہنچا ہوا تھا جب آپ کے صاحب زادے پیدا ہوئے تو آپ نے اسے گود میں لے کر فرمایا بچے! اگر تجھے بڑے ہو کر نیک، پارسا۔ صالح، عابد و زاہد، اور خلق خدا کا ہمدرد و قانع، متواضع ملنسار، مہمان نواز اور احکام شریعت کا پورا پورا پابند ہونا ہے تب تو ٹھیک ہے ورنہ تیرا مر جانا تیرے زندہ رہنے سے ہزار درجہ بہتر ہے۔ چنانچہ وہ بچہ فوت ہو گیا۔

آپ کا اٹھنا بیٹھنا۔ آپ کا سونا جاگنا۔ آپ کا رہنا سہنا۔ آپ کا کھانا پینا۔ آپ کا اوڑھنا بچھونا۔ آپ کا پڑھنا پڑھانا، آپ کا دیکھنا بھالنا۔ آپ کا بولنا چالنا غرض آپ کے

تمام امور اور آپ کے تمام احوال اور آپ کی چال ڈھال اور آپ کی حرکت و سکون سب میں شریعت اسلام کی پیروی اور احکام شریعت کی پابندی نہایت نمایاں طور پر نظر آتی تھی اور آپ اس امر کا خاص خیال اور لحاظ رکھتے تھے۔ کہ کوئی بات بھی شریعت کے خلاف آپ سے سرزد نہ ہو۔ نہ صرف پورے طور پر خود پابند شریعت تھے بلکہ اپنے پاس بیٹھنے والے ہر شخص سے بھی اس بات کی توقع کرتے تھے۔ کہ شریعت پر عامل ہو۔

عقائد میں آپ نہایت پابند سنت اور حنفی المذہب تھے۔ عقائد آپ کے وہی تھے جو حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے تھے۔ کیوں کہ آپ کا تعلق سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ سے تھا آپ کے عقائد حقہ کی ترجمانی اس سے بھی ہو جاتی ہے۔ کہ آپ حضرت غلام قادر بھیروی رحمۃ اللہ علیہ کی مصنفہ اسلام کی کتابیں پڑھنے کی تلقین فرمایا کرتے تھے۔

۷۔ اشغال و معمولات: صبح سے رات تک حضرت میاں صاحب کے معمولات و اعمال و اشغال کی ہلکی سی تفصیل حسب ذیل ہے۔

عشاء کی نماز حضرت صاحب اکثر و بیشتر تاخیر سے ادا فرمایا کرتے تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ جو مہمان آپ کے پاس آتے۔ ان کے رات کے کھانے کے اہتمام میں اکثر دیر ہو جایا کرتی تھی۔ رات کے بارہ ایک بجے اگر کوئی مہمان آجاتا تو آپ فوراً اس کے لیے کھانا لاتے اور بڑی عزت کے ساتھ اسے کھلاتے اور مہمان کی عزت کرنے میں فخر محسوس کرتے۔

بالعموم رات کے بارہ بجے تک آپ باہر احباب اور معتقدین میں مصروف گفتگو رہتے اور مختلف دینی اور معاشرتی موضوعات پر آپ کے ارشادات گرامی سے سامعین اور مسرور ہوتے رہتے پھر اندرون خانہ تشریف لے جاتے اور آرام فرماتے۔

وتر کی رکعتیں تو آپ عشاء کی نماز کے ساتھ پڑھ لیتے، مگر تہجد کی نماز ہمیشہ گھر میں ادا فرماتے اور دیر تک پڑھتے رہتے۔

صبح اول وقت بیدار ہوتے اور باہر تشریف لاتے اور نماز فجر میں

شرکت فرماتے۔ جو بالعموم آپ کے چچا حمید الدین صاحب پڑھایا کرتے تھے۔

نماز فجر کے بعد درود شریف کا ورد حاضرین کے ساتھ فرماتے اور اسے اتنا طول دیتے کہ نماز اشراق کا وقت ہو جاتا۔

نماز اشراق کی ادائیگی کے بعد آپ بچوں کو قرآن کریم پڑھایا کرتے تھے۔ اس کام سے گیارہ بجے فارغ ہوتے۔ پھر نہایت انہماک کے ساتھ مہمانوں کے کھانے کا انتظام کرتے۔ جو ہمیشہ خاصی تعداد میں ہوا کرتے تھے۔ اور آپ کی زیارت اور ملاقات کے شوق میں دور و نزدیک سے روزانہ آیا کرتے تھے۔ کھانے سے پہلے آپ تمام مہمانوں کے ہاتھ خود اپنے دستِ مبارک سے دھلواتے۔ پھر خود کھانا لا کر ان کے آگے رکھتے اور ہر ایک کی رکابی میں سالن اپنے ہاتھ سے ڈالتے۔ اور پھر خود سب مہمانوں کے ساتھ مل کر کھانا نوش فرماتے۔ اگر روٹیوں میں سے کوئی روٹی سوکھی یا سخت ہوتی تو اسے اپنے آگے رکھ لیتے۔ اور خود کھاتے۔ آپ کی عادت تھی کہ ہر لقمہ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ پڑھ کر منہ میں ڈالتے۔ لقمے بہت چھوٹے چھوٹے بناتے اور بہت آہستہ آہستہ کھاتے یہ یہ آہستہ اس لیے بھی تھا تاکہ سارے مہمان آسانی اور سہولت کے ساتھ اتنے عرصہ میں کھا کر فارغ ہو جائیں اور مہمان محسوس کریں کہ حضرت صاحب کھانا چھوڑ کر نہیں بیٹھ گئے بلکہ ہمارے ساتھ کھانا کھا رہے ہیں۔ اسی طرح آپ کھانے سے اس وقت ہاتھ اٹھاتے جب دیکھتے کہ سارے مہمانوں نے کھانا کھا لیا ہے۔ اور کوئی باقی نہیں رہا۔ کھانے کے بعد آپ سب حاضرین کے ساتھ مل کر دعا فرمایا کرتے۔

ازاں بعد وہی فرش پر لیٹ جاتے اور کچھ دیر آرام فرماتے۔ یہاں تک کہ نماز ظہر کا وقت آجاتا ظہر کی نماز آپ ہمیشہ اول وقت پڑھا کرتے تھے۔ اور نماز کے بعد ملاقات کے لیے نئے آنے والوں سے بڑی محبت کے ساتھ باتیں کرتے رہتے عصر کے چار فرضوں سے پہلے آپ چار سنتیں ضرور پڑھا کرتے تھے اور نماز سے فراغت کے بعد پھر دعوت وارشاد میں مصروف ہو جاتے۔

جب مغرب کا وقت آتا تو آپ وضو فرماتے اور وضو کرنے کے وقت پانی

وغیرہ کی مدد کسی سے نہ لیتے ، وضو میں بولنے اور باتیں کرتے رہنے کو آپ سخت ناپسند فرماتے وضو کے وقت ریش مبارک کو کنگھی سے درست بھی فرماتے ۔ اور دانتوں میں مسواک بھی فرماتے ، مگر ازاں بعد مسواک خود ہی رکھتے ۔ کسی اور کو نہ دیتے ، وضو میں پانی بہت ہی کم خرچ کرتے ۔ آپ دن میں دوبار وضو کیا کرتے تھے ۔ ایک ، نماز فجر سے قبل اور دوسری مرتبہ نماز مغرب سے پہلے اور پھر فوراً نماز مغرب کے لیے کھڑے ہو جاتے ، نماز مغرب کی ادائیگی کے بعد مسجد کی چھت پر تشریف لے جاتے چھ رکعت نفل ادا فرماتے اور پھر اوراد و وظائف اور تسبیح و تحمید میں مصروف ہو جاتے ، یہاں تک کہ عشاء کا وقت آجاتا ۔ اور آپ مہمانوں کے کھانے کے انتظام میں مصروف ہو جاتے ۔ جس سے رات کے بارہ ایک بجے فراغت ہوتی ۔ پھر آرام فرماتے ہر روز آپ کا یہی مشغلہ اور یہی معمول تھا ۔ اور اسی طرح آخر عمر تک کرتے رہے ۔

۸ ، عادات و خصائل

ا ، کسر نفسی کا مجسمہ : خاک ساری اور کسر نفسی آپ کی جبلت اور فطرت تھی ۔ آپ ہرگز پسند نہ فرماتے تھے ۔ کہ کوئی آپ کی جوتی اٹھا کر آپ کے آگے رکھے یا آپ کی جوتی اگر الٹی ہو گئی ہے تو اسے سیدھا کرے ۔ اگر کوئی ایسا کرتا تو آپ فوراً وہ جوتی اٹھا کر اسے دے دیتے تھے ، اور فرماتے لے جاؤ اب یہ میرے کام کی نہیں رہی میں نہ بزرگ ہوں نہ ولی ہوں ، نہ غوث ہوں نہ قطب ہوں ۔ پھر تم لوگ میری ایسی تعظیم کیوں کرتے ہو ۔

آپ چارپائی پر بیٹھے ہوتے اور کوئی عقیدت مند آکر نیچے بیٹھ جاتا تو آپ اسے نہایت اصرار سے اپنے پاس پلنگ پر بٹھاتے ۔ اگر وہ ادب کے لحاظ سے پھر بھی نہ بیٹھتا تو آپ فوراً چارپائی سے اتر کر اس کے پاس زمین پر بیٹھ جاتے ۔ پھر اسے مجبوراً پلنگ پر بیٹھنا پڑتا ۔

۲۔ تسبیح خواں کو ہدایت: ایک عجیب عادت آپ کی تھی اگر کسی آدمی کے ہاتھ میں تسبیح دیکھتے تو پوچھتے کہ اس پر کیا پڑھتے ہو۔ وہ کہتا اللہ کا نام لیتا ہوں۔ اس پر آپ فرماتے ، اللہ کا نام لوگوں کو دکھانے کے لیے لیتے ہو۔ اللہ کا نام لینا ہے تو گھر کا دروازہ بند کر کے اور کونے میں مصلیٰ بچھا لیا کرو۔ اس دکھاوے سے تو بجائے ثواب کے الٹا عذاب ہی ہوتا ہے۔

۳۔ مومن کی شان: آپ بہت خاموش طبع بزرگ تھے، خود بھی اکثر مجلس میں بالکل خاموش بیٹھے رہتے اور دوسروں کو بھی خاموش بیٹھے رہنے کی تلقین کرتے آپ فرمایا کرتے تھے کہ بہت ضروری اور کام کی اور مفید بات کرنی ہو تو بے شک کرو مگر فضول لایعنی اور بے کار باتیں خدا کو ناپسند ہیں۔ اور مومن کی شان اللہ پاک نے یہ بیان فرمائی ہے۔ کہ وَهُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُونَ یعنی وہ لغو باتوں سے پرہیز کرتے ہیں۔

۴۔ سخاوت: سخاوت اور خیرات، دریا دلی اور بخشش آپ کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی ۔ پیسہ آپ کے پاس بہت آتا تھا۔ لیکن ہوا کی طرح خرچ ہو جایا کرتا تھا ۔ آپ ہنس کر فرمایا کرتے تھے کہ اللہ کریم صبح کو مجھے اپنے فضل سے ایک لاکھ روپیہ عطا فرمائے اور شام تک ایک پھوٹی کوڑی میرے پاس رہ جائے تو جو چور کا حال سو میرا حال۔

۵۔ مہمان نوازی: اس کے برخلاف خدا پر آپ کو توکل اس قدر تھا کہ آپ فرمایا کرتے تھے کہ اگر ہماری مسجد اوپر نیچے سے مہمانوں سے بھر جائے ، اور ہمارے پاس ایک پیسہ بھی ان کو کھلانے کے لیے نہ ہو تو ہمیں اس بات کی فکر نہ ہوگی کہ اب پیسے کہاں سے آئیں گے، اور کہاں سے ان آنے والوں کے کھانے پینے کا انتظام ہوگا۔ سب کچھ ہی اللہ پاک محض اپنے فضل سے کر دے گا، اور لوگ دیکھتے رہ جائیں گے۔

۶۔ جانوروں سے ہمدردی: آدمیوں کے علاوہ جانوروں سے بھی آپ کو اس قدر شدت کی محبت تھی کہ جب آپ کسی گدھے، خچر، بیل کو بوجھ اٹھانے کی وجہ سے تکلیف میں دیکھتے تو بے چین ہو جاتے اور چاہتے کہ اس کا یہ بوجھ میں اٹھا لوں چنانچہ ایک مرتبہ آپ نے ایک گدھے کو دیکھا۔ جو بہت زیادہ بوجھ اٹھائے ہوئے جا رہا تھا اور وہ بوجھ اس سے اٹھتا نہیں تھا۔ آپ نے بکمال محنت اس گدھے کے پیر دابنے شروع کر دیئے۔ کبھی اس کی گردن کو پیار کرتے، کبھی اس کے جسم پر بڑی محبت سے ہاتھ پھیرتے، اور دیر تک اسی طرح کرتے رہے۔

۷۔ لباس: لباس ہمیشہ موٹا چھوٹا مگر صاف پہنتے۔ باریک اور قیمتی کپڑے کو ناپسند فرماتے دیسی جوتی زرد رنگ کی پہنا کرتے تھے کالی جوتی سے آپ کو سخت نفرت تھی فرمایا کرتے تھے کہ یہ دوزخ کی نشانی ہے، ایک مرتبہ ایک مولوی صاحب سیاہ جوتا پہنے ہوئے آپ کے پاس آئے، آپ نے وہ جوتا اتروا کر پھینکوا دیا۔ اور لال رنگ کا جوتا بازار سے انہیں اپنے پاس سے منگوا کر دے دیا۔

۸۔ السلام علیکم کرنے میں سبقت: آپ کی یہ بھی عادت تھی کہ راستہ چلتے ہوئے لوگوں کو فوراً السلام علیکم کہتے اس بات کے ہرگز متوقع نہ رہتے کہ لوگ پہلے مجھے آداب بجا لائیں جیسا کہ اکثر پیروں کا شیوہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو اتنا کھینچتے ہیں۔ جس کی انتہا نہیں اور چاہتے ہیں کہ لوگ جھک جھک کر ہمیں سلام کریں اور ہمارے ہاتھ چومیں۔

۹۔ فاسق و فاجر سے نفرت: راستہ چلتے ہوئے اگر آپ کو کسی ایسے شخص سے ملتے جو فاسق و فاجر ہوتا، تو آپ اسے دیکھ کر منہ پھیر لیتے اور اس سے بات نہ کرتے اگر راستہ میں کوئی ہندو یا سکھ مل جاتا اور آپ کے ہاتھ کو پکڑ کر تعظیماً بوسہ دیتا تو آپ خاموش رہتے لیکن اگر کوئی مسلمان ایسا کرتا تو سخت ناراض ہوتے اور اسے سمجھاتے کہ ایسا نہ کرو۔

۱۰۔ سنت رسول کا عملی نمونہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ اگر کوئی تکلیف دینے والی چیز راستہ میں پڑی ہو تو اسے دور کر دینا چاہیے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس حکم پر آپ کا نہایت سختی سے عمل تھا۔ جب کبھی آپ راستہ میں کوئی۔ اینٹ، روڑا، پتھر، یا شیشے کا ٹکڑا، یا کیلے، تربوز، آم، خربوزہ کا چھلکا پڑا دیکھتے تو فوراً آگے بڑھتے اور راستے سے علیحدہ کر دیتے۔ تاکہ بچوں، بڑوں اور عورتوں کے پاؤں نہ پھسلیں یا وہ ٹھوکر نہ کھائیں۔ یَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِھِمْ کے حکم الٰہی پر آپ کا پورا پورا عمل تھا جب کبھی بازار میں چلتے تو نظر اپنے پاؤں پر رہتی۔ اِدھر اُدھر دیکھنے اور تاکنے جھانکنے کی عادت ان کی بالکل نہ تھی اور ایسی عادت کو بڑی نفرت کی نظر سے دیکھتے تھے۔

۱۱۔ مرید کے مکان پر جھاڑو دیا: آپ کے مزاج میں خاکساری۔ فروتنی اور انکساری بے حد تھی بہت ہی معمولی سے معمولی کام کرنے سے بھی عار نہ تھا۔ نہ کوئی شرم محسوس کرتے تھے۔ نہ اپنے وقار اور عزت کا خیال کرتے تھے۔ اور نہ آپ کو اس بات کا خیال آتا تھا کہ مریدین اور معتقدین دیکھ رہے ہیں وہ کیا خیال کریں گے۔ اس سلسلہ میں آپ کی سوانح عمری میں یہ عجیب واقعہ لکھا ہے۔ کہ ایک مرتبہ آپ، لاہور تشریف لائے۔ وہاں آپ کا کوئی واقف رہتا تھا۔ اس سے ملنے جب اس کے مکان پر گئے۔ تو وہ اتفاقاً موجود نہیں تھا۔ لیکن آپ نے دیکھا کہ مکان کا صحن بہت گندہ ہے جگہ جگہ کوڑا کرکٹ پڑا ہوا ہے۔ آپ، کو یہ بات ناگوار گذری اور آپ نے جھاڑو دے کر صحن کو پاک کر دینا چاہا مگر وہاں کوئی جھاڑو موجود نہیں تھی آپ نے بلا تامل اپنے پاؤں میں سے ایک جوتا اتار لیا۔ اور اسی سے جھاڑو کا کام کیا۔ اور پانچ منٹ میں سارا صحن صاف کر دیا۔ ظاہر ہے جوتے سے صحن کیا صاف ہوتا جگہ جگہ کوڑا باقی رہ گیا۔ اس پر آپ نے اپنی زبان فیض ترجمان سے ہنستے ہوئے فرمایا کہ خیر کچھ نہ ہونے سے کچھ ہونا بہتر ہے، "اتنا ہی سہی"۔

۹۔ تعمیر مساجد: آپ کو مساجد بنانے کا بڑا شوق تھا۔ بلکہ اسے بڑا اہم تبلیغی فریضہ سمجھا کرتے تھے چھ مساجد آپ نے بنوائیں ان مساجد میں بذات، خود بطور مزدور کام کیا۔ ان مساجد کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

۱۔ محلہ بنی پورہ ملحق شرقپور میں سڑک کے کنارے آپ نے آنے جانے والے لوگوں اور مسافروں کے لیے ایک مسجد تعمیر کرائی۔ جس کے ساتھ ایک حجرہ اور ایک کنواں بھی تھا۔

۲۔ دوسری مسجد آپ نے قبرستان ڈھراں والہ میں تعمیر کرائی۔ یہ قبرستان شرق پور کے جنوب مغرب کی طرف واقع ہے۔ یہاں بھی آپ نے ایک کنواں۔ ایک غسل خانہ، اور ایک حجرہ امام مسجد کے لیے بنوایا۔ اور ایک درویش کو مسجد کی رکھوالی اور انتظام کے لیے مقرر کیا، جس نے بہت عمدگی کے ساتھ مسجد کی اور نمازیوں کی خدمت کی۔ اس مسجد کے قریب حضرت صاحب کا مزار ہے۔

۳۔ تیسری مسجد آپ نے موضع ڈھول پورہ میں بنوائی جو شرق پور کے دائیں طرف، ہے۔ یہ مسجد مختصر ہے لیکن کنواں موجود ہے۔

۴۔ چوتھی مسجد آپ نے موضع کوٹلہ شریف میں بنوائی۔ یہ اچھی بڑی فراخ مسجد ہے اور اس میں مع صحن کے تین کمرے ہیں۔ جب یہ مسجد بنی تھی تو لوگ کہا کرتے تھے کہ ناحق حضرت صاحب نے یہ مسجد بنائی۔ یہاں تو نماز پڑھنے کوئی نہیں آتا سب لوگ کوٹلہ کی دوسری مسجدوں میں جاتے ہیں، اچھا خیر جب مسجد بن ہی گئی تو یہ اس کام آجائے گی کہ ہم گائے بھینسوں کے لیے اس میں چارہ بھر دیا کریں گے۔ لیکن حضرت، صاحب، کا یہ عجیب روحانی تصرف ہے، کہ اب کوٹلہ کی تمام مسجدیں ویران ہو گئیں اور یہ مسجد نہایت آباد اور پر رونق ہے۔

۵۔ پانچویں مسجد آپ نے اپنے کنوئیں پر بنوائی تاکہ آپ کے مزارع وغیرہ اس سے فائدہ اٹھائیں اور شہر آنے میں ان کا وقت خرچ نہ ہو۔

۶۔ چھٹی مسجد آپ نے شرق پور کے وسط میں بنوائی یہ مسجد پہلے بھی موجود تھی لیکن آپ کے وجود کے باعث جب اس میں لوگوں کی گنجائش نہ رہی تو آپ نے وسیع پیمانے پر اس کی توسیع کی۔ اور اسے بہت فراخ، عمدہ اور مضبوط بنوایا۔ اس مسجد کی توسیع پر آپ نے ۲۵ ہزار روپے خرچ کیے

۱۰۔ اشاعت کتب: بعض قلمی دینی کتب کی بھی آپ نے اشاعت کی اور اس طرح خلقت کو فیض پہنچایا۔

مثلاً۔ ۱۔ مراۃ المحققین فارسی اسی کا آپ نے اردو ترجمہ کرا کر شائع کیا۔

۲۔ منہاج السلوک فارسی اس کا ترجمہ مولوی غلام قادر نے کیا۔

۳۔ حکایات الصالحین یہ ۸۸۲ صفحات کی ضخیم کتاب ہے۔

۱۱۔ وفات: آپ کا ۳ ربیع الاول ۱۳۶۷ھ - ۳۰ اگست ۱۹۴۸ء بعمر ۶۵ سال شرق پور میں انتقال ہوا۔ آپ کی وصیت کے مطابق دوہڑاں والے قبرستان میں سپرد خاک کیا گیا۔ وہیں آپ کا مزار زیارت گاہ ہے۔

حضرت محمد قاسم موہڑوی نقشبندیؒ

ولی کامل، مرشد خلائق حضرت خواجہ محمد قاسم موہڑوی (باوا جی)

۱۔ نام ونسب: رحمۃ اللہ تعالےٰ کا شجرہ نسب سلاطین ایران کے کیانی خاندان سے ملتا ہے، آپ کے جد امجد عہد عالمگیر (رحمۃ اللہ تعالےٰ) میں وارد ہندوستان ہوئے، آپ کے جد امجد اور والد گرامی کا یہ معمول تھا کہ پنجاب سے سامان تجارت لے کر کشمیر جاتے اور راستے میں پہاڑی علاقوں میں تبلیغ دین کا فریضہ ادا کرتے رہتے۔

۲۔ تعلیم وتربیت: حضرت خواجہ صاحب کے والد ماجد بچپن میں ہی داغ مفارقت دے گئے۔ ہوش سنبھالنے پر والدہ ماجدہ نے تعلیم و تربیت کا اہتمام کیا اور علوم دینیہ کی تحصیل کے لیے ہندوستان بھیجا جہاں آپ نے اس دور کے مشہور فضلاء سے استفادہ کیا اور تقریباً ۱۲۷۶ھ/۱۸۶۰ء میں تکمیل علوم کے بعد واپس تشریف لائے اور راولپنڈی کے قریب موضع جگیوٹ میں دینی مدرسہ قائم کر کے تشنگان علوم دینیہ کو سیراب کرنے لگے۔ اس کے باوجود آپ کو کسی مرد کامل کی تلاش بے چین کیے رکھتی تھی جس سے اسرار معرفت اور فیوض و برکات کا استفادہ کیا جاتا۔

۳۔ واقعہ بیعت: علاقہ مری کی جنوبی جانب سنی قوم آباد تھی ان میں ایک دفعہ سنی شیعہ بنیاد پر نزاع پیدا ہو گیا اور نوبت خونریزی تک جا پہنچی فریقین کے اہل دانش نے اس بات پر اتفاق کیا کہ کسی متبحر عالم دین کو بلا کر تصفیہ کرایا جائے اور ان کے فیصلے کو دونوں فریق تسلیم کریں۔ نگاہ انتخاب حضرت خواجہ موہڑوی قدس سرہ پر پڑی۔ آپ نے فریقین کے بیانات سن کر اہل سنت کے حق

میں فیصلہ دیا، فریق مخالف نے سازش کے تحت آپ کے کھانے میں زہر ملا دیا جسے کھا کر آپ بے ہوش ہو گئے اور ایک رات دن تک یہی کیفیت رہی اسی حالت میں آپ کو حضرت خواجہ نظام الدین کیاں شریف (کشمیر) کے دربار عالیہ کا نقشہ دکھا کر حاضری کا حکم دیا گیا چنانچہ آپ ہوش میں آنے کے بعد دشوار گزار راستوں کو طے کرتے ہوئے کیاں شریف پہنچ گئے اور مرجع عالم حضرت خواجہ نظام الدین رحمتہ اللہ تعالے کے دست مقدس پر سلسلہ عالیہ نقشبندیہ میں بیعت کی سعادت حاصل کی۔ آپ کا سلسلہ طریقت بارہ واسطوں سے حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی قدس سرہ تک پہنچتا ہے۔

۴۔ خلق خدا کی رہنمائی: مرشد کامل نے بیعت کے بعد خلافت سے نوازا اور موہڑہ شریف ایسے گنجان اور دشوار گزار پہاڑی علاقہ میں قیام کا حکم دیا۔ حضرت خواجہ محمد قاسم موہڑوی قدس سرہ نے شیخ کے ارشاد کی تعمیل اس طرح کی کہ ستر سال کا طویل دور اسی جگہ عبادت و ریاضت اور خلق خدا کی رہنمائی میں بسر کیا اور سال میں ایک دفعہ مرشد کی خدمت میں حاضری دینے کے علاوہ کسی طرف رخ نہ کیا۔ دور افتادہ مقام میں قیام کے باوجود ہزاروں افراد آپ کی خدمت میں حاضری دیتے اور مقصد دلی حاصل کر کے واپس ہوتے۔ سینکڑوں راہ طریقت کے سالک رتبہ کمال کو پہنچے، خلعت خلافت سے مشرف ہوئے اور پھر پاک و ہند کے مختلف مقامات پر تبلیغ دین اور رشد و ہدایت کے کام پر مامور ہوئے۔ آج بھی لاکھوں افراد آپ کے فیوض و برکات سے مستفید ہو رہے ہیں۔

۵۔ اخلاق و عادات: آپ کے اخلاق و عادات سنت نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے مظہر تھے۔ سینکڑوں ہندو اور سکھ آپ کے اخلاق کریمانہ سے متاثر ہو کر حلقہ بگوش اسلام ہوئے اور بے شمار فسق و فجور میں مبتلا افراد آپ کے فیض صحبت سے تقویٰ و پرہیزگاری کے پیکر بن گئے۔

آپ ہر وقت یہاں تک کہ رات کو بھی جبہ زیب تن رکھتے تھے کسی نے اس کا سبب پوچھا تو فرمایا۔ جس طرح ایک ملازم باوردی ڈیوٹی پر حاضر ہوتا ہے میں چاہتا ہوں کہ میرا ہر لمحہ یادِ خدا اور مخلوق خدا کی ہدایت میں باوردی لکھا جائے۔

تقریباً ایک سو بیس سال کی عمر میں ۱۳ ذیقعدہ، ۲۱ نومبر(۱۳۶۲ھ/۱۹۴۳ء)

۶۔ وصال: بروز جمعۃ المبارکہ عارف باللہ حضرت خواجہ محمد قاسم موہڑوی قدس سرہ کا وصال ہوا۔ آپ کا مزارِ اقدس موہڑہ شریف تحصیل مری۔ (ضلع راولپنڈی) میں مرجع خلائق ہے۔

حضرت میاں عبدالحکیم ناناصاحبؒ

حضرت میاں عبدالحکیم ناناصاحب، بلوچستان کے مشہور بزرگوں میں سے ہیں آپ کا اصل نام عبدالحکیم تھا مگر ناناصاحب کے نام سے مشہور ہوئے۔ "نانا"، ان کا احترامی لقب، ہے جو اردو کے "بابا"، کا مترادف ہے مگر کثرت استعمال سے ان کے نام کا جزو ہی بن گیا۔ کہتے ہیں کہ میاں صاحب کے والد سکندر شاہ خود بھی صاحب بصیرت اور اہل کشف و کرامات میں سے تھے۔ انہوں نے ادھیڑ عمر میں شادی کی، میاں صاحب کی والدہ نے ایک رات خواب میں دیکھا کہ ان کے جسم سے نور کی کرنیں پھوٹ رہی ہیں، جنہیں وہ اپنے کپڑوں میں چھپا رہی ہیں۔ انہوں نے اپنے والد صاحب سے اس کا تذکرہ کیا تو انہوں نے اس کی تعبیر بتائی کہ خدا آپ کو ایک ایسا نیک بخت فرزند عطا کرے گا جس کے باطنی علوم و انوار سے دنیا منور ہو جائے گی۔ میاں صاحب اسی تعبیر کی مادی صورت تھے، جن کے ظاہری و باطنی علوم و کمالات سے تندھار، پشین اور لورلائی کا سارا علاقہ فیض یاب ہوا۔

۱۔ پیدائش: آپ کی پیدائش ۱۰۹۰ھ میں خانوزئی گاؤں میں ہوئی۔

۲۔ تعلیم و تربیت: میاں صاحب ابھی شیر خوار ہی تھے کہ ان کی والدہ محترمہ اللہ کو پیاری ہو گئیں۔ ان کے والد نے دوسری شادی کی۔ سوتیلی ماں کا سلوک ناروا اور تشدد آمیز تھا۔ وہ گاؤں کے مدرسہ میں دوسرے بچوں کے ساتھ پڑھتے رہے۔ ان دنوں انہوں نے گلستان، بوستان، شروط الصلوۃ پڑھیں۔ مگر مسلسل زیادتیوں کے سبب انہیں گاؤں چھوڑنا پڑا۔ وہ ابھی جوانی کی سرحدوں کو چھونے والے تھے۔ انہیں پشین کے گرد و نواح کے مختلف گاؤں میں جا کر تعلیم حاصل کرنی پڑی۔

اسی اثنا میں انہوں نے فارسی کتب صرف و نحو اور فقہ کی تعلیم حاصل کی اور قندھار روانہ ہو گئے۔ وہاں ان دنوں پرویس کی حکومت تھی۔ انہوں نے بہت جلد وہاں منطق، بدیع، معانی، بیان، اصول، حدیث و تفسیر کی مکمل تعلیم کی تحصیل کر لی۔

۳۔ حصول روحانیت: اس کے بعد انہوں نے تصوف و طریقت کی راہ اختیار کی۔ پہلے پہل انہوں نے میاں سید لعل جیو ننگر باری رحمۃ اللہ علیہ کی مریدی اختیار کی۔ مگر ان کے اشتیاق باطنی اور روحانی صلاحیتوں کا اندازہ کرنے کے بعد انہوں نے میاں صاحب کو اپنے استاد شیخ عبدالغفور نقشبندی کے پاس پشاور بھیج دیا۔ انہوں نے بھی حسب مقدور ان کی روحانی تشنگی بجھانے کی کوشش کی، مگر آخر انہوں نے بھی میاں صاحب کو اپنے استادِ مکرم میاں اللہ یار کے پاس لاہور بھیج دیا۔ جہاں ان کی روحانی شخصیت کی تکمیل ہوئی اور مرشدوں نے انہیں خلافت کے خرقے دے کر رخصت کر دیا۔ انہوں نے قادری اور نقشبندی دونوں طریقے حاصل کیے۔

۴۔ وعظ و ارشاد: قندھار واپس پہنچے تو علوم ظاہر کی درس و تدریس کے ساتھ ساتھ انہوں نے تزکیہ نفس و باطن کے لیے وعظ و ارشاد کا بھی آغاز کر دیا۔ تھوڑے ہی عرصہ میں ان کی شہرت دور دور تک پھیل گئی۔ کہتے ہیں بد کار و بدکردار لوگ بھی ان کی ایک نظر سے تائب ہو کر صراط مستقیم اختیار کر لیتے۔ انہوں نے کئی لوگوں کو روحانی مراتب بخشے۔ مریدوں میں آئے دن اضافہ ہوتا گیا۔ یہاں تک کہ حاسد اور کینہ پرور لوگوں نے بادشاہِ وقت، شاہ حسین ہوتک کو میاں صاحب کی بے اندازہ مقبولیت کا خوف دلایا۔ نتیجۃً اس نے حکم صادر کر دیا کہ میاں صاحب قندھار چھوڑ دیں۔

۵۔ حاکمان قندھار سے تعلقات: میاں صاحب ۱۱۲۱ھ سے ۱۱۴۹ھ تک یعنی تقریباً پچیس سال قندھار میں رہے۔ اس دوران میں پرویس خان، عبداللہ خان شاہ، محمود خان اور شاہ اشرف خان

نے قندھار پر باری باری حکومت کی اور ان کے تعلقات میاں صاحب سے انتہائی خوشگوار رہے۔ مگر شاہ حسین ہوتک نے ان کے بے شمار معتقدین اور مریدوں کے ڈر سے میاں صاحب کو شہر بدر کرنے کا حکم دیا۔ کہتے ہیں جب میاں صاحب وہاں سے روانہ ہوئے تو انہوں نے غلجی اقتدار کے خاتمے اور قندھار کی بربادی کی بد دعا کی۔

۱۶۔ **درختوں کا واقعہ:** جب میاں صاحب کوژک پہاڑ سے اتر کر خانوزئی کی طرف جانے لگے تو پہاڑ کے درخت بھی اُن کے پیچھے چل پڑے آپ نے اشارہ فرمایا، تو وہ رک گئے، مگر ایک درخت سات آٹھ میل اُن کے پیچھے جاتا رہا آخر قلعہ عبداللہ شہر سے ایک، دو میل اس طرف وہ بھی رک گیا۔ اس درخت کو آج بھی "جوڑنگ نخشہ" کہتے ہیں۔

اسی طرح روایت ہے کہ ایک بار لوگ میاں صاحب کو پشین میں رہائش اختیار کرنے کے لیے زمینیں دینے لگے، مگر ایک شخص نے صاف انکار کر دیا۔ میاں صاحب نے بد دعا کی کہ سات پشتوں تک ترا ایک دو نہ ہو۔ اور یہی ہوا کہ اس کی سات پشتوں تک ایک ہی اولاد ہوتی رہی۔

۱۷۔ **مختلف مقامات کی سیاحت:** اُن کی روانگی کے وقت ان کے ہزاروں مرید اور معتقدین اُن کے ساتھ تھے۔ انہوں نے شہر سے نکل کر انہیں نصیحت کی کہ وہ اپنے گھروں کو لوٹ جائیں۔ مگر اکثر مرید عقیدت کی وجہ سے ان کے ساتھ چلے آئے۔ وہ کوژک پہاڑ سے ہوتے ہوئے خانوزئی اپنے آبائی گاؤں پہنچے، والد مرحوم کا مزار بنایا، ایک مسجد تعمیر کی اور اس کے ساتھ ایک باغ لگایا ایک سال تک وہاں قیام کیا۔ مگر اعزہ واقارب نے شاہ حسین کے خوف سے انہیں اراضی میں حصہ نہ دیا اور وہ وہاں سے ۱۱۴۷ھ میں دکی تشریف لے گئے۔ ان کے مرید بھی ان کے ساتھ تھے۔ ریوسف، کچھ، کواس، بغداد، سمالن، بوری اور تل سے گزرے مگر کاکڑ قبیلے نے بھی ان کو جگہ نہ دی۔ آخر چوٹیالی تھل کی ترین قوم نے انہیں زمین دی وہاں انہوں نے اپنی زندگی کے آخری چھ سال گزارے۔

۸۔ ایک بچے کے متعلق روایت: ایک اور روایت ہے کہ ایک دن قندھار شہر میں گھوم رہے تھے کہ انہیں ایک بچہ نظر آیا۔ اسے پاس بلایا۔ دعا دی اور رخصت کر دیا۔ مریدوں کے استفسار پر میاں صاحب نے فرمایا کہ یہ بڑا نیک بخت بچہ ہے۔ اس کے پیشانی پر بادشاہی تحریر ہے۔ اور یہی بچہ میاں صاحب کی وفات کے سات سال بعد تخت نشین ہوا جو تاریخ میں احمد شاہ ابدالی کے نام سے مشہور ہے۔

۹۔ تصانیف: میاں صاحب نے کئی کتابیں لکھی ہیں جو اکثر تصوف سے متعلق ہیں اور جو زیادہ تر فارسی میں ہیں۔ میاں صاحب کی چار کتابیں مجموعہ رسائل (جو عبدالحی حبیبی کے پاس ہے)، مقامات تصوف (مقامات التوحید)، رسائل حکیمیہ اور حصن الایمان ہیں۔ "مجموعہ رسائل" میں چھ باب ہیں جن میں تنزیہ، فیوض، حقیقت صلوٰۃ و نقر، حقیقت محمدی اور بحث نفی و اثبات پر بہت عالمانہ اور محققانہ بحث کی گئی ہے۔ اس کے علاوہ تذکرہ علوم و معارف بھی ہے۔ "مقامات التوحید" قندھار میں شائع ہوئی۔ باقی کتابیں ابھی تک قلمی صورت میں ہیں۔ "حصن الایمان" پشین خانوزئی کے باشندے حافظ خان محمد نے حاجی صورت خان صاحب ترین مرحوم کی فرمائش پر ۱۳۷۲ھ/۱۹۵۲ء میں چھاپی تھی، جو ۸۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ سرورق پر لکھا ہوا ہے "وقف من حاجی صورت خان ترین دکی۔ اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰہِ لَاخَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَاھُمْ یَحْزَنُوْنَ۔ الحمد للہ والمنتہ کی کتاب مستطاب تالیف حضرت قطب الاقطاب عالم اجل فاضل اکمل شیخ شریعت وطریقت غوث زمان حضرت میاں عبدالحکیم کاکڑ افغان قدس سرہ العظیم المسمی بہ مختصر حصن الایمان فارسی درعقائد مع سیرت حضرت ایشاں بسعی و صحت و تالیف خان محمد تاجر کتب حسب فرمائش جناب خادم الفقراء و العلماء خان صاحب حاجی صورت خان ترین دکی۔ لوری، بلوچستان۔

"حصن الایمان" میں عقائد پر بحث کی گئی ہے۔ اسلوب بیان سہل اور دل نشین ہے سوال و جواب کا انداز اختیار کیا گیا ہے۔ اہل سنت و جماعت کے عقائد پیش نظر رکھے

گئے ہیں، دلائل دے کر وضاحت کی گئی ہے۔ آیات و احادیث کے حوالے بھی دیے گئے ہیں۔ کل اٹھ باب ہیں، جن کی تفصیل یہ ہے:۔

الباب الاول فی صفات اللّٰہ	الباب الثانی فی عصمت الانبیاء
الباب الثالث فی احکام الایمان	الباب الرابع فی افعال العباد
الباب الخامس فی احکام الاخرۃ	الباب السادس فی عمل القلب
الباب السابع فی الابتلاء	الباب الثامن فی المتفرقات

توحید کی یوں وضاحت فرماتے ہیں: "بدانکہ توحید یکی گفتن است مر خدا ئے را عزوجل و یکے دانستن است، نہ از روی عدد زیرا کہ یگانہ از روی عدد آنرا گویند کہ ویرا دوم باشد واللہ تعالےٰ ہمچنیں، یگانہ بذات خود است کہ ہر گز از روی یگانگی نہ و دراں کہ یگانگی از چیزے وقتی رود کہ ویرا ثانی مثل موجود باشد و خداوند تعالےٰ، و منزہ است از مثل و مانند۔"

فی فضل البشر علی الملائکۃ کے تحت تحریر فرماتے ہیں، "بدانکہ خواص بنی آدم یعنی انبیاء افضل انداز جملہ ملائک و عوام بنی آدم یعنی اتقیا افضل انداز عوام ملائک و خواص افضل انداز عوام بنی آدم و بدانکہ سجدہ ملائک مر آدم را علیہ سلام بطریق تحیت بود یعنی بمنزلہ سلام بودنہ بطریق عبادت زیرا کہ سلام امتان پیشین بسجدہ بودی و در شریعت ما تحیت بسجدہ منسوخ شدہ است و سلام و مصافحہ بعوض وے مشروع گشتہ و سجدہ مر آدم علیہ سلام را بعد نفخ روح بود در زمین

کتاب کے آخر میں تاریخ تالیف کو یوں ظاہر کیا ہے۔ "تمام شد کتاب منتخب حسن الایمان از تالیف عبدالحکیم قندھاری معروف بقوم کاکری بتاریخ سیزدہم ماہ رمضان المبارک فی یوم الاحد ۔۔ ۱۱ ھ/۸۸/۱۲ ۱ء"

یہاں دو مخطوطات کا حوالہ دینا بے محل نہ ہوگا۔ یہ دونوں عزیز محترم جناب صاحب زادہ عبداللہ صاحب (پشین ضلع کوئٹہ پشین) کے ذاتی کتاب خانہ میں ہیں۔ ان کا موضوع میاں عبدالحکیم کے روحانی اکتسابات، کا ذکر ہے جو انہیں وقتاً فوقتاً اپنے مریدوں اور پیشواؤں

سے میسر آئے اور انہوں نے آگے اپنے ارادتمندوں کو بیان کیے۔ سلوک و معرفت سے متعلق مسائل کے بارے میں ان کے خیالات معلوم کرنے کے لیے ان رسائل کا مطالعہ ضروری ہے۔

۱۔ **رسالہ متعلق بہ اکتسابات روحانی میاں عبدالحکیم:** یہ رسالہ ۵۸ صفحوں پر مشتمل ہے۔ اس کے مولف کا نام اس پر درج نہیں البتہ پہلے صفحے پر دو مہریں ہیں۔ پہلی مہر کی عبارت یوں ہے

المتوکل علی اللہ الصمد عبدہ بر محمد ۱۲۱۴ھ/ ۱۷۹۹ء۔

دوسری مہر کی عبارت اس طرح ہے۔

جہاں پر علم زنور محمد۔ ۱۲۹۱ھ ۱۸۷۴ء۔

۲۔ **تعلیم السلوک:** یہ رسالہ ۱۲۵ صفحوں پر مشتمل ہے۔ اس کے مولف کا نام۔ "احمد بن اسماعیل ابدالی قندھاری" ہے۔ کتابت کا سال ۱۲۱۵ھ ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ میاں صاحب نے وصیت فرمائی تھی کہ میری تمام کتابیں اسے دی جائیں جس کے لیے میری لائبریری کا دروازہ خود بخود کھل جائے۔ کہتے ہیں کہ ان کے ایک مرید عبدالحلیم سنزرخیل کاکڑ کے لیے یہ دروازہ کھلا تھا، وہاں سے انہوں نے میاں صاحب کا عمامہ، چادر اور تمام کتابیں اپنے قبضے میں لے لیں اور ان سب کو لورالائی در گئی لے گیا۔

خلفاء: میاں صاحب کے پہلے خلیفے میاں نور محمد جیو درانی قندھاری تھے، جو ان کے ساتھ ہی بلوچستان سے آئے تھے۔ اور یہیں فوت ہوئے۔ دوسرے خلیفے سرانان پشین کے ملا عثمان اخوند تھے۔ تیسرے خلیفے اٹک کے میاں محمد حسن یٰسین زئی تھے۔

وصال: آپ کا وصال ۱۱۵۳ھ مطابق ۱۷۴۰ء میں ہوا اور آپ کو لورالائی میں دفن کیا گیا جہاں آپ کا مزار اقدس مرجع خلائق ہے۔

حضرت سچل سرمستؒ

حضرت سچل سرمست سندھ کے صوفی بزرگ اور شاعر تھے۔ کئی کتابیں تصنیف کیں، سندھی کے علاوہ عربی، فارسی، ہندی اور پنجابی میں بھی آپ کے صوفیانہ ارشادات موجود ہیں۔

۱۔ نام و نسب: آپ کا نام نامی عبدالوہاب تھا۔ خیرپور (سندھ)، کی حدیں رانی پور سے ایک میل کے فاصلے پر شمال میں درازن نام ایک شہر ہے جہاں ۱۱۵۷ھ مطابق ۱۷۵۰ء میں پیدا ہوئے۔ والد کا نام میاں صلاح الدین اور دادا کا اسم مبارک میاں صاحب ڈنو تھا۔ میاں صلاح الدین اور میاں عبدالحق دو بھائی تھے۔ دادا کی وفات کے بعد میاں عبدالحق ان کی گدی پر بیٹھے۔ آپ کا شجرہ اڑتیسویں پشت میں حضرت عمر فاروق سے ملتا ہے۔ اس لیے آپ فاروقی بھی کہلاتے ہیں۔ حضرت سچل سرمست کے جدامجد حضرت شہاب الدین بن عبدالعزیز بن عبداللہ بن حضرت عمر فاروق رضؓ محمد بن قاسم کے ساتھ سندھ میں آئے تھے اور رجب ۹۳ھ میں سیوہن کا قلعہ فتح ہوا تو محمد بن قاسم نے شیخ شہاب الدین کو سیوہن کا حاکم مقرر کیا۔ وہ ۹۵ھ میں فوت ہوئے۔ ان کی قبر سیوہن میں ہے۔

۲۔ بچپن: شیخ شہاب الدین کی وفات کے بعد ان کا خاندان اسی جگہ مقیم رہا۔ سچل سرمست اپنے والد کی وفات کے وقت بہت چھوٹے تھے۔ چنانچہ ان کے چچا عبدالحق نے ان کی پرورش کی۔ بچپن ہی سے عشق الٰہی کا رنگ چڑھا ہوا تھا۔ اس زمانے میں شاہ عبداللطیف بھٹائی بھی درازن میں آیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ شاہ صاحب سچل سرمست کے ہاں بھی آئے۔ سچل سرمست بچے تھے۔ پاؤں میں گھنگرو باندھ رکھے تھے۔ شاہ صاحب، کی نظر ان پر پڑی تو پاس بلایا اور پیار کیا۔ پھر فرمایا ہم نے

معرفت الٰہی کی لذت دل میں حاصل کی ہے۔ اور جو ہنڈیا ہم نے پکائی ہے۔ اس کا ڈھکن سچل اتاریں گے۔

۳۔ روحانی تعلق: شاہ عبداللطیف بھٹائی کی وفات کے بعد ان کی گدی پر میاں سخی قبول محمد بیٹھے تو سچل سرمست نے ان کے دست حق پرست پر بیعت کی اور خرقہ خلافت انہیں سے حاصل کیا۔ چودہ سال کی عمر میں عربی اور فارسی سیکھ لی۔ پھر ویرانوں اور جنگلوں میں پھرتے رہے اور نفس کو مارنے کے لیے سخت ریاضتیں کیں۔ اس قدر پرہیزگار اور باخدا تھے کہ لوگ آپ کو منصور آخر الزمان کے نام سے پکارتے تھے جب جوان ہوئے تو چچا عبدالحق نے اپنی لڑکی سے ان کی شادی کر دی۔ ایک بچہ ہوا مگر وفات پا گیا۔

۴۔ حلیہ و لباس: آپ کا قد درمیانہ، رنگ گندمی، پیشانی کشادہ اور خوب صورت خدو خال تھے۔ سر کے بال بہت لمبے ہوتے تھے سر پر ہمیشہ سبز رنگ کی ٹوپی رکھتے تھے۔ سفید کرتہ اور سفید دھوتی پہنتے۔ عالم مستی میں اکثر ننگے پاؤں پھرا کرتے تھے ہاتھ میں ہمیشہ لمبی لکڑی رہتی تھی، چونکہ موسیقی سے دلچسپی تھی اس لیے اپنے ہاتھ میں یکتارہ بھی رکھتے تھے۔ بہت کم سوتے، کم کھاتے، زیادہ تر روزہ رکھتے، اکثر لکڑی کی چوکی پر مراقبے کی حالت میں بیٹھے رہتے۔

۵۔ خصائل: بہت رحم دل اور سخی تھے، شریعت کے سختی سے پابند تھے، پانچ وقت کی نماز پابندی سے ادا کرتے بعض اوقات مستی میں اونچی آواز میں کلام پڑھتے۔ جب ہوش میں آتے تو انہیں معلوم نہ ہوتا کہ میں نے کیا کیا۔ خود کہا کرتے تھے کہ مستی کے عالم میں میں جو کچھ کہتا ہوں، اس کا مجھے خود علم نہیں ہوتا۔ اپنا بہت سا کلام دریا برد کرا دیا تاکہ کہیں لوگ اس کے مطلب کو صحیح پا کر راہ حق سے بھٹک نہ جائیں بہت زیادہ تعداد میں آپ کے مرید تھے، نہ صرف مسلمان بلکہ ہندو بھی آپ کے عقیدت مند تھے۔ آپ کے کئی خلفاء تھے۔

۶۔ کلام: آپ کو مختلف زبانوں پر دسترس حاصل تھی۔ چنانچہ کئی زبانوں میں آپ کا کلام موجود ہے، مندرجہ ذیل کتابیں آپ کی تصانیف بتائی جاتی ہیں۔

۱۔ دیوانِ آشکارہ (فارسی) ۲۔ رہبر نامہ (مثنوی) ۳۔ رازنامہ (مثنوی) ۴۔ قتل نامہ درگداز نامہ ۵۔ تار نامہ۔ ۶۔ مرغ نامہ۔ ۷۔ وحدت نامہ

۷۔ خصوصیاتِ کلام: آپ "وحدۃ الوجود" کے قائل تھے۔ چنانچہ آپ کے کلام میں جگہ جگہ اس کے متعلق اشارے ملتے ہیں۔ ایک جگہ فرماتے ہیں (سندھی سے ترجمہ)

کوئی اور سمجھنا محض گناہ ہے۔
ہر کسی صورت میں رب کریم کا جلوہ ہے۔
کوئی مجھے کچھ کہتا ہے کوئی کچھ
لیکن مجھے پروا نہیں، کیونکہ میں جو کچھ ہوں وہی ہو سکتا ہوں۔

۸۔ عشقِ الٰہی: آپ کے صوفیانہ کلام میں نورانی بجلی کی تڑپ پائی جاتی ہے۔ آپ کا عقیدہ ہے کہ محبت کی بنیاد روحوں کے ملاپ پر ہے اور جب ایسا ہو جائے تو عاشق اور محبوب دونوں ایک دکھائی دیتے ہیں۔ اس منزل کو پا کر آپ اپنے عطار کو جس نگاہ سے دیکھتے ہیں اور عطار کی دکان سے جو خوشبو اسے حاصل ہوتی ہے، اس نے آپ کو بے خودی کی منزل تک پہنچا رکھا ہے۔ فرماتے ہیں۔

عطار بنود آنکہ خدا بود خدا بود	او پاک وجود آنکہ خدا بود خدا بود
در نام فرید آمد آں یار یگانہ	پس عشق فزود آنکہ خدا بود خدا بود
در کوے نشاپور کہ بری لہر عطار است	کردیم سجود آں کہ خدا بود خدا بود
آشکار کند علم رموزات نہانی	در عشق کشود آں کہ خدا بود خدا بود

۹۔ منازلِ عشق: آپ فرماتے ہیں کہ عشقِ الٰہی کی انتہا حاصل کرنے کے لیے عاشق کو بتدریج تین منزلوں سے گزرنا پڑتا ہے۔ "فنا فی الشیخ"، "فنا فی الرسول" اور "فنا فی اللہ"، جب تک کوئی عاشق فنا فی الشیخ نہیں ہوتا، فنا فی الرسول کی منزل کو نہیں

پاسکتا اور جب تک فنا فی الرسول نہ ہو معرفت الہی کی منزل تک اس کی رسائی ناممکن ہے۔

فنا فی الشیخ کی منزل سے گزرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ عاشق کے لیے فنا فی الرسول کی منزل سے گزرنا ضروری ہے۔ ارشاد ہوتا ہے :

اے بجز دروازہ احمد راہ نیست ۔۔۔ گر نمے دانی دلت آگاہ نیست

آنکہ در احمد احد دانست فرق ۔۔۔ در جہ اول افنا فی اللہ نیست

جز محمد نیست در کون و مکاں ۔۔۔ جز علی دیگر کسے ہمراہ نیست

گر کسے را عشق او دامن گرفت ۔۔۔ بالیقیں دانی کہ آں گمراہ نیست

آں خدا و آں رسول ای آشکار ۔۔۔ اندریں رہ شک و اشباہ نیست

مطلب یہ کہ خدا کے بندے اگر تم حقیقی خدا کا وصال کرنا چاہتے ہو تو سب سے پہلے اس کے رسول محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے آغوش میں اپنے آپ کو ڈال دو، ورنہ تم منزل نہ پا سکو گے ۔

پھر عاشق الہی کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں کہ عشق کی وادی میں سفر کرنا اور شک شبہ میں نہ پڑنا بہت مشکل بات ہے۔ اس راہ میں تو مرشد کامل کی رہبری اور مدد کے بغیر منزل کو نہیں پا سکتا۔ قدم قدم پر تمہیں نفس کے پھندے ملیں گے۔ اس راہ میں کئی لیلیٰ کے وصال کے لیے مجنوں ہو گئے، اور کئی فرہاد پہاڑ کھود کھود کر جان سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ مگر وصال یار کسی کو نصیب نہ ہوا۔ لہٰذا اگر تم چاہتے ہو کہ اس منزل کو بخیر و خوبی طے کر لو تو سب سے پہلے کسی مرشد کامل کا دامن پکڑ و تاکہ وہ تمہیں صحیح راہ پر لے جائے فرماتے ہیں ۔

یک روز بودم من بخدمت مصطفےٰ ۔۔۔ سرور کونین آں خیر الوریٰ

ایں چنیں فرمود مارا از کرم ۔۔۔ جز برخصت پیر عبدالحق میا

از گروہ خاص اور اکردہ ام ۔۔۔ جلوہ فیضش بود ہم جا بجا

شان و شوکت پیر ما بالاتر است ۔۔۔ ہمچو او کس نیست در عالم علا

آشکارا خاک پائے پیر باش تا شوی از دوستی اش بادشا

فرماتے ہیں اگر تم شریعت و طریقت اور معرفت کی منزلیں طے کر کے اللہ اور اس کے حبیب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار سے مشرف ہونا چاہتے ہو تو اپنے مرشد اور پیر طریقت کا دامن مضبوطی سے تھامے رکھو۔ اس کے ہر حکم پر سر تسلیم خم کر دو فرماتے ہیں۔

ہادی و رہنما است حق الحق! عارف و اولیا ست حق الحق

بادشاہ و گدا یکے ست یکے نہ گدا بادشاہ ست حق الحق

عبد معبود اوست گر دانی در نظر ما خدا است حق الحق

ما رسول و خدا یکے دانم ہر دو عالم گواہ ست حق الحق

یک دمے دور نیست از ما ہیں آشکارا ایما است حق الحق

"فنا فی الشیخ" کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

ایک دن ایک فقیر ایک دریا کو پار کر کے دوسری طرف جانے کے لیے جسم سے کپڑے اتارنے کی تیاری کر رہا تھا کہ وہاں کے گاؤں سے ایک اور آدمی بھی آ گیا۔ نو وارد نے کہا کہ اے فقیر یہاں تو دریا پار کرنے کے لیے کوئی کشتی نہیں تو کیسے دریا پار کرے گا۔ وہ بولا میں اللہ اللہ کہتا ہوں دریا سے پار اتر جاؤں گا۔

نو وارد نے کہا مجھے بھی ساتھ لے چلو، کیونکہ مجھے بھی دوسرے گاؤں جانا ہے۔ فقیر نے کہا اچھا تو بھی کپڑے اتار کر تیاری کر لے اور دریا میں اتر آ، میں اللہ اللہ کا ورد کرتا ہوا دریا پار کروں گا اور تو میرے شانے پر ہاتھ رکھ میرے نام کا ورد کرتا جا۔ تاکہ تو بھی دریا پار اتر جائے۔ اجنبی بھی فقیر کے ہمراہ دریا میں اتر گیا، جب دریا کے بیچ میں پہنچے تو اجنبی نے سوچا یہ خود تو اللہ اللہ کا ورد کرتا ہے اور میں اس کے نام کا ورد کرتا ہوں۔ یہ تو گناہ ہے۔ میں بھی اللہ کے نام کا ورد کروں گا۔ یہ سوچ کر اس نے بھی اللہ اللہ کہنا شروع کر دیا۔ خدا کی قدرت کہ وہ اس طرح کرنے سے ڈوبنے لگا۔ فقیر نے یہ دیکھا تو کہا دیکھا تم نے میری نصیحت پر عمل نہیں کیا اور ڈوبنے لگے ہو۔ اب بھی میرے نام کا ورد کرو، پار اتر جاؤ گے، تم شک کے بھنور میں پھنس گئے ہو، تم نے پہلے ہی اللہ اللہ کا ورد کرنا شروع کر دیا ہے۔ ابھی تو تم میرے ہی نام کا ورد ٹھیک طرح سے نہیں کر سکتے

یہ تمہاری غلطی ہے۔ مطلب یہ کہ مرشد کی رہنمائی کے بغیر گوہر مقصود ہاتھ نہیں آتا۔

۱۰۔وفات: سچل سرمست نے ۱۴ رمضان ۱۲۴۲ھ کو وفات پائی۔ وفات سے کچھ دن قبل آپ نے اس حادثے کی طرف اشارہ کر دیا تھا۔ فرمایا تھا میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دیدار کی تیاریاں کر رہا ہوں۔

مزار مبارک درازن شہر میں ہے۔ اس وقت کے والیِ خیر پور میر رستم خان نے مزار مبارک پر مقبرہ تعمیر کرایا۔ بعد ازاں دوسرے والیوں نے وقتاً فوقتاً مقبرے کی مرمت کرائی۔ آپ کے مزار پر دور دور سے لوگ زیارت کے لیے آتے ہیں۔

سید عبداللہ صحابی رح

سید عبداللہ صحابی کا نام نامی اولیائے سندھ میں بہت مشہور ہے۔

آپ کا نام عبداللہ حسنی تھا مگر آپ نے سندھ میں سید عبداللہ صحابی کے نام سے شہرت پائی ہے۔ آپ کا نسبی تعلق سید عبدالقادر جیلانی سے تھا۔ آپ اپنے دور کے اکابر اولیائے سے تھے۔ آپ جامع شریعت و طریقت تھے۔ آپ کو رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی ظاہراً آنکھوں سے زیارت ہوئی۔ اس لیے آپ صحابی مشہور ہوئے۔

آپ باہر سے تشریف لاکر سندھ میں سکونت پذیر ہوئے۔ آپ کی آمد کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ آپ مرزا شاہ بیگ ارغوان کے عہد حکومت میں تشریف لائے شاہ بیگ ارغوان کی حکومت ۹۲۲ھ تا ۹۲۸ تک رہی۔ آپ کے ہمراہ آپ کے دوست سید منبہ، سعید کمال اور سید جمال بھی تھے۔ آپ خلوت پسند تھے، اس لیے آپ نے ٹھٹھہ سے کچھ فاصلے پر مکلی میں ڈیرہ لگایا اور آخری دم تک وہیں رہے۔

آپ نے ساری زندگی یاد الٰہی کو اپنے سینے میں سموئے رکھا۔ آپ کو عبادت کا بہت شوق تھا۔ اس لیے ساری عمر ذکر و فکر میں مصروف رہے۔ اسی وجہ سے آپ نے شادی نہ کی اور تجریدی میں زندگی بسر کر دی۔

آپ کا وصال مکلی میں ہوا اس لیے آپ کو وہیں دفن کیا گیا۔

تذکرہ نگاروں نے آپ کا سنہ وفات نہیں لکھا، لیکن اتنی صراحت کی ہے کہ جب آپ نے وفات پائی تو لوگوں نے آپ کو اسی جگہ دفن کیا۔ جہاں آپ سالہا سال سے عبادت میں مصروف تھے۔

مزار مبارک کے قریب ایک پرانی مسجد ہے، اس پر ۱۰۹۲ھ کا کتبہ موجود ہے مکتبے

میں یہ شعر مندرج ہیں۔

زہے فیض مسجد کہ از یک دعا — شود حاجت مستمنداں روا

بتاریخ ہفت دہم ماہ صفر — ختم الخیر و الظفر

اس کتبے سے خیال ہوتا ہے کہ ۱۰۹۳ھ کے لگ بھگ ہی آپ نے وفات پائی ہوگی مکلی کے قبرستان میں آپ کے مزار پر سب سے زیادہ ہجوم عوام وخاص کا رہتا ہے، اور زائرین کو بڑی کیفیت محسوس ہوتی ہے۔

مزار مبارک کی جدید عالی شان عمارت ۱۳۵۰ھ ۱۹۳۱ء میں تعمیر ہوئی ہے، اور سارے مکلی میں یہی ایک عمارت نئی وضع کی نظر آتی ہے۔

صاحب تحفۃ الکرام کا بیان ہے سالہا سال گذر جانے کی وجہ سے آپ کی قبر کہنگی کی وجہ سے شکستگی کے قریب تھی، اس عہد کے مشہور بزرگ شاہ حافظ اللہ گجراتی کو جو اس وقت گجرات میں تھے۔ حضرت غوث اعظم شیخ عبد القادر جیلانی کا حکم ہوا کہ وہ ٹھٹھہ پہنچ کر آپ کے مزار مبارک کو برآمد کریں۔ چنانچہ شاہ حافظ اللہ گجراتی اپنے مرید و خلیفہ شیخ محمد یعقوب اور خلیفہ ابوالبرکات کے ساتھ جو خود بھی بڑے پایہ کے بزرگ تھے۔ ٹھٹھہ پہنچے اور وہاں انہوں نے حضرت سید علی ثانی شیرازی سے حضرت غوث پاک کا حکم اور اپنی آمد کا مقصد بیان کیا، حضرت سید علی ثانی نے یہ سن کر فوراً ہی گردن جھکالی اور مراقبہ میں مصروف ہو گئے، تھوڑی دیر کے بعد فرمایا کہ میں نے اس وقت سید عبد اللہ کو اولیا کی محفل کا صدر نشین دیکھا ہے، اسی وقت اٹھے، اور ان کے ساتھ مکلی روانہ ہوئے، اور ان سب نے مل کر حضرت سید عبد اللہ کے مزار مبارک کو ٹھیک کیا کہتے ہیں کہ شیخ محمد یعقوب، اور خلیفہ ابوالبرکات پتھر اٹھا کر لاتے تھے، اور حضرت سید علی شیرازی ان پتھروں کو مزار مبارک پر لگاتے جاتے تھے۔

حضرت شاہ یوسف گردیز ملتانیؒ

آپ کا نام شاہ یوسف تھا مگر شاہ گردیز کے نام سے مشہور ہوئے۔ آپ کے والد ماجد کا نام ابوبکر تھا۔ آپ کا خاندان اصل بغداد میں آباد تھا لیکن بعد میں ان کے بزرگ کسی وجہ سے نقل مکانی کر کے گردیز آ گئے۔ اسی نسبت سے آپ گردیزی کہلائے۔

۱۔ ولادت: آپ ۴۶۲ھ مطابق ۱۰۶۹ء میں گردیز میں پیدا ہوئے۔ آپ نسباً سید تھے آپ کا خاندان علم و فضل میں معروف تھا۔ علم کی طرف خاندانی رجحان کی وجہ سے آپ کے دل میں، بچپن ہی سے طلب علم کی بڑی جستجو پیدا ہوئی۔ آپ نے تعلیم کی تکمیل گردیز ہی میں کی۔

۲۔ شجرہ نسب: آپ کا نسب حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم تک اس طرح پہنچتا ہے۔

حضرت شاہ یوسف جمال الدین گردیزی بن سید حضرت ابوبکر بن حضرت شاہ قسور گردیزی بن شیخ ابی عبداللہ محمد غزنوی بن شیخ حسین بن امام محمد مشکان بغدادی بن امام علی بن سید حسین بن علی الخارصی بن امام محمد دیباج بن امام المومنین حضرت امام جعفر صادق بن امام محمد باقر بن امام زین العابدین بن حضرت امام حسین بن حضرت علی کرم اللہ وجہہ بن ابی طالب اور والدہ محترمہ سے نسب آپ کا سیدالنساء بنت حضرت رسالت مآب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملتا ہے۔

۳۔ سیاحت: آپ کے جد امجد مخدوم علی قسور صاحب کرامت بزرگ تھے۔ انہوں نے حضرت شاہ گردیز ملتانی کو تمام مدارج روحانی طے کرائے، آپ کی والدہ محترمہ نے بھی اپنے فیضان نظر سے انہیں نوازا۔ ان بزرگوار

سے روحانی فیض حاصل کرنے کے بعد آپ سیر و سیاحت کے لیے نکلے آپ نے ایران توران، روم اور شام کا سفر کیا اسں سفر کے دوران آپ بے شمار اولیاء اللہ اور صالحین سے ملے اور ان سے فیوض و برکات بھی حاصل کیے۔ اس طرح آپ صاحب تصرفات ظاہری و باطنی حامل محاسن صوری و معنوی اور وحید العصر بن گئے۔

۴۔ **گوشہ نشینی:** والد محترم کی وفات کی خبر سن کر سیر و سیاحت ترک کر کے اپنے جد امجد کی خدمت میں رہنے لگے اکثر اوقات گوشہ نشینی میں گزارتے اور خلوت میں عبادت و اطاعت الٰہی میں بہت مسرت و راحت محسوس کرتے تھے۔ لیکن جب خلوت میں جلوت میں آتے تو آپ سے کرامات ظہور پذیر ہوتیں ان کرامات کو دیکھ کر آپ کے دادا آپ کو ایسی باتوں کے اظہار سے منع کرتے تھے لیکن آپ نے صغر سنی میں جو ریاضتیں اور مجاہدے کئے تھے، ان کے باعث غیر ارادی طور پر کرامتوں کا ظہور ہو جاتا تھا۔

اسی ضمن میں ایک روایت ہے کہ آپ کے دادا حضرت شاہ علی قسور کے چند ارادت مند ایک بیمار و علیل بچہ کی صحت یابی کے لیے دعا کرانے کے لیے ان کی خدمت میں حاضر ہوئے انھوں نے دعا کرنے سے گریز کیا اور اس کے ورثا کو مشیت ایزدی پر شاکر و صابر رہنے کا مشورہ دیا چنانچہ وہ لڑکا قضائے الٰہی سے انتقال کے قریب پہنچ گیا، اس پر اس کے ورثا رونے لگے ان کی یہ گریہ زاری حضرت شاہ یوسف گردیز کو متاثر کئے بغیر نہ رہ سکی آپ نے بارگاہ کبریا میں دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے، وہ بچہ درست ہو گیا۔ اس واقعہ کو سن کر آپ کے دادا نے سخت ناراضگی کا اظہار فرمایا اور اپنے یہاں سے حضرت شاہ گردیز کو رخصت کر دیا۔ چنانچہ آپ سیر و سیاحت کرتے وارد ملتان آ کے اور یہیں مستقل سکونت اختیار فرمائی۔ بہت سے دیگر بزرگان کرام اور صلحاء امت کی طرح آپ شیر پر سواری کرتے اور ایک سانپ بطور کوڑے کے استعمال فرماتے۔ گویا یہ آپ کی ادنیٰ کرامت تھی مندرجہ ذیل شعر اس بات کی تائید کرتا ہے۔

داتی سوار شیر کہ در دست مار کرد   مخدوم شاہ یوسف ایں جا قرار کرد

۵۔ ملتان میں آمد و قیام: آپ بہرام شاہ غزنوی کے دورِ حکومت میں ملتان تشریف لائے تھے ان دنوں ملتان اندرونی و بیرونی آفات میں گھرا ہوا تھا دریائے راوی اس وقت جہاں اب حضرت کا مزار ہے بہتا تھا آپ کی برکت سے دریا نے رخ تبدیل کر لیا۔ اور ملتان شہر پھر سے تیسری بار آپ کے حجرہ عبادت کے ارد گرد آباد ہوا۔ موجودہ ملتان آپ ہی کا آباد کردہ ہے۔

۶۔ تصرف کا ایک واقعہ: جمالِ یوسف میں ہے کہ آپ کا ایک مرید تاجر پیشہ تھا ایک مرتبہ وہ بہت سارا روپیہ آپ کی نذر کے لیے لایا مگر آپ نے کوئی توجہ نہ فرمائی تاجر بہت غمگین ہوا اور دل میں سوچنے لگا۔ کہ میں تو اس قدر مال لایا ہوں مگر آپ نے توجہ نہیں فرمائی۔ کاش! میں یہ لاتا ہی نا حضرت بنورِ ولایت اس کے خیال سے آگاہ ہو گئے۔ اور ایک خادم کو اشارہ فرمایا کہ آفتابہ لے آئے جب آپ نے وضو کرنا شروع کیا تو جو قطرہ پانی کا نیچے گرتا تھا وہ دانہ مروارید بن جاتا۔ تاجر یہ دیکھ کر بہت شرمندہ ہوا اور معافی مانگی۔

۷۔ سنگریزے سونا بن گئے: ایک دن آپ اپنے احباب میں بیٹھے تھے ایک شخص نے پوچھا مجھے حیرت ہے کہ دنیا ظالموں اور فاسقوں کے ہاتھ میں ہے اور آپ کے پاس نہیں۔ آپ نے فرمایا کہ یہ تو سمجھتا ہوگا کہ ہم مانگتے ہیں اور ہم کو ملتی نہیں، ہاتھ بڑھا کر چند سنگریزے اٹھا کر واپس زمین پر گرا دیئے جو زمین پر گرتے ہی سونا بن گئے۔ آپ نے فرمایا۔ اگر میں چاہتا تو تمام جہاں کے پہاڑوں کو بحکم الٰہی خالص سونے کا بنا دوں لیکن یہ میری خواہش نہیں۔

۸۔ بغیر بیل کنواں چل پڑا: ایک دن آپ کنوئیں پر جو آپ کے حجرہ مبارک کے قریب تھا پہنچے اس روز اتفاقاً اس کنوئیں کے بیل مر گئے تھے اور کنواں بند پڑا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ جو خدا بیلوں سے کنوئیں کو جاری کرتا ہے وہ قادر ہے کہ بغیر بیل کے بھی اس کو جاری رکھے آپ کے اتنا کہتے ہی کنواں خود بخود جاری ہو گیا اور مدت دراز تک بغیر بیل کے چلتا رہا۔

۹۔ جنات کی ارادتمندی: شیخ عبدالصمد جو آپ کے خاص مریدوں میں سے تھے فرماتے ہیں کہ ایک دن میں بغرض زیارت حضرت مخدوم قدس سرہ، حجرہ اقدس پر گیا تو دروازہ اندر سے بند پایا۔ میں کچھ دیر رک گیا۔ کہ دروازہ کھلے تو اندر جاؤں اتنے میں کیا دیکھتا ہوں کہ ایک جماعت حجرہ میں سے نکلی جو تمام سفید لباس پہنے ہوئے حجرہ سے نکلتے ہی وہ زمین میں اتر گئے۔ اس واقعہ کو دیکھ کر میں گھبرا گیا میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ دروازہ کھلا اور زائرین و مریدین حجرہ میں داخل ہوئے میں بھی حیران و پریشان اندر داخل ہوا۔ اور سلام کر کے ایک طرف بیٹھ گیا کچھ دیر بعد میں نے آپ سے دریافت کیا حضرت یہ کون لوگ تھے۔ جو ابھی حجرہ مبارک سے باہر آئے ہیں۔ اور غائب ہو گئے۔ آپ نے مسکراتے ہوئے فرمایا یہ تمہارے پیر بھائی تھے۔ اور قوم جنات سے تعلق رکھتے تھے۔ میں نے دریافت کیا کہ جن بھی خدمت اقدس میں حاضر ہوتے ہیں آپ نے فرمایا ہاں جن بھی آتے ہیں۔ جو علوم دینیہ و معارف یقینیہ مجھ سے سیکھتے ہیں جیسے تم لوگ علوم دینیہ سیکھتے ہو۔

۱۰۔ وصال کے بعد کرامت: منقول ہے کہ ایک روز ایک درویش صاحب جمال حضرت شاہ گردیز کے عشق و محبت میں سرشار بیعت کرنے کی خاطر ملتان آیا۔ یہاں آ کر معلوم ہوا کہ حضرت شاہ گردیز وصال فرما چکے ہیں مزار پر پہنچا۔ اور رو رو کر عرض کی حضور میں تو بیعت کی خاطر حاضر ہوا تھا مگر آپ کی زیارت نصیب میں نہ تھی آپ وصال فرما چکے ہیں یکایک قبر سے آواز آئی مایوس نہ ہوں آؤ بیعت کر لیں اس آواز کے ساتھ ہی آپ کا ہاتھ مبارک قبر سے باہر نکلا اس درویش نے مصافحہ کر کے مریدی اختیار کی اس بات کا چرچا سارے شہر میں ہو گیا لوگ جوق در جوق مزار اقدس پر جمع ہونا شروع ہو گئے۔ اور حضرت کی دست بوسی سے مشرف ہوتے رہے چالیس سال تک اس خرق عادت کا ظہور جاری رہا۔ اس عرصہ میں جو شخص زیارت کی خاطر حاضر ہوتا حضرت کا ہاتھ مزار سے باہر نکل آتا۔ اب تک وہ سوراخ مزار شریف میں موجود ہے یہ زمانہ جب آپ کا ہاتھ مزار سے باہر آتا تھا حضرت شیخ الاسلام صدرالدین عارف کا تھا آپ چونکہ متشرع اور

پابند احکام شرعیہ تھے یہ نہیں چاہتے تھا کہ عالم برزخ کے حالات لوگوں پر ظاہر ہوں اس لیے آپ حضرت شاہ گردیز کے مزار پر آئے اور فرمایا۔شاہ یوسف!شریعت حقہ کی خلاف ورزی نہ کرو، اور اپنا ہاتھ قبر میں کر لو۔ کیونکہ یہ سراسر درازدستی ہے۔ حضرت شیخ الاسلام کے کہنے پر آپ نے ایسا کر نابند کر دیا۔

وصال: آپ ایک مدت تک اہل ملتان اور دیگر خطوں کے لوگوں کو اپنی روحانی فیوض و برکات سے نوازتے رہے آخر ۸۱ سال کی عمر میں اس دار فانی سے دارالبقا کو ۵۴۷ھ بمطابق ۱۱۵۲ء میں کوچ کر گئے۔ آپ کو اسی حجرہ مبارک میں دفن کیا گیا جہاں آپ عبادت کیا کرتے تھے آپ کا مزار بوہڑ گیٹ کے اندر محلہ شاہ گردیز میں واقع ہے جو اپنے فن تعمیر میں بہترین ہے۔

☆

تعارفِ مؤلف

عالم فقری ایک سیدھے سادھے شریف النفس مسلمان ہیں۔ آپ نے زُہد و تقویٰ کی راہ اختیار کر رکھی ہے۔ آپ خشیتِ الٰہی کے بے حد قائل ہیں۔ آپ کے پیشِ نظر زندگی کی سب سے بڑی متاع حُبِّ الٰہی اور عشقِ رسولؐ ہے، جس کا حصول فقرِ صادق کے ذریعے ہوتا ہے۔ جس کی بُنیاد قرآن و سُنّت ہے۔ اسی لیے آپ شب و روز راہِ طریقت پر گامزن ہیں۔

والدین : آپ کے والد ماجد کا اسمِ گرامی محمد اسماعیل تھا۔ جن کے آباؤ اجداد موضع بھتھہ باوا تحصیل پسرور ضلع سیالکوٹ کے رہنے والے تھے اور زمینداره کرتے تھے مگر جب خاندان کے افراد زیادہ ہُوئے تو ان کے والدِ ماجد اندرون شیرانوالہ گیٹ لاہور آکر آباد ہو گئے اور یہیں آپ کے والد ۱۹۰۱ء میں پیدا ہُوئے۔ بچپن میں ہی آپ کے والد یتیم ہو گئے اور قلعہ سوبھا سنگھ کے قریب ایک گاؤں میں پرورش پائی۔ جوانی کے عالم میں انہوں نے بڑھئی کا کام سیکھا اور چاہ میراں لاہور میں آکر رہائش اختیار کی۔ آپ کے والد ہاتھ سے کسبِ حلال کمایا کرتے تھے اور ساری زندگی عسرت اور توکّل میں بسر کی۔ آپ کے والد پیر حافظ جماعت علی شاہ محدّث علی پُور کے سلسلہ نقشبندیہ میں مرید تھے۔ ان کا وصال ۱۹ مئی ۱۹۷۳ء کو ہوا، اور ان کی قبر کوٹ خواجہ سعید کے قبرستان میں ہے۔ آپ کی والدہ کا نام عائشہ بی بی ہے جو موضع وشوا ضلع امرتسر کی رہنے والی ہیں۔ آپ نیک اور صالح خاتون ہیں۔

پیدائش آپ کی ولادت ۱۳ ستمبر ۱۹۴۵ء بروز جمعرات صبح ۸ بجے محلہ میراں حسین آپ کے جدّی مکان چاہ میراں لاہور میں ہوئی۔ آپ کی والدہ محترمہ کا بیان ہے کہ ان کے ہاں آپ سے پہلے جو بچہ بھی پیدا ہوتا تھا وہ کچھ عرصہ کے بعد اللہ کو پیارا

ہو جاتا۔ چنانچہ آپ سے پہلے آپ کے آٹھ بھائی یکے بعد دیگرے اللہ کو پیارے ہو گئے تو پھر ایک دن آپ کے والدین نے ایک ولی کامل سید چراغ شاہ مندراں والا نارووال سے اللہ کے حضور اولاد کے زندہ رہنے کے لیے دُعا کروائی۔ انہوں نے آپ کے والدین کو تسلّی دی کہ اب کے جو بچّہ پیدا ہو گا، وہ انشاء اللہ حیات پائے گا اور نیک بخت بھی ہو گا لہٰذا ان کی دُعا کا اثر ہے کہ آپ بچپن ہی سے نیک خُو اور اللہ کے بندوں سے محبت رکھنے والے ہیں۔

تعلیم و تربیت

عالم فقری نے اپنی تعلیمی زندگی کا آغاز ایم سی پرائمری سکول چاہ میراں سے کیا۔ پرائمری کے بعد وہ اسلامیہ ہائی سکول مصری شاہ میں ۵ سال تک طالب علم رہے۔ ساتویں جماعت میں سارے سکول میں اوّل پوزیشن حاصل کی، پھر ۱۹۶۳ء میں میٹرک کے امتحان میں وظیفہ حاصل کیا اور ۱۴۷ نمبر حاصل کیے۔ مگر مالی حالات درست نہ ہونے کی وجہ سے کالج میں داخل نہ ہُوئے بلکہ ملازمت اختیار کرنے کے ساتھ ساتھ ۱۹۶۵ء میں انٹرمیڈیٹ، ۱۹۶۷ء میں بی اے اور ۱۹۶۹ء میں ایم اے اسلامیات پرائیویٹ کیا، پھر ایم اے اردو کیا۔ ۱۹۷۳ء میں حمایت اسلام لاء کالج میں داخلہ لیا اور ۱۹۷۵ء میں وہاں سے ایل ایل بی کا امتحان پاس کیا۔

دینی تعلیم

آپ کو والدین کی دعاؤں سے بچپن ہی سے دینی علم حاصل کرنے کی بڑی تڑپ تھی۔ ذرا ہوش سنبھالنے پر آپ نے دربار حضرت سید میراں حسین کی مسجد میں ایک قاری صاحب سے ابتدائی قاعدہ پڑھا۔ اس کے کچھ عرصہ بعد مولانا نظام الدین صاحب خطیب و امام سے قرآن مجید ناظرہ ۱۹۵۵ء میں پڑھا۔ پھر کچھ عرصہ ذاتی شوق کے تحت ان سے ابتدائی دس سپاروں کا ترجمہ بھی پڑھا۔ اسکے بعد دوسرے علماء سے ابتدائی عربی کی تعلیم حاصل کی۔ آخر مولانا مہر الدین صاحب سے صرف، نحو اور قرآن پاک کی تفسیر کی تعلیم مکمل کی۔

ذریعہ معاش

میٹرک پاس کرنے کے بعد آپ کو ذریعہ معاش کا فکر دامن گیر ہوا۔ چونکہ آپ کے والدین کے معاشی حالات تنگ تھے اس

لیے آپ نے کالج میں پڑھنے کی بجائے سکارپ نمبر ا سرکل میں ۷ جولائی ۱۹۶۳ء کو بطور
کلرک ملازمت کرلی اور عرصہ نو سال تک شیخوپورہ میں رہے، پھر لاہور تبادلہ ہو گیا۔ آخر
۳۱ مئی ۱۹۸۲ء کو محکمہ سے استعفیٰ دے دیا اور پھر کتابوں کی اشاعت کا کام شروع کر لیا۔

سیر و سیاحت

آپ کو علمی اور مشاہداتی سفر کرنے کا بڑا شوق ہے۔ اس غرض سے آپ
نے بہت سے علاقوں کی سیاحت کی ہے۔ اب تک آپ مندرجہ ذیل
مقامات پر گئے ہیں۔ ہنزہ گلگت، مانسہرہ۔ ایبٹ آباد، بالاکوٹ۔ کاغان۔ ناران۔ جھیل
سیف الملوک۔ راولپنڈی۔ مری۔ کوہالہ مظفر آباد، اسلام آباد، حسن ابدال۔ مردان۔ نوشہرہ۔
درگئی۔ منگورہ۔ سوات۔ مدین۔ بحرین۔ دیر۔ چترال۔ بمبریٹ کافرستان۔ پشاور۔ جہلم۔
میرپور۔ کھڑی شریف۔ گجرات۔ سیالکوٹ۔ نارووال۔ ظفروال۔ گوجرانوالہ۔ رنمل شریف۔
سرگودھا۔ بھلوال۔ آدھی کوٹ۔ نورپور تھل۔ خوشاب۔ جھنگ۔ فیصل آباد۔ شورکوٹ۔
سمندری۔ گوجرہ۔ سلطان باہو۔ بستی سخی سرور، تونسہ شریف۔ ملتان۔ ساہیوال۔ پاک پتن۔
قصور۔ چمن۔ زیارت۔ کوئٹہ۔ کراچی۔ امرتسر۔ دہلی۔ پانی پت۔ آگرہ۔ کلیر شریف۔ اجمیر شریف۔

ارادت

آپ نے طریقت کے راستے پر چلنے کے لیے قبلہ حاجی محمد انور اختر صاحب
کی ۱۹۷۱ء میں ارادت اختیار کی جو آپ کے قریبی آبادی میں رہائش پذیر
ہیں۔ ان دنوں قبلہ حاجی صاحب نے آپ کے محلے میں آکر پرچون کی دوکان کی۔ لہٰذا آپ اکثر
صبح ملازمت پر جاتے اور واپسی پر آتے ہوئے آپ کی خدمت میں حاضری دیتے رہے۔
اس وقت سے لے کر آج تک آپ کا معمول ہے کہ آپ روزانہ دن میں ایک مرتبہ
ان کی خدمت میں حاضر ہونے کو اپنی خوش بختی تصوّر کرتے ہیں۔ آپ کے دل میں قبلہ
حاجی صاحب کا بے حد احترام ہے۔

ریاضت

آپ ریاضت کے ازحد قائل ہیں۔ اس غرض سے آپ یادِ الٰہی کو
ازحد ترجیح دیتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ ہر دم اللہ کو دل میں یاد رکھنے
کے لیے کوشاں رہنا چاہیے اور یادِ الٰہی رہنما کی توجہ سے قائم رہتی ہے مگر اس کے
ساتھ ہی حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی سے کبھی غافل نہیں ہونا چاہیے اور جس طرح

رہنما چاہے اس کی اطاعت کرنی چاہیے کیونکہ اللہ کے بندوں کی اطاعت اور خدمت کے بغیر کچھ نہیں ملتا ہے۔ آپ پورے رمضان المبارک میں دنیاوی کام کاج چھوڑ کر یادِ الٰہی میں مشغول رہتے ہیں اور رمضان المبارک میں اکثر مسجد میں معتکف رہتے ہیں۔

سفرِ حرمین آپ ۵ اگست ۱۹۸۵ء کو کراچی سے بذریعہ ہوائی جہاز حج کے سفر پر گئے۔ اور ۱۶ ستمبر ۱۹۸۵ء کو واپس کراچی آئے۔ مکّہ میں آپ مسفلہ کے علاقے میں رہے۔ دورانِ قیام آپ بڑی رقّتِ قلبی کے ساتھ حرم پاک میں محوِ عبادت رہے۔ فرضی عبادت کے ساتھ آپ نے وہاں نفلی عبادت اور خصوصاً ذکرِ الٰہی میں بہت کثرت کی۔ ۸ ذوالحجہ یعنی ۲۵ اگست سے ۲۸ اگست یعنی ۱۲ ذوالحجہ تک آپ نے منیٰ عرفات اور مزدلفہ میں مناسکِ حج بڑی عجز و انکساری کے ساتھ ادا کیئے۔ اس کے علاوہ آپ نے ۷ مرتبہ عمرہ کیا۔ ۶ ستمبر ۱۹۸۵ء کو آپ مدینہ منورہ میں بوقتِ جمعہ مسجدِ نبوی میں حاضر ہوئے۔ نمازِ جمعہ کے بعد روضۂ رسولؐ پر بڑے عجز و نیاز کے ساتھ حاضری دی اور حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں سلام پیش کیا۔ ۱۴ ستمبر ۱۹۸۵ء تک آپ مدینہ منوّرہ میں رہے۔ دورانِ قیام آپ نے درودِ پاک بہت کثرت سے پڑھا۔ مکّہ اور مدینہ منورہ میں آپ نے اہم مقدس مقامات کی زیارت بھی کی۔

علم و ادب آپ کو دینی علوم سے خصوصی دلچسپی ہے اور آپ نے تحریر کے ذریعے خدمتِ دین کا بیڑہ اٹھا رکھا ہے۔ آپ نے ۱۹۶۸ء سے لے کر اب تک چند کُتب لکھی ہیں جن کی تفصیل حسبِ ذیل ہے:

۱۔ آفتابِ زنجان ۲۔ تذکرہ حضرت سیّد میراں حسین زنجانی ۳۔ فوائد الصلوٰۃ
۴۔ قرآن اور توبہ ۵۔ قرآن اور رزقِ حلال ۶۔ تذکرہ حضرت کرم الٰہی
۷۔ قرآن اور روزہ ۸۔ احکامِ طہارت ۹۔ اذکارِ قرآنی
۱۰۔ گلزارِ صوفیا۔ ۱۱۔ احکامِ نماز ۱۲۔ احکامِ زکوٰۃ
۱۳۔ تذکرہ حضرت علی احمد صابر کلیری۔

شادی، اولاد آپ نے ۱۲ دسمبر ۱۹۷۱ء کو حنیفہ شمیم سے شادی کی اور آپ کی

اولاد حسبِ ذیل ہے:

۱۔ جاوید فقری ۔ تاریخ پیدائش ۲۲-۱۱-۷۲ بروز بدھ
۲۔ شاہین تاریخ پیدائش ۶-۷-۱۹۷۵ بروز اتوار
۳۔ کاشفہ " " ۸-۹-۱۹۷۷ء بروز جمعرات
۴۔ محسن فقری " " ۷-۶-۱۹۸۱ء
۵۔ قدوس فقری " " ۱۱-۱۰-۱۹۸۳ء بروز منگل
۶۔ حبیب فقری " " ۹-۳-۱۹۸۶ء بروز اتوار

بھائی و ہمشیرگان

آپ کے آٹھ بھائی اور دو ہمشیرہ بچپن ہی میں فوت ہو گئیں۔ اس کے علاوہ آپ کی دو ہمشیرگان تھیں۔ ایک کا نام نسیم اختر اور دوسری کا نام نسرین اختر تھا۔ ان میں سے نسیم کا انتقال ۶ ستمبر ۱۹۸۶ء بروز ہفتہ ۷ بجے شام کو ہوا، ان کی قبر برج اٹاری قبرستان میں ہے۔ آپ کی ایک ہمشیرہ بقیدِ حیات ہیں۔

ادارہ پیغام القرآن

دینی خدمت کے پیشِ نظر آپ نے ۱۲ ربیع الاوّل ۱۴۰۲ھ کو دینی اور قرآنی پیغام کو دور و نزدیک لوگوں میں پھیلانے کے لیے ادارہ پیغام القرآن قائم کیا۔ جس کے ذریعے آپ رسائل اور کتب چھاپ کر فری تقسیم کرتے ہیں۔ اور اسی ادارہ کے زیرِ اہتمام آپ کے مکان میں لوگوں کے مطالعے کے لیے فری دارالمطالعہ فقری لائبریری سرگرم عمل ہے۔ ادارہ کے امیر جناب حاجی انور اختر صاحب ہیں۔

اخلاق و کردار

آپ نہایت ہی نرم مزاج ہیں۔ ہر ملنے والے کا انتہائی احترام کرتے ہیں۔ آپ نے اپنی زندگی کا ہر لمحہ یادِ الٰہی اور قلمی خدمت کے لیے وقف کر رکھا ہے۔ آپ کی زندگی کا مقصد ہر قسم کے دنیوی مفاد اور حرص و طمع سے بالاتر ہو کر اخلاص کے ساتھ، حصولِ معرفت ہے۔

آخر میں میری دُعا ہے کہ اللہ انہیں اپنی خاص رحمت میں رکھے اور دین و دُنیا میں کامیابی عطا فرمائے۔ ۱۰-۱۱-۱۹۸۶ء

غلام محمد بھٹی

لاہور کے اولیاء کے مستند حالات و واقعات
تذکرہ اولیائے لاہور
لاہور اولیاء کا شہر ہے حضرت علی ہجویریؒ، حضرت سید میراں حسین زنجانیؒ، حضرت شاہ حسینؒ، حضرت میاں میرؒ، حضرت پیر مکیؒ، حضرت شاہ جمالؒ، حضرت شاہ محمد غوثؒ اور لاہور کے دیگر اولیاء کا مکمل تذکرہ
علامہ عالم فقری
شبیر برادرز ○ اردو بازار ○ لاہور